

نقل: لا یطیل معہ اول
 دیگر دستخط ہستم کتب خانہ کتاب مسرودہ سمجھی جاوے گی

قد فرغنا من الرد علی قوم یستوف آریہ فالحمد للہ رب العالمین
 انا اذا انزلنا سلاحة قوم فساء صباح المنذرين

ہم آپ کی کار دیکھنے سے فراغت کر چکے سو اس خدا کو سب تعریف ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے
 ہم جب ایک قوم پر چڑھائی کرتے ہیں اور انکے صحن میں اترتے ہیں تو وہ صبح ان کی ایک ٹہری
 صبح ہوتی ہے جو تباہی کی خبر دیتی ہے

=====

یہ کتب آریہ صاحبوں کے اس مضمون کے جواب میں ہو جسکو انہوں نے اپنے مذہبی جلسہ میں دسمبر ۱۹۰۸ء میں
 ہوا جب چار سو معزز ہماری جماعت کے مسلمانوں کے خود انکو اپنے گھر میں بلارکھتے تھے اور پھر اسے سید مولیٰ
 نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین اور دشنام دہی سے برکتا جس میں دین اسلام پر جارحانہ توہین اور
 ہنسائی اور ٹھٹھا لگایا تھا اور نہایت شوخی سے گندی گالیاں دے کر ادبے نیا ہتھیں ہمارے
 مقدس ذات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر لگا کر صدمہ مسلمانوں کو خود مدعو کر کے نہایت دکھ
 دیا تھا اور اس کتاب کا نام ہے



از مولفات حضرت مرزا غلام احمد صاحب حج و عمرہ

جو ۱۵ مئی ۱۹۰۸ء کو

طبع انوار احمدیہ پریس قادیان ضلع گورداسپور میں طبع ہوئی
 باہتمام شیخ یعقوب علی تراز منیجر

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
 مُحَمَّدٌ عَلَى سَؤْلِهِ الْكَرِيمِ
 رَبَّنَا آفْتَنَ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَأَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ آمِينَ
 اے ہمارے خدا ہم میں اور ہماری قوم میں سچا فیصلہ کرے اور تو سب سے بہتر فیصلہ کریں والا ہے۔

جب سے خدا نے مجھے مسیح موعود اور مہدی مہر و کا خطاب دیا ہے میری نسبت جوش اور غضب اُن لوگوں کا جو اپنے متین مسلمان قرار دیتے ہیں اور مجھے کافر کہتے ہیں انتہا تک پہنچ گیا ہے پہلے میں نے صاف صاف اُدّٰلہ کتاب اللہ اور حدیث کو اپنے دعوے کو ثابت کیا مگر قوم نے دانستہ اُن دلائل کو منہ پھیر لیا اور پھر میرے خدا نے بہت سے آسمانی نشان میری تائید میں دکھلائے مگر قوم نے اُن سے بھی کچھ فائدہ نہ اٹھایا اور پھر اُن میں سے کوئی لوگ مباہلہ کیلئے اٹھے اور بعض نے علاوہ مباہلہ کے الہام کا دعویٰ کر کے یہ پیشگوئی کی کہ فلاں سال یا کچھ مدت تک اُن کی زندگی میں ہی یہ عاجز ہلاک ہو جائیگا مگر آخر کار وہ میری زندگی میں خود ہلاک ہوئے مگر نہایت افسوس ہے کہ قوم کی پھر بھی آنکھ نہ کھلی اور انہوں نے یہ خیال نہ کیا کہ اگر یہ کار و بار انسان کا ہوتا تو ہر ایک پہلو سے وہ مغلوب نہ ہوتے۔ قرآن شریف اُنکو جھوٹا ٹھہراتا ہے معراج کی حدیث اور حدیث اِمام حکم منکم اُنکو جھوٹا ٹھہراتی ہے۔ مباہلہ کا انجام اُنکو جھوٹا ٹھہرانا ہے۔ پھر اُنکے ہاتھ میں کیا ہے جو خدا کے اس فرستادہ کی دلیری سے تکذیب کر رہے ہیں جو تقریباً چھتیس برس کا کھوتی اور راستی کی طرف ہٹا رہا ہے کیا اُنکے انہوں نے

ملاحظہ فرمائیے۔ بعض کم سمجھ لوگ جو کتاب اللہ اور حدیث نبوی میں تدبیر نہیں کرتے وہ میرے مہدی ہونے کو سنکر یہ کہہ کر تھمے ہیں کہ مہدی موعود تو سادات میں سے ہو گا سو یاد رکھو کہ باوجود اس قدر جوش و خروش کے اُنکو اس حدیث نبوی پر بھی عبور نہیں مہدی کی نسبت احادیث میں چار قول ہیں (۱) ایک یہ کہ مہدی سادات میں سے ہو گا (۲) دوسرا یہ کہ قریش میں سے سادات ہو گا (۳) تیسرے یہ حدیث ہے کہ راجل من اُمتی یعنی مہدی میری اُمت میں سے ہو گا وہی مہدی ہے جو عیسیٰ کے نام پر آئیگا۔ اسی آخری قول کے مصدق وہ اقوال محدثین ہیں جن میں یہ بیان ہے کہ مہدی کے بارے میں جو عقائد احادیث میں ہیں۔ حدیث عیسیٰ مہدی کے کوئی اُن حق حویشوں میں سے جس سے خیال نہیں ہو گا عیسیٰ کا مہدی ہونا بلکہ سب سے بڑا مہدی ہونا تمام اہل حدیث اور ائمہ اربعہ کے نزدیک بغیر کسی نزاع کے مسلم ہے۔ پس میں مہدی مہدی ہوں جو عیسیٰ بھی کہتا ہے اور اس مہدی کے لئے شرط نہیں ہے کہ حسن یا حسین یا شعیل ہو۔ غرض

آیت کریمہ یصبرکم بعض الذین یعدوکم کا مرزہ نہیں چکھا۔ کہاں ہی مولوی غلام کو شکر ہو سکتا ہے اپنی کتاب فیض رحمان میں میری ہلاکت کے لئے بددعا کی تھی اور مجھے مقابل پر رکھ کر تجھوٹے کی موت چاہی تھی؟ کہاں ہی مولوی چراغ دین جملہ والا جس نے الہام کے دعوے سے میری موت کی خبر دی تھی اور مجھ سے مباہلہ کیا تھا۔ کہاں ہی فقیر مرزا جو اپنے مریدوں کی ایک بڑی جماعت رکھتا تھا جس نے بڑے زور و شور سے میری موت کی خبر دی تھی اور کہا تھا کہ عرش پر خدا نے مجھے خبر دی ہے کہ شیخ غفری ہی آئندہ رمضان تک میری زندگی میں ہلاک ہو جائے گا۔ لیکن جب رمضان آیا تو پھر آپ ہی طاعون سے ہلاک ہو گیا۔ کہاں ہی سعد اللہ لودھاوی؟ جس نے مجھ سے مباہلہ کیا تھا اور میری موت کی خبر دی تھی آخر میری زندگی میں ہی طاعون سے ہلاک ہو گیا۔ کہاں ہی مولوی محی الدین لکھو کے والا؟ جس نے مجھے فرعون قرار دیکر اپنی زندگی میں ہی میری موت کی خبر دی تھی اور میری تباہی کی نسبت کئی اور الہام شائع کئے تھے آخر وہ بھی میری زندگی میں ہی دنیا سے گزر گیا۔ کہاں ہی بابا الہی بخش صاحب مؤلف حصائے موسیٰ اکوٹ لاهور؟ جس نے اپنے تئیں موسیٰ قرار دیکر مجھے فرعون قرار دیا تھا اور میری نسبت اپنی زندگی میں ہی طاعون سے ہلاک ہونے کی پیشگوئی کی تھی اور میری تباہی کی نسبت اور بھی بہت سی پیشگوئیاں کی تھیں آخر وہ بھی میری زندگی میں ہی اپنی کتاب حصائے موسیٰ پر جھوٹ اور افترا کا ادراغ لگا کر طاعون کی موت سے بے حسرت مرا۔ اور ان تمام لوگوں نے بجا ہا کہ میں اس آیت کا مصداق ہو جاؤں کہ اِنَّ يٰۤاٰتِیَکَ کَاۤذِبًا فَعَلَیْہِ کَذِبًا۔ لیکن وہ آپ ہی اس آیت ممدوحہ کا مصداق ہو کر ہلاک ہو گئے۔ اور خدا نے ان کو ہلاک کر کے مجھ کو اس آیت کا مصداق بنا دیا۔ وَاِنَّ يٰۤاٰتِیَکَ صَادِقًا یٰۤاٰتِیَکَ بَعْضُ الَّذِیۡ یَعِدُّکُمْ۔ کیا ان تمام دلائل سے خدا تعالیٰ کی حجت پوری نہیں ہوئی۔ مگر ضرور تھا کہ مخالف لوگ انکار سے پیش آئے کیونکہ پہلے سے یعنی آج سے چھتیس برس پہلے براہین احمدیہ میں خدا کی یہ پیشگوئی موجود ہے دنیا میں ایک نذیر آیا ہے دنیا نے اُس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کرے گا اور بڑے زور اور حملوں سے اُسکی سچائی ظاہر کر دیگا۔ سو ہم ایمان رکھتے ہیں کہ خدا اپنے حملوں کو نہیں روکے گا اور نہ

ایس کر یکجا جب تک کہ دنیا پر میری سچائی ظاہر نہ ہو جائے۔

لیکن آج ۵ مئی ۱۹۵۷ء کو میرے دل میں ایک خیال آیا ہے کہ ایک اور طریق فیصلہ کا ہے شاید کوئی خدا ترس اس کا فائدہ اٹھائے اور انکار کے خطرناک گرداب سے نکل آئے اور وہ طریق یہ ہے کہ میرے مخالف منکروں میں سے جو شخص اشد مخالف ہو اور مجھ کو کافر اور کذاب سمجھتا ہو وہ کم سے کم دس نامی مولوی صاحبوں یا دس نامی رئیسوں کی طرف سے منتخب ہو کر اس طور سے مجھ سے مقابلہ کرے جو دو سخت بیماروں پر ہم دونوں اپنے صدق و کذب کی آزمائش کریں یعنی اس طرح پر کہ دو خطرناک بیمار لیکر جو جدا جدا بیماری کی قسم میں مبتلا ہوں قرعہ اندازی کے ذریعے دونوں بیماروں کو اپنی اپنی دعا کیلئے تقسیم کر لیں۔ پھر جس فریق کا بیمار بکلی اچھا ہو جائے یا دوسرے بیمار کے مقابل پر اس کی عمر زیادہ کی جائے وہی فریق سچا سمجھا جائے۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اور میں پہلے سے اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر بھروسہ کر کے یہ خبر دیتا ہوں کہ جو بیمار میرے حق میں آویگا یا تو خدا اسے بکلی صحت دیگا اور یا بے نسبت دوسرے بیمار کے اس کی عمر بڑھا دیگا اور اپنی میری سچائی کا گواہ ہوگا۔ اور اگر ایسا نہ ہو تو پھر یہ سمجھو کہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں۔ لیکن یہ شرط ہوگی کہ فریق مخالف جو میرے مقابل پر کھڑا ہوگا وہ خود اور ایسا ہی دس اور مولوی یا دس رئیس جو اس کے ہم عقیدہ ہوں یہ شائع کر دیں کہ درحالت میرے غلبے کے وہ میرے پر ایمان لائیں گے اور میری جماعت میں داخل ہونگے اور یہ اقرار تین نامی اخباروں میں شائع کرانا ہوگا۔ ایسا ہی میری طرف سے بھی ہی شرط ہوگی۔ اس قسم کے مقابلہ کو فائدہ یہ ہوگا کہ کسی خطرناک بیمار کی جو اپنی زندگی کو نوید ہو چکا ہے خدا تعالیٰ جان بچائے گا اور احیاء موتی کے رنگ میں ایک نشان ظاہر کریگا۔ اور دوسرے یہ کہ اس طور سے یہ جھگڑا بڑے آرام اور سہولت سے فیصلہ ہو جائیگا۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اتَّبَعَ الْهُدٰی

المشتمل میرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعودؑ ۵ مئی ۱۹۵۷ء

آپ یہ بھی شرط ہے کہ دو شخص عام لوگوں میں سے نہ ہو بلکہ قوم میں خصوصیت اور علمیت اور عزت اور تقویٰ کے ساتھ مشہور ہو۔ جس کا مغلوب ہونے کی حالت میں دوسروں پر اثر پڑ سکے۔ منہ



میری طرف سے اس کتاب کے ہر ایک ٹھٹھنے والے کو خدا تعالیٰ کی قسم ہے کہ
اس کتاب کے پڑھنے سے پہلے اس مضمون کو پڑھ لے

اگرچہ میں نے اپنی کئی کتابوں میں آریہ صاحبوں کے ان تمام حملوں کا جواب دیا ہے جو اسلام پر وہ
کیا کرتے ہیں چنانچہ میں نے اس زمانہ میں بھی ان کے شبہات کے رد میں اپنی کتاب براہین احمدیہ کو
شائع کیا تھا جسکے پنجاب میں آریہ مذہب کی ابھی تخم ریزی ہوئی تھی اور براہین احمدیہ کی تالیف کا یہ
باعث ہوا تھا کہ پنڈت دیانند نے سر نکالتے ہی اسلام پر زبان کھولی اور اپنی کتاب ستیا رتھ پرکاش
میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت بے ادبی کی اور قرآن شریف کا بہت توہین کے ساتھ ذکر کیا۔
یہ وہ زمانہ تھا جس پر آج سو قریب اٹھائیس برس گزر گئے۔ امید تھی کہ آریہ لوگ میری اس کتاب کے بعد
اپنی زبان بند کر لیتے لیکن افسوس کہ آریہ صاحبوں کے ایسے دل ہیں کہ وہ اپنی عادت کے باز نہ آئے۔
بلکہ دن بدن بڑھتے گئے اور جب انکی بدزبانی انتہا تک پہنچ گئی تو ان میں ایک شخص لیکچرار نام
پیدا ہوا۔ اور لیکچرار نے میری بدزبانی پر بس نہ کی بلکہ اپنی موت کیلئے مجھ سے پیشگوئی چاہی چنانچہ
میں نے اسکے بار بار کے اصرار کو جس سے خدا نے عز و جل سے اطلاع پا کر اسکو خبر کر دی کہ وہ چلے
برس کے اندر مر جائیگا مگر اس نے اس پر کھاتے نہ کر کے مجھ سے تحریری مباہلہ کیا اور ایسے وقت میں
اُس نے مباہلہ کیا جسکے خدا کے نزدیک اسکی زندگی کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ اُس نے اپنے مباہلہ میں جو
اسکی کتاب خبط احمدیہ میں درج ہو کر اسکے مرنے سے ایک مدت پہلے شائع ہو گیا تھا اس مضمون
کی دعا کی جس کا خلاصہ مطلب یہ تھا کہ اے پرہیزشرا! میں جانتا ہوں کہ چاروں وی دیتے ہیں اور

آفران شریف (نمودہ) باشند جھوٹا ہو اور اسی بناء پر میں مرزا غلام احمد قادیانی سے مباہلہ کرتا ہوں پس اگر میں اس عقیدہ میں سچا نہیں ہوں تو اسے ہمیشہ میری مراد کے مخالف فیصلہ کر اور جو شخص تیری نظر میں جھوٹا ہو سچے کی زندگی میں ہی اس کو سزا دے اور اپنے قطعی فیصلہ سے سچائی کو ظاہر فرما چنانچہ خدا نے اس مباہلہ کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ لیکھرام کو میری زندگی میں ہی ہلاک کر دیا۔ اور اب اس کی موت پر بارہواں سال گزر رہا ہو مگر افسوس یہ ہو کہ آریوں نے خدا تعالیٰ کے اس صریح اور کھلے نشان کو کچھ فائدہ نہیں اٹھایا بلکہ انکی شوخی پہلے سے بھی زیادہ ہو گئی۔

بعد اسکے ایسا اتفاق ہوا کہ سب سے پہلے انکی طرف سے مذہبی جلسہ کیلئے ایک اشتہار نکلا۔ اور وہ اشتہار خصوصیت سے میری طرف بھیجا گیا اور میری جماعت کے بہت سے معزز لوگوں میں تقسیم کیا گیا۔ جس کا حاصل مطلب یہ تھا کہ ایک مذہبی جلسہ ہو گا آپ صاحب قسریٹ لائیں اور اپنے مذہب کی تائید میں لکھ کر مضمون لادیں مضمون میں یہ شرط ہو کہ کسی فرقہ کا کوئی مضمون خلاف تہذیب ہو اور علاوہ اسکے میری طرف کئی انگساری کے خط لکھے کہ ہم لوگ آپ کے درشن کے بھی مشتاق ہیں۔ چونکہ مومن سادگی سے خالی نہیں ہوتا میں اس اشتہار اور ان خطوط کو پڑھ کر بہت خوش ہوا اور دل میں سوچا کہ آویہ صاحبوں نے آخر کار زمانہ کی ہوا دیکھ کر اپنی بدکلامی اور بد تہذیبی سے توبہ کر لی ہے اور یہ بھی خیال آیا کہ چونکہ بعض آریوں کی بعض حرکات کی وجہ سے گورنمنٹ کو اس فرقہ کی نسبت کچھ شکوک و شبہات پیدا ہو گئے تھے اس لئے غالباً یہ جلسہ ان شکوک کے ازالہ کیلئے ہے تا گورنمنٹ کو معلوم ہو کہ اب یہ آریہ قوم وہ آریہ نہیں ہیں جو پہلے تھے بلکہ انہوں نے اس گوشمالی کے بعد بڑی تبدیلی اپنے اندر حاصل کر لی ہے اور تہذیب کو اپنا پیرایہ بنالیا ہے اور وہ اس جلسہ سے گورنمنٹ عالیہ کو اپنی تہذیب کا نمونہ دکھانا چاہتے ہیں۔ سو اس خیال سے نہ صرف مجھے خوشی ہوئی بلکہ ہر ایک فرد میری جماعت کا بہت خوش تھا اور میرے عزیز و اقارب میرا یعقوب بیگ صاحب اسٹنٹ مسٹر جن لاہور تو گویا قسم کھانے کو اس بات کے لئے تیار تھے کہ یہ جلسہ بڑی تہذیب سے ہو گا اور انہوں نے کئی مرتبہ مجھے کہا کہ آپ آریوں کی پہلی حالت پر خیال نہ کریں۔ اب تو ان کے اندر بڑی تبدیلی معلوم ہوتی ہے۔ اور

میں نے اُنکو کہا بھی کہ عادت کا بدلنا مشکل ہے اور تجربہ ہو چکا ہے کہ اُن کی قلموں سے بجز گند کے اور کچھ نہیں نکل سکتا اور وہ ضرور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے مضمون میں تو ہیں کریں گے اور قرآن شریف کا ذکر تکذیب اور ہتک کے الفاظ سے کرینگے۔ مگر ڈاکٹر صاحب موصوف مکاناتریوں ایسے دھوکہ میں آچکے تھے کہ وہ بار بار یہی کہتے تھے کہ وہ زمانہ گزر گیا اور اب میں دیکھتا ہوں کہ اُن کی کلام میں بڑی تہذیب اور شرافت پائی جاتی ہے اور انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ بڑی تہذیب سے یہ جلسہ ہوگا۔ دراصل میں تو نہ آریوں کے طبع دار اختیار پر اعتماد کر سکتا تھا اور نہ اُنکے انحصار کی کے خطوط مجھے تسلی دے سکتے تھے کہ وہ شرافت اور تہذیب سے مضمون سنائیے لیکن سادہ طبع ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب کے بار بار بیان سے میں دھوکہ میں آ گیا۔ بہر حال میں نے خطوط کے ذریعے سے کئی سو اپنے فرید کو اطلاع دی کہ وہ آریہ صاحبوں کے جلسہ پر حاضر ہوں اور اُن کو تسلی دی کہ آریہ صاحبان بڑی شرافت اور تہذیب سے مضمون سنائیے چنانچہ تاریخ مقررہ پر کئی سو معزز میری جماعت کے دور دراز ملکوں سے ہزار ہا روپیہ خرچ کر کے اُس جلسہ میں شامل ہوئے اور فی کس سہر کے حساب سے جلسہ کی مقررہ فیس بھی آریوں کو دی اور بہت روپیہ کے ساتھ اُنکا کیسہ پر کر دیا۔ اور ہماری طرف سے جو مضمون پڑھا گیا وہ اس کتاب کے ساتھ شامل ہوا اور پڑھنے والوں کو معلوم ہو گا کہ وہ کس تہذیب سے لکھا گیا تھا اور عجیب تر یہ بات ہے کہ جب میں مضمون ختم کر چکا تھا تو ساتھ ہی مجھ کو یہ الہام خدا کی طرف سے ہوا تھا انھم ما صنعوا وکید ساحر۔ ولا یفلح الساحر۔ حیث اتی۔ انت متی بمنازلۃ النجم الثاقب۔ ترجمہ۔ آریہ لوگوں نے جو یہ جلسہ جوڑ دیا، یہ مکار لوگوں کی طرح ایک مکر ہے اور اسکے نیچے ایک شرارت اور بدعتی مخفی ہے مگر غریب کو نیوٹلا میرے ہاتھ سے کہاں بھاگے گا؟ جہاں جائیگا میں اُسکو پکڑوں گا اور میرے ہاتھ سے چھٹکارا نہیں پائیگا۔ تو مجھ سے ایسا ہے جیسا کہ وہ ستارہ جو شیطان پر گرتا ہے۔

یہ وہ خدا تعالیٰ کی پیشگوئی ہے جو اُس مضمون کے ساتھ ہی چھاپ کر اس مذہبی جلسہ میں سنائی گئی تھی۔ اگر آریوں کے دلوں میں کچھ خدا کا خوف ہو تا اور کچھ شرافت ہوتی تو اس الہام الہی کے

شکر وہ تو ہیں اور نگذریں باز آجاتے مگر دوسرے دن جو انکا مضمون تھا اس میں انہوں نے حضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی اس قدر توہین کی کہ سارا مضمون گالیوں سے بھرا ہوا تھا۔ اگر میری طرف سے اپنی
جماعت کیلئے عبرت کی نصیحت نہ ہوتی اور اگر میں پہلے سے اپنی جماعت کو اس طور سے تیار نہ کرتا کہ وہ ہمیشہ بدگوئی
کے مقابل پر مہر کریں تو وہ جلسہ کا میدان خون سے بھر جاتا مگر یہ میری تعلیم تھی کہ اگر کسی نے جسٹول کو
روک لیا۔ آریوں نے ان معزز لوگوں کے منہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیں اور اسلام کی سخت
توہین کی لیکن وہ سب معزز مسلمان چپ رہے۔ وہ سخت طور پر دکھ دے گئے مگر انہوں نے دم مارا
صرف اتنا کہ انکے آریوں کے فوٹ بڑی احتیاط سے لکھ کر لے آئے اور میں نے دیکھا کہ انکو آریوں کے
مضمون بڑا صدمہ پہنچا۔ غاصک اس وجہ سے کہ گھر پر بلا کر گالیاں دی گئیں۔ اگر اپنے طور پر کوئی کتاب شائع
کرتے تو اور بات تھی۔ ان کے دل پاش پاش ہو گئے۔ اور انکو جھوٹ بول کر دھوکہ دیا گیا۔ نہ معلوم کیا یہ
لوگ کس فطر کے انسان ہیں۔ ہر ایک شخص دوسرے کی حالت کو اپنے پر قیاس کر سکتا ہو۔ کیا وہ توہین جو انہوں نے
مسلمانوں کو گھر پر بلا کر اسلام کی کی۔ کیا وہ بدزبانی جو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مالواہ کی
وہ نہیں سمجھ سکتے تھے کہ ہم نے کیا کیا۔ اگر ہم اپنے مضمون میں جو انکے جلسہ میں سنایا گیا۔ یہی گالیاں انکے
رضیوں کو دیتے جنکو بقیل انکے پریشکریوں کے دیدار تھا اور یاد کی نسبت توہین سے پیش آتے۔ تو
کیا وہ جلسے اس مضمون سے خوش ہوتے؟ یقیناً سمجھو کہ اس انسان زیادہ تر خبیث اور ناپاک طبع کوئی نہیں
ہوتا کہ جو ہمارے گھر پر بلا دے اور پھر جس طرح بہت سارے دوسرے بھی وصول کئے اور آخر گالیاں دیو اور
دل دکھا کر رخصت کرے۔ بعض نے آریوں میں سے مضمون شائع کرنے کے بعد یہ بھی کہا کہ بیشک یہ مضمون
جو آریوں کی طرف سے سنایا گیا ہو یکنگندہ ہے اور اس میں توہین اور گالیاں ہیں مگر اسکی ہمیں اطلاع نہیں تھی۔
مگر کوئی عقلمند اس عذر کو باور نہیں کر سکا کہ یہ گندہ مضمون بغیر مشورہ ان معزز ممبروں کے سنایا گیا
تھا۔ غرض وہ فوٹ جو بڑی احتیاط سے لکھے گئے تھے انہیں کی بنا پر یہ رسالہ لکھا گیا جو جسمیں آریوں
کے اعتراضات کا جواب ہے اگرچہ ان کا رسالہ بھی مجھے پہنچ گیا ہو۔ مگر جن گندی باتوں کو ہزار ہا لوگوں نے
سننا تھا اس کا جواب اس رسالہ میں دیا گیا ہو۔ ممکن ہو کہ انہوں نے اپنے مطبوعہ رسالہ میں کی بیشی
کی ہو۔ اسکو خود ناظرین پڑھ لیں گے۔ میں نے یہ رسالہ دو غرض سے لکھا ہے۔ (۱) ایک یہ کہ ان
اعتراضوں کا جواب پبلک کو معلوم ہو جائے۔ (۲) دوسری یہ کہ مسلمانوں کے دلوں میں جو
آریہ لوگوں کی سخت گوئی کی وجہ ایک جوش ہو وہ جوش جواب ترکی شکر کم ہو جائے اور شاید آریہ لوگ
آئندہ مزارِ اقدس سے باز آجائیں۔ والسلام علی من اتبع الهدی۔ الراقم میرزا غلام احمد قادیانی۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
نَحْمَدُكَ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِكَ الْكَرِيمِ

آریہ سماج کا جلسہ اور انکی شرافت کا نمونہ ان کی ویدی کی تعلیم اور انکے سبب کا ازالہ

سمیت ۱۹۰۷ء کے بعد جو رات تھی اس میں ختم ہو گیا۔ جو لوگ
ہمارے مضمون کے پڑھے جانے کے وقت حاضر تھے ان کو معلوم ہو گا کہ کس تہذیب اور
زعمی اور حکمرانی کا وہ مضمون تھا اور کس ادب سے ہم نے ان کے رشیدوں اور اوتاروں اور ان
لوگوں کے نام لئے جن کی طرف وہ منسوب کئے جاتے ہیں اور جو ان کی قوم کے پیشوا اور
رہبر خیال کئے جاتے ہیں۔ لیکن بقول شخصیکہ ہر ایک برتن سے وہی ٹپکتا ہے جو اس کے
اندر ہے۔ آریہ صاحبوں نے اپنے مضمون میں وہ گند ظاہر کیا اور اس قدر توہین اور تحقیر
انبیاء علیہم السلام کی کی جو اس سے بڑھ کر متصور نہیں ہو سکتی۔ بالخصوص ہمارے سید و مولیٰ
حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت وہ دلازار اور گندے لفظ اور توہین اور تحقیر
کے کلمے اور سراسر دروغ اور جھوٹی تہمتیں اور بے جا الزام جو ہر امر گالیل تھیں اس قدر

بار بار آواز بلند سے تمام مجمع کو سنائیں جو بیسی ہزار آدمی سو کم نہ تھا اور ایسے طور پر سمجھا سمجھا کر اپنے ناپاک اور فتنہ انگیز بیلن کو ادا کیا کہ اگر پاک طبع مسلمانوں کو اپنی تہذیب کا خیال نہ ہوتا اور جو جب قرآنی تعلیم کے صبر کے پابند نہ رہتے اور اپنے عقیدہ کو تمام نہ لیتے تو بلاشبہ یہ بد نیت لوگ ایسی اشتعال دہی کے مرتکب ہوئے تھے کہ قریب تھا کہ وہ جلسہ کا میدان خون سے بھر جاتا۔ مگر ہماری جماعت پر ہزار آفرین ہو کہ انہوں نے بہت عمدہ نمونہ صبر اور برداشت کا دکھایا اور وہ کلمات آریوں کے جو گولی مارنے سے بدتر تھے ان کو سن کر چپکے چپ رہ گئے۔ دراصل ہماری جماعت نے جو ان کی دعوت جلسہ کو قبول کیا تو وہ اپنی سااگی اور نیک نیتی سے ان کے دھوکہ میں آگئی۔ پیچھے سے پتہ لگ گیا کہ ان کا اس جلسہ میں بلانے سے اور ہی ارادہ تھا۔ پر ان مہذب لوگوں کے صبر اور برداشت نے اس بد ارادہ کو ظاہر نہیں ہونے دیا۔ اگر آریہ لوگ بغیر انعقاد جلسہ کے اپنے طور پر کوئی کتاب لکھتے اور یہ گالیلیں اس کتاب میں چھاپتے جیسا کہ سفلہ طبع لیکھرام نے اسی کام میں اپنی عمر گزاری جب تک کہ انکی زبان کی چھری نے اس دنیا سے اُسکو اٹھا لیا تو یہ اور صورت تھی لیکن ان لوگوں نے تو اپنے جلسہ میں جہان کے طور پر ہمیں مدعو کیا اور میری طرف پھر یا سائٹ انکساری کے خط لکھے اور مناقضانہ طور پر عجز و نیاز ظاہر کر کے یہ چاہا کہ ہم اس جلسہ میں شریک ہوں اور وعدہ کیا کہ کوئی بے تہذیبی نہیں ہوگی اور ہر ایک کے لئے مہذبانہ طرز کو شرط ٹھہرا دیا۔ اور مجھے ترغیب دی کہ جہاں تک ممکن ہو سکے آپ کی جماعت سُننے کیلئے آوے۔ میں ان کے خطوں کے پڑھنے سے جو سراسر نرمی سے لکھے گئے تھے بہت خوش ہوا اور دل میں خیال کیا کہ اگرچہ آریہ صاحبوں کی حالت جس قدر آج تک تجربہ میں آچکی ہو وہ یہی ہو کہ مجھ اپنے وید اور اس کے چار ریشیوں کے باقی تمام انبیاء علیہم السلام کو نہایت سمخت گالیاں دیتے اور طرح طرح کی توہین کرتے ہیں اور اس طرح پر کروڑ ہا مسلمانوں کے دلی دکھاتے ہیں لیکن کیا تعجب کہ اب ایک تازہ تنبیہ کی وجہ جو ان کے بعض افراد کی شوخیوں کی نسبت ضرور ناگورنٹ کی طرف سے عمل میں آئی ہے

اُن کے دل کسی قدر درست ہو گئے ہوں اور اس تنبیہ سے کسی قدر انہوں نے سبق حاصل کر لیا ہو اور صلح پسندی کی خواہش ظاہر کی ہو۔ مگر تیجے سے معلوم ہوا کہ یہ خیال بہار اسرار غلط تھا۔ اور خدا تعالیٰ کے پاک نبیوں کی نسبت اُن کی بد زبانی اب پہلے سے بھی بہت بڑھ کر ہو کیونکہ پہلے کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا کہ کسی جلسہ مذاہب میں جو اپنی طرف سے انہوں نے قائم کیا ہو مسلمانوں کو مدعو کیا ہو اور پھر عین جلسہ کے وقت میں اُن کے بزرگ اور برگزیدہ پیغمبروں کو گالیاں دی ہوں پس یہ پہلا موقع ہے جس میں آریوں نے اپنے مکان پر ہمیں بلا کر اور اُس مجمع میں پافنسو سے زیادہ مسلمان اکٹھے کر کے پھر گندی گالیاں کے ساتھ اُن کا دل دکھایا۔ یہ وہ واقعہ ہے جس کو وہ کسی طرح پوشیدہ نہیں کر سکتے۔

بارہا یہ اثبات ہو چکا ہے کہ یہ لوگ تمام برگزیدہ نبیوں کے دشمن ہیں نہ حضرت آدم کو بدگوئی سے چھوڑیں نہ حضرت نوح کو نہ حضرت ابراہیم کو نہ حضرت یعقوب کو نہ حضرت موسیٰ کو نہ حضرت داؤد کو نہ حضرت عیسیٰ کو نہ ہمارے سید و مولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جیسا کہ انکی کتابوں سے ظاہر ہے مگر افسوس کہ یہ بے باکی اور بدگوئی کا تخم بد قسمت دیانتداروں ملک میں لایا اور دوسرے آریہ حسب مناسبت اسکے وارث ہوئے۔ خاص کر لیکھ رام پشاور جو محض نادان اور ابلہ تھا اُن کا خاص چیلہ بنا۔ خیر وہ زمانہ تو گزر گیا مگر اس وقت مجھے بار بار افسوس آتا ہے کہ آریوں کے حال کے جلسہ میں کس قدر ہم نے نرمی اور ملائمت سے اُن کے بزرگوں کا ذکر کیا تھا جو سر اسرار محکاری سے بھرا ہوا تھا۔ اگر ان لوگوں میں ایک ذرہ بھی حیا ہوتی اور کچھ بھی شرافت ہوتی تو مسلمانوں کے روبرو جو چارنسو کے قریب معزز اور شریف لوگ اُن کے معمولات سن رہے تھے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کو مسلمانوں کے ایک مجمع کثیر کے روبرو استہد گندی گالیاں نہ دیتے کہ بجز نہایت خبیث آدمی کے کوئی شخص ایسے دلائل اور برقی میں الفاظ زبان پر نہیں لاسکتا معلوم ہوتا ہے کہ آریوں کا تکبر اور آریوں کی شرمی اور آریوں کی شرارت انتہاء تک پہنچ گئی ہے اور اب وہ خدا کی اصلاح اور اس کے آسمانی

کاموں کے محتاج ہیں۔ انسانی وعظ و نصیحت ہرگز ان کو کچھ کارگر نہ ہوگی۔ ان کو سوچنا چاہیے کہ اگر ہم بھی اپنے مضمون میں وہی طریق گالیوں کا اختیار کرتے اور ان کے دید کے رشیوں کی نسبت وہی گندے اور ناپاک لفظ اس مجمع میں استعمال میں لاتے تو کیا وہ خوش ہوتے۔ اور میں خیال نہیں کر سکتا کہ وہ لوگ ایسے احمق اور نادان ہیں کہ اس بات کو محسوس نہیں کر سکتے کہ وہ الفاظ جو استعمال کئے گئے نہایت درجہ رنج وہ اور جوش پیدا کر دیں گے اور خطرناک تھے نہیں نہیں بلکہ وہ ضرور محسوس کرتے ہیں مگر حمد اچاہتے ہیں کہ دکھ دیں اور فساد پیدا کریں عجیب تریہ کہ ان کے جلسہ کے پرونی ہونے کے لئے ہماری جماعت ہی کے بڑے بڑے معزز آدمی باعث ہوئے تھے اور انکی لاف و گزاف پر بھروسہ کر کے دور دور سے ریل اور یلوں کے ہزار ہا روپیہ کے اخراجات اٹھا کر اور اپنے کاموں کا خرچ کر کے انکے جلسہ میں شریک ہوئے تھے اور ہر ایک نے چار چار آنہ چندہ بھی ادا کیا تھا اور چونکہ وہ چار تنوں کے قریب آدمی تھے اس لئے اس جماعت کے چندوں کو بھی آریوں کو ایک سو روپیہ نقد وصول ہو گیا تھا۔ یہ تمام خرچ اور خرچ ہماری جماعت نے محض اسلئے کیا تھا کہ آریوں نے اپنا ایک اشتہار کے ذریعے سے جو ہندوستان سٹیٹس لائبریری میں چھاپا گیا تھا تمام فرقوں کو اپنے جلسہ میں بلایا تھا اور قسٹی دی تھی کہ اس جلسہ میں کوئی مضمون خلاف تہذیب نہ پڑھا جائیگا اور میری جماعت کے حاضر ہونے کیلئے خاص کر میری طرف چھ سات خط لکھے تھے جن میں محض منافقانہ طور پر بہت انکسار ظاہر کیا گیا تھا۔ مگر جب مہمانوں کے طور پر ہماری جماعت ان کے جلسہ میں حاضر ہوئی تو آریوں کی طرف سے یہ مہمان نوازی کی گئی کہ انکے پیارے اور بزرگ نبی علیہ السلام کی نسبت گندی گالیاں سنائی گئیں اور وہ لوگ آریوں کی بدنہانی سے نہایت دردمند اور زخمی دلوں کے ساتھ اپنے وطن کی طرف روانہ ہوئے۔

کیا یہی لوگ ہیں جو آئے دن صلح صلح کہتے ہیں۔ ہر ایک شخص جو اپنے تئیں مسلمان سمجھتا ہے اور اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے کچھ غیرت رکھتا ہو اسکو خوب یاد ہے کہ یہ

۵

لوگ سانپوں سے بدتر ہیں انکو مناسب تھا کہ اگر ہمارے انبیاء علیہم السلام کی نسبت ایسا ہی دشنام آمیز مضمون سُنانا تھا تو وہ یہ کہہ کر مسلمانوں کو رخصت کر دیتے کہ ہمارے مضمون ایک گندہ مضمون ہے اسلئے ہم پسند نہیں کرتے کہ آپ لوگ اس مضمون کو سُنیں۔ بلکہ انہوں نے تو اپنے مضمون کے سُنانے کے لئے بلند آواز سے سب کو کہا کہ کل آپ لوگ ہمارے مضمون ضرور اگر سُنیں اور ضرور آویں۔ مگر انہوں نے تہذیب کے وعدہ کو پورا نہ کیا بلکہ سرد مہذبانہ کے مضمون کے بعد جو ہماری طرف سے تھا پھر جب ہماری جماعت جو چار تنوکے قریب آدمی تھے اُن کا مضمون سُنتے کے لئے اُن کے جلسہ میں آئے تو انہوں نے نہایت بلند آواز سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کو وہ گالیاں دیں جن سے قریب تھا کہ جگر پھٹ جاتے۔ اُن میں سے کوئی نہیں کہہ سکتا کہ میری خلاف مرضی وہ مضمون عام جلسہ میں سُنا گیا تھا بلکہ کچھ شک نہیں کہ اس پر لے درجہ کی شرارت اور بدگوئی میں وہ سب شریک تھے اور اُن کے مشورہ سے یہ کام ہوا تھا اور یہی وجہ تھی کہ ایسے مضمون کو انہوں نے فی الفور روک نہ دیا بلکہ اکثر اُن کے چہنٹے اور اُس گندے مضمون کے پُھٹنے سے بہت خوش ہوتے اور کہتے تھے کہ بہت اچھا لکھا ہے اور خوب لکھا ہے۔

یہ ہے آری یہ صاحبوں کی توحید اور وید کی سنت و دیا۔ جو شخص ہمارے مضمون کو پڑھے گا جو آریوں کے جلسہ میں ۲۲ دسمبر ۱۹۰۷ء کی رات میں سُنا یا گیا اور پھر بمقابل اُس کے اُن کے اس مضمون کو دیکھے گا جو انہوں نے ۲۲ دسمبر ۱۹۰۷ء کی رات کو پڑھا تو اس پر واضح ہو جائیگا کہ نیکی کرنے والوں کے ساتھ اگر دنیا میں کوئی بدی کرنے والی قوم ہے تو یہی قوم ہے۔ پادری صاحبان بھی اگرچہ خدا تعالیٰ کے مقدس اور برگزیدہ نبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک کرنے میں دن رات مشغول ہیں۔ لیکن انہوں نے اب تک کبھی ایسا نہیں کیا کہ مسلمانوں کو اپنے مکان میں مدعو کر کے اور مہذبانہ تقریروں کا وعدہ دیکر پھر کوئی مضمون گندہ اور توہین آمیز سُنا یا ہو۔ اسی قسم کی شوخ چٹمی اور بدزبانی اور بے باکی

خاص آریوں کے حصہ میں ہے مگر ہم تمام قوم کو بدنام نہیں کرتے بسنا تن دھرم والے بھی تو قدیم آریہ ہیں جن کی کثرت کے مقابل پر یہ چھوٹا سا گروہ نئے آریوں کا کچھ بھی چیز نہیں۔ مگر ہزار ہا لوگ ان میں ایسے ہیں کہ جو شرافت سے کلام کرتے ہیں اور کسی نبی کی توہین نہیں کرتے اور بے حیائی اور بدزبانی سے پرہیز کرتے ہیں۔ مگر ان لوگوں کی نسبت کیا کہیں اور کیا لکھیں کہ بدزبانی میں حد سے بڑھ گئے ہیں۔ اگر پاک باطنی اور روحانیت کا کچھ حصہ نہیں تو آخر شرافت اور تہذیب بھی کچھ چیز ہے۔ مسلمان ان کے قدیم ہمسایہ تھے انکا دل کھلے کھلے طور پر دکھانا اور گالیوں کے ساتھ پیش آنا روانہ تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ یوں تو یہ لوگ وید وید کرتے ہیں مگر سچی پاکیزگی اور روحانیت اور خدا ترسی ان کے دلوں سے اٹھ گئی ہو اور اخلاق فاضلہ کے عوض کینہ اور شرارت اور بغض اور بداندیشی اور دل آزاری نے جگہ لے لی ہے جس کا انجام اچھا نہیں۔ خدا کو پسند نہیں کہ یہ بدزبانیاں اس کے پاک رسولوں کے ساتھ کی جائیں۔ ان بدقسمت ظالموں کو ایک ذرہ حقیقت اسلام معلوم نہیں اور نہ وہ پاک تعلیم معلوم ہے جس کو قرآن شریف لیکر آیا ہے صرف محض پادریوں کی کاسہ لیسے سے جن کا دن رات تحریف و تبدیل کام ہے دشمن اسلام ہو گئے ہیں۔

قرآنی تعلیم وہ تعلیم ہے جس کی ایک بات بھی حق اور حکمت سے باہر نہیں اور جو سراسر پاکیزگی سکھاتا ہو مگر افسوس کہ وہ لوگ اُسکو تحقیر کی نظر سے دیکھتے ہیں جو ایک ذرہ ذرہ کو غیر مخلوق ہونے میں خدا کے برابر کرتے ہیں اور خدا کی نسبت یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ نعوذ باللہ کسی روح اور کسی ایک ذرہ کا بھی پیدا کرنے والا نہیں اور ایسا بخیل طبع ہے جو اپنے عاشقوں اور سچے پرستاروں کے گزشتہ گناہ نہیں بخشتا اور باوجودیکہ اُسکی راہ میں کوئی جان بھی دے دے تب بھی پُرانا کینہ نکالتا ہے اور ضرور اُس کو سزا دیتا ہے پس جن کے خیالات خدا تعالیٰ کی نسبت یہ ہیں اور پھر انسانوں کے لئے یہ تعلیم ہے کہ گویا وہ حکم دیتا ہے کہ اولاد پیدا کرنے کے لئے ایک آریہ اپنی منکوحہ بیوی کو عین اس حالت میں کہ اُس کے

نکاح میں ہے دوسرے سے ہم بےستہ کرادے۔ بلکہ ایک مدت دراز تک — دُنیا
 شخصوں سے ہمبستر کر سکتا ہے۔ ایسے لوگوں سے افسوس ہی کیا ہے اگر وہ اپنے
 سخت الفاظ سے ہمارا دل دکھادیں تو ہمیں صبر کرنا چاہیے۔ جب تک کہ ہمارا دل اور اُن کا
 خدا تعالیٰ فیصلہ کرے۔ اور اسی صبر کے لئے خدا تعالیٰ کے قرآن شریف میں یہ تعلیم ہے
 جیسا کہ وہ فرماتا ہے تَتَّبِعُوا فِيْ اُمُوْرِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَاسْتَمِعُوا مِنَ الَّذِيْنَ اَوْثَقُوا
 الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ مِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا اِذْ يٰ كَثِيْرًا وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا
 فَلَنْ يَّزَالَيَكُمْ عَنْ اُمُوْرِكُمْ اَلْاُمُوْرُ دَالِیْ عَمْرَان (۱۹۶) (ترجمہ) البتہ تم اپنے مالوں اور
 جانوں کے بارے میں آزمائے جاؤ گے اور تم اہل کتاب اور مشرکوں سے بہت دل آزار
 باتیں سُنو گے اور اگر تم صبر کرو گے اور بوجوش اور اشتغال سے اپنے تئیں بچاؤ گے
 تو یہ بات ہمت کے کاموں سے ہے۔

اور یاد رہے کہ آریہ صاحبوں نے جو ہمارے مضمون سے اپنے مضمون کا پڑھنا
 آخری دن پر رکھا تو اُن کی یہ غرض تھی کہ تا اپنے مضمون میں جہاں تک بس چلی سکے
 ہماری کسی بات کا رد نہ لکھ دیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے مضمون میں ایسا کرنا چاہا مگر پھر بھی
 اپنی پردہ دری کرائی۔ اگر وہ بے جا حکم نہ کرتے تو ہمیں کچھ ضرور نہ تھا کہ ہم اُن کے اس
 غلط بیان کا پردہ کھولتے جو انہوں نے وید کی اعلیٰ تعلیم ہونے کے بارے میں پیش
 کیا ہے۔ مگر اب ہمیں اُن کے جھوٹ کا پردہ کھولنے کیلئے پہلاکے آگے اس بات کو
 ظاہر کرنا پڑا کہ اُن کا بیان وید کی تعلیم کی نسبت کہاں تک صحیح اور راست ہے۔ اور
 بعد اس کے ہم اُن حملوں کا جواب دیں گے جو نادان معترض نے آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن شریف اور اسلام پر کئے ہیں۔ سو ہم اپنی تحریر کو دو حصوں
 پر منقسم کرتے ہیں۔

حصہ اول

اُس بیان دروغ کے رد میں جو وید کی حمایت میں اور اُس کی خوبول کے
اظہار کی غرض سے کیا گیا ہے

مضمون کے مٹانے والے نے وید کے حوالہ سے اپنے مضمون میں بڑے زور سے بیان کیا کہ پریشتر روح
اور مادہ کا مالک ہے۔ اہم کہتے ہیں کہ یہ تو سچ ہے کہ وہ صنائع عالم جان اور اجسام کے ہر ایک ذرہ کا
مالک ہے مگر وہ یہ صاحبول کے اصول کی رو سے وہ مالک نہیں ٹھہرتا۔ کیونکہ پریشتر نے نہ ارواح
کو پیدا کیا اور نہ ذرات عالم کو۔ بلکہ وہ یعنی روح اور مادہ اپنی تمام قوتوں کے ساتھ پریشتر کی طرح
قدیم اور انادی اور اپنے اپنے وجود کے آپ ہی خدا ہیں تو پھر کیونکر پریشتر ان کا مالک
ٹھہر سکتا ہے جن پر ان کا کوئی بھی حق نہیں۔ کیا پریشتر نے روحوں اور ذرات عالم کو اپنے
پاس سے قیمت دے کر کسی سے خریدا تھا۔ کیونکہ وہ ان کا خالق تو نہیں۔ پس کوئی اور وجہ
بیان کرنی چاہیے جس کی وجہ سے وہ ایسی چیزوں کا جو اُس کی طرح قدیم اور خود بخود ہیں
مالک سمجھا جائے۔ کیونکہ بلاوجہ تو ہم کسی کی نسبت نہیں کہہ سکتے کہ وہ غلام چیز کا مالک ہے اگر کہو
کہ ملکیت پرانے قبضہ سے بھی پیدا ہو سکتی ہے جیسا کہ قانون انگریزی کا اصول ہے۔ اور یہی ملکیت
اس طرح بھی پیدا ہو جاتی ہے کہ ایک سلطنت دوسری سلطنت سے جنگ کر کے اُس پر
غالب آجاتی ہے۔ تو اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ کیا خدا کی ملکیت کا مفہوم انسانی
ملکیت کے مفہوم سے برابر ہے۔ ظاہر ہے کہ چونکہ انسان ناقص ہے اس لئے انسان اُن
تمام چیزوں کو جو اپنی ملکیت ٹھہراتا ہے وہ لفظ ملکیت بھی ناقص معنوں میں ہی لیا جاتا ہے
مگر کسی چیز کو خدا تعالیٰ کی ملکیت تو معنوں کے رو سے قرار دینا جن معنوں سے انسان کی ملکیت

۹

قرار دی جاتی ہے۔ یہ ایک ایسا قرارداد ہے جس کی رُو سے خدا تعالیٰ انسان کے برابر
 ٹھہیر جاتا ہے حالانکہ انسان اُس کی کسی صفت میں اُس کے برابر نہیں ہو سکتا۔ غرض اگر یوں
 کے پاس اس بات کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ وہ کیوں رُوح اور مادہ کو برابری کی ملکیت ٹھہیرتا
 ہے۔ لیکن قرآن شریف نے وید کی طرح بے وجہ اور محض زبردستی کے طور پر اللہ جل شانہ کو
 تمام ارواح اور ہر ایک ذرہ ذرہ اجسام کا مالک نہیں ٹھہیرایا بلکہ اسکی ایک وجہ بیان کی ہے
 جیسا کہ وہ فرماتا ہے لَمْ يَلِكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدْ رُءَا
 تَقْدِيرًا (ترجمہ) یعنی زمین اور آسمان اور جو کچھ ان میں ہے سب خدا تعالیٰ کی ملکیت ہے
 کیونکہ وہ سب چیزیں اُسی نے پیدا کی ہیں اور پھر ہر ایک مخلوق کی طاقت اور کام کی ایک
 حد مقرر کر دی ہے تا محمد و دیگر چیزیں ایک محدود پر دلالت کریں جو خدا تعالیٰ ہے سو ہم دیکھتے
 ہیں کہ جیسا کہ اجسام اپنے اپنے حدود میں مقید ہیں اور اس حد سے باہر نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح
 ارواح بھی مقید ہیں اور اپنی مقررہ طاقتوں سے زیادہ کوئی طاقت پیدا نہیں کر سکتے۔ اب
 پہلے ہم اجسام کے محدود ہونے کے بارے میں بعض مثالیں پیش کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ
 مثلاً چاند ایک مہینہ میں اپنا دورہ ختم کر لیتا ہے یعنی انیس یا تیس دن تک۔ مگر سورج
 تیس سو چوبیس دن میں اپنے دورہ کو پورا کرتا ہے اور سورج کو یہ طاقت نہیں ہے کہ اپنے دورہ کو
 اس قدر کم کر دے جیسا کہ چاند کے دورہ کا مقدار ہے اور نہ چاند کی یہ طاقت ہے کہ اس قدر
 اپنے دورہ کے دن بڑھا دے کہ جس قدر سورج کے لئے دن مقرر ہیں اور اگر تمام دنیا
 اس بات کے لئے اتفاق بھی کر لے کہ ان دونوں نیروں کے دوروں میں کچھ کمی بیشی
 کر دیں تو یہ ہرگز ان کے لئے ممکن نہیں ہوگا اور نہ خود سورج اور چاند میں یہ طاقت ہے
 کہ اپنے اپنے دوروں میں کچھ تغیر تبدیل کر ڈالیں۔

پس وہ ذات جس نے ان ستاروں کو اپنی اپنی حد پر ٹھہیرا رکھا ہے یعنی جو ان کا
 محدود اور حد باندھنے والا ہے وہی خدا ہے۔ ایسا ہی انسان کے جسم اور ہاتھی کے جسم

میں بڑا فرق ہے اگر تمام ڈاکٹر اس بات کے لئے اکٹھے ہوں کہ انسان اپنی جسمانی طاقتوں اور جسم کی ضخامت میں ہاتھی کے برابر ہو جاوے تو یہ اُن کے لئے غیر ممکن ہے۔ اور اگر یہ چاہیں کہ ہاتھی محض انسان کے قد تک محدود رہے تو یہ بھی اُن کے لئے غیر ممکن ہے پس اس جگہ بھی ایک تحدید ہے یعنی حد باندھنا۔ جیسا کہ شولج اور چاند میں ایک تحدید ہے اور وہی تحدید ایک محدود یعنی حد باندھنے والے پر دلالت کرتی ہے یعنی اس ذات پر دلالت کرتی ہے جس نے ہاتھی کو وہ مقدار بخشا اور انسان کیلئے وہ مقدار مقرر کیا۔ اور اگر غور کر کے دیکھا جائے تو ان تمام جسمانی چیزوں میں عجیب طور سے خدا تعالیٰ کا ایک پوشیدہ تصرف نظر آتا ہے اور عجیب طور پر اس کی حد بندی مشاہدہ ہوتی ہے۔ اُن کیڑوں کی مقدار سے لے کر جو بغیر دُور بین کے دکھائی نہیں دے سکتے۔ اُن بڑی بڑی مچھلیوں کی مقدار تک جو ایک بڑے جہاز کو بھی چھوٹے سے لقمہ کی طرح نگل سکتی ہیں حیوانی اجسام میں ایک عجیب نظارہ حد بندی کا نظر آتا ہے کوئی جانور اپنے جسم کی رُو سے اپنی حد سے باہر نہیں جاسکتا۔ ایسا ہی وہ تمام ستارے جو آسمان پر نظر آتے ہیں اپنی اپنی حد سے باہر نہیں جاسکتے۔ پس یہ حد بندی دلالت کر رہی ہے کہ درپردہ کوئی حد باندھنے والا ہے۔ یہی معنی اس مذکورہ بالا آیت کے ہیں کہ خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَرَهُ تَقْدِيرًا۔

اب واضح ہو کہ جیسا کہ یہ حد بندی اجسام میں پائی جاتی ہے ایسا ہی یہ حد بندی ارواح میں بھی ثابت ہے۔ تم سمجھ سکتے ہو کہ جس قدر انسانی روح اپنے کمالات ظاہر کر سکتا ہے یا یوں کہو کہ جس قدر کمالات کی طرف ترقی کر سکتا ہے وہ کمالات ایک ہاتھی کی رُو کو باوجود ضخیم اور جسم ہونے کے حاصل نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح ہر ایک حیوان کی رُو کو لمحاظ اپنی قوتوں اور طاقتوں کے اپنے نوع کے دائرہ کے اندر محدود ہے اور وہی کمالات حاصل کر سکتے ہیں کہ جو اُس کے نوع کے لئے مقرر اور مقدر ہیں۔ پس جس طرح اجسام کی حد بندی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اُن کا کوئی حد باندھنے والا اور خالق ہے۔ اسی طرح ارواح کی طاقتوں

ص ۱۱

کی حد بندی اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ اُن کا بھی کوئی خالق اور حد باندھنے والا ہے۔ اور اس جگہ تنازع کا لغو اور بیہودہ جھگڑا پیش کرنا خدا تعالیٰ کے کاموں میں اختلاف ڈالنا ہے کیونکہ عقل صریح شہادت دیتی ہے کہ یہ دونوں حد بندیاں ایک ہی انتظام کے ماتحت ہیں اور ان دونوں حد بندیوں سے ایک ہی مقصود ہے اور وہ یہ کہ تاحد بندی سے حد باندھنے والے کا پتہ لگ جائے اور تا معلوم ہو جائے کہ جیسا کہ وہ اجسام کا خالق اور حد باندھنے والا ہے ایسا ہی وہ ارواح کا خالق اور حد باندھنے والا ہے۔

پس آریہ صاحبوں کی یہ عجیب چالاکی ہے کہ دراصل تو وہ پر مبینہ کو مالک ہونے سے جواب دیتے ہیں اور ہر ایک روح اور ذرہ کو خود بخود سمجھتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ وہ ہر ایک چیز کا مالک ہے۔ مالک تو تب ہوتا کہ ہر ایک کی حد بندی کرنے والا وہی ٹھہرتا۔ اور ہم پھر کہتے ہیں کہ حیوانات کی طاقتوں اور قوتوں کی تفاوت کا سبب تنازع اور آواگون کو قرار دینا خدا تعالیٰ کے علم اور سست و دیا کو ضائع کرنا اور اس کی وحدت نظامی کو دہم و برہم کرنا ہے۔ جس حالت میں تم مثلاً مستار دل اور سوج اور چاند پر نظر ڈال کر اپنے منہ سے اقرار کرتے ہو کہ وہ تفاوت جو ان ستاروں کی قوت اور طاقت اور تمام لوازم میں واقع ہو وہ کسی تنازع اور آواگون کا موجب نہیں بلکہ حکمت اور مصلحت الہیہ نے یہی چاہا۔ تاہم ایک چیز اپنی اپنی حد بندی کی طرف سے حد باندھنے والے پر دلالت کرے اور اس طرح اس غیب الغیب اور وراء الراء پر ایک دلیل قائم ہو جائے تو پھر کیوں اُسی منہ سے وہ تفاوت حیوانات میں پایا جاتا ہے۔ اس کو تم تنازع اور آواگون کی طرف کھینچ کر لے جاتے ہو۔ یا تو یہ مان لو کہ کل تفاوت اور باہمی فرق طاقتوں اور قوتوں اور خاصیتوں کا جو آسمان کے ستاروں اور زمین کے جہادات نباتات حیوانات میں پایا جاتا ہے ان سب کا سبب تنازع اور آواگون ہے اور یا یہ مان لو کہ یہ تمام تفاوت اور مختلف قسم کی حد بندیاں تمام عالم کی چیزوں میں خواہ وہ حیوانات ہیں یا غیر حیوان یہ صرف اسی وجہ سے ہیں کہ تالان حد بندیوں سے ایک ذات حد باندھنے

والے کاپنہ لگ جائے یہ کیا حاققت ہے کہ ان حد بندیوں کی دلیل بیان کرنے کے وقت ایک جگہ کچھ بیان ہے اور دوسری جگہ اس کے مخالف بیان ہے اس قسم کا تناقض خدا کے کلام میں نہیں ہو سکتا۔ اور جو کلام اس تناقض کو پیش کرے اس کی رد اور کھنڈن کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی وحدت نظامی کے برخلاف ہے۔ بھلا ہمیں بتاؤ کہ کیا وہ میں وحدت نظامی کی تعلیم پائی جاتی ہے یعنی یہ کہ وہ تمام تفاوت قوتوں اور طاقتوں اور خاصیتوں کا ہستاروں اور دوسری نباتات اور ریحوں کی قوتوں میں پایا جاتا ہے از روئے تعلیم وید وہ محض اسلئے ہو کہ تادہ مختلف طور کی حد بندی کہ جو ان تمام چیزوں کی قوتوں اور طاقتوں اور اجسام کی شکلوں اور رنگوں اور مقداروں میں پائی جاتی ہے ایک حد بست کرنے والے پر پختہ اور کامل دلیل ہو۔ یاد رہے کہ انسان کو صرف خدا کی شناخت کیلئے پیدا کیا گیا ہے پس اگر یہ نظام عالم کا اس طرح پر واقع ہو کہ خدا کے وجود پر دلالت نہ کرے تو تمام مصنوعات کا ایک فضول وجود ہو گا جس پر نظر ڈالنے سے ہم اپنے خدا کو شناخت نہیں کر سکتے۔ پس فقط اسی حالت میں خدا تعالیٰ کی شناخت کیلئے یہ نظام عالم مفید ہو سکتا ہے جبکہ اس کی وحدت نظامی پر نظر کر کے خدا تعالیٰ کے وجود پر دلیل قائم ہو سکے اور وہ صورت صرف یہی صورت ہے کہ اجسام اور حیوانات میں جو تفاوت مقدار اور طاقت اور قوت میں پایا جاتا ہے اعمال کا نتیجہ نہ سمجھا جائے بلکہ یہ تمام امور خدا کی ذات پر استدلال کرنے کے لئے اسکے قدرتی کام سمجھے جائیں اور یہ تمام حد بندی اس کی محض اس ارادہ سے اور اس غرض سے سمجھی جائے کہ اس قادر کے وجود پر جو حد باندھنے والا ہو ایک دلیل ہو۔ اور تا اسکی مخلوقات کو محض اس کی صنعت قرار دے کر اس پہلو سے بھی اسکے وجود پر دلیل قائم ہو سکے کہ اس نے نہ تنہا کی مجبوری سے بلکہ خود عمداً ارادہ کیا ہے کہ انسان کی نسل زمین پر پھیلے اور جو کچھ انسانی وجود کے لئے آرام اور راحت اور دوا اور غذا کے لئے ضرورتیں ہیں سب اس کیلئے مہیا ہوں اگر ایسا سمجھا جائے تو بلاشبہ یہ تمام چیزیں اس کے وجود پر دلالت کرتی ہیں جیسا کہ کسی نے کہا ہے

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار ہر ورقے دفتر لیست معرفت کردگار

لیکن اگر یہ تمام چیزیں جن سے انسان فائدہ اٹھاتا ہے یا جن پر بقائے نسل موقوف ہے محض اتفاقی طور پر تناسخ کے ذریعہ سے پیدا ہو گئی ہیں تو پھر یہ چیزیں خدا کے وجود پر ہرگز دلالت نہیں کریں گی۔ کیونکہ وہ تناسخ کی مختلف ہواؤں سے اختلاف پذیر ہو کر ایک نظام کے شیرازہ میں منضبط نہیں رہیں گی اور اس صورت میں انسانی آرام و آسائش کیلئے ان چیزوں پر بھروسہ کرنا نہایت خطرناک ہوگا۔ مثلاً اگر یہ بات سچ ہے کہ نوع انسان میں سے جو بعض مرد ہیں اور بعض عورت یہ اختلاف آواگوں یعنی تناسخ کی شامت سے ہی تو اس صورت میں امان اٹھ جاتا ہے کیونکہ ممکن ہے کہ بعض زمانوں میں انسانوں کے ایسے اعمال واقع ہوں کہ کوئی روح اعمال کی رو سے مرد بننے کے لائق ہی نہ ہو۔ یا کوئی روح عورت بننے کے لائق نہ ہو۔ اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ بعض ضروری چیزیں کہ جو انسان کی خوراک یا آرام اور آسائش کے لئے ضروری ہیں جیسے گائے بیل گھوڑے وغیرہ۔ وہ باعث نہ ہونے اعمال تناسخ کے زمین پر سے مفقود ہو جائیں یعنی نوع انسان سے ایسے اعمال ہی ظہور میں نہ آئیں جن کی وجہ سے ان کو گائے یا بیل گھوڑا بننا پڑے۔ پس ظاہر ہے کہ اگر یہ تمام چیزیں جو انسانی زندگی کے لئے ضروری ہیں ان کا وجود محض اتفاقی ہوتا تو یہ سلسلہ کبھی نہ کبھی ٹوٹ جاتا اور نہ اس سلسلہ کو خدا کے وجود پر کوئی دلالت رہتی۔

اس تمام تقریر سے ظاہر ہے کہ آریوں کے اصول کی رو سے خدا تعالیٰ ان تمام مختلف اشکال کے حیوانات کا حقیقی مالک نہیں ہے اور نہ اس کے اپنے ارادہ اور خواہش سے یہ مختلف اشکال کے حیوان زمین پر پیدا ہو گئے ہیں اور نہ اس کی مصلحت اور حکمت کی رو سے ان کا وجود زمین پر ضروری ہو بلکہ ان تمام حیوانات کا زمین پر ہونا یا نہ ہونا صرف ان اعمال پر موقوف ہے جو تناسخ کے چکر میں ڈالتے ہیں اور جبکہ ان چیزوں میں سے کسی چیز کو اپنی ذات میں دوام نہیں ہو سکتا بلکہ ہر ایک حیوان کا وجود وابستہ تناسخ ہے تو اس صورت میں ایسی چیزوں کو جو محض تناسخ کی وجہ سے ظہور پذیر ہیں کیونکہ خدا تعالیٰ کے وجود پر دلالت ہو سکتی ہے۔

اور کیونکہ عقل تسلیم کر سکتی ہے کہ ہر ایک حیوان کی تناسخی صورت ہمیشہ دنیا میں رہے گی۔ اگر کہو کہ ان تمام حیوانات کا مجموعہ ابتداء سے چلا آتا ہے اور یہی دلیل انکی آئندہ کے بقا پر ہے تو ہم کہتے ہیں کہ یہ دلیل تو ہمارے لئے ہے نہ تمہارے لئے۔ کیونکہ جبکہ بقول تمہارے کہ وٹا ہاروں بلکہ کہ وٹا ہاروں سے گائیاں زمین پر چلی آتی ہیں اور ایسا ہی گھوڑے اور ایسا ہی مرد اور عورتیں بھی۔ پس اگر محض تناسخ کے اتفاقی اسباب سے ان چیزوں کا وجود ہوتا تو کبھی نہ کبھی بہت سی چیزیں ان میں سے مفقود بھی ہو جاتیں اور کبھی ایسا بھی اتفاق ہوتا کہ مرد ہی پیدا ہوتے یا محض عورتیں ہی پیدا ہوتیں۔ اب خلاصہ کلام یہ کہ آریوں کے عقیدہ تناسخ کے رُو سے اُن کا پریشرا اس دنیا کا مالک نہیں ٹھہر سکتا۔

یاد رہے کہ کوئی آریہ اپنی وید کی تعلیم کے رُو سے نہیں کہہ سکتا کہ ارواح اور ذرات پریشرا کی ملکیت ہیں اور وہ اُن کا مالک ہے بلکہ آریوں کا اقرار ہے کہ پریشرا رُوحوں کی طاقتوں اور قوتوں اور خواص میں دخل دینے سے کُلّی قاصر اور عاجز ہے۔ کیونکہ پریشرا اُن کا خالق نہیں اور رُوحوں کی تمام طاقتیں اور قوتیں قدیم سے خود بخود ہیں اور ہر ایک رُوح اپنے وجود کا آپ ہی پریشرا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نہ رُوحیں پریشرا کے لئے ایک پیدا کردہ ملکیت کی طرح ہیں اور نہ پریشرا کا اُن پر مالکانہ اختیار نافذ ہے۔ ہاں حالکانہ اختیار ہے یعنی حکام کی طرح اُن کو اعمال کی جزا سزا دیتا رہتا ہے۔ پس اگر پریشرا رُوحوں اور ذرات کی طرف کچھ نسبت ہے تو وہ صرف اِس طور کی نسبت ہے جو ایک بادشاہ کو اپنی رعیت کی طرف ہوتی ہے لیکن مالکانہ رنگ میں پریشرا رُوحوں اور ذرات سے کچھ بھی نسبت اور تعلق اور واسطہ نہیں ہے کیونکہ ہر ایک انسان سمجھ سکتا ہے کہ پورے طور پر مالک وہ ہوتا ہے جو اپنی ملکیت پر پورا پورا اختیار رکھتا ہو مثلاً کسی کے پاس کسی قدر اپنی ملکیت کی زمین ہے تو وہ اختیار رکھتا ہے کہ چاہے تو اُس زمین پر پانچا نہ بناوے یا روٹی پکانے کی جگہ بناوے۔ پس مالک کے مقابل پر وہ جو اُس کا مملوک ہے

یعنی بندہ ہے کوئی حق پریش نہیں کر سکتا اور انصاف ہوئی کی بنا پر کوئی اس سے مطالبہ نہیں کر سکتا۔

یاد رہے کہ مالک ایک ایسا لفظ ہے جس کے مقابل پر تمام حقوق منسلوب ہو جاتے ہیں اور کامل طور پر اطلاق اس لفظ کا صرف خدا پر ہی آتا ہے کیونکہ کامل مالک وہی ہے۔ جو شخص کسی کو اپنی جان وغیرہ کا مالک ٹھہراتا ہے تو وہ اقرار کرتا ہے کہ اپنی جان اور مال وغیرہ پر میرا کوئی حق نہیں اور میرا کچھ بھی نہیں سب مالک کا ہے اس صورت میں اپنے مالک کو یہ کہنا اس کے لئے ناجائز ہو جاتا ہے کہ فلاں ملا یا جانی معاملہ میں میرے ساتھ انصاف کر۔ کیونکہ انصاف حق کو چاہتا ہے اور وہ اپنے حقوق سے دست بردار ہو چکا ہے۔ اسی طرح انسان نے جو اپنے مالک حقیقی کے مقابل پر اپنا نام بندہ رکھ لیا اور اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاٰجِعُونَ کا اقرار کیا یعنی ہمارا مال۔ جان۔ بدن۔ اولاد سب خدا کی ملک ہے۔ تو اس اقرار کے بعد اس کا کوئی حق نہ رہا جس کا وہ خدا سے مطالبہ کرے۔ اسی وجہ سے وہ لوگ جو درحقیقت عارف ہیں باوجود صدمہ محابرات اور عبادات اور خیرات کے اپنے نہیں خدا تعالیٰ کے رحم پر چھوڑتے ہیں اور اپنے اعمال کو کچھ بھی جیسز نہیں سمجھتے اور کوئی دعویٰ نہیں کرتے کہ ہمارا کوئی حق ہے یا ہم کوئی حق بجالائے ہیں۔ کیونکہ درحقیقت نیک وہی ہے جس کی توفیق سے کوئی انسان نیکی کر سکتا ہے اور وہ صرف خدا ہے پس انسان کسی اپنی ذاتی لیاقت اور ہنر کی وجہ سے خدا تعالیٰ سے انصاف کا مطالبہ ہرگز نہیں کر سکتا۔ قرآن شریف کی رو سے خدا کے کام سب مالکانہ ہیں جس طرح کبھی وہ گناہ کی سزا دیتا ہے۔ ایسا ہی وہ کبھی گناہ کو بخش بھی دیتا ہے یعنی دونوں پہلوؤں پر اس کی قدرت نافذ ہے۔ جیسا کہ مقتضائے مالکیت ہونا چاہیے۔ اور اگر وہ ہمیشہ گناہ کی سزا دے تو پھر انسان کا کیا ٹھکانہ ہے بلکہ اکثر وہ گناہ بخش دیتا ہے اور تنبیہ کی غرض سے کسی گناہ کی سزا بھی دیتا ہے۔ تاہاقل انسان متنبہ ہو کر اس کی طرف متوجہ ہو جیسا کہ قرآن شریف میں یہ آیت ہے: مَا آصَابَكَ مِنْ شَيْءٍ فَهُوَ بِالرُّسُلِ أَوْ بِنُصْرَةِ اللَّهِ وَرَحْمَتِهِ

مِنْ مُصِيبَةٍ قَدْ آتَتْكُمْ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ ۖ وَذِكْرُ سُورَةِ الشُّورِ (ترجمہ) اور جو کچھ تمہیں کچھ مصیبت پہنچتی ہے پس تمہاری برائیوں کے سبب ہے اور خدا بہت گناہ بخش دیتا ہے۔ اور کسی گناہ کی سزا دیتا ہے۔ اور پھر اسی سورت میں یہ آیت بھی ہے۔

وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَعْفُو عَنِ السَّيِّئَاتِ ۚ

یعنی تمہارا خدا وہ خدا ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور انکی بدیاں ان کو معاف کر دیتا ہے۔ کسی کو یہ دھوکا نہ لگے کہ قرآن شریف میں یہ آیت بھی ہے۔ وَمَنْ يَعْمَلْ وِشْقًا ذَرًا فَإِنَّ شَرَّ آيَةٍ ۖ یعنی جو شخص ایک ذرہ بھی شرارت کر لگا وہ اسکی سزا پائیگا۔ پس یاد رکھیے کہ اس میں اور دوسری آیات میں کچھ تناقض نہیں۔ کیونکہ اس شر سے وہ شر مراد ہے جس پر انسان اصرار کرے اور اس کے ارتکاب سے باز نہ آوے اور توبہ نہ کرے۔ اسی غرض سے اس جگہ شر کا لفظ استعمال کیا ہے نہ ذنب کا۔ تا معلوم ہو کہ اس جگہ کوئی شرارت کا فعل مراد ہے جس سے شر بر آدمی باز آنا نہیں چاہتا۔ ورنہ سارا قرآن شریف اس بارہ میں بھرا پڑا ہے کہ ندامت اور توبہ اور ترک اصرار اور استغفار سے گناہ بخشے جاتے ہیں بلکہ خدا تعالیٰ توبہ کرنے والوں سے پیار کرتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ۚ

یعنی اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں سے پیار کرتا ہے اور نیران لوگوں سے پیار کرتا ہے کہ جو اس بات پر زور لگاتے ہیں کہ کسی طرح گناہ سے پاک ہو جائیں۔ غرض ہر ایک بدی کی سزا دینا خدا کے اخلاق عفو اور درگزر کے برخلاف ہے کیونکہ وہ مالک ہے نہ صرف ایک مجسٹریٹ کی طرح جیسا کہ اُس نے قرآن شریف کی پہلی سورت میں ہی اپنا نام مالک رکھا ہے اور نہ مایاک مالِکِ یَوْمِ الدِّينِ ۚ

یعنی خدا جزا سزا دینے کا مالک ہے اور ظاہر ہے کہ کوئی مالک مالک نہیں کہلا سکتا جب تک دونوں پہلوؤں پر اس کو اختیار نہ ہو یعنی چاہے تو پکڑے اور چاہے تو چھوڑے پھر ایک اور

جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ عَذَابِيْٓ اَصِيْبُ بِهٖم مِّنْ اَشْءٍ وَّرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ۔
یعنی عذاب تو میرا خاص صورتوں میں ہے جس کو چاہتا ہوں دیتا ہوں مگر میری رحمت ہر ایک
چیز تک پہنچ رہی ہے۔ اور پھر سورۃ آل عمران میں خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کو یہ دعا
سکھلائی ہے اور وہ یہ ہے رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا ذَا اسْرَافْنَا فِيْٓ اَمْرِنَا یعنی
اے ہمارے خدا ہمارے گناہ بخش اور جو اپنے کاموں میں ہم حد سے گزر جاتے ہیں وہ
بھی معاف فرما۔ پس ظاہر ہے کہ اگر خدا گناہ بخشنے والا نہ ہوتا تو ایسی دعا ہرگز نہ سکھاتا
اور پھر سورۃ البقرہ کے آخر میں خدا تعالیٰ نے مندرجہ ذیل دعا سکھلائی ہے اور وہ یہ ہے
رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَا نَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا اَصْرًا كَمَا
حَمَلْتَهُ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ
وَاعْفُ عَنَّا وَارْحَمْنَا الْح

یعنی اے ہمارے خدا نیک باتوں کے نہ کرنے کی وجہ سے ہمیں مت پکڑ جن کو ہم تحمل کئے
اور بوجہ نسیان ادا نہ کر سکے اور نہ ان بد کاموں پر ہم سے مواخذہ کر جن کا ارتکاب ہم نے
عمداً نہیں کیا بلکہ سمجھ کی غلطی واقع ہو گئی اور ہم سے وہ بوجھ مت اٹھو جس کو ہم اٹھا نہیں
سکتے اور ہمیں معاف کر اور ہمارے گناہ بخش اور ہم پر رحم فرما۔ پس اس جگہ بھی خدا تعالیٰ نے
یہی دعا سکھلائی ہے کہ ہم اُس سے گناہوں کی معافی مانگیں۔ پھر سورۃ آل عمران میں فرمایا
ہے وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاٰحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ ذُكِّرُوا بِاللّٰهِ فَاسْتَغْفِرُوْا
لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ يَّغْفِرِ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ يَصِرْ وَاَعْلٰی مَا فَعَلُوْا
وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ۔ اُولٰٓئِكَ جَزَاؤُكُمْ مَغْفِرَةً مِّنْ رَبِّكُمْ الْح

اور وہ لوگ کہ جب کوئی بے حیائی کا کام کریں یا اپنی جانوں پر ظلم کریں اور پھر اپنے ایسے حال

میں اللہ تعالیٰ کو یاد کریں اور اُس سے اپنے گناہوں کی بخشش مانگیں اور اپنے گناہ پر اصرار نہ کریں اُن کا خدا آمرزگار ہوگا اور گنہ بخش دیگا۔

پس ان تمام آیتوں سے ظاہر ہے کہ جیسے خدا انسان کا اس طور سے مالک ہے کہ اگر چاہے تو اُس کے گناہ پر اُس کو سزا دے۔ ایسا ہی اس طور سے بھی اُس کا مالک ہے کہ اگر چاہے تو اُس کا گناہ بخش دے کیونکہ ملکیت تبعی متحقق ہوتی ہے کہ جب مالک دونوں پہلوؤں پر قادر ہو۔ بلکہ ان تمام آیات سے بڑھ کر ایک اور آیت ہے اور وہ یہ ہے۔۔۔
 قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَنْفَعُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا یعنی اے وہ لوگو جنہوں نے اصراف کیا یعنی گناہ کیا۔ تم خدا کی رحمت سے ناامید مت ہو وہ تمہارے سارے گناہ بخش دے گا یعنی وہ اس بات سے مجبور اور عاجز نہیں کہ گنہ گار کو بغیر سزا دینے کے چھوڑ دے۔ کیونکہ وہ اس کا مالک ہے اور مالک کو ہر ایک اختیار ہے۔ یہ تو وہ قادر اور کریم خدا ہے جس کو قرآن شریف نے ہم پر ظاہر کیا۔ اور اس کے کرم اور عفو کی صفتیں ہمیں سنائیں۔ لیکن آدمیوں کا یہ ہمیشہ اپنی حیثیت کی رُو سے ایک مجسٹریٹ سے زیادہ وقت نہیں رکھتا جو جرم اور عدم جرم کی بنا پر سزا دیتا یا بری کرتا ہے مالکانہ اختیار اُسکو کچھ بھی حاصل نہیں۔ یہاں تک کہ نعوذ باللہ وہ انسان بھی گیا گذرا ہو۔ مثلاً ہم اپنے خطا کار نوکر کا گنہ بخش سکتے ہیں مگر آدمیوں کا یہ ہمیشہ اپنے کسی گنہ گار کا گنہ بخش نہیں سکتا۔ ایسا ہی ہم اپنے نوکر کی خدمات کے علاوہ جس قدر چاہیں بطور بخود و جسا اُس کو دے سکتے ہیں مگر آدمیوں کا یہ ہمیشہ اپنے پرستار کو اُس کے حق واجب سے زیادہ کچھ بھی نہیں دے سکتا۔ اسی وجہ سے وہ دائمی ملکتی نہیں دے سکتا۔

پنڈت دیانند کی ستیارتھ پرکاش اردو کے صفحہ ۵۰۱ میں لکھا ہے کہ یہ ہمیشہ کسی کا گناہ بخش نہیں سکتا ایسا کرے تو بے انصاف ٹھہرتا ہے۔ پس اُس نے مان لیا کہ یہ ہمیشہ محض ایک حج کی طرح ہے مالکانہ حیثیت اُس کو حاصل نہیں۔ ایسا ہی پنڈت

دیانند نے اپنی کتاب ترجمہ شدہ کے صفحہ ۵۰ میں لکھا ہے کہ پریشتر محمد و افعال کا ثمرہ غیر محمد و وہ نہیں بے سکتا۔ پس ظاہر ہے کہ اگر وہ مالکانہ اختیار رکھتا ہے تو محمد و خدمت کے عوض میں غیر محمد و ثمرہ دینے میں اس کا کیا حرج ہے کیونکہ مالک کے کاموں کے ساتھ انصاف کو کچھ تعلق نہیں۔ ہم بھی اگر کسی مال کے مالک ہو کر سو الیوں کو کچھ دینا چاہیں تو کسی سوالی کا حق نہیں کہ یہ شکایت کرے کہ فلاں شخص کو زیادہ دیا اور مجھے کم دیا۔ اسی طرح کسی بندہ کا خدا تعالیٰ کے مقابل پر حق نہیں کہ اُس سے انصاف کا مطالبہ کرے۔ کیونکہ جس حالت میں جو کچھ بندہ کا ہے وہ سب کچھ خدا کا ہے۔ تو نہ تو یہ بندہ کا حق ہے کہ انصاف کی رُو سے اُس سے فیصلہ چاہے اور نہ خدا کی یہ شان ہے کہ اپنی مخلوق کا یہ مرتبہ تسلیم کر لے کہ وہ لوگ اُس سے اپنے حقوق کا مطالبہ کرنے کیلئے مجاز ہیں۔ پس درحقیقت جو کچھ خدا تعالیٰ بندہ کو اُس کے اعمال کی جزائیں دیتا ہے وہ اُس کا محض انعام اکرام ہے ورنہ اعمال کچھ چیزیں نہیں بغیر خدا کی تائید اور فضل کے اعمال کب ہو سکتے ہیں۔ پھر ماسوا اس کے جب ہم خدا کے قانون قدرت کی طرف نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں صاف معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے جو کچھ اپنے بندوں کے لئے جہنیا کیا ہے یا کرتا ہے وہ دو قسم کی بخشش ہے۔

ایک تو اس کے وہ انعام اکرام ہیں جو انسانوں کے وجود سے بھی پہلے ہیں۔ اور ایک ذرہ انسانوں کے عمل کا لٹن میں دخل نہیں جیسا کہ اُس نے انسانوں کے آرام کیلئے سوچ چاند۔ ستارے۔ زمین۔ پانی۔ ہوا۔ آگ وغیرہ چیزیں پیدا کی ہیں اور کچھ شک نہیں کہ ان چیزوں کو انسانوں کے وجود اور ان کے عملوں پر تقدم ہوا اور انسان کا وجود ان کے وجود کے بعد ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کی وہ رحمت کی قسم جس کو قرآنی اصطلاح کی رُو سے رحمانیت کہتے ہیں یعنی ایسی بخود و عطا جو بندہ کے اعمال کی پاداش میں نہیں بلکہ محض فضل کی راہ سے ہے۔

دوسری قسم رحمت کی وہ ہے جس کو قرآنی اصطلاح میں رحیمیت کہتے ہیں۔ یعنی

وہ انعام اکرام جو بنام نہاد پاداش اعمال حسنہ انسان کو عطا ہوتا ہو۔ پس جس خدا نے اپنی فیاضانہ مالکیت کا وہ نمونہ دکھلایا کہ عاجز بندوں کیلئے زمین آسمان اور چاند سورج وغیرہ بنائے۔ اُس وقت میں جبکہ بندوں اور اُنکے اعمال کا نام و نشان نہ تھا کیا اسکی نسبت یہ گمان کر سکتے ہیں کہ وہ بندوں کا مدین ہو کر صرف اُنکے حقوق ادا کرتا ہو اس سے بڑھ کر نہیں؟ کیا بندوں کا کوئی حق تھا کہ وہ اُن کے لئے زمین آسمان بناتا اور ہزاروں چمکتے ہوئے اجرام آسمان پر اور ہزار ہا آرام اور راحت کی چیزیں زمین پر بھیجا کرتا۔ پس اس فیاض مطلق کو محض ایک حج کی طرح فقط انصاف کرنے والا قرار دینا اور اسکے مالکانہ مرتبہ و شان سے انکار کرنا کس قدر کفرانِ نعمت ہے۔ اور اگر کہو کہ ہم اُسکو مالک سمجھتے ہیں تو اس کا یہی جواب ہے کہ تم جھوٹ بولتے ہو۔ تم ہرگز اُس کو مالک نہیں سمجھتے۔ یہ صرف دکھانے کے دانت ہیں جو تم دکھلا رہے ہو۔ مالک اُسی کو کہتے ہیں کہ دونوں پہلوؤں سزا اور دگر داور عطا اور ترک عطا پر قادر ہو۔ پس کہیں تم اپنے پر ہمیشہ کو ایسا سمجھتے ہو۔ بلکہ بقول تمہارے پر میشران دونوں پہلوؤں پر ہرگز قادر نہیں اور اس کی مخلوق اس سے اپنے حقوق کا ایسا ہی مطالبہ کر سکتی ہے جیسا کہ ایک قرضخواہ اپنے قرضدار سے۔ اور وہ کسی کا گناہ نہیں بخش سکتا اور جب تم نے اس کا نام بمقابلہ مخلوقات کے منصف رکھا تو بتلاؤ کہ منصف کے مفہوم میں یہ بات داخل ہے یا نہیں؟ کہ وہ لوگوں کے حقوق اپنے ذمہ تسلیم کرے اور ہر ایک فرد بشر اپنے حق واجب کا اُس سے مطالبہ کر سکے اور پھر اگر حقوق کو ادا نہ کرے تو ظالم کہلائے۔ اور ظالم ہر ہے کہ جب یہ تسلیم کیا گیا کہ ہمیشہ کو اپنے بندوں کے مقابل پر منصف سے بڑھ کر اور کوئی حیثیت نہیں تو پھر ہمیشہ مخلوقات کا مالک نہ ٹھیرا کیونکہ جیسا کہ ہم کئی دفعہ بیان کر چکے ہیں مالک کے مقابل پر مملوک کا کوئی حق نہیں ہوتا لیکن ابھی ہم بیان کر چکے ہیں کہ خدا کا مالک ہونا ثابت ہوتا ہے کیونکہ جو کچھ اُس نے ہزار ہا قسم کی نعمتیں انسان کو دی ہیں یہاں تک کہ زمین کی چیزیں اور آسمان کے روشن اجرام اسکے لئے بنائے ہیں یہ تمام

اس کا جود و احسان ہے کسی حق کے ادا کرنے کے لئے نہیں۔

واضح ہو کہ وہ تعلیم جو وید کی طرف منسوب کی جاتی ہے بڑی بھاری غلطی اُس کی یہی ہے کہ پر میشر کو صرف ایک منصف تصور کر کے مخلوقات کے حقوق کا اُس کے سر پر بوجھ ڈالا گیا ہے اور دوسری طرف خواہ مخواہ یہ قرار دیا گیا ہے کہ مخلوقات بھی اپنے حق سے زیادہ کسی عطا اور جود کی مستحق نہیں ہے۔ یہ ہے وید و دیا جس پر آریوں کو بڑا ناز ہے۔ ایک قدیم زمانہ وید کا جو اس کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اگر فرض بھی کر لیں کہ وہ اتنا لمبا زمانہ ہے جیسا کہ آریوں نے بغیر کسی قطعی دلیل کے خیال کیا ہے تب بھی وید بموجب نمونہ پیش کردہ آریوں کے ایک ایسے لمبے اور اونچے پہاڑ سے مشابہ ہو گا جس میں سے کوئی قسم جو اہرات کی کبھی نہیں نکلی اور بہت کھودنے کے بعد آخر نکلا تو ایک چوڑا نکلا۔

افسوس اگر وید خدا تعالیٰ کو درحقیقت ارواح کا خالق تسلیم کرتا۔ تو یہ غلطی کبھی واقع نہ ہوتی۔ کیونکہ اس صورت میں واقعی طور پر ماننا پڑتا ہو کہ پر میشر رُوحوں کا مالک ہے اور جبکہ مالک ہے تو اُس کے مقابل پر کسی کو دعوئے نہیں پہنچا کہ اُس سے اپنے کسی حق کا مطالبہ کرے۔ کیونکہ پیدا کردہ پیدا کنندہ کی ایک ملکیت ہے اور درحقیقت ممکنہ تھی کہ مسئلہ میں یعنی نجات کے بارہ میں جو کچھ آریوں نے غلطیاں کھائی ہیں وہ بھی اسی بنا پر ہیں۔ مثلاً وہ دائمی نجات کے قابل نہیں ہیں اور انکو سخت مجبوری کی وجہ سے ماننا پڑتا ہے کہ ایک مدت مقررہ کے بعد پر میشر اپنے بندوں کو گو ویدوں کے رشتی ہی کیوں نہ ہوں مکھی خانہ سے باہر نکال دیتا ہے۔ اور ناکردہ گناہ طرح طرح کی جوں میں ڈال دیتا ہے اور ساتھ اس کے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ پر میشر اس مجبوری سے کہ ایک مدت کے بعد رُوحوں کو مکھی خانہ سے باہر نکالنا ضروری ہے بہانہ جوئی کے طور پر ایک ذرہ گناہ اُن کا باقی رکھ لیتا ہو اور وہی الزام

اُن کے سر پر تھاپ کر مکتی خانہ سے باہر نکال دیتا ہے مگر اب سوچنے کا مقام ہے کہ اسی ذرہ سے گننے کے عوض میں ایک تو انسان بنایا جاتا ہے اور دوسرا گتے کی جوں میں ڈالا جاتا ہے اور تیسرے کو گھوڑا بناتے ہیں۔ اور اسی گننے کے عوض میں کوئی گلے بن جاتا ہے اور کوئی بکری اور کوئی مرغی اور کوئی نجاست کا گٹر اور کوئی مرد اور کوئی عورت۔ پس یہ پر میشر کے نیا و یعنی انصاف کا نمونہ ہے کہ گناہ تو صرف ایک ذرہ کی مقدار تھا اسی گننے کے عوض میں ایک تو دید کے رشی پیدا ہوئے جن کے دلوں پر خدا نے الہام کا پر کا کشل کیا اور پھر اسی گناہ کے عوض میں بعض گتے اور سُور اور بندر بنائے گئے کیا یہی انصاف ہے یہی وید کا فلسفہ ہے اور یہی وید مقدس کی وِدیا ہے کوئی صاحب ہمیں جواب دیں۔

اور مبعادی مکتی یعنی نجات پر یہ دلیل لاتے ہیں کہ محدود افعال کا ثمرہ غیر محدود نہیں ہو سکتا گویا پر میشر تو دائمی نجات دینے پر قادر تھا مگر کیا کرے اعمال محدود ہیں دیکھو یہ کیسا مکر ہے کہ اس بات کو پر میشر چھپاتا ہے کہ اس میں خود ہی یہ طاقت نہیں کہ دائمی نجات دے سکے۔ دل میں کچھ اور زبان پر کچھ اور۔ عجیب تزیہ کہ آریہ صاحبان اس بات کے قائل ہیں کہ چند روزہ نیکی اور عبادت کے عوض میں کئی ارب تک پر میشر مکتی خانہ میں رکھ سکتا ہے۔ پس وہ اپنے اس قول سے ملزم ہو سکتے ہیں کیونکہ جس پر میشر نے یہ گوارا کیا کہ تھوڑی مدت کے عوض میں اس قدر مدت پاداش عمل کی رکھی تو اگر وہ دائمی نجات عطا کر دیتا تو کونسا الزام اُس پر وارد ہوتا تھا جس سے وہ بچ گیا۔ انسانی گورنمنٹ بھی کسی کو پشن دے کر اس بہانہ سے ضبط نہیں کر سکتی کہ خدمت کے ایام سر پشن کے ایام زیادہ ہو گئے ہیں۔

اور پھر مکتی دینے کے وقت ایک گنہ باقی رکھ لینا اور آخر اسی گنہ کو مکتی یافتوں کے ذمہ لگا کر مکتی خانہ سے باہر نکالنا اور پھر بعضوں کی رعایت کرنا اور بعض

گوردی سی رڈی جوں میں ڈالنا اور بے جا پکش بات اور طرفداری کو استعمال میں لانا۔
 کیا ایسا مکروہ فریب اور محرّاس بے عیب ذات کی طرف منسوب ہو سکتا ہے جو بے انتہا
 فیضول کا سرچشمہ ہے۔ جس حالت میں درحقیقت پر ہمیشہ دائمی نجات دینے پر قادر ہی نہیں
 تو اس فضول عذر پیش کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی کہ محدود اعمال کی غیر محدود جزا نہیں
 ہو سکتی۔ واقعی بات کو چھپانا اور محض اپنی پردہ پوشی کے طور پر اور اور عزرات پیش
 کرنا کیا وید میں یہی صفات پر ہمیشہ کے لئے ہیں۔ واقعی بات تو یہ تھی کہ بقول آریہ
 وید کے اصول کی رُو سے پر ہمیشہ کسی رُوح کو دائمی نجات دے ہی نہیں سکتا کیونکہ
 جبکہ تمام ارواح غیر مخلوق ہیں اور بموجب اصل وید کے یہ بھی ضروری کہ سلسلہ دنیا کا
 ہمیشہ جاری رہے تو اس صورت میں اگر پر ہمیشہ رُوح کو دائمی نجات دیتا تو اس کا یہ
 لازمی نتیجہ ہوتا کہ ہر ایک رُوح جو دائمی نجات پالیتی وہ ہمیشہ کے لئے پر ہمیشہ کے ہاتھ
 سے نکل جاتی اور رفتہ رفتہ آخر وہ زمانہ آجاتا کہ ایک رُوح بھی پر ہمیشہ کے ہاتھ میں نہ رہتی
 اور پھر مجبوراً پر ہمیشہ خالی ہاتھ بیٹھ جاتا اور جیسا کہ وید کی رُو سے مانا گیا ہے اُندہ دنیا کا
 سلسلہ چل نہ سکتا۔ کیونکہ پر ہمیشہ کسی رُوح کے پیدا کرنے پر تو قادر نہ تھا۔ تانہی رُوحوں
 دنیا کا سلسلہ چلاتا۔ اور جبکہ پہلی رُوحیں دائمی نجات پا کر آواگون کے سلسلہ سے
 ہمیشہ کے لئے مخلصی پا جاتیں تو اس صورت میں پر ہمیشہ اس شخص کی مانند ہوتا جس کا
 دیوالہ نکل جاتا ہے۔ ناچار اس مجبوری سے اسکو آواگون کا سلسلہ ختم کرنا پڑتا اور ایسا کرنا
 وید کی رُو سے اس کے مقرر کردہ اصول کے مخالف تھا۔ پس درحقیقت محدود و مذمتی کا یہ راز
 تھا مگر پر ہمیشہ نے دنیا داروں کے رنگ میں جو اپنا پول ظاہر کرنا نہیں چاہتے اصل حقیقت
 کو چھپایا۔ بھلا کوئی ایسی شہرتی پیش تو کر جس میں پر ہمیشہ نے یہ کہا ہو کہ میں دائمی
 نجات دینے پر قادر تو تھا لیکن میں نے نہ چاہا کہ محدود اعمال کا غیر محدود بدلہ دوں۔
 ہم ایسے کسی آریہ کو ہزار روپیہ نقد دینے کو تیار ہیں کہ اپنے اصول کو ملحوظ رکھ کر پھر ایسی

شرقی وید میں سے ہمیں دکھلا دے۔

نادان آریہ قرآن شریف پر ہمیشہ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا نام خَيْرُ الْمَآكِرِینَ رکھا ہے یعنی ایسا مکر کرنا جو اللہ تعالیٰ میں کوئی بشر نہیں مگر اس جگہ تو وید کا پر میشر شتر الماکرین ٹھہرتا ہے کیونکہ جھوٹے بہانوں سے ملتی یا فتول کو بار بار آواگون میں ڈالتا ہے اور پھر جونوں کی تقسیم میں انصاف کا پابند نہیں رہتا اور دائمی نجات نہ دینے کے بارے میں ایک جھوٹا عذر پیش کرتا ہے اور اپنی ناحق کی شیعہ دکھلانے کے لئے اصل واقعہ کو چھپاتا ہے اور سچائی کی پابندی سے یہ نہیں کہتا کہ دراصل میں دائمی مُکنتی دینے پر قادر ہی نہیں اور یہ جھوٹا بہانہ پیش کرتا ہے کہ محدود اعمال کا پاداش صرف محدود چاہیے کیونکہ مکر موجب نشریح قرآن شریف کے دو قسم کے ہوتے ہیں۔ نیک مکر اور بد مکر۔ لیکن وید کا پر میشر اپنی مذکورہ بالا کارروائی کی رو سے بد مکر کو استعمال کرتا ہے کیونکہ اپنی کمزوری چھپا کر لوگوں کو دھوکہ دیتا ہے کہ محدود عمل کا ثمرہ کیونکر غیر محدود دیا جائے۔ حالانکہ اصل واقعہ یہ ہے کہ وہ نجات دینے پر قدرت ہی نہیں رکھتا۔ اور پھر یہ بھی سراسر دھوکہ دہی ہے کہ اعمال محدود ہیں کیونکہ راستباز لوگ کسی محدود زمانہ تک خدا کو یاد کرنا نہیں چاہتے بلکہ ہمیشہ کی اطاعت کے لئے دل میں عہد رکھتے ہیں اور یہ تو ان کے اختیار میں نہیں کہ موت آجائے۔ موت کا بھیجنا تو خدا کا کام ہے ان کا اس میں کیا قصور؟

پھر ہم اصل بحث کی طرف رجوع کر کے دیکھتے ہیں کہ آریوں کے اصول کی رو سے ان کے پر میشر کا نام مالک ٹھہر نہیں سکتا کیونکہ جو کچھ اسکے پاس ہے وہ قدرت نہیں رکھتا کہ بغیر کسی کے حق واجب کے اس کو بطور اکرام انعام کچھ دے سکے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ جو شخص کسی مال کا مالک ہوتا ہے وہ اختیار رکھتا ہے کہ جس قدر اپنے پاس سے چاہے کسی کو دیدے۔ مگر پر میشر کی نسبت آریوں کا یہ اصول ہو کہ نہ وہ گناہ بخش سکتا ہے

اور نہ جو دو عطا کے طور پر کسی کو وہ کچھ دے سکتا ہے اور اگر وہ ایسا کرے تو اس سے
 بے انصافی لازم آتی ہو لہذا تنازع کے ماننے والے کسی طرح کہہ نہیں سکتے کہ پر بیشتر مخلوقات کا
 مالک ہے۔ یہ تو ہم کئی دفعہ لکھ چکے ہیں کہ مالک کی نسبت انصاف کی پابندی کی شرط لگانا
 بالکل بے جا ہے۔ ہاں ہم مالک کی صفات حسنہ میں سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ رحیم ہے
 وہ بخواد ہے وہ فیاض ہے وہ گنہ بخش ہے والا ہے مگر یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ اپنے زرخیز
 غلاموں اور گھوڑوں اور گائیکوں کی نسبت منصف مزاج ہے کیونکہ انصاف کا لفظ
 وہاں بولا جاتا ہے جبکہ دونوں طرف ایک قسم کی آزادی حاصل ہو۔ مثلاً ہم مجازی
 سلاطین کی نسبت کہہ سکتے ہیں کہ وہ منصف ہیں اور رعایا کے ساتھ انصاف کا سلوک
 کرتے ہیں اور جب تک رعایا اُن کی اطاعت کرے اُن پر بھی انصاف کا قانون یہ واجب
 کرتا ہے کہ وہ بھی رعایا کی اطاعت اور خراج گزاری کے عوض میں اُن کے مال و جان کی
 پوری نگہبانی کریں اور ضرورتوں کے وقت اپنے مال میں سے اُن کی مدد کریں۔ پس
 ایک پہلو سے سلاطین رعایا پر حکم چلاتے ہیں اور دوسرے پہلو سے رحمت سلاطین
 پر حکم چلاتی ہے۔ اور جب تک یہ دونوں پہلو اعتدال سے چلتے ہیں تب تک
 اس ملک میں امن رہتا ہے اور جب کوئی بے اعتدالی رعایا کی طرف سے یا بادشاہوں
 کی طرف سے ظہور میں آتی ہے تبھی ملک میں سے امن اٹک جاتا ہے۔ اس سے ظاہر
 ہے کہ ہم بادشاہوں کو حقیقی طور پر مالک نہیں کہہ سکتے کیونکہ اُن کو رعایا کے ساتھ اور
 رعایا کو اُن کے ساتھ انصاف کا پابند رہنا پڑتا ہے مگر ہم خدا کو اُنکی مالکیت کے لحاظ
 سے رحیم تو کہہ سکتے ہیں مگر منصف نہیں کہہ سکتے۔ کوئی شخص ملوک ہو کر مالک سے انصاف
 کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ ہاں تصریح اور انکسار سے رحم کی درخواست کر سکتا ہو اسی وجہ سے
 خدا تعالیٰ نے تمام قرآن شریف میں اپنا نام منصف نہیں لکھا کیونکہ انصاف دو طرفہ برابری
 اور مساوات کو چاہتا ہے۔ ہاں اس طرح پر خدا تعالیٰ منصف ہے کہ بندوں کے باہمی

محقق میں انصاف کرتا ہے لیکن اس طرح منصف نہیں کہ کوئی بندہ شریک کی طرح اس کے کوئی حق طلب کر سکے کیونکہ بندہ خدا کی ملک ہے اور اُس کو اختیار ہے کہ اپنی ملک کے ساتھ جس طرح چاہے معاملہ کرے جس کو چاہے بادشاہ بنائے جس کو چاہے فقیر بنائے اور جس کو چاہے چھوٹی عمر میں وفات دے اور جس کو چاہے لمبی عمر عطا کرے اور ہم بھی تو جب کسی مال کے مالک ہوتے ہیں تو اُس کی نسبت پوری آزادی رکھتے ہیں۔ ہاں خدا رحیم ہے بلکہ ارحم الراحمین ہے وہ اپنے رحم کے تقاضا سے نہ کسی انصاف کی پابندی سے اپنی مخلوقات کی پرورش کرتا ہے کیونکہ ہم بار بار کہہ چکے ہیں کہ مالک کا مفہوم منصف کے مفہوم سے بالکل ضد پڑا ہوا ہے جبکہ ہم اُس کے پیدا کردہ ہیں تو ہمیں کیا حق پہنچتا ہے کہ ہم اُس سے انصاف کا مطالبہ کریں۔ ہاں نہایت عاجزی سے اُس کے رحم کی ضرورت درخواست کرتے ہیں اور اس بندہ کی نہایت بد ذاتی ہے جو خدا سے اُس کے کار و بار کے متعلق جو اس بندہ کی نسبت خدا تعالیٰ نے کرنا ہے انصاف کا مطالبہ کرے جبکہ انسانی فطرت کا سب تار و پود خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے اور تمام قوتے روحانی جسمانی اُسی کی عطا کردہ ہیں اور اُسی کی توفیق اور تائید سے ہر ایک اچھا عمل ظہور میں آسکتا ہے تو اپنے اعمال پر بھروسہ کر کے اُس سے انصاف کا مطالبہ کرنا سخت بے ایمانی اور جہالت ہے اور ایسی تعلیم کو ہم و دنیا کی تعلیم نہیں کہہ سکتے بلکہ یہ تعلیم سچے گمیاں سے بالکل محروم اور سرسراقت سے بھری ہوئی تعلیم ہے سو ہمیں خدا تعالیٰ نے اپنی پاک کتاب میں جو قرآن شریف ہے یہی سکھایا ہو کہ بندہ کے مقابل پر خدا کا نام منصف رکھنا نہ صرف گناہ بلکہ کفر صریح ہے ہاں جب وہ خود ایک وعدہ کرتا ہے تو اس وعدہ کا پورا کرنا اپنے پر ایک حق ٹھہرا لیتا ہے جیسا کہ وہ قرآن شریف میں فرماتا ہے:-

حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ ۝

یعنی ہم جو ابتدا سے مومنوں کے لئے نصرت اور امداد کا وعدہ دے چکے ہیں اسلئے ہم اپنے

پر یہ حق ٹھہراتے ہیں کہ ان کی مدد کریں ورنہ دوسرا شخص اُس پر کوئی حق نہیں ٹھہرا سکتا۔
 مبارک وہ جو اپنی کمزوریوں کا اقرار کر کے خدا سے رحم چاہتا ہے اور نہایت شوخ
 اور شہسدر اور بدبخت وہ شخص ہے جو اپنے اعمال کو اپنی طاقتوں کا ثمرہ سمجھ کر خدا سے
 انصاف چاہتا ہے۔ اور ابھی میں بیان کر چکا ہوں کہ آریہ صاحبوں نے جو اپنے اعمال کے
 مقابل پر خدا کا نام منصف رکھا ہے۔ یہ غلطی محض اس وجہ سے واقع ہوئی ہو کہ انہوں
 نے اپنے ارواح اور ان کی تمام قوتوں کو ایسا ہی اپنے اجسام اور ان کی طاقتوں کو
 خدا کی طرح قدیم اور انادی اور غیر مخلوق سمجھ لیا ہے جو ہمیشہ کی طرف سے نہیں
 بلکہ خود بخود ہیں۔ اور اگر وہ مخلوق کی نسبت قدامت نوعی کے قائل ہوتے نہ قدامت
 شخصی کے تو اس کفر میں نہ پڑتے مگر انہوں نے قدامت شخصی کا اعتقاد رکھ کر سینے
 یہ کہہ کر کہ ارواح اور ذرات اجسام سب انادی ہیں مخلوق نہیں ہیں ایک بھاری
 کفر اپنے لئے سہیڑ لیا۔

غرض وہ لوگ قدامت شخصی کے قائل ہو کر ہمیشہ کے مقابل پر اُس کے شریکوں
 کی طرح اپنے تئیں تصور کرتے ہیں یا مثلاً اس طرح تصور کرتے ہیں جیسا کہ رعایا کو اپنے
 بادشاہ کے مقابل پر خیال ہوتا ہے اور جیسا کہ رعایا اپنے بادشاہ سے اپنے حقوق
 طلب کر سکتی ہے اور اگر کوئی ظالم بادشاہ اُن کے حقوق کو باطل کرنا چاہے۔ تو اپنے
 حقوق پیش کر کے اُس سے انصاف چاہتی ہے یا ناچار بغاوت کے لئے سر اٹھاتی ہے
 اور آریہ صاحبوں کے اصل کے رُوسے یہ بات صحیح بھی ٹھہرتی ہو کیونکہ جس حالت میں تمام
 روحمیں اور جسموں کے تمام ذرات ہمیشہ کے پیدا کردہ نہیں ہیں تو کیوں نہ اُس سے
 اپنے حقوق خدمت طلب کئے جائیں اور کیوں نہ اُس کو انصاف دینے کے لئے
 مجبور کیا جائے اس حالت میں وہ ہوتا کون ہے جو حقوق دبا کر بیٹھا ہے بلکہ اگر وہ
 واجب حقوق کو ادا نہ کرے تو اگر اسلطان کے نیچے اُس کے اوپر کوئی دوسری عدالت ہوتی تو

اپیل کے وقت ضرور مع خرچہ اُس پر ڈگری ہو سکتی تھی۔ سبحان اللہ
عما یصفون^۱

سوائے ہموطن پیار و ایہ دید و دیا کا ایک نمونہ ہے جو ہم نے اس جگہ پیش کیا
ہے اور آگے چل کر انشاء اللہ اور بھی کئی نمونے بیان کریں گے۔ تم خود سوچ لو کہ کیا یہ سچ
نہیں ہے کہ اول خدا کو مالک قرار دینا اور اقرار کرنا کہ وہ مالکانہ تصرفات اپنی مخلوق میں
کر سکتا ہے اور پھر اُسی منہ سے یہ بھی کہنا کہ وہ مالک نہیں ہے بلکہ وہ صرف ایک
بادشاہ کے درجہ پر ہے اور اسکی مخلوقات محض رعایا کی مانند ہیں اور جیسا کہ رعایا اپنی حقوق
اپنے بادشاہ سے طلب کر سکتی ہے ایسا ہی اُسکے بندے حق رکھتے ہیں کہ انصاف کرنے
کے لئے اسکو مجبور کریں کہ ہماری نسبت ایسا تو نے کیوں کیا اور ایسا کیوں نہ کیا اور وہ مجبور
ہو کر یہ جواب دیتا ہے کہ یہ کی بیشی میری طرف سے نہیں بلکہ تمہارے اعمال کی وجہ سے ہے۔
یہ امر واقعی ہے کہ ہر ایک شخص جو اپنی نسبت خدا کو منصف ٹھہراتا ہو وہ اپنے ذہن میں اپنا
حق خدا پر ٹھہرا لیتا ہو جو واجب الادا ہے اور دل میں خیال کر لیتا ہو کہ میں نے خدا کی اسقدر
جو اطاعت کی۔ یہ میرا ایک حق خدمت ہے جس کا عوض ادا کرنا اُس کا فرض ہے۔ اور اگر وہ حق کو ادا
نہ کرے تو نا انصافی کے مجرم کا مرتکب ہو گا۔ لیکن قرآن شریف نے ہمیں یہ سکھایا ہے کہ انسان
مع اپنی روح اور تمام قوتوں اور ذرہ ذرہ وجود کے خدا کی مخلوق ہے جس کو اُس نے پیدا
کیا۔ لہذا قرآن شریف کی تعلیم کی رو سے ہم خدا تعالیٰ کے خالص ملک ہیں اور اُس پر ہمارا
کوئی بھی حق نہیں ہے جس کا ہم اُس سے مطالبہ کریں یا جس کے ادا نہ کرنے کی وجہ سے وہ
مذموم ٹھہر سکے اس لئے ہم اپنے مقابل پر خدا کا نام منصف نہیں رکھ سکتے بلکہ ہم بالکل تہمت
ہونے کی وجہ سے اُس کا نام رحیم رکھتے ہیں۔ غرض منصف کہنے کے اندر یہ شراکت مخفی ہے
کہ گویا ہم اُسکے مقابل پر کوئی حقوق رکھتے ہیں اور اُس حق کے ادا نہ کرنے کی صورت میں
اُس کو حق تلفی کی طرف منسوب کر سکتے ہیں۔ سو قرآن کی تعلیم اس جگہ آریوں کی تعلیم کے سراسر

برخلاف ہے اور یہی سچی تعلیم ہے تم دونوں تعلیموں پر نظر ڈال کر خود سوچ لو اور پھر اس تعلیم کو اختیار کرو جو سچے گیان اور سچی معرفت کی رو سے صحیح ٹھہرتی ہے۔ خدا تمہیں ہدایت دے۔ امین

پھر آریہ صاحبوں کی طرف سے جو مضمون سنایا گیا اس میں ایک یہ بھی فقرہ تھا کہ پر ماتما یعنی پریشمر سب میں ہے جاہلوں سے دو عقلمندوں سے نزدیک۔ اس عبارت میں جو تناقض ہے اس کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ ایک فقرہ عبارت میں تو وید کی تعلیم یہ بیان کرتی ہے کہ پر ماتما سب میں ہے اور پھر دوسرے فقرہ میں یہ بیان ہے کہ وہ جاہلوں سے دور ہے۔ علاوہ اسکے چونکہ بموجب اصول آریہ سماج کے کوئی روح یا کوئی اجسام کا ذرہ پریشمر کا بنایا ہوا نہیں اور پریشمر کو قرب مخلوق کا وہ موقع بھی نہیں ملا جو بنائیوالے کو اس چیز کے لئے ضروری ہوتا ہے جسکو وہ بناتا ہے تو پھر کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ پر ماتما سب میں ہے جبکہ اسکو قدیم اور نئی چیزوں سے کچھ بھی تعلق نہیں اور نہ پریشمر انکا اندر جا کر ان کی قوتوں کو اصل تعداد سے بڑھا سکتا ہے اور نہ اصل تعداد سے گھٹا سکتا ہے تو اس مداخلت بے جا کے کیا معنی ہوئے کہ پر ماتما سب میں ہے۔ ہر ایک شخص سوچ سکتا ہے کہ محض فضول طور پر پریشمر کا اندر ہونا سراسر ایک لغو حرکت ہے جس سے اگر ثابت ہوتا ہے تو بس یہی کہ پریشمر نے مخلوق کے اندر داخل ہو کر اپنا محدود ہونا ثابت کر دیا ہے کیونکہ جو چیز کسی محدود چیز کے اندر سما سکتی ہے وہ بھی بلاشبہ محدود ہے آریہ صاحبوں کی یہ عجیب عقل ہے کہ ایک طرف تو خدا تعالیٰ کے عرش پر ہونے کے معنوں کو نہ سمجھ کر محض بھالے سے یہ اعتراض پیش کرتے ہیں کہ مسلمانوں کا خدا محدود اور عرش کا محتاج ہے اور دوسری طرف خود اپنے پریشمر کی نسبت یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ تمام مخلوق چیزوں کے اندر ہے اور جبکہ وہ تمام چیزوں کے اندر ہے تو کیا وہ ان بتوں اور صورتوں کے اندر نہیں ہو جاتی بت پرست لوگ پرستش کرتے ہیں بلکہ آدمیوں کو تو پوچھیے کہ بت پرستوں سے زیادہ مخلوق پرستی کریں کیونکہ بت پرست تو پریشمر کا مظهر صرف ان بتوں کو خیالی کرتے ہیں کہ جو ان کی مذہبی رسم کے

موافق آباہن کے منتر کی رُو سے شدہ کئے جاتے ہیں اور پھر بعد اس کے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اب پر میشر اُن کے اندر داخل ہو گیا ہے مگر آدمیوں کے اصول کے موافق پر میشر ہر ایک چیز کے اندر ہے خواہ وہ چیز پاک ہے یا نا پاک اور کسی منتر کی ضرورت نہیں۔ پھر اس جگہ یہ بھی اعتراض ہوتا ہے کہ اگر پر میشر ہر ایک چیز میں پورے طور پر یعنی تمام و کمال اندر ہو تو اس سے تعدد لازم آتا ہے یعنی ایک پر میشر نہیں بلکہ کروڑ ہا پر میشر ہونے اور اگر پورے طور پر کسی کے اندر نہیں تو اس سے پر میشر ٹکڑے ٹکڑے ہوتا ہے اور دونوں امر باطل۔

پھر اسی مضمون میں یہ فقرہ ہے کہ ”پر میشر عالم الغیب ہے“ ہم کہتے ہیں کہ بلاشبہ خدا تعالیٰ عالم الغیب تو ہے مگر خدا کی کتاب کا یہ منصب نہیں ہے کہ محض ایک قصبہ گو کی طرح خدا تعالیٰ کو عالم الغیب قرار دے بلکہ اُس کا یہ منصب ہے کہ خدا کے عالم الغیب ہونے کے لئے اُس کا کوئی نمونہ پیش کر کے ثابت کرے یعنی ایسے ایسے آئندہ کے واقعات پیش گوئی کے طور پر بیان فرما دے جن سے یقین ہو جاوے کہ حقیقت میں خدا عالم الغیب ہے تا خدا تعالیٰ کی کتاب پر ایمان لا کر ظنی ایمان یقین کے درجہ تک پہنچ جائے۔ کیونکہ ظنی طور پر تو دنیا کے اکثر لوگ خدا کے وجود کے تائل ہیں اور اُس کو عالم الغیب بھی خیال کرتے ہیں تو پھر اُن کے علم اور اس علم میں جو دید پیش کرتا ہے فرق کیا ہوا۔ پس اگر وہ میں یقینی علم کی تعلیم دینے کے لئے کوئی پیش گوئی بیان کی گئی ہے اور وہ پوری ہو چکی ہے تو اس مشرقی کو پیش کرنا چاہیئے ورنہ دید کے بیان اور ایک گنوار نادان کے بیان میں کچھ فرق نہیں۔ اور یہ ضروری امر ہے کہ جو کتاب خدا کی کتاب کہلاتی ہے وہ خدا کا عالم الغیب ہونا صرف زبان سے بیان نہ کرے بلکہ اُس کا ثبوت بھی دے کیونکہ بغیر ثبوت کے برا یہ بیان کہ خدا عالم الغیب ہے انسان کے ایمان کو کوئی ترقی نہیں دے سکتا اور ایسی کتاب کی نسبت شبہ ہو سکتا ہے کہ اُس نے صرف سُنی سُستانی باتیں لکھی ہیں۔ اسی وجہ سے قرآن شریف خدا تعالیٰ کی ایسی صفات کے بیان کرنے کے وقت صرف قصبہ گو کی طرح

بیان نہیں فرماتا بلکہ نمونہ کے طور پر اپنا علم غیب ظاہر کرتا ہے اور اپنی ہر ایک صفت کا ثبوت دیتا ہے مگر دید صرف قصہ کے رنگ میں خدا کی صفات کا ذکر کرتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایسے قصے اُس نے کسی دوسرے سے سُنے ہیں اور اُن کی نقل کر دی ہے۔

پس ایسی کتاب کسی انسان کو تازہ گیان اور تازہ معرفت نہیں بخش سکتی بلکہ اپنی مجبوری ظاہر کر کے رفتہ رفتہ ایسے لوگوں کو جو اُس کے پیرو ہیں دہریت کی طرف کھینچتی ہے اور انجام کار اپنا در ماندہ ہونا دکھلا کر اُن کے معمولی ایمان کے لئے بھی سم قاتل ہو جاتی ہے کیونکہ آخر کار اُن کے ذہن اس طرف منتقل ہو جاتے ہیں کہ اگر مثلاً پریشتر عالم الغیب ہوتا تو اس کا بیان عالم الغیب ہونے کے بارے میں صرف قصہ کے طور پر نہ ہوتا بلکہ وہ اپنے علم غیب کا کوئی نمونہ پیش کرتا۔ کیا دید کا پریشتر صرف قصوں کے رنگ میں اپنی صفات پیش کر کے یہ اُمید رکھتا ہے کہ اُسکی اُن بے ثبوت صفات کو مان لیا جائے اور بغیر کسی پیش کردہ دلیل کے اُس کو عالم الغیب سمجھ لیا جائے یا ایسا ہی دوسری صفات اُس کی تسلیم کر لی جائیں۔ خدا کی کتاب کا تو یہ مقصد ہونا چاہیے کہ انسان کے معمولی علم سے جو خدا تعالیٰ اور اُس کی صفات کی نسبت محض قصوں کے رنگ میں ہر ترقی دیکر یقینی علم تک اُس کو پہنچا دے نہ کہ وہ علم ناقص جو انسانوں کو پہلے ہی سے حاصل ہے جیسی اُس کے سامنے پیش کرے۔ خصوصاً اس زمانہ میں جبکہ عام حالت اکثر انسانوں کی دہریت تک پہنچ گئی ہے ایسی قصہ گوئی بجز اس کے کیا فائدہ دے سکتی ہے کہ دہریت طبع لوگ اور بھی اُس پر ہنسی ٹھٹھا کریں۔ ہر ایک واقفکار جانتا ہے کہ آج کل خدا تعالیٰ کے وجود کے بارے میں نہایت تیز مخالفت کی گئی ہے اور اُسکی ہستی کی نسبت ہزار ہا اعتراض اُٹھائے گئے ہیں پس اس زمانہ میں وہی خدا کی کتاب بگڑی ہوئی طبیعتوں کو سیدھا کر سکتی ہے کہ اس بھڑکتی ہوئی آگ پر اپنے زبردست نشاںوں کے ساتھ پانی کا کام لے۔ جبکہ صرف قصے

پہلے ہی سے داریوں اور بے قید لوگوں کی نظر میں زیر مواخذہ ہیں تو کیا وید کا قصہ گوئی سے یہ مطلب ہے کہ اُنسی زندان میں اپنے تئیں بھی ڈال دے جس میں دوسرے قصہ گو بھی پڑے ہوئے ہیں۔

اے ہموطن پیارو! یہ بڑا ماننے کی بات نہیں میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اسی نقصان سے جو وید میں پایا جاتا ہے آئندہ دور کے لاکھوں ہندو جو جن مت وغیرہ ناموں کے اپنے تئیں منسوب کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے وجود سے منکر ہو گئے۔ کیونکہ انہوں نے خدا کے وجود اور اس کی صفات کی نسبت وید کی تعلیم سے کوئی تسلی نہیں پائی۔ بعض پنڈتوں سے ہم نے خود سنا ہے کہ ہم نے چاروں وید پڑھے مگر ہمیں اب تک یقینی طور پر معلوم نہیں ہوا کہ کہیں وید میں خدا کا ذکر بھی ہے۔ بعض نے اس دعویٰ کی ذمہ داری اس قدر اپنے ذمہ قبول کر لی ہے کہ اگر وید میں کوئی خدا کا ذکر ثابت کر کے دکھلا دے تو ہم اُسکو اپنی لڑکی لینے کو تیار ہیں اور یہ عذر پیش کرنا فضول ہو کہ وید ابتدائے زمانہ کی کتاب ہے لہذا اس وقت وید نے غیر ضروری سمجھا کہ خدا کی ہستی اور اُسکی صفات کا تذکرہ کا تازہ طور پر ثبوت دے اور اُس کے علم غیب اور دوسری صفات کے تازہ نمونہ دکھلا دے کیونکہ بلاشبہ جیسا کہ انسان اس زمانہ میں اس بات کا محتاج ہے کہ خدا کی صفات کے تازہ نمونے دیکھے اُس وقت بھی محتاج تھا کیونکہ انسان محض تاریکی میں پیدا ہوتا ہے اور پھر خدا کے کلام کے ذریعہ سے اُس کو روشنی ملتی ہے۔ اور پھر اس دعوے کا ثبوت کہاں ہے کہ وید ابتدائی زمانہ کی کتاب ہے بلکہ خود وید سے پتہ چلتا ہے کہ مختلف زمانوں میں اس کا مجموعہ تیار ہوا اور وہ درحقیقت بہت سے رشیوں کے اقوال میں نہ صرف چار کے۔ چنانچہ سکوتوں کے عنوان پر جا بجا اشارہ پایا جاتا ہے۔ ماسوا اس کے پارسیوں کو اپنی کتاب کی قدامت کی نسبت آریوں سے بڑھ کر دعوئے ہے۔ پس ان غیر مثبت دعووں کو پیش کرنا جائزے مٹرم ہے۔ اول آریوں کو یہ چاہیے کہ کسی حالت میں پارسیوں پر نالش کر کے ویدوں کی قدامت کی نسبت اپنے حق میں ڈگری کرالیں

اور پھر قدامت کا دعویٰ کریں اور بغیر اسے فیصلہ کے جو ناطق ہو نہیں کیا معلوم ہو کہ قدامت کے دعویٰ میں تم سچے ہو یا پارسی سچے ہیں۔

علاوہ اس کے خدا کا کلام صرف ابتدائے زمانہ کے لئے نہیں ہوتا بلکہ وہ تواجبت کے وقت پر انسانی نسل کے درست کرنے کے لئے آتا ہے پس یہ عذر بدتر از گناہ ہے اور ہرگز قبول کرنے کے لائق نہیں بلکہ ہم کہتے ہیں کہ اور تو اور ان رشیوں کا ایمان بھی خدا کے وجود پر محض شکی اور ظنی درجہ پر ہو گا جن پر خدا کی ہستی اور اس کی صفات کے بارے میں کوئی یقینی حقیقت نہیں کھولی گئی اور محض قصے اُنکے آگے رکھ دئے گئے کہ یہ ہمیشہ عالم الغیب ہے اور ہمیشہ سب شکتی مان ہو اور ہمیشہ دیا لو ہو۔ ایک دانشمند جو سچی معرفت کا پیاسا ہو سمجھ سکتا ہو کہ بھلا ان قصوں سے کیا بن سکتا ہے؟

پھر مضمون خواں صاحب نے یہ سنایا کہ ”وہ ہمیشہ سب پر حاکم انادی پر جا کو اپنی سنان و دیا سے گیان دینے والا ہو“ مگر اس کی وجہ کوئی پیش نہیں کی کہ کیوں سب پر حاکم ہے کیا کسی جابرانہ قبضہ سے یہ حکومت اُسکو میسر آئی ہے یا فتویٰ بادشاہ کی طرح رُحوں کی فوج پر اُس نے فتح پا کر اپنا مطیع اور منقاد اُن کو بنالیا ہے کیونکہ وہ حکومت تو اُسکو میسر نہیں جو پیدا کنندہ کو اپنی پیدا کردہ چیزوں پر ہوتی ہو کوئی اور وجہ حکومت ہوگی اور جب تک اُس کی حکومت کی کوئی وجہ بیان نہ کی جائے تب تک یہ دعویٰ کہ ہمیشہ اپنی پر جاب یا رعیت پر حاکم ہے فضول اور بے معنی ہو۔ باقی رہا یہ کہ ہمیشہ اپنی سنان و دیا سے گیان دینے والا ہو اگر گیان سے یہی مراد ہو کہ وہ کسی رُوح یا رُوح کی کسی قوت کا پیدا کردہ والا نہیں اور سب رُوحیں خود بخود ہیں اور ایسا ہی ہر ایک ذرہ اجسام کا اور اُن کی قوتیں خود بخود ہیں اور ہمیشہ کو نہ کبھی طاقت ہوئی اور نہ ہوگی کہ وہ ایک رُوح یا ایک ذرہ پیدا کر سکے تو خدا نہ کرے کہ ایسا گیان کسی ایمان دار کو نصیب ہو۔ بلکہ ایسی باتیں تو وہ کرے گا جو لوگوں کو دہریہ بنانے کیلئے کوشش کرتا ہے۔ اور اگر یہ خیال کیا جائے کہ ہمیشہ نے وہ میں نیک عملوں کی ہدایت

کی ہے وہی وید کا گیان ہے تو تناسخ کے عقیدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پریشتر پاکیزگی کی راہوں پر چلانا نہیں چاہتا۔ کیونکہ تناسخی جنم کے ساتھ کوئی فہرست پریشتر نہیں بھیجتا جس سے معلوم ہو کہ دوبارہ آنے والی روح فلاں شخص کی ماں ہے اور فلاں شخص کی دادی اور فلاں شخص کی بہن۔ اور اس طرح پر محض پریشتر کی لاپرواہی کی وجہ سے لوگ دھوکہ کھا کر حرام کاری میں پڑ جاتے ہیں کیونکہ جس مرد کی کسی عورت سے شادی ہوئی اور شادی سے ایک مدت دراز پہلے اسکی ماں اور دادی اور ہمشیرہ مرچکی ہیں تو اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ جس عورت سے شادی کی گئی ہے شاید وہ اُس کی ماں ہی ہو یا دادی ہو یا ہمشیرہ ہو اور معلوم ہوتا ہے کہ ایسی حرام کاری پھیلنے کی پریشتر کو کچھ پروا نہیں بلکہ وہ عمداً چاہتا ہے کہ ناپاک دنیا میں پھیلے ورنہ کیا اس بات کی قدرت نہ تھی کہ وہ ہر ایک نوراد بچہ کے ساتھ ایک تحریر بھیجتا جس میں ظاہر کیا گیا ہو تاکہ اس بچہ کو فلاں فلاں شخص سے فلاں فلاں رشتہ ہے یا اس بچہ کو یہ قدرت بخشا کہ وہ آپ ہی بتلا دیتا کہ مثلاً میں فلاں فلاں کی دادی یا ماں ہوں مگر چونکہ پریشتر نے ایسا نہیں کیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آریوں کے پریشتر کے نزدیک ہر ایک بد عملی جائز ہے۔ اس پر ایک اور بھی دلیل ہے کہ وید صرف اسی قسم کی حرام کاری کو جائز نہیں رکھتا بلکہ ایک اور قسم کی حرام کاری بھی وید کی رو سے جائز قرار دی گئی ہے اور وہ عقیدہ نیوگ ہے جو آریہ صاحبوں کے نزدیک وید کے نہایت قیمتی خیالات ہیں۔ یاؤں کہو کہ وید کے تمام گیان کی جڑ اور چشمہ وہی ہے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ وید کی تمام تعلیم کا نفس مضمون وہی ہے جس کے ذریعہ مکتی حاصل ہوتی ہے اور جس پر پوشیدہ طور پر آریہ قوم میں عمل ہو رہا ہے۔

اور خلاصہ تعلیم نیوگ یہ ہے

کہ جس آریہ کے گھر میں لڑکا پیدا نہ ہو یا صرف لڑکیاں پیدا ہوں تو اسکے لئے وید کا حکم یہ ہے کہ وہ اپنی بیوی کو کسی دوسرے سے ہم بستر کر اگر اولاد حاصل کرے بغیر

اس کے اُس کو مکتی نہیں ملے گی۔ سوچنے کا مقام ہے کہ بازاری عورتیں بھی اگرچہ ایسے گندے کام کرتی ہیں مگر پھر بھی وہ ایسی عورتوں سے ناپاکی میں کمتر ہیں جو باوجود خاوندوں کے ہونے کے دوسروں سے ہم بستر ہوتی ہیں اور اگر کوئی اپنی بیوی کو طلاق دیدے اور وہ عورت قطع تعلق کے بعد دوسرے سے نکاح کرے تو اس پر عند العقل کوئی اعتراض نہیں کیونکہ میاں بیوی کا رشتہ نکاح ٹوٹنے کے بعد مطلقہ سے نکاح کرنا کوئی اعتراض کی جگہ نہیں۔ وجہ یہ کہ اس صورت میں وہ اس پہلے شخص کی بیوی نہیں رہی مگر اس لیے غیرتی کو دنیا کی کوئی قوم مجز آریوں کے پسند نہیں کرتی اور اس سے مرنا بہتر سمجھتے ہیں کہ اپنی مشکوہ بیوی ہونے کی حالت میں دوسرے سے ہمبستر کراویں۔ اس عقیدہ سے ظاہر ہے کہ وید کی رو سے حرام کاری کا وقوع میں آنا کچھ مضائقہ نہیں بل یہ ضروری ہے کہ کسی طرح لالہ صاحب کے گھر میں اولاد پیدا ہو جاوے۔

پس جو لوگ وید کی تعلیم کے پابند ہو کر اپنی عورتوں کو دوسروں سے ہمبستر کراتے ہیں اور بیرج و اتان کی تلاش میں لگے رہتے ہیں ایسے لوگ اگر خدا کے پاک نبیوں کی توہین کریں تو کوئی محل شکایت نہیں کیونکہ جبکہ اُن کی فطرت سے پاکیزگی کی جست ہی جاتی رہی ہے۔ تو وہ تمام دنیا کو اپنے نفس پر خیال کر لیتے ہیں اور عجیب ترین کہ اس ناپاک مراد کے لئے کوئی یقینی راہ کامیابی کی بھی نہیں۔ بہتیری آریہ زاد ایسی عورتیں ہیں کہ دس دس برس تک بہ بہانہ نیوگ حرام کاری کراتی رہتی ہیں اور رات کو خاوندوں کو چھوڑ کر غیر مردوں کے ساتھ جاسوتی ہیں پھر بھی کوئی لڑکا پیدا نہیں ہوتا اور بجائے کوئی لڑکا پیدا ہونے کے ایک خراب عادت اُن میں پیدا ہو جاتی ہے اور وہ یہ کہ چونکہ ایک مدت دراز تک غیر مردوں کے ساتھ وہ تعلق کرتی رہتی ہیں اور دل میں جانتی ہیں کہ وہ اُن کے خاوند نہیں ہیں مگر پھر بھی اُن سے ہمبستر ہو جاتی ہیں آخر کار اس دائمی مشقت سے تمام شرم و حیاء اُن کی اٹھ جاتی ہے ہم اس سے زیادہ اس جگہ کچھ

نہیں لکھ سکتے۔ ناظرین خود سوچ لیں اور سمجھ لیں کہ جس مذہب نے پریشور کی خدائی پر وہ داغ لگا یا ہو کہ گویا اسکو پریشور ہونے سے ہی جواب ملے دیا اور پھر انسانی پاکیزگی پر وہ داغ لگا یا کہ آریہ ورت کی کوڑا پر شریف عورتوں کو غیر مردوں سے ہمبستر کر دیا اور انہی عفت کو خاک میں ملا دیا۔ کیا ایسے مذہب سے کوئی پاک گیان یا پاک ہدایت نکلائے کی توقع ہو سکتی ہے؟ مگر پھر بھی ہم یہ الزام وید پر لگانا نہیں چاہتے اصل بات یہ ہے کہ بعض جوگی یا سنیا سی جو بظاہر بخودانہ زندگی بسر کرتے تھے اور اندر کی سخت ناپاک تھے انہوں نے نامحرم عورتوں کے ساتھ تعلق پیدا کر کے کیلئے نادان لوگوں کو یہ باتیں کھائی تھیں اور ظاہر کیا تھا کہ گویا وید کی یہی ہدایتیں ہیں اور تا ان کیلئے بدکاری کا دروازہ کھل جائے اور اس طرح پر وہ اپنے نفسانی جذبات کو پورا کر لیں مگر بدیہی

ڈاکٹر برہمچری نے

اپنی کتاب میں بہت کچھ لکھا ہے اور اس نے بیان کیا ہے کہ میں نے جگن ناتھ کے مقام میں ہزار ہا ہندو عورتیں دیکھی ہیں جن کی جوگیوں اور سنیا سیوں سے آشنائی تھی اور حماقت سے سمجھتی تھیں کہ وہ آشنائی اُن کے لئے منکبتی کا موجب ہو گئی ہے۔

پھر مضمون خوان صاحب نے اپنے مضمون میں بیان کیا کہ پر ماتما کی کوئی شکل اور صورت نہیں حالانکہ وید نے اُسی پر ماتما کے نام اگنی۔ وایو۔ جل۔ دھرتی۔ سوج۔ چاند وغیرہ رکھے ہیں اور وہی حمد و صفات اگ اور ہوا وغیرہ کے اُس میں قائم کئے ہیں پھر کیونکر وہ کہہ سکتے ہیں کہ اُسکی کوئی شکل اور صورت نہیں۔ کیا ہوا اپنے کڑھ میں اور اگ اپنے کڑھ میں اور ایسا ہی سورج اور چاند شکل اور صورت سے خالی ہیں جو شخص چند برق رگ وید کے پڑھے گا اسکو معلوم ہو جائیگا کہ وید کی تعلیم کی رُو سے یہ سب عناصر ابرو نام خدا ہی ہیں اور پھر مخلوق بھی ہیں۔ ہم نے اپنی کتاب براہین احمدیہ میں بڑا حصہ ان شریوں کا لکھ دیا ہے جن میں یہ ذکر ہے اس لئے دوبارہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ وید کا خواہ کچھ مطلب تھا مگر آریہ ورت کے کوڑا ہندوؤں نے اور بڑے بڑے

پنڈتوں نے یہی سمجھ لیا تھا کہ آگ اور جل اور چاند اور سورج وغیرہ سب خدا ہی ہیں۔ اسی وجہ سے یہ تمام فتنے آریہ ورت میں پیدا ہو گئے۔ اگر وید جل کی پوجا کی ہدایت نہ کرتا تو گنگا مائی کے پوجنے والے کیوں پیدا ہو جاتے۔ ہر دور اور غیرہ مقامات کے بڑے بڑے میلوں پر جا کر دیکھنا چاہیے کہ کس صدق اور ابرار بات سے کئی لاکھ ہندو گنگا کی پوجا کرتے ہیں اور گنگا کے لاکھوں برہمنوں کا ان کے چڑھاؤں پر گزارہ ہے اور گنگا سے انواع اقسام کی مرادیں مانگی جاتی ہیں اور یہ سب لوگ وید کے پیرو کہلاتے ہیں اگر وہ وید کے ماننے والے نہ ہوتے تو ہندو مذہب میں شمار نہ کئے جاتے۔ بلاشبہ اب بھی ایک بڑا حصہ ہندوؤں کا گنگا کو پریشکر کے ماننا ہے یہاں تک کہ یہ قدیم رسم ہو کہ پہلا بچہ اپنا گنگا مائی کی نذر کیا جاتا تھا جس کو جل پر داکتے ہیں اور اس طرح پر نہایت بے رحمی سے گنگا میں ڈال کر اُس کو ہلاک کر دیتے تھے مگر گورنمنٹ انگریزی نے اپنے خاص حکم سے اس بد رسم کو دور کر دیا اور لاکھوں جانوں کو ہلاکت سے بچایا۔

اب ہر ایک عقلمند سوچ سکتا ہو کہ آریہ ورت کے ہندو جو درحقیقت ایک ہی قوم ہے کیوں عناصر اور اجرام پرستی میں گرفتار ہو گئے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ویدوں میں انہوں نے ایسا ہی لکھا پایا۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ درحقیقت یہی ویدوں کی تعلیم ہے بلکہ ہر ایک جگہ جو ہم اس رسالہ میں ایسا ذکر کریں گے تو اُس سے مراد یہی ہو کہ غلطی سے یہی تعلیم ویدوں کی سمجھی گئی ہے اور پھر رفتہ رفتہ اُس پر حاشیہ چڑھائے گئے یہاں تک کہ مخلوق پرستی اصل مذہب آریہ ورت کا قرار دیا گیا اور یہ فتنہ جو آریوں میں مخلوق پرستی کا پیدا ہوا نہ اصل تمام الزام اس کا وید کی تعلیم پر ہو کیونکہ جبکہ رگ وید اور دوسرے ویدوں میں صریح صریح اور کھلے طور پر آتش پرستی اور آب پرستی اور آفتاب پرستی اور ماہتاب پرستی وغیرہ مخلوق پرستیوں کا ذکر ہے تو پھر جن لوگوں نے یہی تعلیم وید کی سمجھ لیا ان کا کیا قصور ہے؟ اگر ویدوں میں صاف اور صریح لفظوں میں مخلوق پرستی کی ممانعت ہوتی تو ویدوں کے

ماننے والے اور پڑھنے پڑھانے والے پنڈت کیوں مخلوق پرستی میں گرفتار ہو جاتے اور کیوں بڑے بڑے پنڈت جن کو وید کٹھ تھے اس بلا میں پھنس جاتے؟ اور کیوں ہندو لوگ بت شکن بادشاہوں کے جانی دشمن بن جاتے اور کیوں وہ لڑائیاں ہوتیں جو سلطان محمود غزنوی کے مقابل سومنات کے بت کی حمایت کے لئے ہندو راجوں نے کیں اور باہمی لڑائیوں سے خون کی ندیاں بہ گئیں؟ پس یہ تمام گمراہ فرقے اور بت پرستی کے حامی درحقیقت وید سے ہی پیدا ہوئے ہیں۔

پھر اسی مضمون میں جو جلسہ میں پڑھا گیا مضمون کے پڑھنے والے نے یہ بیان کیا کہ پریشتر غضب اور کینہ اور بغض اور حسد سے الگ ہے۔ شاید اس تقریر سے اس کا یہ مطلب ہے کہ قرآن شریف میں خدا تعالیٰ کی نسبت غضب کا لفظ آیا ہے تو گویا وہ اپنے اس مضمون میں قرآن شریف کے مقابل پر وید کو اس تعلیم سے متبرکراتا ہے کہ خدا غضب بھی کیا کرتا ہے مگر یہ اس کی سراسر غلطی ہے۔ یاد رہے کہ قرآن شریف میں کسی بیجا اور ظالمانہ غضب کی طرف خدا تعالیٰ کو منسوب نہیں کیا گیا بلکہ مطلب صرف اس قدر ہے کہ بوجہ نہایت پاکیزگی اور تقدس کے خدا تعالیٰ میں ہم رنگ غضب ایک صفت ہو اور وہ صفت تقاضا کرتی ہے کہ نافرمان کو جو سرکشی سے باز نہیں آتا اس کی سزا دی جائے۔ اور ایک دوسری صفت ہم رنگ محبت ہے اور وہ تقاضا کرتی ہے کہ فرمانبردار کو اس کی اطاعت کی جزا دی جائے۔ پس سمجھانے کے لئے پہلی صفت کا نام غضب اور دوسری صفت کا نام محبت رکھا گیا ہے لیکن نہ وہ غضب انسانی غضب کی طرح ہے اور نہ وہ محبت

آحاشیہ۔ تیسری صفت خدا تعالیٰ میں ایک رحم بھی ہے اور وہ صفت تقاضا کرتی ہے کہ رجوع کرنے والوں کا گناہ بخش دیا جائے۔ پس یہ تین صفت ہیں غضب۔ محبت۔ رحم۔ جو خدا تعالیٰ کی ذات میں موجود ہیں مگر نہ انسانی صفات کی طرح بلکہ اُس طرح جو خدا کی شان کے لائق ہے۔ مز

انسانی محبت کی طرح جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے۔

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۚ

یعنی خدا کی ذات اور صفات کی مانند کوئی چیز نہیں۔ بھلا ہم پوچھتے ہیں کہ آریوں کے وید کی رو سے ان کا پریشدیش کیوں گنہ گاروں کو سزا دیتا ہے یہاں تک کہ انسانی جوں سے بہت نیچے پھینک کر گتا۔ سُور۔ بندر۔ بلا بنا دیتا ہو۔ آخر اس میں ایک ایسی صفت ماننی پڑتی ہے کہ جو اس فعل کے لئے وہ محرک ہو جاتی ہو۔ اسی صفت کا نام قرآن شریف میں غضب ہے۔ چنانچہ رگ وید بھی اس غضبی صفت سے جو پریشدیش میں پائی جاتی ہو بھرا پڑا ہو جیسا کہ رگ وید میں مندرجہ ذیل شریٹیاں درج ہیں۔

(۱) اے اندر اور اگنی بجر گھمانے والو۔ شہروں کے غارت کرنے والو ہمیں دولت عطا کرو لڑائیوں سے ہماری مدد کرو۔

(۲) اے اندر جو سب دیوتاؤں میں اقل درجہ کا دیوتا ہے ہم تجھے بلاتے ہیں۔ تو نے لڑائیوں میں فتوحات حاصل کی ہیں۔ ایسا ہو کہ اندر کا رسا ز غضبناک جو تمام ملحق چیزوں کا جڑ سے اکھاڑنے والا ہو۔ ہمارے رتھ کو لڑائیوں میں سب سے آگے رکھے۔

(۳) تو اے اندر فتح کرتا ہو لیکن ٹوٹ کو نہیں روکتا۔ چھوٹی چھوٹی لڑائیوں میں اور بڑی سخت لڑائیوں میں ہم تجھے اے میگو! اپنی حفاظت کیلئے تیز کرتے ہیں۔

(۴) اے اجیت اندر ایسی لڑائیوں میں ہماری حفاظت کو جہاں سے بہت لوٹ ہمارے ہاتھ آوے۔

(۵) اے اگنی ہمارے دشمنوں کو جلا دے۔ تو بہتوں کے فائدہ کیلئے پیدا کی گئی ہے۔

ان تمام شریٹوں سے معلوم ہوتا ہے کہ قدیم سے آریہ لوگ ان عناصر وغیرہ کو اپنے زعم میں پریشدیش سمجھتے تھے اور غضب وغیرہ تمام صفات خدا تعالیٰ کے انکی طرف منسوب کرتے تھے پھر یہ معلوم کریں اور کس وجہ سے مضمون سنانے والے نے وید کی تعلیم کے مخالف جلسہ میں مضمون سنایا

منہ

اور ستیارتھ پر کاش میں لکھا ہو کہ پر میشر کا نام رُدر ہے یعنی مجھے کام کرنا والوں کو مولاتا ہے۔
ایسا ہی لکھا ہو کہ پر میشر کا نام اریما بھی ہے یعنی جزا سزا دینے والا۔ اور ایسا ہی پر میشر کا
نام ان بھی لکھا ہو یعنی تمام دنیا کو کھانے والا۔ پس ان ناموں سے ظاہر ہوتا ہے کہ
پر میشر میں ایک غرضی صفت ضرور ہے جس کے تقاضا سے وہ گتہ گاروں کو سزا دیتا ہو
اور جس کے تقاضا سے وہ قصور واروں کو گناہ بتاتا ہو۔ اگر اُس میں اس قسم کی صفت موجود

منہ

باقیہ رہا کہ پر میشر میں غضب نہیں اور وہ جو گناہ گاروں کو سزا دیتا ہو اُسکی بنا کسی ذاتی تقاضا پر نہیں
اور اس میں یہ صفت موجود ہی نہیں کہ اُسکی ذات تقاضا فرمائے کہ نافرمان کو سزا دے۔ گویا خود باطلہ
صرف مجاہدین اور دیوانوں کی طرح اسکی یہ حرکت صادر ہوتی ہے۔ کہ گتہ گاروں کو سزا دیتا ہو صرف دراصل
اُسکی ذات میں کوئی ایسی صفت نہیں جو تقاضا فرمائے کہ نافرمان کو سزا دی جائے۔ یہ ہے کہ یہ لوگوں کی
وید و تیا جرانہ صول کی طرح باتیں کرتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ اس صفت کے بیان کرنے میں جس قدر اڑنا
مخصوص نہیں بلکہ ویدوں کی صد ہا خبر تیاں گواہی دے رہی ہیں کہ پر میشر میں ضرور ایک صفت غرضی ہے
ہاں یہ بات سچ ہے کہ ویدوں میں پر میشر کا نام تک نہیں ہے اور تمام ویدوں میں بجائے پر میشر کے
اگنی اور آدیا و ایتل اور چاند اور سورج وغیرہ مخلوقات کی اُستوت و ہما و تعریف موجود ہے اور انہیں
چیزوں کی نسبت غضب کی صفات بیان کی گئی ہیں۔ پس اگر آریہ صاحبان یہ کہیں کہ ہم ان تمام
چیزوں کو جن کی پرستش ویدوں میں موجود ہے (یعنی اگنی وغیرہ کو) پر میشر نہیں مانتے لہذا
ان چیزوں کا غضب اور کینہ وغیرہ جو وید میں لکھا ہے یہ قول ہم پر حجت نہیں یہ دکھلاؤ کہ
کہاں وید میں لکھا ہے کہ پر میشر بھی غضب کرتا ہے؟

پس اسے جو ملن پیارہ جبکہ تمام ویدوں میں پر میشر کا نام تک نہیں تو ہم ویدوں میں سو پر میشر
کالفظ کہاں سے نکالیں۔ تمہارا پر میشر دید کی تھو سے جو کچھ ہے وہ بھی چسپ زبانی ہیں اور کوئی
پر میشر نہیں۔ ہاں اس سے بھی تو تعجب ہے کہ ویدوں میں ان چیزوں کے صفات بیان
کرنے میں عجیب تناقض سے کام لیا ہو۔ مگر ذرہ غور سے دیکھو تو ظاہر ہو گا کہ تمام بیان وید کا
ایک منجملہ الحواس انسان کی طرح ہے۔ شریوں کا مضمون ایسا ہے سر پا اور مہمل ہے کہ فقرہ فقرہ

نہیں کہ وہ تقاضا کرتی ہے کہ ہمیشہ گنہ گاروں کو سزا دے تو پھر کیوں ہمیشہ کی طبیعت
سزا دینے کی طرف متوجہ ہوتی ہے؟ آخر اُس میں ایک صفت ہے جو بدلہ دینے کیلئے توجہ دلاتی
ہے پس اسی صفت کا نام غضب ہے لیکن وہ غضب نہ انسان کے غضب کی مانند ہے بلکہ
خدا کی شان کی مانند۔ اسی غضب کا ذکر قرآن شریف میں موجود ہے اور جیسا کہ قرآن شریف نے
نافرمانوں کے حق میں غضب کا لفظ فرمایا ہے۔ ایسا ہی فرمانبرداروں کے حق میں محبت
کا لفظ فرمایا ہے اور ذکر کیا ہے کہ یہ دونوں صفتیں خدا میں موجود ہیں لیکن نہ اُنکی محبت
انسان کی محبت کی طرح ہے اور نہ اُس کا غضب انسان کے غضب کی طرح ہے بلکہ اُنکی
یہ دو پاک صفتیں ہر ایک نقص سے مبرا ہیں۔ جب وہ ایک اچھے عمل کرنے والے پر اپنا
انعام و اکرام دار کرتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ اُس نے اُس سے محبت کی اور جب وہ ایک
برا عمل کرنے والے کو سزا دیتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ اُس نے اُس پر غضب کیا۔ غرض
جیسا کہ دیدوں میں غضب کا ذکر ہے ایسا ہی قرآن شریف میں بھی ذکر ہے صرف یہ فرق
ہے کہ دیدوں نے خدا کے غضب کو اس حد تک پہنچا دیا کہ یہ تجویز کیا کہ وہ شدت غضب
کی وجہ سے انسانوں کو گناہ کی وجہ سے کیڑے کوڑے بنا دیتا ہے مگر قرآن شریف نے
خدا تعالیٰ کے غضب کو اس حد تک نہیں پہنچایا بلکہ قرآن شریف میں لکھا ہے کہ خدا باوجود

بقیۃ حیات میں باہمی تناقض پایا جاتا ہے مثلاً ایک فقرہ میں اُنکی کو خدا بنایا گیا ہے اور اُس کی اُسقت اور ہما
گائی گئی ہے اور اس سے سزا دیں مانگی گئی ہیں اور خدائی طاقت اس کی طرف منسوب کی گئی ہے اور
پھر دوسرے فقرہ میں باہمی اُنکی کو مخلوق قرار دیا گیا ہے اور یہ بیان کیا گیا ہے کہ اُنکی تو بہتوں کے ماتھے کیلئے
پیدا کی گئی ہے۔ اسی طرح بعض مقامات میں اندر کی طرف خدائی صفات منسوب کئے گئے ہیں اور پھر بعض مقامات
میں اسی اندر کو کسی رشی کا بیٹا قرار دیا گیا ہے گویا یہ بیان کر نیوالے کے حواس قائم نہیں اور یا اُنکی قوت حافظہ
مفقود ہے کہ پہلے جو کچھ کہتا ہے پھر دوسری دفعہ اپنے پہلے بیان کے مخالف بولتا ہے۔ خدا کے کلام میں
اختلاف نہیں ہو سکتا اور نہ وہ چاہتا ہے کہ اُس کی جگہ مخلوق کی پرستش کی جائے۔ منہ

سزا دینے کے پھر بھی انسان کو انسان ہی رکھتا ہے کسی اور جوں میں نہیں ڈالتا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن شریف کی رُوسے خدا تعالیٰ کی محبت اور رحمت اس کے غضب سے بڑھ کر ہے۔ اور وید کی رُوسے گنہ گاروں کی سزا ناپید الکنار ہے اور پریشتر میں غضب ہی غضب ہے رحمت کا نام و نشان نہیں مگر قرآن شریف سے صریح معلوم ہوتا ہے کہ انجام کار دو چیزیں ہیں ایسا زمانہ آوے گا کہ خدا سب پر رحم فرمائے گا۔ لیکن وید کی رُوسے اگر پریشتر کا ارادہ دیکھنا ہو تو ایک نظر ان حیوانات پر ڈالو جو جنگلوں اور دریاؤں اور آسمان کے فضا اور آبادیوں میں موجود ہیں اور ان کیڑوں پر نظر ڈالو جو ایک ایک قطرہ پانی میں جس سے سمندر اور دریا بھرے پڑے ہیں ہزار ہا موجود ہیں تو کیا اس سے سمجھا جاتا ہے کہ مکئی دینے میں پریشتر کی نیت بخیر ہے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ اے آریہ صاحبان! خوب یاد رکھو کہ پریشتر ان تمام انسانوں کے جو ان کو انسان بنانے کا ہرگز ارادہ نہیں رکھتا۔ اگر ارادہ رکھتا تو پریشتر اسی قدر زمین کو فراخ بناتا جس قدر تمام کیڑوں مکوڑوں کو انسان بنانے کی حالت میں فراخ بنانے کی حاجت پیش آنے والی تھی۔

یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ دنیا کے تمام مذاہب میں سے صرف وید ہی کا ایک ایسا مذہب ہے جو اپنے پریشتر کو پریشتر اور کینہ در قرار دیتا ہے اور اس بات کا سخت مخالف ہے کہ خدا تعالیٰ توبہ اور استغفار سے اپنے بندوں کا گناہ بخش دیتا ہے اور عجیب تر یہ کہ اس مذہب میں یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ پریشتر تمام مخلوقات کا مالک ہے اور تمام مخلوق جانداروں کی قسمت اس کے ہاتھ میں ہے اور وہی ایک ہے جس کے سامنے تمام گنہ گار پیش کئے جاتے ہیں۔ لیکن انسانوں کی بدقسمتی کی وجہ سے اس میں یہ صفت غضب تو موجود ہے جو گناہ کو دیکھ کر اس کی سخت سے سخت سزا دیتا ہے لیکن اس میں بدقسمتی صفت موجود نہیں کہ کسی گنہ گار کی توبہ اور تضرع سے اس کا گنہ بھی بخش سکتا ہو بلکہ جس کو ایک ذرہ بھی قصور ہو گیا۔ پھر نہ اُس کی توبہ قبول نہ تضرع عاجزی قابلِ التفات۔ حالانکہ یہ بات ظاہر

کہ انسان ضعیف البنیان بودہ اپنی فطرتی کمزوریوں کے گناہ سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ اور قدم قدم پر ٹھوکر کھانا اسکی فطرت کا خاتمہ ہے مگر وید نے انسان کی حالت پر رحم کر کے کوئی نجات کا طریق پیش نہیں کیا بلکہ وید کو صرف ایک ہی نسخہ یاد ہے جو سراسر غضب اور کینہ سے بھرا ہوا ہے اور وہ یہ کہ ایک ذرہ سے گنہ کیلئے بھی ایک لمبا اور ناپید اگنا سلسلہ مجنوں کا تیار کر رکھا ہے۔ حالانکہ گنہگار اس وجہ سے بھی قابل رحم ہو کہ اسکی کمزور قوتیں جن سے گناہ صادر ہوتا ہو اسکی طرف سے نہیں بلکہ اُسی خدا نے پیدا کی ہیں۔ پس اس حالت میں عاجز بندے اس بات کے مستحق تھے کہ اس مجبوری کا بھی اُنکو فائدہ دیا جائے۔ مگر بقول آریہ صاحبان پر مشر نے ایسا نہیں کیا اور سزا دینے کے وقت یہ ملحوظ نہیں رکھا کہ آئو گناہ کے ارتکاب میں اس کا بھی تو کچھ دخل ہو اور وید نے مکتی دینے کے بارہ میں یہ شرط رکھی ہو کہ تب مکتی ملے گی کہ جب انسان گناہ سے بالکل پاک ہو جاوے مگر اس شرط کو جب قانون قدرت کے معیار کے ساتھ آزمایا جاوے تو ثابت ہو گا کہ اس شرط سے عہدہ برآ ہونا بالکل انسان کیلئے غیر ممکن ہو کیونکہ جب تک انسان خدا تعالیٰ کے تمام حقوق ادا نہ کر لے تب تک نہیں کہہ سکتا کہ اُس نے فرمانبرداری کے تمام دقائق کو ادا کر دیا ہے اور ظاہر ہے کہ قانون قدرت صاف یہ شہادت دے رہا ہے اور انسان کا صحیفہ فطرت اس شہادت پر اپنے دستخط کر رہا ہو اور زبان حال بیان کر رہا ہو کہ انسان کسی مرتبہ ترقی اور کمال میں اس قصور سے مبتلا نہیں ہو سکتا کہ وہ بمقابل خدا کی نعمتوں اور اس کے حقوق کے شکر نہیں کر سکا اور اسکے احکام کی کامل پیروی اور پوری بجا آوری میں بہت قاصر رہا۔ پس اگر انسان کی نجات صرف اسی صورت میں ہو کہ عیساکہ چاہئے

عہدہ دنیا کے تفاوت مراتب اور دُکھ سکھ کی حالت کو دیکھو اسکو اور گنہ یعنی تباہی کی دلیل بنا کر سزا دانی ہے کیونکہ جب دوسرا عالم آنیوالا ہو تو دُکھ پانے والے کو وہاں اسکے عوض میں سکھ مل جائیگا۔ ایسے بھی تو لوگ ہیں کہ جب تب سے اپنے لئے آپ ہی دُکھ پیدا کرتے ہیں تا دوسرے عالم میں سکھ اٹھادیں۔ منہ

تمام حقوق خدا تعالیٰ کے اس سے ادا ہو جاویں اور کسی پہلو سے ایک ذرہ قصور باقی نہ رہے اور اطاعت کی راہ میں ایک ذرہ بھی لغزش اس سے صادر نہ ہو تو یہ طریق نجات تعلیق بالحوال ہے نہ اس درجہ کی عہدہ برائی کسی کو حاصل ہوگی اور نہ وہ نجات پائیگا پس ایسا حکم خدا کا حکم نہیں ہو سکتا جو محال سے وابستہ اور صریح قانون قدرت کے برخلاف اور صحیفہ فطرت کے منافی ہو۔ بھلا تم تمام مشرق و مغرب میں تلاش کر کے کوئی آدمی پیش تو کرو جو صغائر و کبائر اور کسی قسم کی غفلت سے بالکل پاک اور مبرا ہو اور جس نے تمام حقوق بندہ پروری ادا کر لئے ہیں اور جس کا یہ دعویٰ ہو کہ وہ تمام و قائل فرمانبرداری اور شکر گزاری کے بجالا چکا ہو اور جب اس زمانہ میں کوئی موجود نہیں تو یقیناً سمجھو کہ ایسا آدمی کبھی دنیا میں ظہور پذیر نہیں ہوا اور نہ آئندہ اس کے پیدا ہونے کی امید ہو اور جبکہ اپنے زور بازو سے تمام حقوق خدا تعالیٰ کے ادا کرنا اور ہر ایک ہنج سے شکر گزاری کے طریقوں میں عہدہ بردار ہونا قانون قدرت اور صحیفہ فطرت کی رو سے غیر ممکن ہو اور خود تجربہ ہر ایک انسان کا اسپر گواہ ہو تو پھر محنت کی بنا ایسے امر پر رکھنا کہ خود وہ محال اور ناشدنی ہو کسی ایسی کتاب کے شان کے مناسب نہیں ہو جو خدا تعالیٰ کی طرف سے ہو مگر ممکن ہو کہ جیسا کہ اوکئی باتوں میں وید میں خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں یہ خرابی بھی کسی زمانہ میں پیدا ہو گئی ہو اور ممکن ہو کہ دراصل یہ وید کی تعلیم نہ ہو بلکہ محرف تبدیل ہو۔

اور پھر باوجود متذکرہ بالا خرابی کے جو قانون قدرت اور صحیفہ فطرت کے مخالفت آریوں کے مندرجہ بالا اصول میں پائی جاتی ہے۔ جب محنت کی طرف دیکھا جائے تو وہ بھی اپنے اندر ایک نفرتی طریق مخفی رکھتی ہے جو خدا نے کریم کے شان کے شایاں نہیں اور وہ یہ کہ محنت پانے والے انجام کار محنتی خانہ سے باہر نکالے جاتے ہیں پس کس طرح قبول کیا جائے کہ یہ طریق اس خدا کا مقرر کردہ ہے جو سرچشمہ تمام رحمتوں کا ہو اور خلیل اور حامد نہیں ہے خدا کی شان اس سے بلند تر ہے کہ وہ اپنے سچے پرستاروں کو ایک مرتبہ اپنی قرب اور محبت کی عزت دے کر پھر گتے بٹے بنائے اور کیروں کو ڈولوں کی جھولوں میں ڈالے۔

اور پھر ہم جب اس پہلو کو دیکھتے ہیں کہ کیوں اور کس وجہ سے ایک مدت کے بعد تمام لوگ مکتی خانہ سے نکالے جاتے ہیں تو ہمیں اور بھی وید کی تعلیم پر افسوس آتا ہے کہ وہ کس قدر خلافت حق خدا سے کریم کی ذات پر بغل اور بغض اور نادانی کی تہمت لگا رہی ہے یعنی یہ عذر بیان کیا جاتا ہے کہ ہمیشہ جو مکتی دے کر پھر مکتی خانہ سے باہر نکالتے ہیں تو وہ اس اخراج کے لئے پہلے سے مکتی یا بون کا ایک ذرہ سا گناہ باقی رکھ لیتا ہے اور آخر اسی گناہ پر دوبارہ مواخذہ کر کے صوبہ کو مکتی خانہ سے باہر نکال دیتا ہے۔ اب خود سوچ لو کہ کیا یہ نہایت بد اور قابل نفرت مکر خداوند کریم کی طرف منسوب کر سکتے ہیں۔ کیا اس کے اختیار میں تھا کہ جہاں اور گناہوں کے دُور کرنے کے لئے ایک مدت تک جو نوں میں رکھا تھا اس تھوڑے سے گناہ کے لئے بھی جہز روز آد اگون کے چکر میں رکھتا اور پھر دائمی مکتی دیتا اور پھر ہر جگہ منصفین کے لئے یہ بات بھی سوچنے کے لائق ہے کہ گناہ تو صرف ایک ذرہ تھا پھر اسکی سزا میں انسانوں کو بڑے بڑے گناہوں کی سزا کے موافق کتنے بلیاں بنانا اور مختلف طور کی جُوزوں میں ڈالنا یہ کس قسم کا انصاف ہے اور پھر یہ بھی سوچو کہ وہ گناہ جو صرف ایک ذرہ کے مقدار تھا اس کی سزا میں بعض کے لئے بڑی سزائیں اور بعض کیلئے چھوٹی سزائیں کیونکر تجویز کی گئیں یعنی اسی ایک ذرہ گناہ کی وجہ سے ایک گروہ کو تو مکتی خانہ سے نکال کر انسان کی جُوز میں ڈالا گیا مگر پھر بھی بعض کو مرد اور بعض کو عورت بنایا اور پھر اسی ایک ذرہ گناہ کی وجہ سے دوسرے گروہ کو کتے اور میسے کو سور اور چوتھے کو بندر بنایا گیا۔ حالانکہ گناہ صرف ایک ذرہ تھا۔ اقل تو ایک ذرہ گناہ چیز ہی کیا تھا کہ اسکی وجہ سے انسان کو کسی جُوز میں ڈالا جائے کیونکہ اگر ہمیشہ کی نظر میں وہ گناہ قابل بیزاری ہوتا تو باوجود ایسے گناہ کے کیوں ہمیشہ لوگوں کو مکتی خانہ میں داخل کرتا۔ کیا وہ گناہ بھی کچھ وزن رکھتا ہے جو مکتی دینے کی وقت نظر انداز کیا گیا تھا۔ اور اگر ایسی ہیسی ہی منظور تھی تو صرف ایک ذرہ گناہ کی ایک ہی جُوز میں ڈالنا چاہیئے تھا۔ تا کسی کی رعایت نہ ہو۔ مگر اس میں تو صریح پکشی پات اور طر فدا ہی ہے کہ

تمام لوگ جو کئی خانہ سے باہر نکالے جاتے ہیں گناہ تو سب کا برابر ہوتا ہے کم و بیش نہیں ہوتا۔ یعنی صرف ایک ذرہ۔ مگر جو نہیں برابر درجہ کی نہیں ہوتیں اُسی گناہ سے مرد بنایا جاتا ہے اور اُسی سے عورت اور اُسی سے بندر اور اُسی گناہ سے نجاست کا کیڑا۔ کیا کوئی سمجھ سکتا ہو کہ دید کی یہ فلاسفی کس قسم کی ہو۔ کیا اب بھی پرمیشر کا نام نیا کار اور نصف رکھو گے پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ جنوں کی مختلف صورتیں چاہتی ہیں کہ گناہ بھی مختلف صورتوں کے ہوں پس اس کے لازم آتا ہے کہ جس قدر دنیا میں جاندار کیڑے مکوڑے پائے جاتے ہیں اُسی قدر گناہ بھی ہوں اور اس بات کے بیان کرنے کی حاجت نہیں کہ تمام سطح زمین اور فضا اور سمندر مختلف جانداروں اور کیڑوں مکوڑوں سے بھرا ہوا ہو۔ پس اگر یہ سچ ہو کہ اُسی قدر گناہ بھی ہیں جتنی درجہ یہ مختلف حالتوں کے جاندار زمین پر نظر آتے ہیں تو آریہ صاحبوں کا یہ فرض ہو کہ دید میں سے نکال کر ان گناہوں کی ایک فہرست ہمیں دیوین تاہم مقابلہ کر کے دیکھ لیں کہ جس قدر توہین پر اور سمندر میں اور آسمان کی فضا میں اور زمین کے اندر جانور اور کیڑے مکوڑے پائے جاتے ہیں کیا اسی کے موافق ٹھیک ٹھیک تعداد گناہوں کی دید میں لکھی گئی ہو۔ کیونکہ اگر یہ فہرست گناہوں کی ان تمام جانوروں کی تعداد کے برابر نہیں ہوگی تو اس صورت میں ہمیں تنازع اور نیز دید کے باطل ٹھہرانے کے لئے کسی اور دلیل کی حاجت نہیں ہوگی سو یہ بار ثبوت آریہ صاحبوں پر ہے کہ گناہوں کی فہرست اسی اندازہ اور تعداد کی پیش کرے جس قدر مختلف جانور زمین میں پائے جاتے ہیں۔

اس جگہ یہ بھی یاد رہے کہ جبکہ آریہ صاحبوں کا پرمیشر ایسا سخت دل ہے کہ غلو اور درگزر اور رحم اور کرم کی اس میں عادت ہی نہیں اور نیز اس کی ممکنیت میں بھی ایک مخفی و غائبہ تو بلاشبہ یہی اخلاق آریہ صاحبوں کے ہونگے اور ہونے چاہئیں کیونکہ یہ سخت بد ذاتی ہے کہ انسان وہ اخلاق اختیار کرے جو اس کے خدا کے اخلاق کے برخلاف ہیں اور ظاہر ہے کہ انسان کا کمال یہی ہے کہ صفت تخلق باخلاق اللہ سے متصف ہو

پس جبکہ دیدارِ انکو پر میسر کے یہی اخلاق سکھاتا ہے کہ ہرگز ہرگز کسی کا گناہ معاف نہیں کرنا چاہیئے اور کرم اور جوہ اور احسان کسی کی نسبت ہرگز نہیں کرنا چاہیئے۔ تو اس صورت میں آریہ صاحبوں کا یہ فرض ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اپنے دلوں کو سخت رکھیں اور درگزر اور معافی کا نام نہ لیں اور جوہ و احسان کو حرام سمجھیں لیکن ایک سچے مسلمان کے اخلاق اس کے برخلاف ہونگے۔ اور وہ چونکہ قرآن شریف میں پڑھتا ہے کہ خدا تعالیٰ توبہ قبول کرتا ہے۔ گناہوں کو معاف فرماتا ہے۔ یہاں تک کہ اس معافی کے لئے وہ اس بات کا محتاج نہیں کہ کوئی ناکردہ گناہ سولی پر کھینچا جائے تا وہ گناہ معاف کرے بلکہ وہ صرف توبہ اور تضرع اور استغفار سے گناہ معاف کر دیتا ہے اس لئے ایک صادق مسلمان بھی اپنے قصور واروں کے قصور اسی طرح معاف کرتا ہے اور اس معافی کے لئے کسی کو سولی پر چڑھانے کی شرط پیش نہیں کرتا۔ بلکہ ایک قصور وار کی توبہ اور رجوع کی حالت میں وہ تمام قصور بخش دیتا ہے کیونکہ اُس کا خدا بھی اسی طرح قصوروں کو بخشتا ہے اور وہ تمام لوگوں سے مروت اور احسان پیش آتا ہے کیونکہ اُس کا خدا بھی جو او اور کریم اور رحیم ہے۔ لیکن جن لوگوں کا پر میسر بجز غضب اور بغل اور بغض کے گنہگاروں کے ساتھ اور کوئی معاملہ نہیں کر سکتا ان پر ہم کیسی توقع رکھ سکتے ہیں کہ وہ اخلاقِ فاضلہ اختیار کرینگے جو اُنکے پر میسر میں موجود نہیں ہیں۔

ہر ایک مسلمان کو چاہیئے کہ ان کی دوستی سے پرہیز کرے ایسا نہ ہو کہ دوستی کے ایام میں اپنے پر میسر والے اخلاق ظاہر کر دیں کیونکہ بوجہ دید کے جس کو آریہ صاحبان پیش کرتے ہیں پر میسر کے یہ اخلاق ہیں کہ کسی کے ایک ذرہ گناہ پر بھی سخت مواخذہ کرتا ہے اور بے شمار برسوں تک پلید اور گندی جوتوں میں ڈالتا رہتا ہے اور پھر اگر ایک گنہگار دلی درد اور پشیمانی سے اُس کے آگے روئے چلاوے نہایت عاجزی سے ناک رگڑے اور نہایت درہر رنج اور غم کے ساتھ اپنے پر ایک موت وارد کر لے اور اُنہ کیلئے سچے دل سے

عہد کرے کہ پھر ایسا گناہ نہیں کریگا مگر پھر بھی کیا ممکن کہ وہ گناہ جو خفیف و خفیف ہے
 پر ہمیشہ چھوڑ دے اور چشم پوشی فرمائے اور اگر کروڑوں اور کئی ارب کے بعد مکتی بھی دے گا تو
 وہ بھی ایک زمانہ محدود تک ہوگی اور پھر بعد اسکے جنوں کے عذاب میں ڈال دے گا اور
 نہیں چاہیگا کہ اسکے بندے ہمیشہ کا آرام پائیں۔ شاید اس کا یہ سبب ہے کہ نہ وہ جس اور ہمیشہ
 میں خالق اور مخلوق کا تعلق نہیں۔ ہمیشہ قدیم سے الگ اور نہ وہ جس قدیم سے الگ ہیں۔
 لہذا ہمیشہ صرف ایک مجسٹریٹ کی حیثیت سے ان سے معاملہ کرنا ہوتا ہے نہ ماں باپ کی طرح
 اور یہ سچ ہے کہ رحم تعلق سے ہی پیدا ہوتا ہے۔ ایک ماں جو اس تعلق کے جو اپنے بیٹے سے
 رکھتی ہے اور جانتی ہے کہ وہ بیٹا اسکے پیٹ سے نکلا ہے اور اسکی جھاتیل کا دودھ پیا
 ہے اس کے لئے ایک رحمت کا دریا ہوتی ہے۔ پس جبکہ نہ وہ جس اور ہمیشہ میں خالق اور
 مخلوق کا تعلق ہی نہیں اور اس کے ہاتھ سے روح پیدا ہی نہیں ہوتی تو اسکی بلا سے اگر وہ
 ہمیشہ کے عذاب سے مرے تو بیشک مرے کو نہاد میان تعلق ہو جس کی وجہ سے اس کا رحم
 جوش مارے؟ مگر قرآن شریف میں جو خدا نے یہ فرمایا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اے بندو مجھ سے
 نو میدمت ہو میں رحیم و کریم اور ستار و غفار ہوں اور تم سے زیادہ تم پر رحم کرنے والا ہوں اور
 اس طرح کوئی بھی تم پر رحم نہیں کریگا جو میں کرتا ہوں اپنے باپوں سے زیادہ میرے ساتھ
 محبت کرو کہ درحقیقت میں محبت میں ان سے زیادہ ہوں اگر تم میری طرف آؤ تو میں
 سائے گناہ بخش دوں گا اور اگر تم توبہ کرو تو میں قبول کروں گا۔ اور اگر تم میری طرف آہستہ قدم
 سے بھی آؤ تو میں دوڑ کر آؤں گا جو شخص مجھے ڈھونڈ لیا وہ مجھے پائیگا۔ اور جو شخص میری طرف
 رجوع کریگا وہ میرے دروازہ کو کھٹکائیگا۔ میں توبہ کرنے والے کے گناہ بخشا ہوں خواہ
 پہاڑوں سے زیادہ گناہ ہوں میرا رحم تم پر بہت زیادہ ہے اور غضب کم ہے کیونکہ تم میری
 مخلوق ہو۔ میں نے تمہیں پیدا کیا اس لئے میں ارحم تم سب پر محیط ہے۔

یہ ہے خلاصہ قرآن شریف کی تعلیم کا۔ اور یاد رہے کہ درحقیقت رحم تعلق سے ہی پیدا

ہوتا ہے اور جبکہ یہ بات ہے کہ کہیں کار پر ہمیشہ اور کہیں کی رومیوں نہ تعلق نہ واسطہ نہ جوڑ نہ رشتہ نہ اُس کے پیدا کردہ بندے۔ تاہم باعث اس تعلق کے محبت اور رحم جوش مائے اور یاد آوے کہ آخر یہ بیچارے میرے پیدا کردہ ہیں تو پھر ہمیشہ اُن پر کیوں رحم کرے وہ لگتے کیا ہیں۔

خیال کرنا چاہیے کہ اس سختی اور غضب کی بھی کوئی حد ہے کہ بموجب اصول آریہ سماج کے اس دنیا کو کروڑ ہا برس گزر گئے مگر اب تک ہمیشہ نے حیوانات اور کیڑوں کو انسان بنانے میں کوئی قابل قدر کارروائی نہیں کی۔ تمام سطح زمین کا حیوانات اور کیڑوں مکوڑوں سے بھرا ہوا ہے اور پھر جب دیکھو کہ اُن کے مقابل پر انسان کتنے ہیں تو اتنے بھی معلوم نہیں ہوتے کہ جیسے سمندر میں سے ایک قطرہ۔ بلکہ دیکھا جاتا ہے کہ انسانوں کی تولد تناسل بھی بہت ہی کم ہے۔ اس کے مقابل پر ایک رات میں اس قدر نئے کیڑے پیدا ہو سکتے ہیں کہ ایک لاکھ برس میں اس قدر انسان پیدا نہیں ہو سکتے۔ نہ معلوم ہمیشہ کو کہاں کا انسان یہ نقص ہے کہ اس کے بارے میں نہایت سخت قواعد رکھے ہیں اور انجام کار جو مکتی دیجاتی ہے وہ بھی دراصل ماتم کی جگہ ہے۔ خیر یہ تو ہمیشہ کا حکم معلوم ہی ہو چکا ہے مگر ایک اور بے انصافی یہ ہے کہ ہمیشہ سب کو ایک ہی مقررہ مدت گزرنے کے بعد مکتی خانہ سے باہر نکال دیتا ہے لیکن جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں باہر نکالنے کے وقت بھی نا انصافی سے کام لیتا ہے اور باوجود اختلاف اعمال کے جو اختلاف زمانہ اجر کا موجب ہونا چاہیے تھا سب کو ایک ہی دفعہ ایک ہی وقت میں مکتی خانہ سے باہر دفع کرتا ہے اور پھر بے انصافی یہ کہ گناہ تو صرف اسی قدر ہیں جو وید میں لکھے گئے ہیں مگر ان معدود اور محدود گناہوں کے عوض میں جو وید کے ایک درج پر آ سکتے ہیں تمام سطح زمین کا کروڑ ہا جانوروں اور بے شمار کیڑوں مکوڑوں سے بھر رکھا ہے اور وید کی نیم تناسل یعنی جنوں کے متعلق یہ ہے کہ ہر ایک گناہ ایک خاص جن کو چاہتا ہے۔ کیونکہ ہمیشہ تو گناہوں کی سزا میں اپنے ارادہ کا کچھ دخل ہی نہیں دیتا اور ہر ایک گنہگار

جو اپنے گناہوں کی وجہ سے کسی خاص چوں کو چاہتا ہے وہی چوں پر ہمیشہ اسکو دے دیتا ہے
 پس اس صورت میں لازم آتا ہے کہ سطح زمین پر جس قدر پرند چرند درند خزندہ اور کٹرے کوٹھے
 ہیں اسی قدر انسان کے گناہ بھی ہوں مگر وید نے کوئی اس قدر لمبی چوڑی فہرست گناہوں کی
 پیش نہیں کی اور عقل سلیم تو خود اس خیال کو سراسر لخوا اور یہودہ اور خلافت واقعہ سمجھتی
 ہے۔ پس یہ وید و دیا کے نمونے ہیں جو ہم ظاہر کرتے جاتے ہیں۔ سب سے زیادہ افسوس کی
 جگہ یہ ہے کہ ہمیشہ باوجود مالک کہلانے کے کسی کا گناہ بخش نہیں سکتا اپنے زور بازو
 سے کوئی نجات پاوے تو پاوے ورنہ آریوں کو ہمیشہ کے فضل اور رحیم ہاتھ دھو لینا
 چاہیئے۔ ہم ہمیشہ کی اس خصلت سے جس قدر تعجب میں ہیں کسی دوسری خصلت سے
 ہمیں تعجب نہیں یعنی جبکہ وہ جانتا ہے کہ انسانی فطرت کمزور ہے اور انسانی فطرت اسی کی
 ایک کل بنائی ہوئی ہے اور اس کل کے تمام پرزے بچے اسی کی طرف سے ہیں۔ تو
 اس قدر سخت دلی اس کے تقدس کے برخلاف کیوں ہے۔ اگر وہ ایسا کمزور تھا کہ نہ تو
 گناہ بخش سکے نہ رُوحوں کو پیدا کر سکے نہ جاودانی مکتی دے سکے تو کیوں اس نے یہ نازک
 کام خدا کی کا اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ کیا ایسا ہمیشہ جو نیک اخلاق سے کچھ بھی حقہ نہیں
 رکھتا اور بات بات میں اس کا غضب اور کینہ ظاہر ہے برداشت تو ذرہ نہیں پھر کیونکر اسکو
 کینہ اور غضب سے مبرا سمجھ سکتے ہیں کیا غضب کرنے والوں اور کینہ وروں کے سر پر سینگ
 ہوتے ہیں۔ اور اگر وہ تو بہ کر نیکوالوں اور عجز و نیاز سے اسکی راہ میں گداز ہونیوالوں اور آتش محبت
 میں بھسم ہونے والوں کے گنہ بخش نہیں سکتا اور خواہ انسان تصریح کرے کہ تارکات موت تک پہنچ جائے
 اس کا دل نرم ہی نہیں ہوتا اور بدلہ لینے سے باز نہیں آتا تو اگر اسکو غضب کر نیکوالوں اور کینہ وروں نہیں
 کیونکہ تو اور کیا کیونکہ اور اگر وہ دائمی مکتی باوجود قدر کے اُن بندوں کو نہیں دے سکتا جن کا
 ایمان چند روزہ نہ تھا بلکہ ہمیشہ کیلئے تھا تو کیا اُسکے حق میں یہ کہنا ہے جاہلوں کا وہ حاسدوں
 کی طرح اپنے صادق پرستاروں کا آرام نہیں چاہتا کیا بار بار پاس کر کے پھر قیل کرنا اور عزت

دے کہ پھر بے گناہ ذلیل کرنا اور جسم و کرم سے معاملہ نہ کرنا کیا اس شخص کی عادت ہو سکتی ہے جس کی طبیعت غضب اور حسد اور کینہ اور بغض سے خالی ہو جبکہ ممکن پانے والے لوگ اپنے زور بازو سے مکتی حاصل کرتے ہیں نہ پر میشر کی کسی مروت اور احسان کی تو کیا روا تھا کہ انکو مکتی خانہ سے باہر نکالا جائے اور کون کہتا ہو کہ اُن کے محدود اعمال ہیں بلکہ موت تو ایک عارضہ تھا کہ پر میشر کی طرف سے اُن کو لاحق ہو گیا ورنہ اُنکا ارادہ غیر محدود اعمال کا تھا پس چاہیے تھا کہ پر میشر انہی نیت کے موافق اُنکے ساتھ عمل کرتا نہ کہ وہ وجہ پیش کرتا جو کہ خود اسکی اپنے فعل سے پیدا ہوئی ہے نہ انہی نیت اور اختیار سے۔ افسوس وید نے ایک ایسا حلیہ پر میشر کا دکھلایا ہو کہ گویا ہر ایک عیب اور غضب اور کینہ وری اور بے رحمی میں اسکی کوئی نظیر نہیں نہ قدرت کامل نہ رحم نہ اخلاق نہ اپنے وجود کا پتہ دے سکا کہ میں موجود ہوں کیونکہ اسکے وجود کا پتہ یا تو اسکی خالقیت سے ملتا یا مصنوع کو دیکھ کر صانع کو شناخت کیا جاتا مگر جو جب تعلیم وید کے ذہ اور لوح اور ذرات عالم کا پیدا کنندہ نہیں۔ اور یا اسکے وجود کا پتہ اسکے تازہ نشانوں اور معجزات سے ملتا سو وہ نشانوں کے دکھلانے پر قادر نہیں۔ پس درحقیقت آریوں کا ایسے پر میشر پر احسان ہے کہ باوجودیکہ اُنہیں کوئی ثبوت اپنی ہستی کا نہیں دیا پھر بھی اُسکو مانتے ہیں۔

ہم آریہ صاحبوں کو اس بات کی طرف نہایت تاکید سے توجہ دلاتے ہیں کہ وہ صرف یہودہ گوہندؤں کی باتوں پر اعتماد کر کے کسی وید یا کو وید کی طرف منسوب نہ کریں موجودہ وید میں کوئی وید یا نہیں نہ دین کی نہ دنیا کی جس وید نے خدا کے وجود پر ہی کوئی دلیل قائم نہیں کی اور پہلا قدم ہی اُس کا غلط نکلا اسکے دوسرے علوم و فنون تلاش کرنا صرف وقت ضائع کرنا ہے کیونکہ جو جب تعلیم وید کے پر میشر و حوں اور انکی طاقتوں کا پیدا کرنے والا نہیں اور ایسا ہی ذرات اور ان کی طاقتوں کا پیدا کرنے والا نہیں تو پھر کیونکر شناخت کیا جائے کہ پر میشر موجود بھی ہو اور یہ کہنا کہ پر میشر و حوں اور جسموں کو باہم ملاتا ہے یہ قول کوئی دلیل نہیں جو و حیں اور ذرات خود بخود ہیں وہ خود بخود مل بھی سکتی ہیں۔

اور پھر جس وید نے یہ خیال اپنا ظاہر کیا کہ سطح زمین کے تمام حیوانات اور آسمان کی فضا اور زمین کے اندر کے جانور اور تمام برسی بھری پرند چرند خزند اور پانی کے کیرے جو سمندر اور دریاؤں کے ہر ایک قطرہ میں ہزار ہا ہیں یہ سب آدمی ہیں اس وید کو حق اور حکمت سے کیا تعلق ہے کیونکہ اگر یہ فرض کیا جائے کہ ان جانوروں کا کروڑوں حصہ بھی کسی آدمی بن کر اس زمین پر آباد ہوگا تب بھی ایسا فرض کرنا سراسر محال اور بالکل محال ہے بلکہ اگر زمین پر سے تمام سمندر اور تمام دریا اٹھ جائیں اور تمام پہاڑ زمین سے ہموار ہو جائیں اور تمام زمین ایک صاف میدان آبادی کے لائق ہو جائے تب بھی اگر کروڑوں حصہ زمین کے جانداروں اور کیرٹوں مکوڑوں کا انسان بن جائے اور انکو زمین پر آباد کرنا چاہیں اور زمین بھی اندازہ موجودہ سے دس چند سے زیادہ ہو جائے پھر بھی ان جانداروں کی بصورت آدمی بن جانے کے زمین پر گنجائش نہیں ہو سکتی۔ ہر ایک شخص جو ایک گروہ ہماروں کا کسی گھر میں بلانا چاہتا ہے تو اول وہ دیکھ لیتا ہے کہ وہ گھر ان کے لئے گنجائش بھی رکھتا ہے یا نہیں۔ پس اگر پریشہر کافی الحقیقت یہ ارادہ تھا کہ ان تمام جانداروں کو انسان بن کر زمین پر آباد کرے تو اس ارادہ کے مطابق زمین کو اس قدر فراخ بنانا چاہیے تھا جس میں ان تمام انسانوں کی گنجائش ہو سکتی جو کیرٹوں مکوڑوں کی جوتوں سے انسان کے ٹخنوں میں آنے والے تھے اور صاف ظاہر ہے کہ پریشہر کا اس قدر چھوٹی زمین بنانا کہ جس میں ایک کوئیں کے کیرٹے بھی اگر آدمی بنائے جائیں سما نہیں سکتے۔ اُس کا یہ فعل یا سکے اس ارادہ پر دلالت کو کرتا ہے کہ اُس کا منشاء ہی نہیں کہ یہ تمام کیرٹے مکوڑے آدمی بن جائیں۔ ہاں اگر یہ کہو کہ پریشہر سے یہ غلطی ہوئی کہ وہ صحیح اندازہ زمین اور تمام جانداروں کا نہیں کر سکا تو ایسے جواب نہ وید کا پریشہر اور نہ وید کا مذہب قائم رہ سکتا ہے۔

ایک اور وید و دیا کا نمونہ ہم پیش کرتے ہیں اور وہ یہ کہ جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے زمین کی آبادی صرف ایک رُبع مسکوں سے جو نہایت قلیل

آبادی ہے۔ اسی صورت میں جبکہ وہ لوگ جو ایک مقررہ مدت کے بعد مکتی خانہ سے نکالے جاتے ہیں اور شمار میں زمین سے ہزار ہا حصہ زیادہ ہوتے ہیں ان کی اس زمین پر کیونکر گنجائش ہو سکتی ہے کیونکہ جو لوگ مکتی خانہ سے باہر نکالے جاتے ہیں وہ صرف ایک صدی کے لوگ نہیں ہوتے بلکہ بموجب اصول قرار دادہ آریہ صاحبوں کے کروڑ ہا صدیوں کے آدمی ہوتے ہیں۔ پس وہ زمین جس کی سطح پر صرف ایک صدی کے آدمی بمشکل آباد ہیں اسپر کروڑ ہا صدیوں کے آدمی کیونکر سما سکتے ہیں۔ کیا کوئی آریہ صاحب وید کے اس عجیب و غریب فلسفہ سے ہمیں اطلاع دے سکتے ہیں۔

یاد رہے کہ یہ اعتراض اسلام کے عقیدہ پر نہیں ہو سکتا کیونکہ اسلام کے عقیدہ کے رو سے پہلے آدمی اور پچھلے آدمی زمین پر کبھی جمع نہیں کئے گئے مگو وید کی رو سے تو تمام پہلی پچھلی زمینیں مکتی خانہ سے باہر نکالی جاتی ہیں اور پھر وہ تمام زمینیں زمین پر طرح طرح کے حیوانوں کی شکل میں آجاتی ہیں۔ اب جب وہ تمام جاندار جو وقتاً فوقتاً زمین پر سو کچ کر گئے تھے ایک ہی وقت میں زمین پر جمع ہوتے ہیں تو کوئی نہیں سمجھائے کہ کیونکر اس زمین پر ایسی گنجائش ہو سکتی ہے اور پھر تمام مکتی پانے والوں کا ایک ہی وقت میں مکتی خانہ سے باہر نکالنا ایک عجیب بات ہے جو سمجھ نہیں آتی کیونکہ جب مکتی پانے والے مختلف زمانوں میں زمین سے انتقال کر کے مکتی خانہ میں داخل کئے جاتے ہیں تو چونکہ مکتی کا زمانہ محدود ہوا اسلئے یہ اعتراض لازم آتا ہے کہ ان مختلف زمانوں کے لوگوں کو ایک ہی وضع مکتی خانہ سے باہر نکالنا بے انصافی ہوگی۔ بلکہ یہ لازم آتا ہے کہ جیل کے قیدیوں کی طرح جس مکتی یافتہ کی میعاد پوری ہو جائے اور وہ اس لائق ٹھہرے کہ مکتی خانہ سے باہر نکال دیا جائے اسکو فی الفور نکال دیا جائے اور وہ دوسرا جس کی ابھی میعاد پوری نہیں ہوئی اسکو میعاد کے پورے ہونے تک مکتی خانہ میں رکھا جائے غرض

آخرا شبہ۔ اسلام میں جو حشر جسوا کی نسبت خبر دی گئی ہے یعنی یہ کہ قبروں میں سے مردے ہی اٹھیں گے ساتھ ہی یہ بھی خبر دی گئی ہے کہ اس دن زمین اس قدر چھلنی جائے گی کہ جو کروڑ ہا آدمی اس زمین سے بڑھ کر رہیں گے۔

وید و دیا کے نمونے یہ ہیں جو ہم نے بیان کئے ہیں۔ اور اگر کوئی آدمی صاحب اپنے خوش عقیدگی کی وجہ سے زیادہ کے مشتاق ہو گئے۔ تو ہم اور بھی لکھیں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔

آریں کی حالت پر بڑا افسوس ہے کہ وہ محض اپنی نادانی اور تعصب کی وجہ سے قرآن شریف پر جو سرچشمہ معارف اور حقائق ہے اعتراض کرتے ہیں اور اپنے وید کی خبر نہیں لیتے کہ کس تاریکی میں پڑا ہوا ہے اور اُسکی باتیں ایسی خلاف عقل اور یہودہ ہیں جو یقیناً اسکی بڑھ کر کسی قوم کی کتاب میں ایسی باتیں نہیں ہونگی۔ وید نے پریشکر کو سرا سر غضب اور کینہ وری کا پتلا ٹھہرا دیا ہے جو کسی حالت میں سزا کے ارادہ کو نہیں چھوڑتا۔ لیکن قرآن شریف نے خدا تعالیٰ کے غضب کو اس طور سے بیان نہیں کیا جو وید بیان کرتا ہے بلکہ وہ غضب ایک روحانی فلسفہ اپنے اندر رکھتا ہے جیسا کہ خدا تعالیٰ سزا دہی کی کیفیت کے بارہ میں ایک جگہ قرآن شریف میں فرماتا ہے نَارُ اللَّهِ الْمُوقَدَةُ الَّتِي تَطْلَعُ عَلَى الْاَفْتَدَةِ۔ یعنی دوزخ کیا چیز ہے دوزخ وہ آگ ہے جو دہل پر بھڑکائی جاتی ہے۔ یعنی انسان جب فاسد خیال اپنے دل میں پیدا کرتا ہے اور وہ ایسا خیال ہوتا ہے کہ جس کمال کیلئے انسان پیدا کیا گیا ہے وہ اسکے مخالف ہوتا ہے۔ تو جیسا کہ ایک بھجھو کا یا پیاسا بوجہ نہ طے غذا اور پانی کے آخر مر جاتا ہے۔ ایسا ہی وہ شخص بھی جو فساد میں مشغول رہا اور خدا تعالیٰ کی محبت اور اطاعت کی غذا اور پانی کو نہ پایا وہ بھی مر جاتا ہے۔ پس یہ وجہ تعلیم قرآن شریف کے بندہ ہلاکت کا سامان اپنے لئے آپ تیار کرتا ہے خدا اُسپر کوئی سزا نہیں کرتا اسکی ایسی مثال ہے کہ جیسے کوئی اپنے حجرہ کے تمام دروازے بند کرے اور روشنی داخل ہونے کیلئے کوئی گھر کی گھلی نہ رکھے تو اس میں شک نہیں کہ اُسکے حجرہ کے اندر اندھیرا ہو جائیگا۔ سو گھر کی گھلی کا بند کرنا تو اس شخص کا فعل ہے مگر اندھیرا کو دینا یہ خدا تعالیٰ کا فعل اُسکے قانون قدرت کے موافق ہے۔ پس اسی طرح جب کوئی شخص خرابی اور گناہ کا کام کرتا ہے تو خدا اعلیٰ اپنے قانون قدرت کی رُو سے اُس کے اس فعل کے بعد کوئی ایسا فعل ظاہر کر دیتا ہے جو اس کی سزا ہو جاتا ہے لیکن باہمہ تو یہ کا دروازہ بند نہیں کرتا۔ مثلاً جب ایک شخص نے اپنے

ایسے حجرہ کی کھڑکی کھول دی جس کو اُس نے بند کر دیا تھا تو معاہدہ تعالیٰ اُس حجر میں روشنی داخل کرے گا۔ پس قرآن شریف کی تُو سے خدا کے غضب کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ انسان کی طرح اپنی حالت میں ایک مکررہ تغیر پیدا کر کے خشمناک ہو جاتا ہے کیونکہ انسان تو غضب کے وقت میں ایک رنج میں پڑ جاتا ہے اور اپنی حالت میں ایک دکھ محسوس کرتا ہے اور اس کا سرور جاتا رہتا ہے مگر خدا ہمیشہ سرور میں ہے اُس کی ذات پر کوئی رنج نہیں ہوتا۔ بلکہ اُس کے غضب کے یہ معنی ہیں کہ وہ چونکہ پاک اور قدوس ہوا سوائے نہیں چاہتا کہ لوگ اُس کے بندے ہو کر ناپاکی کی راہیں اختیار کریں اور تعصبات فرماتا ہے کہ ناپاکی کو درمیان سے اٹھا دیا جاوے۔ پس جو شخص ناپاکی پر اصرار کرتا ہے آخر کار وہ خدائے قدوس اپنے فیض کو جو مدار حیات اور راحت اور آرام ہے اس سے منقطع کر لیتا ہے اور یہی حالت اُس نافرمان کے لئے موجب عذاب ہو جاتی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہو کہ جیسے ایک باغ ہے جو ایک نہر کے پانی سے سرسبز اور شاداب ہوتا تھا اور جب باغ والوں نے نہر کے مالک کی اطاعت چھوڑ دی تو مالک نہر نے اس باغ کو اپنے نہر کے پانی سے محروم کر دیا اور بند لگا دیا تب باغ خشک ہو گیا۔

اب واضح ہو کہ ضرورت الہام کو بیان کرنا اُس قوم کا کام نہیں ہے جو الہام کو کسی گذشتہ زمانہ تک محدود سمجھ بیٹھی ہے۔ کیونکہ جو چیز واقعی طور پر ضروری ہے اُس کی ہمیشہ اور ہر وقت ہمیں ضرورت ہے۔ اور اگر کہیں کہ پہلے زمانوں میں الہام کی ضرورت تھی اور اب نہیں ہے تو گویا ہم خود ضرورت الہام کے منکر ہیں۔ مثلاً ہمیں زندگی کے لئے سانس لینے کی ضرورت ہے پس نہیں کہہ سکتے کہ کل وہ ضرورت تھی مگر آج نہیں ہے اور آج ہم کسی دوسرے کو سانس لینے دیکھ کر جی سکیں گے۔ بلکہ الہام ہی ایک ایسی چیز ہے کہ جو خدا کو نزدیک کر کے ہمیں دکھلا دیتا ہے اور چار ارشتہ خدا سے محکم کر دیتا ہے اور ہم جیسے پہلے آسمان سے آئے تھے الہام دوبارہ ہمیں آسمان کی طرف لے جاتا ہے۔

اب جاننا چاہیے کہ دلیل دو قسم کی ہوتی ہے ایک قلمی اور لہجی دلیل اُس کو کہتے

ہیں کہ دلیل سے مدلول کا پتہ لگالیں جیسا کہ ہم نے ایک جگہ دھواں دیکھا تو اس سے ہم نے آگ کا پتہ لگالیا۔ اور دوسری دلیل کی قسم اتنی ہے اور اتنی اُسکو کہتے ہیں کہ مدلول سے ہم دلیل کی طرف انتقال کریں جیسا کہ ہم نے ایک شخص کو شدید تپ میں مبتلا پایا تو ہمیں یقین ہوا کہ اس میں ایک تیز صفراموہود ہے جس سے تپ چڑھ گیا۔ سو اس جگہ ہم انشاء اللہ تعالیٰ دونوں قسم کی دلیلیں پیش کریں گے۔

سو پہلے ہم لمبی دلیل ضرورت الہام کے لئے پیش کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ اس میں کچھ شک نہیں کہ انسان کے جسم کا جسمانی اور روحانی نظام ایک ہی قانون قدرت کے ماتحت ہے پس اگر ہم انسان کے جسمانی حالات پر نظر ڈال کر دیکھیں تو ظاہر ہو گا کہ خداوند کریم نے جس قدر انسان کے جسم کو خواہشیں لگادی ہیں اُنکے پورا کرنے کیلئے بھی سامان مہیا کئے ہیں چنانچہ انسان کا جسم باعث مجھو کے اندام کا محتاج تھا سو اسکے لئے طرح طرح کی غذائیں پیدا کی ہیں۔ ایسا ہی انسان باعث پیاس کے پانی کا محتاج تھا سو اسکے لئے کوئیں اور چشمے اور نہریں پیدا کرنے ہیں اسی طرح انسان اپنی بھارت کا کام لینے کیلئے آفتاب یا کسی اور روشنی کا محتاج تھا سو اسکے لئے خدا نے آسمان پر سورج اور زمین پر دوسری اقسام کی روشنی پیدا کر دی ہے۔ اور انسان اس ضرورت کے لئے کہ سانس لے اور نیز اس ضرورت کیلئے کہ کچھ دوسرے اُدا د کو سُن سکے ہوا کا محتاج تھا سو اس کیلئے خدا نے ہوا پیدا کر دی ہے۔ ایسا ہی انسان بقائے نسل کیلئے اپنے جوڑے کا محتاج تھا سو خدا نے مرد کیلئے عورت اور عورت کیلئے مرد پیدا کر دیا ہے۔ غرض خدا تعالیٰ نے جو جو خواہشیں انسانی جسم کو لگادی ہیں اُن کیلئے تمام سامان بھی پیدا کر دیا ہے۔ پس اب سوچنا چاہیے کہ جبکہ انسانی جسم کو باوجود اُسکے فلانی ہونے کے تمام اُسکی خواہشوں کا سامان دیا گیا ہے تو انسان کی روح کو جو دائمی اور ابدی محبت اور معرفت اور عبادت کیلئے پیدا کی گئی ہے کس قدر اُسکی پاک خواہشوں کے سامان دئے گئے ہونگے۔ سو وہی سامان خدا کی وحی ہے اور اُس کے تازہ نشان ہیں جو ناقص العلم انسان کو یقین تام تک پہنچاتے ہیں۔ خدا نے جیسا کہ جسم کو

اُس کی خواہشوں کا سامان دیا ایسا ہی رُوح کو بھی اُس کی خواہشوں کا سامان دیا۔ تا جسمانی اور رُوحانی نظام دونوں باہم مطابق ہوں۔

جن کو رُوحانی حُسن دی گئی ہے وہ اس بات کو محسوس کرتے ہیں کہ رُوح اپنی تکمیل کیلئے ایک رُوحانی غذا اور پانی کی محتاج ہے جس سے رُوحانی زندگی قائم رہ سکتی ہے۔ رُوحانی زندگی کیا چیز ہے؟ وہ اپنے محبوب حقیقی کی محبت اور اُس سے قطع تعلق ہو جانے کا خوف ہے۔ اور محبت سے مراد وہ حالت ہے کہ کبھی دِل اُسی کی طرف کھینچا جائے اور اُس کے مقابل پر کوئی دُوسرا باقی نہ رہے۔ اور رُوحانی خوف سے یہ مراد ہو کہ قطع تعلق کے اندیشہ سے گناہ کا مادہ جل جائے اور رُوح میں ایک پاک تبدیلی پیدا ہو جائے اور دنیا میں کوئی ایسی انسانی رُوح نہیں جو رُوحانی زندگی کی طالب نہیں۔ ہاں جو لوگ محض دنیا کے کیڑے ہیں انکی رُوح کی بصارت قریباً مردار پڑھاتی ہو اور وہ خدا سے قطع تعلق کر لیتے ہیں اور خدا سے نہیں ڈرتے اور صرف دنیا کو اپنی اصلی غرض سمجھنے لگتے ہیں مگر تاہم کسی خوفناک نظارہ کے وقت جیسا کہ سخت زلزلہ یا کسی خطرناک بیماری کی وجہ سے ایک محل کی طرح اُس مالک حقیقی کی ہیبت کی چمک اُن کے سامنے بھی آجاتی ہو اور پھر غافل ہو جاتے ہیں۔ مگر یاد رہے کہ فقط یہ کہنا کہ جس خدا نے جسم کی حالتوں کے موافق اس کو سامان دئے ہیں ایسا ہی رُوح کو اُسکی حاجتوں کے موافق سامان دئے ہوئے جیسا کہ مضمون پڑھنے والے آریہ نے بیان کیا یہ وجود الہام پر کامل دلیل نہیں ہو کیونکہ مخالف کہہ سکتا ہو کہ ممکن ہو کہ انسان کو ایک چیز کی ضرورت تو ہو مگر وہ چیز اُس کو حاصل نہ ہو۔ پس سچ تو یہ ہو کہ یہ دلیل جو ملتی ہو پوری نہیں ہو سکتی جب تک اُسکے ساتھ اتنی دلیل نہ ہو یعنی جب تک تازہ نمونہ الہام کا نہ دیکھا جائے بلاشبہ ضرورت کا محسوس کرنا اور چیز سے بہادر پھر اس ضرورت کو حاصل بھی کر لینا یہ اور امر ہے۔ پس آریوں کے مضمون پڑھنے والے نے جو ضرورت الہام کیلئے صرف یہ چند فقرے بیان کئے کہ جس طرح خدا انسان کی جسمانی خواہشوں کو پُر کرتا ہے مثلاً

پیماس کے وقت پانی عطا کرتا ہے اور بھوک کے وقت طرح طرح کی غذائیں عنایت کرتا ہے اسی طرح خدا روحانی خواہشوں کا بھی پورا کر نیوالا ہے اور وہ الہام ہے یہ کامل دلیل نہیں ہے۔ اور اگر یہ کامل ہے تو تم جسمانی اور روحانی قانون قدرت ہمیں مطابق کر کے دکھلاؤ جنکے واقعات میں ایک ذرہ تفاوت نہ ہو۔ تم دیکھتے ہو کہ اس زمانہ میں تمہارے جسم کیلئے غذا اور پانی دونوں موجود ہیں یہ نہیں کہ فقط کسی پہلے زمانہ میں تعین اور اب نہیں ہیں مگر جب الہام اور وحی کا ذکر آتا ہو تو پھر تم کسی ایسے پہلے زمانہ کا حوالہ دیتے ہو جیسے کروڑ ہا برس گزر چکے ہیں مگر موجود کچھ نہیں دکھلا سکتے۔ پھر خدا کا جسمانی اور روحانی قانون قدرت باہم مطابق کیونکر ہوا۔ ذرا غور کر سوچو یونہی جلدی سے جواب مت دو۔ تم اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ جسمانی خواہشوں کے سامان تو تمہارے ہاتھوں میں موجود ہیں مگر روحانی خواہشوں کے سامان تمہارے ہاتھوں میں موجود نہیں بلکہ صرف حق تعالیٰ کے ہاتھوں میں ہیں جو یو دے اور باسی ہو چکے ہیں۔ تم جانتے ہو کہ اس زمانہ تک تمہارے جسمانی چشمے بند نہیں ہوئے جن کا تم پانی پی کر پیاس کی جلن اور سوزش کو دور کرتے ہو اور نہ جسمانی کھیتوں کی زمین ناقابلِ زراعت ہو گئی ہے جن کے اناج سے تم دو وقت پیٹ بھرتے ہو۔ مگر وہ روحانی چشمے اب کہاں ہیں جو الہام الہی کا تازہ پانی پلا کر پیاس کی سوزش کو دور کرتے تھے اور اب وہ روحانی اناج بھی تمہارے پاس نہیں ہے جس کو کھا کر تمہاری روح زندہ رہ سکتی تھی۔ اب تم گویا ایک جھگڑ میں ہو جس میں نہ اناج ہے نہ پانی ہے۔ تم سوچ کر دیکھ لو کہ کیا صرف اناج کے نام سے تمہارا پیٹ بھر سکتا ہے یا صرف پانی کے خیال سے تمہاری پیاس کی سوزش دور ہو سکتی ہے۔ ہم نے قبول کیا کہ تمہارے رشی روحانی اناج کھاتے تھے اور روحانی پانی پیتے تھے۔ مگر تم تو اس سے محروم ہو اور اب تو تمہاری وہ مثال ہے کہ کسی نے کسی شخص سے پوچھا تھا کہ کیا تو نے کبھی کنک کی روٹی کھائی ہے تو اس نے جواب دیا کہ میں نے تو کبھی نہیں کھائی مگر میرے دادا صاحب بات کیا کرتے تھے کہ انہوں نے ایک

شخص کو کھاتے دیکھا تھا۔

اے خاقلو تمہیں ان قصوں سے کیا فائدہ کہ دید کے رشیوں کو الہام ہوتا تھا اب تمہارے لئے وہ سب قصے ہیں اور تمہاری یہ حماقت ہے کہ ضرورت الہام کے مطالبہ کے وقت صرف قصے پیش کر دیتے ہو۔ یاد رکھو کہ الہام کا ثبوت طلب کرنے کے وقت صرف یہ بات پیش کرنا کہ ویدوں کے رشیوں کو الہام ہوتا تھا یہ الہام کے وجود کی کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ یہ تو ایک دوسرا دعویٰ ہے کسی کو کیا خبر کہ ان کو الہام ہوتا تھا یا نہ ہوتا تھا۔ صاحبو! جو کچھ میں آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں اس کے سمجھنے کے لئے کچھ زیادہ عقل کی ضرورت نہیں بلکہ میں آپ کی بات سے ہی آپ کو لازم کہتا ہوں اور وہ یہ کہ آپ کا یہ اصول ہے کہ الہام چاروں ویدوں سے ہی خاص تھا۔ اور بقول آپ کے الہام کا زمانہ آگے نہیں بلکہ پیچھے رہ گیا ہے اور اسی وجہ سے آپ لوگ خدا تعالیٰ کے مقدس نبیوں کو مقتدری قرار دیتے ہیں۔ مگر اب آپ اپنے اس اصول کی پروا نہ رکھ کر بقول شخصے کہ دروغ گور حافظہ نباشد خدا کے روحانی انتظام کو جسمانی انتظام کے مطابق قرار دیتے ہیں اور ہم قبول کرتے ہیں کہ یہ آپ کا قول سچ ہے کیونکہ قانون قدرت تطابق ہی چاہتا ہے مگر کیا یہ سچ ہے کہ جیسا کہ یہ تمہاری جسمانی خواہشیں بھوک اور پیاس کی جو تمہیں ہر روز لگتی ہیں موجودہ اناج اور پانی سے پوری کی جاتی ہیں ایسا ہی روحانی خواہشیں بھی روحانی موجودہ غذا اور پانی سے پوری ہو رہی ہیں جسلاحدہ کلام یہ کہ آپ لوگ خدا کے الہام کو ہرگز ثابت نہیں کر سکتے۔ جسمانی حاجتوں کے وقت تو ہمیں آپ پانی اور اناج دکھا دیتے ہیں۔ مگر روحانی حاجتوں کے وقت آپ صرف قصے پیش کرتے ہیں کیا صرف قصوں کو کوئی کھاوے یا پیوے۔ مگر ہم صرف قصے پیش نہیں کرتے بلکہ آپ کو تازہ بہ تازہ الہام دکھلا دیتے ہیں۔ وہ خدا کا الہام ہی تھا جس نے لبیکھرام کے قتل ہونے کی پانچ برس پہلے خبر دی تھی اور وہ خدا کا الہام ہی تھا جس نے

تین شریر اکیوں کی نسبت جو قادیان کے آریہ اخبار شیعہ چنٹک کے ایڈیٹر اور منتظم تھے اور سخت بدگو تھے خبر دی تھی کہ وہ طاعون سے ہلاک ہونگے چنانچہ وہ اس پیشگوئی سے دوسرے یا تیسرے دن طاعون سے ہی مرے۔ آپ کے پریشکر کو کیا چیز سمجھیں وہ تو صرف قصود سے طفل نسلی دیتا ہو مگر ہمارے خدا نے خود ہمیں الہام سے مشرف کر دیا۔

پھر مضمون پڑھنے والے نے وید کی تائید میں یہ سنایا کہ الہام آدم سر شٹی یعنی ابتدائے زمانہ آفرینش سے ہونا چاہیے مگر اس بات پر دلیل نہیں بیان کی کہ کیوں ابتدائے آفرینش سے ہونا چاہیے اور کیوں بعد اسکے الہام نازل کرنا حرام ہے۔ پس اصرح ہو کہ یہ بات ضروری ہو اور پہانتے ہیں کہ دنیا کی ابتدا میں انسان کو خدا سے الہام پانے کی ضرورت ہو مگر ہم یہ نہیں مانتے کہ وہ ضرورت صرف ابتدائے زمانہ میں پیش آتی ہو اور بعد اسکے کبھی پیش نہیں آتی۔

ابتدائے زمانہ میں خدا کے الہام کی طرف صرف اسلئے انسان محتاج ہو کہ وہ محض بے خبری کی حالت میں پیدا ہوتا ہو اور نہیں جانتا کہ ایمان کیا ہو اور اعمال صالح کن اعمال کو کہتے ہیں۔

مگر یہ بے خبری کچھ ابتدائے زمانہ پر موقوف نہیں بلکہ انسان کی فطرت کچھ ایسی واقع ہو کہ گو اسکے باپ دادا سے راہ راست سے بے خبر نہ تھے اور ایمان رکھتے تھے اور نیک اعمال بجالاتے تھے مگر انسان ایک مدت دراز گزرنے کے بعد ان کے طریق کو بھول جاتا ہے اور ان کے

مخالف طریق اختیار کرتا ہو اور بسا اوقات وہ کتاب محرف و مبدل ہو جاتی ہے جس سے پہلے لوگ ہدایت پاتے تھے اور بعض اوقات پیچھے آنے والے لوگوں کو ان کے معنی سمجھنے

میں غلطیاں پیدا ہو جاتی ہیں جیسا کہ یہی غلطیاں وید کے پڑھنے والوں کو پیش آئیں کہ انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ وید مخلوق پرستی سکھاتا ہے اسی وجہ سے تمام ہندو مخلوق پرستی

میں گرفتار ہیں۔ اور تمام آریہ ورت بت پرستی اور آتش پرستی اور آفتاب پرستی اور ماہتاب پرستی اور آب پرستی اور انسان پرستی سے بھرا ہوا ہے بلکہ دنیا میں کوئی مخلوق پرستی

کی قسم نہیں جو ہندوؤں نے اختیار نہیں کر رکھی۔ یہاں تک کہ بعض درختوں کی بھی پوجا ہوتی

۷۷
 ہے اور بعض ہندو سانپوں کی بھی پرستش کرتے ہیں۔ اور ایک قسم کی نہایت گندی پوجا بھی کرتے ہیں جس کو لنگ پوجا کہتے ہیں اور کایستھ قوم کے پڑھے لکھے ہندو قلم کی پوجا کرتے ہیں ایسا ہی اور کئی قسم کی پوجا ہیں جو اس قوم میں پائی جاتی ہیں جیسا کہ ہندوؤں نے بہت سے دیوتا بھی بنا رکھے ہیں کہ شاید سینتیس کروڑ یا اس سے بھی زیادہ ہیں ان سب کی پوجا ہوتی ہے اور اس میں صرف عوام ہی نہیں بلکہ بڑے بڑے پندت اور عالم فاضل ہندو مذہب کے قریباً سب کے سب مخلوق پرست ہیں۔ یہ تو وہ اعمال ہیں جن میں خدا کا حق مخلوق کو دیا گیا ہے۔ ماسوا اسکے ہندوؤں میں قومی تفریق اس قدر ہے کہ ایک قوم دوسری قوم کو نہایت تحقیر سے دیکھتی ہے۔ برادرانہ بھدر دی کا نام و نشان نہیں۔ ایک ہندو دوسرے ہندو کو بغیر سود کے قرضہ نہیں دے سکتا۔ اور باہمی اختلاط کا یہ حال ہے کہ ایک ہندو دوسرے ہندو ادنیٰ قوم کو گتے کی طرح سمجھتا ہے۔ کیا محال کہ اس کا پس خوردہ کھاسکے بلکہ گتھل کے پس خوردہ میں بھی کچھ مضائقہ نہیں دیکھتے۔ اور جو ادنیٰ ذات کے ہندو ہیں جیسے حجام۔ نجار۔ زرگر وغیرہ وہ نہایت ذلیل سمجھے جاتے ہیں اور شاستروں کے رو سے اگر وہ برہمن کا مقابلہ کریں تو انکی جان کی خیر نہیں۔ اور اگر مقابلہ کے وقت کچھ بولیں تو ان کی زبان کاٹ دی جاوے۔ اور اگر برابری کریں تو جان سے مارے جائیں۔ اور برہمنوں کو وہ حق دئے گئے ہیں کہ دوسری قوموں کو وہ حق حاصل نہیں ہیں یہاں تک کہ نیوگسے بیرج داتا بھی برہمن ہی قرار دئے جاتے ہیں۔ یہ حکم ہے کہ اگر کسی کے گھر میں لڑکا پیدا نہ ہو تو وہ اپنی عورت کو برہمن سے ہمبستر کراوے۔ اور وید کا پڑھنا پڑھانا بھی برہمنوں سے خاص ہے اگر دوسری قومیں وید کو پڑھیں تو ان کے لئے سخت سزائیں مقرر ہیں۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ تاوید برہمنوں کے ہی ہاتھ میں رہے اور وہ جو کچھ چاہیں بیان کر دیا کریں اور دوسرے لوگ ان کی چالاکیوں پر اطلاع نہ پاویں بلکہ وہ سب ان کے دست نگر رہیں۔

پس وید کے اس نمونہ سے ظاہر ہے کہ ایک مدت گزرنے کے بعد کسی قدر

کتابوں میں تغیرات پیدا ہو جاتے ہیں اور کس قدر خرابیاں ظہور میں آجاتی ہیں۔ پس سچ تو یہ ہے کہ ابتدائے زمانہ میں جبکہ انسانی نفوس سادہ اور شہر سے خالی ہوتے ہیں ایسی سخت ضرورت الہامی کتاب کی نہیں ہوتی جیسا کہ اس فاسد زمانہ میں الہامی کتاب کی ضرورت ہوتی ہے جبکہ دنیا میں حد سے زیادہ بدعتیگی اور بدچلنی پھیل جاتی ہو اور ہر ایک قسم کے عیب اور بدکاری اور شرک اور ہر ایک قسم کا ظلم اور انواع اقسام کے معاصی اور جرائم اور مخلوق پرستی طبیعت میں جم جاتی ہو اور سینہ میں نقش ہو جاتی ہو اور دل میں گھر کر جاتی ہے اور پھر سچائی سے اس قدر بغض ہو جاتا ہے کہ ایسے مفسد لوگ اپنے واعظ اور ناصح کے جانی دشمن ہو جاتے ہیں اور مرنے مارنے پر طیار ہو جاتے ہیں اور دکھ دیتے ہیں اور سخت مقابلہ کرتے ہیں۔

پس ایسے وقت پر جو خدا کا کوئی رسول اصلاح کے لئے آتا ہے تو اس پر بڑی مشکلیں پڑتی ہیں لیکن جو شخص ابتدائے زمانہ میں خدا کا رسول ہو کر آتا ہے اس کا تصرف یہ کام ہے کہ جیسا کہ ماں بچوں کو پرورش کرتی ہے ایسا ہی وہ بھی ابتدائے پیدائش کے لوگوں کو روحانی طور پر بچوں کی طرح پرورش کرتا ہے اور نفسی خوشی میں اپنی تعلیم ان کے دلوں میں ڈال دیتا ہے۔ کیونکہ ابتدائے آخر نفس کے وقت دل سادہ ہوتا ہے۔

آحاشیہ۔ جو کتاب ابتدائے آخر نفس کے وقت آتی ہوگی اسکی نسبت عقل قطعی طور پر تجویز کرتی ہو کہ وہ کامل کتاب نہیں ہوگی بلکہ وہ صرف اسی استاد کی طرح ہوگی جو بچہ خواں بچوں کو تعلیم دیتا ہے صاف ظاہر ہے کہ ایسی ابتدائی تعلیم میں بہت لیاقت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ہاں جس زمانہ میں انسانی تجربہ نے ترقی کا اور نیز نوع انسان کی قسم کی غلطیوں میں بڑھتی تب باریک تعلیم کی حاجت پڑی۔ بالخصوص جب گرامی کی ماریکی دنیا میں بہت پھیل گئی اور انسانی نفوس کی قسم کی غلطیوں اور عملی منکرات میں مبتلا ہو گئے تب ایک اعلیٰ اور مکمل تعلیم کی حاجت پڑی اور وہ قرآن شریف ہے لیکن ابتدائے زمانہ کی کتاب کے لئے اعلیٰ درجہ کی تعلیم کی ضرورت نہ تھی کیونکہ بھی انسانی نفوس سادہ تھے اور ہنوز ان میں کوئی ظلمت اور منکرات جاگزیں نہیں ہوتی تھی۔ ہاں اسی کتاب کے لئے اعلیٰ تعلیم کی ضرورت تھی جو حاتمائی درجہ کی منکرات کے وقت ظاہر ہوتی اور ان لوگوں کی اصلاح کیلئے آتی جن کے دلوں میں عقائد فاسدہ ماسخ ہو چکے تھے اور اعمال قبیحہ ایک حادث کے حکم میں ہو گئے تھے۔

اور وہ انواع اقسام کی گمراہی جو رفتہ رفتہ پیچھے سے لاسحق حلال ہو جاتی ہے اور دلوں پر میل کی طرح جم کر جامہ ناپاک کی طرح کر دیتی ہے اُس وقت موجود نہیں ہوتی بلکہ دل سفید کپڑے کی طرح ہوتے ہیں مگر بعد میں رفتہ رفتہ طرح طرح کے بُرے کام اور انواع اقسام کے گناہ پیدا ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ کثرت گناہوں کے سبب سے لوگ ہلاکت کے قریب پہنچ جاتے ہیں اور بُری عادتیں اُن کے دلوں میں جم جاتی ہیں یہاں تک کہ وہ خراب عقیدوں اور خراب عادتوں کو اپنا ایک مذہب بنا لیتے ہیں اور پھر اُن باطل طریقوں کی حمایت کے لئے اُن کے دلوں میں تعصب اور حمیت پیدا ہو جاتی ہے اور ان بد عقیدوں اور بد رسوم کا چھوڑنا اس لئے بھی اُن پر مشکل ہو جاتا ہے کہ قومی تعلقات اس سے مانع ہو جاتے ہیں اور باہمی رشتہ ناطہ کی بھلدی زنجیریں اس بات سے روکتی ہیں کہ قومی مذہب کو ترک کیا جائے۔ اب آپ سوچ سکتے ہیں کہ ایسے وقت میں جو کوئی رسول خدا تعالیٰ کی طرف سے آئیگا تا ایسے بگڑے ہوئے لوگوں کی اصلاح کرے تو کس قدر مشکلات کا اُسکو سامنا کرنا پڑیگا اور کس قدر ضروری ہوگا کہ ایسے بُرے آشوب اور پُرسا د زمانہ میں خدا تعالیٰ نوع انسان پر رحم فرما کر انہی اصلاح کیلئے کوئی رسول بھیجے۔ کیا ہم گمان کر سکتے ہیں کہ ابتداء آفرینش کے زمانہ میں جبکہ یہ تمام مفاسد اور نہایت گندے عقیدے اور گندے گناہ دنیا میں موجود نہ تھے تب تو خدا تعالیٰ نے نوع انسان پر جسم کر کے کوئی الہامی کتاب اُن کو عنایت فرمائی لیکن جب زمین ناپاکی سے بھر گئی اور وہ پہلی کتاب اصلاح نہ کر سکی بلکہ صد ہا بد عقیدے اُنکی غلط فہمی سے پیدا ہو گئے اور نیز اُن کی تعلیم سے بہت سے حقے دنیا کے بے خبر رہے اور انہوں نے بے خبری کی حالت میں جو کچھ عقیدہ اور عمل چاہا اختیار کیا اور ہر ایک بُرے کام سے حقہ لیا۔ ایسے زمانہ میں کوئی الہامی کتاب خدا نے نازل نہ کی۔ اور کیا ہم یہ خیال کر سکتے ہیں کہ ابتداء آفرینش کے زمانہ میں تو خدا تعالیٰ کو یہ طاقت اور قدرت حاصل تھی کہ لوگوں کو اپنے احکام پر قائم ہونے کے لئے کوئی

الہامی کتاب نازل فرماتا۔ مگر بعد میں ایک ایسے زمانہ میں کہ جب ایک طوفان گناہوں کا برپا ہوا۔ یہ طاقت اُس کی مسلوب ہو گئی اور اُس کو قدرت نہ رہی کہ انسانوں کی موجودہ حالت کے موافق اُن کی اصلاح کے لئے کوئی کتاب بھیجتا۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ابتدائے زمانہ میں تو کسی الہامی کتاب کی چنداں ضرورت نہیں مگر جبکہ زمانہ پر فساد اور مگر ابھی غالب آگئی ہو اور بد عقیدگی اور بد کاری کے جذام سے روحانیت کا خن بگڑ گیا ہو۔ تو اس صورت میں الہامی کتاب کی اشد ضرورت پیش آئے گی۔

لیکن جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں نوع انسان ابتدائے آفرینش میں اصلاح کی ایسی محتاج نہیں جیسا کہ اس زمانہ میں محتاج ہے جس میں ایک طوفان بد عقیدگی اور بد کاری کا برپا ہو۔ خاص کر جبکہ بقول آریوں کے ابتدائے آفرینش میں مکتی پانے کا زمانہ قریب تھا اور بوجہ قرب زمانہ مکتی کے پہلی تمام ہلاکتیں اور گمیاں اور معرفت کی باتیں خوب یاد تھیں اور ابھی دل خراب نہیں ہوئے تھے اور علمی حالت بگڑی نہیں تھی تو ایسے پاک دلوں کو جو ابھی کسی بد عقیدگی اور بد عملی میں مبتلا نہیں ہوئے تھے کسی مصلح اور کسی الہامی کتاب کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ اور یہ تو ہم مانتے ہیں کہ ابتدائے آفرینش میں بھی اس وقت کے انسانوں کے لئے خدا تعالیٰ نے کوئی کتاب دی تھی مگر یہ نہیں مانتے کہ وہ کتاب وید ہی ہے اور نہ وید نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ ابتدائے زمانہ کی کتاب ہے۔ بلکہ رگ وید جا بجا اس مضمون سے بھرا پڑا ہے کہ وید سے پہلے کئی راستباز گذر چکے ہیں اور وید میں جا بجا ایسی چیزوں کا ذکر ہے جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وید اُس زمانہ کی کتاب ہے جبکہ دنیا ہر ایک نیک و بد سے خوب آباد ہو چکی تھی اور اہل دنیا کے تمام ضروری اسباب پیدا ہو چکے تھے اور ہم اس دلیل کو بھی نہیں مانتے کہ جو وید کے الہامی ہونے پر اس طور سے پیش کی جاتی ہے کہ اول صرف دھرم کے طور پر یہ بیان کیا جاتا ہے کہ وید ایک ایسی کتاب ہے کہ جو ابتدائے آفرینش میں انسانوں کو دی گئی اور پھر بعد اس کے یہ کہا

جاتا ہے کہ ابتدائے زمانہ میں یہ گمان نہیں ہو سکتا کہ بجز خدا کے کسی نے افتراء کے طور پر کتاب بنائی ہو۔ کیونکہ اُس زمانہ میں بولی سکھلانے والا محض خدا تھا اُس کے سوا کوئی نہ تھا سو اُس نے ویدک سنسکرت سکھائی اور ظاہر ہے کہ بغیر سکھلانے کے کوئی بولی یاد نہیں آ سکتی۔ اگر کسی نو زاد بچہ کو کچھ بھی نہ سکھایا جائے تو وہ گنگا رہ جاتا ہو۔

یہ عجیب دلیل ہے جو آریہ مضمون سننے والے نے پیش کی ہے کہ پہلے تو وہ لوگوں کو اس بات کے لئے مجبور کرتا ہے کہ تم بلا دلیل مان لو کہ وید ابتدائے زمانہ کی کتاب ہے اور پھر اپنے مذکورہ بالا بیان کے ساتھ وید کو الہامی کتاب ٹھہراتا ہو۔ سو اس کی یہ دلیل محض اس طور کی ہے کہ جیسے کوئی کہے کہ اول تم بلا دلیل اس بات کو مان لو کہ پنڈت دیانند کے جسم پر پرندوں کی طرح پر بھی تھے جو عقاب کے پروں کی طرح نہایت قوی اور مضبوط تھے اور پھر ہم یہ بات ثابت کر دیں گے کہ آریہ ورت میں جس قدر اُس نے دورہ کیا اُس تمام دورہ میں وہ ریل وغیرہ کا محتاج نہ تھا بلکہ پیر وائر کر کے ایک شہر سے دوسرے شہر تک جاتا تھا۔ افسوس یہ لوگ نہیں جانتے کہ ایک بلا دلیل دعویٰ پیش کر کے پھر اسی دعویٰ کی بناء پر کوئی بکو اس کر کے اُس کا نام دلیل رکھنا عقلمندوں کا کام نہیں۔ سو یاد رہے کہ پہلے تو یہی باثبوت آریہ صاحبوں کی گردن پر ہے کہ وہ وید کو ابتدائے آفرینش کی کتاب ثابت کریں اور پھر بعد اس کے کوئی بات کریں۔

اور پھر یہ کہنا کہ بغیر سکھلانے کے کوئی بولی یاد نہیں آ سکتی۔ یہ امر بھی بموجب اصول آریہ کے پہلے زمانہ کے نیا جہنم لینے والے لوگوں پر صادق نہیں آ سکتا کیونکہ وہ اپنے مکتبی کے زمانہ سے قریب العهد ہوتے ہیں اور تازہ بتازہ مکتبی خانہ سے باہر آتے ہیں اور چونکہ وہ ایسے گھر سے دنیا کی طرف آتے ہیں جس میں بقول آریہ سماج داخل ہونو والے پورے طور پر وید کی ہدایتوں کے پابند ہوتے ہیں اور وید انکو کنٹھ ہوتا ہو اسلئے اُن کی نسبت یہ گمان نہیں ہو سکتا کہ وہ اُن بچوں کی طرح ہوں جو کئی لاکھ برس گزرنے کے بعد پیدا ہوئے ہیں

بجلا عقل اس بات کو قبول کر سکتی ہے کہ جو لوگ نہایت قریب زمانہ میں مکتی خانہ سے باہر نکلتے ہیں اُن کے حافظہ اور علوم اور معارف پر ایسے پتھر پڑ جائیں کہ جو لوگ کروڑ ہا برس بعد آتے ہیں اُن کے ساتھ برابر ہو جائیں، غرض ہم یہ تو مانتے ہیں کہ جو لوگ مکتی کے زمانہ سے کروڑ ہا برس بعد میں آتے ہیں وہ بوجہ زمانہ دراز کی غفلت کے وید و دیو کو یاد نہیں رکھتے اور نہ سنسکرت کو یاد رکھتے ہیں سب کچھ بھول جاتے ہیں اور یہ بات بالکل سچ ہے کہ ایسے بچوں کو اگر اُن کے پیدا ہونے کے بعد زبان نہ سکھائی جائے تو وہ بالکل گنگے رہ جاتے ہیں مگر کیا وہ لوگ بھی گنگے ہی رہ سکتے ہیں جو تازہ بتازہ مکتی خانہ سے باہر آتے ہیں اُن کیلئے تو ضرور ہے کہ بغیر حاجت الہام کے سنسکرت کی زبان یاد ہو جو مکتی خانہ میں باہم بولتے تھے اور نیز ضروری ہے کہ سب کو وید آئے ہو کیونکہ وہ مکتی خانہ میں وید ہی تو دن رات پڑھتے رہتے تھے اور کیا کام تھا؟

پھر ہم اصل مدعا کی طرف رجوع کر کے لکھتے ہیں کہ یہ بات فی الواقع صحیح اور درست ہے کہ ابتدائے آفرینش میں بھی ایک الہامی کتاب نوع انسان کو ملی تھی مگر وہ وید ہرگز نہیں ہے اور موجودہ وید کہ خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا اُس پاک ذات کی توہین ہے۔

اس جگہ اگر کوئی یہ سوال کرے کہ ابتدائے زمانہ میں صرف ایک الہامی کتاب انسانیوں کو کیوں دی گئی ہر ایک قوم کے لئے جدا جدا کتابیں کیوں نہ دی گئیں اس کا جواب یہ ہے کہ ابتدائے زمانہ میں انسان تھوڑے تھے اور اس تعداد سے بھی کمتر تھے۔

حاشیہ یاد رہے کہ الہام یا الہامی کتاب کا لفظ جو بار بار اس رسالہ یاد و سری کتابوں میں ہم نے لکھا ہے صرف عام فہم کرنے کے لئے یہ لفظ لکھا گیا ہے ورنہ الہام کے تو صرف یہ معنی ہیں کہ جو کچھ دل میں ڈالا جاوے نیک ہو یا بد وہ الہام ہے اور اس میں یہ بھی ضروری نہیں کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے الفاظ ہوں۔ مگر اس جگہ ہماری مراد الہام سے وحی الہی ہے اور وحی اُس کو کہتے ہیں کہ خدا کا کلام مع الفاظ کسی پر نازل ہو۔ اس وحی سے آدھ سلج والے بالکل بچہ نہیں۔ منہ

۶۵

جو انکو ایک قوم کہا جائے اس لئے اُن کے لئے صرف ایک کتاب کافی تھی پھر بعد اس کے جب دنیا میں انسان پھیل گئے اور ہر ایک حصہ زمین کے باشندوں کا ایک قوم بن گئی اور باعث دور دراز مسافتوں کے ایک قوم دوسری قوم کے حالات سے بالکل بی خبر ہو گئی ایسے زمانوں میں خدا تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت نے تقاضا فرمایا کہ ہر ایک قوم کے لئے جدا جدا رسول اور الہامی کتابیں دی جائیں چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور پھر جب نوع انسان نے دنیا کی آبادی میں ترقی کی اور ملاقات کے لئے راہ کھل گئی اور ایک ملک کے لوگوں کو دوسرے ملک کے لوگوں کے ساتھ ملاقات کرنے کے لئے سامان معیشت آگئے اور اس بات کا علم ہو گیا کہ فلاں فلاں حصہ زمین پر نوع انسان رہتے ہیں اور خدا تعالیٰ کا ارادہ ہوا کہ ان سب کو پھر دوبارہ ایک قوم کی طرح بنادیا جائے اور بعد تفرقہ کے پھر انکو جمع کیا جائے۔ تب خدا نے تمام ملکوں کیلئے ایک کتاب بھیجی اور اس کتاب میں حکم فرمایا کہ جس جس زمانہ میں یہ کتاب مختلف ممالک میں پہنچے ان کا فرض ہو گا کہ اُن کو قبول کر لیں اور اُس پر ایمان لائیں اور وہ

کتاب قرآن شریف ہے

جو تمام ملکوں کا باہمی رشتہ قائم کرنے کے لئے آئی ہے۔ قرآن سے پہلی سب کتابیں مختص القوم کہلاتی تھیں یعنی صرف ایک قوم کے لئے ہی آتی تھیں۔ چنانچہ شامی۔ فارسی۔ ہندی۔ چینی۔ مصری۔ رومی یہ سب قومیں تھیں جن کے لئے جو کتابیں یا رسول آئے وہ صرف اپنی قوم تک

چشمہ شامیہ۔ ایک قوم بنانے کا ذکر قرآن شریف کی سورہ کہف میں موجود ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے
وَرَكْنَا بَعْضَهُمُ بِيَوْمِهِمْ يَوْمَ جُثَاثٍ وَنَفَخْنَا فِي الصُّورِ فَنَجَّيْنَاهُمْ جَمْعًا ۖ يَوْمَ يُنْفَخُ الْأُصْحَابُ
زمانہ میں ہر ایک قوم کو آزادی دینے کے اپنے مذہب کی خوبی دوسری قوم کے سامنے پیش کر کے اور دوسری قوم کے مذہب سے تقاضا اور تعلیم پر حاکم کرے اور ایک مدت تک ایسا ہوتا رہا پھر قرآن میں ایک آواز پھونک دی جائیگی تب ہم تمام قوموں کو ایک قوم بنادینگے اور ایک ہی مذہب پر جمع کر دینگے۔ عین اللہ

محمد و دہشتے دوسری قوم سے اُن کو کچھ تعلق اور واسطہ نہ تھا مگر سب کے بعد قرآن شریف آیا۔
 جو ایک عالم گیر کتاب ہے اور کسی خاص قوم کے لئے نہیں بلکہ تمام قوموں کے لئے ہے
 ایسا ہی قرآن شریف ایک ایسی اُمت کیلئے آیا جو آہستہ آہستہ ایک ہی قوم بننا چاہتی تھی۔
 سو اب زمانہ کے لئے ایسے سامان میسر آ گئے ہیں جو مختلف قوموں کو وحدت کا رنگ بخشتے
 جاتے ہیں۔ باہمی ملاقات جو اصل جزوہ ایک قوم بننے کی پراسی سہل ہو گئی جو کہ برسوں کی راہ چند
 دنوں میں طے ہو سکتی ہے اور پیغام رسانی کیلئے وہ سبیلیں پیدا ہو گئی ہیں کہ جو ایک برس میں
 بھی کسی دور دراز ملک کی خبر نہیں آ سکتی تھی وہ اب ایک ساعت میں آ سکتی ہے۔ زمانہ میں
 ایک ایسا انقلاب عظیم پیدا ہو رہا ہے اور تمدنی دریا کی دھار نے ایک ایسی طرف رخ کر لیا
 ہے جس سے صحیح معلوم ہوتا ہے کہ اب خدا تعالیٰ کا یہی ارادہ ہے کہ تمام قوموں کو جو دنیا میں
 پھیلی ہوئی ہیں ایک قوم بنا دے اور ہزار ہا برسوں کے پھڑے ہوؤں کو پھر باہم ملا دے۔
 اور یہ خبر قرآن شریف میں موجود ہے اور قرآن شریف نے ہی کھلے طور پر یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ
 دنیا کی تمام قوموں کے لئے آیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ قُلْ
 يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا۔ یعنی تمام لوگوں کو کہہ دے کہ میں
 تم سب کے لئے رسول ہو کر آیا ہوں۔ اور پھر فرماتا ہے۔ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً
 لِّلْعَالَمِينَ یعنی میں نے تمام عالموں کے لئے تجھے رحمت کی بھیجا ہے۔ اور پھر فرماتا
 ہے۔ لَتَكُونَنَّ لِّلْعَالَمِينَ نَذِيرًا یعنی ہم نے اس لئے بھیجا ہے کہ تمام دنیا کو ڈراوے۔
 لیکن ہم بڑے زور سے کہتے ہیں کہ قرآن شریف سے پہلے دنیا کی کسی الہامی کتاب نے یہ دعویٰ
 نہیں کیا بلکہ ہر ایک نے اپنی رسالت کو اپنی قوم تک ہی محدود رکھا یہاں تک کہ جس نبی کو
 عیسائیوں نے خدا قرار دیا اُس کے منہ سے بھی یہی نکلا کہ میں اسرائیل کی بھٹیروں کے سوا
 اور کسی کی طرف نہیں بھیجا گیا۔ اور زمانہ کے حالات نے بھی گواہی دی کہ قرآن شریف کا یہ
 دعویٰ تبلیغ عام کا عین موقعہ پر ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے

وقت تبلیغ عام کا دروازہ کھل گیا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے ہاتھ سے بعد نزول اس آیت کے کہ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا دنیا کے بڑے بڑے بادشاہوں کی طرف دعوت اسلام کے خط لکھے تھے کسی اور نبی نے غیر قوموں کے بادشاہوں کی طرف دعوت دین کے ہرگز خط نہیں لکھے کیونکہ وہ دوسری قوموں کی دعوت کے لئے مامور نہ تھے یہ عام دعوت کی تحریک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے ہی شروع ہوئی اور مسیح موعود کے زمانہ میں اور اُس کے ہاتھ سے کمال تک پہنچی۔

جو کچھ قرآن شریف نے توحید کا تخم بلاد عرب - فارس - مصر - شام - ہند - چین - افغانستان - کشمیر وغیرہ بلاد میں بویا ہے اور اکثر بلاد سے بُت پرستی اور دیگر اقسام کی مخلوق پرستی کا تخم چڑھ سے اٹھا کر دیا ہے یہ ایک ایسی کارروائی ہے کہ اس کی نظیر کسی زمانہ میں نہیں پائی جاتی مگر بمقابلہ اسکے جب ہم وید کی طرف دیکھتے ہیں تو ثابت ہوتا ہے کہ وہ آریہ ورت کی بھی اصلاح نہیں کر سکا اور اس ملک کے انسانوں پر نیک اثر ڈالنے میں نہایت نکتہ ثابت ہوا ہے اور نہ صرف ہمارے اس زمانہ میں بلکہ اس ملک کی ایک لمبی تاریخ پر نظر ڈال کر ظاہر ہوتا ہے کہ کبھی اس ملک میں وید کے ذریعے سے توحید نہیں پھیلی بلکہ بجائے اسکے نفع کے اُس کا ضرر قریباً تمام آریہ لوگوں کو ہلاک کر تار ہا ہے اور جب وید کے پیرو لوگوں کے عقائد اور اعمال پر نظر ڈالی جاوے تو نہایت درد اور افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ وید ایک گمراہ کرنے والی کتاب ہے۔ کون اس واقعہ سے انکار کر سکتا ہے کہ جس قدر مخلوق پرست فرقتے ہندوؤں کے اس ملک میں پائے جاتے ہیں اور یا جس قدر نہایت گندے اور ناپاک مذہب اس ملک میں رائج ہو گئے ہیں جیسے شاکت مت وغیرہ وہ سب وید ہی کے ذریعے سے پیدا ہوئے ہیں۔ اگر وید میں یہ لیاقت ہوتی کہ وہ کھلے کھلے طور پر بیان کرتا کہ سوچ چاند اور پانی اور آگ وغیرہ کی پرستش مت کرو اور بدکاری اور زنا کاری

کو اپنا مذہب مت بناؤ۔ تو کیوں آریہ قوم ساری کی ساری ان چیزوں کی پرستش میں مشغول ہو جاتی اور کیوں اس قدر بدکاری آریہ قوم میں پھیلتی مگر وید نے تو بجائے منع کرنے کے بیگانہ عورتوں سے تعلق پیدا کرنے کی راہ بذریعہ نیوگ کھول دی اور سورج وغیرہ کی پرستش کی ترغیب دی۔ اور جا بجا اجماع سماوی اور عناصر کو معبود ٹھہرا کر انکی مدح و ثنا کی۔ اسی طرح جوالا نکھی کی آگ کے بھاری اور گنگا کے پرستار اور سورج کے آگے ہاتھ جوڑنے والے اس ملک میں کروڑوں شخص پیدا ہو گئے۔ اگر کہو کہ ان کروڑوں لوگوں نے جن میں ہزار ہا پنڈت و عالم فاضل ہیں وید کے معنی اچھی طرح نہیں سمجھے تو میں کہتا ہوں کہ اگر یہ عذر مان بھی لیں تب بھی وید کا ہی قصور ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ اس حالت میں اس کی عبارت غیر فصیح اور مبہم اور مشتبہ اور معما کی طرح ماننی پڑتی ہے تبھی تو کسی کروڑ آریہ ورت کے پنڈتوں کو سمجھ نہ سکی اور کروڑوں انسان وید کی نسبت یہی خیال کرتے گذر گئے کہ وہ مخلوق پرستی کی تعلیم دیتا ہے۔ اور جبکہ بہتوں نے اس کے سمجھنے میں غلطی کھائی تو پھر کیونکر سمجھا جائے کہ ایک تھوڑا سا فرق تو یوں کا کہ جو ان کے مقابل پر ایک ذرہ کے موافق بھی نہیں غلطی سے بچا رہا ہے تم سچ کہو اور اپنے دھرم سے کہو کہ کیا وید میں کہیں لکھا ہے کہ سورج اور چاند اور ہوا اور آگ اور جبل وغیرہ کی پوجا مت کرو؟ اور بھگوان خدا کے جو غیب الغیب اور نہاں در نہاں ہے کسی کو اپنا معبود مت قرار دو۔ اور جو چیزیں ہمیں آسمان پر یا زمین پر دکھائی دیتی ہیں وہ تمہارے خدا نہیں ہیں بلکہ خدا وہی ہے جس نے ان چیزوں کو پیدا کیا۔ اگر کہیں لکھا ہے تو ہمیں بتاؤ۔ لیکن قرآن شریف تو سارا اس بات سے بھرا پڑا ہے کہ بھگوان خدا کے کسی کی پرستش جائز نہیں بلکہ **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** کے ہی یہی معنی ہیں کہ تمہارا معبود بھگوان خدا کے اور کوئی نہیں اور یہ بھی قرآن شریف فرماتا ہے **لَا تَسْجُدْ لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدْ لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ** یعنی تم سورج کی پرستش کرو اور نہ چاند کی بلکہ اُس ذات کی پرستش کرو کہ جو ان سب چیزوں کا پیدا کر نیوالا ہے۔ اگر وید میں اس آیت کے ہم معنی کوئی شرتی ہوتی تو کروڑوں

۷۷

آدمی مخلوق پرستی سے ہلاک نہ جوتے۔ دیا نند نے جس قدر وید کی حمایت میں تکلفات کئے ہیں وہ سب بیہودہ اور لچر ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ دیا نند نے اصلی وید کی طرف آئیں لوگوں کو رجوع نہیں دلایا بلکہ اُس نے زمانہ کی ہوا کو دیکھ کر ایک تیا وید بنا کر پیش کیا ہے۔ چونکہ کسی کو رٹ ہندو وید سے بیزار ہو کر مسلمان ہو چکے تھے اس لئے اُس نے خواہ مخواہ وید میں توحید کو دکھلانا چاہا۔ سو اس بات کے ثابت کرنے سے وہ نامراد مرا۔ وید کی حالت آزمانے کے لئے سہل طریق یہ ہے کہ ایک تحت اللفظ ترجمہ اُس کا جس میں بطور شرح اپنی طرف سے کوئی فقرہ نہ ملایا جائے کسی غیر قوم کی طرف بھیج دو تو پھر ان کو پوچھ کر دیکھ لو کہ وید کی ان عبارتوں سے توحید ثابت ہوتی ہے یا مخلوق پرستی۔

اور پھر ہم اپنے مضمون کی طرف رجوع کر کے لکھتے ہیں کہ ہماری اس تمام تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ خیال کہ صرف ابتدائے آفرینش میں ہی الہامی کتاب انسانوں کو دی گئی ہو بعد میں کوئی کتاب نازل نہیں ہوئی۔ یہ خیال جیسا کہ ثابت شدہ واقعات کے برخلاف ہے ایسا ہی عقل کے بھی برخلاف ہے۔ کیونکہ انسان اللہ تعالیٰ کے جسمانی قانون قدرت کو بھی دیکھ کر سمجھ سکتا ہے کہ نوع انسان ہمیشہ اپنی موجودہ حالت کے موافق ہر ایک زمانہ میں خدا کی تربیت کی محتاج ہے کیونکہ اگر موجودہ حالت میں کوئی ایسی تبدیلی پیدا ہو جائے کہ جو پہلے زمانہ میں نہیں تھی تو کچھ شک نہیں کہ خدا تعالیٰ کی تربیت اس تبدیلی کے موافق ہونی چاہیے مثلاً تم غور کرو کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس وقت سے اس زمانہ تک کہ وہ جوان ہوتا ہے کس قدر تبدیلیاں اس کی خوراک اور پوشاک میں ظہور میں آتی ہیں اور پھر جب انسانی بدن صحت سے منحرف ہو کر طرح طرح کے امراض میں گرفتار ہو جاتا ہے تو کس قدر نئی اور خاص تدبیریں عمل میں لانا مقتضائے ہمدردی ہوتا ہے یہی حال انسان کی روحانی حالت کا ہے اور جیسا کہ انسان اس روٹی سے جی نہیں سکتا کہ کسی وقت اس نے پہلے زمانہ میں کھائی تھی بلکہ ہمیشہ اس کو بھوکے وقت ایک تازہ روٹی کی ضرورت ہے ایسا ہی انسان کو ضرورت کے زمانہ میں تازہ وحی اور الہام کی ضرورت ہے۔

تو اس کے ذریعہ سے تکمیل معرفت ہو۔ خدا کا نام کلہم اور منزل الوحی بھی ہے اور خدا کی صفات کی نسبت تعطل اور بیکاری جائز نہیں بلکہ جیسا کہ جسمانی تربیت کے لحاظ سے خدا ہمیشہ رزاق ہے ایسا ہی اُس کا رُوحانی رزق بھی رُوحانی تربیت کے لئے کبھی منقطع نہیں ہوتا اور ظاہر ہے کہ جیسا کہ ہمارے پہلے بزرگوں کی خوراک کے لئے زمین و آسمان پیدا ہوتا تھا۔ آسمان سے بارش ہوتی تھی۔ اب ہمارے زمانہ میں اُس قانون قدرت میں فرق نہیں آیا بلکہ ہمارے لئے بھی زمین اناج پیدا کرنے کیلئے موجود ہے بشرطیکہ ہم خود سعی اور کوشش میں کاہل نہ ہو جائیں۔ اور پانی بھی اپنے وقتوں پر ضرور برستا ہے اور یہ الگ امر ہے کہ ہم خود اُس پانی سے فائدہ نہ اٹھائیں۔ پھر جبکہ خدا تعالیٰ کا جسمانی قانون قدرت ہمارے لئے اب بھی وہی موجود ہے جو پہلے تھا۔ تو پھر رُوحانی قانون قدرت اس زمانہ میں کیوں بدل گیا؟ نہیں ہرگز نہیں بدلا۔ پس وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ وحی الہی پر آئندہ کیلئے ٹھہر لگ گئی ہے وہ سخت غلطی پر ہیں ہاں خدا کے احکام جو امر اور نہی کے متعلق ہیں وہ محبت طور پر نازل نہیں ہوتے بلکہ ضرورت کے وقت خدا کی نئی شریعت نازل ہوتی ہے یعنی ایسے زمانہ میں نئی شریعت نازل ہوتی ہے جبکہ نفع انسان پہلے زمانہ کی نسبت بدعقیدگی اور بدعملی میں بہت ترقی کر جائے اور پہلی کتاب میں اُن کیلئے کافی ہدایتیں نہ ہوں لیکن یہ امر ثابت شدہ ہے کہ قرآن شریف نے دین کے کامل کرنے کا حق ادا کر دیا ہے جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے: اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتَمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا یعنی آج میں نے تمہارا دین تمہارے لئے کامل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی ہے اور میں اسلام کو تمہارا دین مقرر کر کے خوش ہوا۔ سو قرآن شریف کے بعد کسی کتاب کو قدم رکھنے کی جگہ نہیں کیونکہ جس قدر انسان کی حاجت تھی وہ سب کچھ قرآن شریف بیان کر چکا اب صرف مکالمات الہیہ کا دروازہ کھلا ہوا اور وہ بھی خود بخود نہیں بلکہ سچے اور پاک مکالمات جو صحیح اور کھلے طور پر نصرت الہی کا رنگ اپنے اندر رکھتے ہیں اور بہتے امور غیبیہ پر مشتمل ہوتے ہیں وہ بعد از کیفیہ محض پیردی قرآن شریف اور اتباع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل ہوتے ہیں۔

۵۷

اس جگہ اس نکتہ کا ذکر کرنا ہے جانہ ہو گا کہ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں ابتدائے آفرینش سے لیکر اخیر تک نوع انسان کے زمانہ کو چار مختلف حالتوں اور مختلف زمانوں پر تقسیم کیا ہے۔

(۱) پہلے اس حالت اور اس زمانہ کا ذکر فرمایا ہے کہ جب صرف ایک انسان مع اپنے اقلیل مقدار کنبہ کے دنیا میں موجود تھا اور ایک وحدت قومی انکو حاصل تھی اور ایک مذہب تھا۔

(۲) دوسری اس حالت اور اس زمانہ کا ذکر فرمایا ہے کہ جب وہ وحدت دور ہو کر تفریق پیدا ہو گئی اور انسان کی نسل مختلف قوموں اور مختلف مذہبوں کے رنگ میں ہو کر تمام دنیا میں پھیل گئی اور وہ دنیا کے ایسے دور دور کوئوں میں جا بسی کہ ایک دوسری کے حالات سے بے خبر ہو گئی اور ایک قوم سے ہزاروں قومیں بن گئیں اور ایک مذہب سے ہزاروں مذہب نکل آئے۔

(۳) تیسری اس حالت اور اس زمانہ کا ذکر فرمایا ہے کہ جب پھر کچھ کچھ شناسائی ایک قوم کی دوسری قوم سے ہوئی اور بہت سی مشقت سفر اٹھا کر ملاقات کی راہ کھل گئی اور مختلف قوموں کے پھر باہمی تعلقات پیدا ہونے لگے اور ایک قوم دوسری قوم کے مذہب کو اختیار کرنے لگی مگر بہت کم۔

(۴) چوتھے بطور پیشگوئی یہ بیان فرمایا ہے کہ ایک ایسا زمانہ بھی آتا ہے کہ جب سفر کرنے کے سامان سہل طور پر میسر آجائینگے اور اونٹنیوں کی سواری کی حاجت نہیں رہے گی اور سفر میں بہت آرام اور سہولیت میسر آجائے گی اور ایک ایسی نئی سواری پیدا ہو جائے گی کہ ایک حصہ دنیا کو دوسرے حصہ سے ملا دیگی اور ایک ملک لوگوں کو دوسرے ملک کے لوگوں سے اکٹھے کر دے گی جیسا کہ یہ دو آیتیں اسی پیشگوئی پر مشتمل ہیں اور وہ یہ ہیں۔ **وَإِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ** وَاِذَا الْفُلُوسُ زُوِّجَتْ یعنی وہ زمانہ آتا ہے کہ اونٹنیاں بیکار کر دی جائیں گی۔ جاننا چاہیے کہ عرب کی تجارت اور

۵۸

آحاشیہ۔ قیامت کے قرب اندر صبح موعود کے آنے کا وہ زمانہ ہے جبکہ اونٹنیاں بیکار ہو جائیں گی یہ آیت صبح مسلم کی اس حدیث کی مصدق ہے جہاں لکھا ہے کہ **وَيَذْوَكَ الْقَلَاصُ** فلا یسعی علیہا یعنی صبح موعود کے زمانہ میں اونٹنیاں بیکار چھوڑ دی جائیں گی اعلان پر کوئی سوار نہیں ہو گا۔ یہ ریل گاڑی پیدا ہونے کی طرف اشارہ ہے کیونکہ جب کوئی اعلیٰ سواری میسر آتی ہے تبھی ادنیٰ سواری کو چھوڑ دیتے ہیں اور دوسری آیت گویا

سفر کا مدار تمام اوشنیوں پر ہے اسلئے اوشنیوں کا ہی ذکر کیا۔ یہ تو ہر ایک شخص جانتا ہے کہ مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تک حاجیوں کے پہنچانے کیلئے تیرہ سو برس تک صرف اوشنیوں کی سواری چلی آتی ہے پس اس جگہ خدا تعالیٰ یہ خبر دیتا ہے کہ وہ زمانہ آتا ہے کہ وہ سواری موقوف کر دی جائیگی اور بجائے اُسکے ایک نئی سواری ہوگی جو آرام اور جلدی کی ہوگی۔ اور یہ بات اس کے نکلتی ہے کہ جو بدل اختیار کیا جاتا ہے وہ مبتدل منہ سے بہتر ہوتا ہے۔

دوسری آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ وہ زمانہ آتا ہے کہ جبکہ بھڑے ہوئے لوگ باہم طائفہ جائیں گے اور اس قدر باہمی ملاقاتوں کیلئے سہولتیں میسر آجائیں گی اور اس کثرت سے ان کی ملاقاتیں ہوں گی کہ گویا مختلف ملکوں کے لوگ ایک ہی ملک کے باشندے ہیں۔ سو یہ پیشگوئی ہمارے اس زمانہ میں پوری ہوئی جس سے ایک عالمگیر انقلاب ظہور میں آیا گویا دنیا بدل گئی کیونکہ داخلی جہازوں اور ریلوں کے ذریعہ سے وہ روکیں جو پہاڑوں کی مانند حائل تھیں سب اٹھ گئیں اور ایک دنیا

اس کا نتیجہ ہے اور ترجمہ اس کا یہ ہے کہ اس زمانہ میں بعض آدمی بعض سے ملائے جائیں گے اور ظاہری تفرق قریب کا دور ہو جائیگا۔ اور چونکہ مسیح میں کھل کر بیان کیا گیا ہے کہ اوشنیوں کے بیکار ہونے کا مسیح موعود کا زمانہ ہے اسلئے قرآن شریف کی آیت **وَإِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ** جو حدیث **يَأْتِي الْقُلُوصُ** کے ہم معنی ہے بدیہی طور پر دلالت کرتی ہے کہ یہ واقعہ ریل جاری ہونے کا مسیح موعود کے زمانہ میں ظہور میں آئیگا۔ اسی لئے میں نے **إِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ** کے ہی معنی لئے ہیں کہ وہ مسیح موعود کا زمانہ ہے کیونکہ حدیث نے اس آیت کی تفسیر کر دی ہے اور چونکہ ریل کے جاری ہونے پر ایک مدت گزر چکی ہے جو مسیح موعود کی علامت ہے اسلئے ایک مومن کو ماننا پڑا کہ مسیح موعود ظاہر ہو چکا ہے اور جبکہ ایک واقعہ نے مدوحہ بالا آیت اور حدیث کے معنی کھول دئے ہیں تو اب ظاہر شدہ معنیوں کو قبول نہ کرنا صریح الحاد اور بے ایمانی ہے۔ سوچ کر دیکھو کہ جب مکہ اور مدینہ میں ریل چھوڑ کر ریل کی سواری شروع ہو جائیگی تو کیا وہ روز اس آیت اور حدیث کا مصداق نہ ہوگا؟ حضور ہوگا اور تمام دل اُس دن بول اٹھیں گے کہ آج وہ پیشگوئی مکہ اور مدینہ کی راہ میں کھلے کھلے طور پر پوری ہوئی۔ ہائے افسوس ان نام کے مسلمانوں پر کہ جو نہیں جانتے کہ (میرے بعض کیوجہ سے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی پیشگوئی

پوری ہو۔ منہاج

مشرق سے مغرب کو اور مغرب سے مشرقی بلاد کو آتی ہے اور اس پیشگوئی کے ساتھ قرآن شریف میں ایک اور بھی پیشگوئی ہے جو جسمانی اجتماع کے بعد روحانی اجتماع پر دلالت کرتی ہے اور وہ یہ ہے و تَرَ كُنَّا بَعْضَهُم بِبَعْضٍ يَوْمَئِذٍ يَمُوجُ فِي بَعْضٍ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَجَعَلْنَاهُمْ جُجُجًا یعنی اُن آخری دنوں میں جو یا موج یا موج کا زمانہ ہو گا دنیا کے لوگ مذہبی جھگڑوں اور لڑائیوں میں مشغول ہو جائیں گے اور ایک قوم دوسری قوم پر مذہبی رنگ میں ایسے حملے کرے گی جیسے ایک موج دریا دوسری موج پر پڑتی ہے اور دوسری لڑائیاں بھی ہوں گی اور اس طرح پر دنیا میں

حاشیہ۔ یہ آیت سورۃ کہف میں یا موج یا موج کے ذکر میں ہے کتب سابقہ میں جو بنی اسرائیل نبیوں پر نازل ہوئی تھیں صاف اور صریح طور پر معلوم ہوتا ہے بلکہ نام لے کر بیان کیا ہے کہ یا موج یا موج سے مراد یورپ کی عیسائی قومیں ہیں اور یہ بیان ایسی صراحت سے ان کتابوں میں موجود ہے کہ کسی طرح اس سے انکار نہیں ہو سکتا۔ اور یہ کہنا کہ وہ کتابیں خوف مہمل ہیں۔ ان کا بیان قابل اعتبار نہیں۔ ایسی بات وہی کہے گا جو خود قرآن شریف سے بے خبر ہے۔ کیونکہ اللہ جل شانہ مومنوں کو قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ۔ یعنی ظالموں سے پوچھ لو اگر تم بے خبر ہو۔ پس ظاہر ہے کہ اگر ہر ایک بات میں پہلی کتابوں کی گواہی ناہاتر ہوتی تو خدا تعالیٰ کیوں مومنوں کو فرماتا کہ اگر تمہیں معلوم نہیں تو اہل کتاب سے پوچھ لو بلکہ اگر نبیوں کی کتابوں سے کچھ فائدہ اٹھانا حرام ہے تو اس صورت میں یہ بھی ناہاتر ہو گا کہ ان کتابوں میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت بطور استدلال پیشگوئیاں پیش کریں۔ حالانکہ خود صحابہ رضی اللہ عنہم اور بعد اُن کے تابعین بھی اُن پیشگوئیوں کو بطور محبت پیش کرتے رہے ہیں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ کتب سابقہ کے بیانی تین قسم کے ہیں۔

(۱) ایک تو وہ باتیں ہیں جو واجب التصدیق ہیں۔ جیسا کہ خدا کی توحید اور ملائک کا ذکر اور بہشت و دوزخ کے وجود کی نسبت بیان۔ اگر ان کا انکار کریں تو ایمان جائے۔

(۲) وہ مسمی وہ باتیں ہیں جو رد کرنے کے لائق ہیں جیسا کہ وہ تمام امور جو قرآن شریف کے مخالف ہیں

بڑا تفرقہ پھیل جائے گا اور بڑی پھوٹ اور بغض اور کینہ لوگوں میں پیدا ہو جائے گا۔ اور جب یہ باتیں کمال کو پہنچ جائیں گی تب خدا آسمان سے اپنی قرنائیں آواز پھونک دیگا یعنی مسیح موجود کے ذریعہ سے جو اس کی قرنا ہے ایک ایسی آواز دنیا کو پہنچائے گا جو اس آواز کے سننے سے سعادت مند لوگ ایک ہی مذہب پر اکٹھے ہو جائیں گے اور تفرقہ دور ہو جائے گا اور مختلف قومیں دنیا کی ایک ہی قوم بن جائیں گی۔ اور پھر دوسری آیت میں فرمایا عرضنا جہنم یومئذ للکافرین عرضنا اور اس دن جو لوگ مسیح موجود کی دعوت کو قبول نہیں کریں گے

شبیہ: (۳) تیسری قسم کی وہ باتیں ہیں جو قرآن شریف میں اگرچہ ان کا ذکر مفصل نہیں مگر وہ باتیں قرآن شریف کے مخالف نہیں بلکہ اگر ذرا غور سے کام لیا جائے تو بالکل مطابق ہیں جیسے مثلاً باجوج ماجوج کی قوم کہ اجمالی طور پر ان کا ذکر قرآن شریف میں موجود ہے بلکہ یہ ذکر بھی موجود ہے کہ آخری زمانہ میں تسام زمین پر ان کا غلبہ ہو جائے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے دَهْقَرِیْن کُلِّ حَرْبٍ یَنْبِئُکُمْ اُولَئِکَ اور یہ خیال کہ باجوج ماجوج بنی آدم نہیں بلکہ اور قسم کی مخلوق ہے یہ صرف جہالت کا خیال ہے۔ کیونکہ قرآن میں ذوالعقول حیوان جو عقل اور فہم سے کام لیتے ہیں اور ذنوب یا عذاب ہو سکتے ہیں وہ دو ہی قسم کے بیان فرماتے ہیں (۱) ایک ذی النسل جو حضرت آدم کی اولاد ہیں (۲) دوسرے وہ جو جنات ہیں۔ انسانوں کے گروہ کا نام معشر لافس رکھا ہے اور جنات کے گروہ کا نام معشر الجحیٰ رکھا ہے۔ پس اگر باجوج ماجوج جن کے لئے مسیح موعود کے زمانہ میں خدا کا وعدہ ہے معشر لافس میں داخل ہیں یعنی انسان ہیں تو خواہ مخواہ ایک عجیب پیدائش ایسی طرح منسوب کرنا کہ ان کے کان اس قدر لمبے ہوں گے اور ہاتھ اس قدر لمبے ہوں گے اور اس کثرت سے وہ بچے دیں گے ان لوگوں کا کام ہے جن کی عقل محض سلمیٰ اور بچوں کی مانند ہے اگر اس بارے میں کوئی حدیث صحیح ثابت بھی ہو تو وہ محض استعارہ کے رنگ میں ہوگی جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ یورپ کی قومیں ان معنوں سے ضرور لمبے کان رکھتی ہیں کہ بذریعہ تار کے دور دور کی خبریں ان کے کانوں تک پہنچ جاتی ہیں اور خدا نے بڑی اور بھری لڑائیوں میں ان کے ہاتھ بھی نبرد آزما کیوں کر

اُن کے سامنے ہم جہنم کو پیش کریں گے یعنی طرح طرح کے عذاب نازل کرینگے جو جہنم کا نمونہ ہونگے اور پھر فرمایا الذین کانت اعیینہم فی غطاء عن ذکرہا وکانوا لا یستطیعون سمعاً ذل یعنی وہ ایسے لگ ہونگے کہ مسیح موعود کی دعوت اور تبلیغ سے اُن کی آنکھیں پرہ میں رہیں گی اور وہ اُس کی باتوں کو سن بھی نہیں سکیں گے اور سخت بیزار ہونگے اس لئے عذاب نازل ہوگا۔ اس جگہ تصور کے لفظ سے مراد مسیح موعود ہے کیونکہ خدا کے نبی اُسکی تصور ہوتے ہیں یعنی قرنا۔ جن کے دلوں میں وہ اپنی آواز نہجوتکتا ہے یہی محاورہ پہلی

حقیقت اس قدر لیے بنائے ہیں کہ کسی کو اُنکے مقابلہ کی طاقت نہیں اور تو اُلہ تناسل میں اُن کا ارشاد سیالٰی قوموں کی نسبت بہت ہی زیادہ ہے۔ پس جبکہ موجودہ واقعات نے دکھا دیا ہے۔ کہ اُن ارشاد کے یہ معنی ہیں اور عقل اُن معنوں کو نہ صرف قبول کرتی بلکہ اُن سے لذت اُٹھاتی ہے تو پھر کیا ضرورت ہے کہ خواہ خواہ انسانی خلقت سے بڑھ کر اُن میں وہ عجیب خلقت فرض کی جائے جو سراسر غیر معقول اور اس قافون قدر شک برعلاط ہے جو قدیم سے انسانوں کے لئے چلا آتا ہے اور اگر کہو کہ باجوج جنت میں سے ہیں انسان نہیں ہیں تو یہ اور حماقت ہے کیونکہ اگر وہ جنت میں سے ہیں تو سداً سکندر کی اُن کو کیونکر روک سکتی تھی جس حالت میں جنت آسمان تک پہنچ جاتے ہیں جیسا کہ آیت فاتحہ شہاب ثاقب سے ظاہر ہوتا ہے تو کیا وہ سداً سکندر کی کے اوپر پروردہ نہیں سکتے تھے جو آسمان کے قریب چلے جاتے ہیں۔ اور اگر کہو کہ وہ درندوں کی قسم ہیں جو عقل اور فہم نہیں رکھتے تو پھر قرآن شریف اور حدیثوں میں اُن پر عذاب نازل کرنے کا کیوں وعدہ ہے کیونکہ عذاب گنہ کی پاداش میں ہوتا ہے اور یہ سداً اُن کا لڑائیوں کرنا اور سب پر غالب ہو جانا اور آخر کار آسمان کی طرف تیر چلنا ماصاف دلائل کرتا ہے کہ وہ ذوالعقل ہیں بلکہ دنیا کی عقل میں سب سے بڑھ کر۔

حدیثوں میں مظاہر یہ تناقض پایا جاتا ہے کہ مسیح موعود کے مبعوث ہونے کے وقت ایک طرف تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ باجوج تمام دنیا میں پھیل جائیں گے اور دوسری طرف یہ بیان ہے

کتابوں میں بھی آیا ہے کہ خدا کے نبیوں کو خدا کی قرنا قرار دیا گیا ہے۔ یعنی جس طرح قرنا بجانے والا قرنا میں اپنی آواز بھونکتا ہے اسی طرح خدا اُن کے دلوں میں آواز بھونکتا ہے اور یا جوج ماجوج کے قریب سے قطعی طور سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ وہ قرنا مسیح موعود ہے۔ کیونکہ احادیث صحیحہ سے یہ امر ثابت شدہ ہے کہ یا جوج ماجوج کے زمانہ میں ظہر ہونے والا مسیح موعود ہی ہوگا۔

بقیہ لکھا کہ تمام دنیا میں عیسائی قوم کا غلبہ ہوگا جیسا کہ حدیث یکسر الصلیب سے بھی سمجھا جاتا ہے کہ صلیبی شہنشاہ قوم کا اُس زمانہ میں بڑا عروج اور اقبال ہوگا۔ ایسا ہی ایک دوسری حدیث سے بھی بھی سمجھا جاتا ہے کہ سب سے زیادہ اس زمانہ میں رومیوں کی کثرت اور قوت ہوگی یعنی عیسائیوں کی۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں رومی سلطنت عیسائی تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ بھی قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ غلبت الروم فی ادنی الارض وھم من بعد غلبھم سید غلبون۔ اس جگہ بھی روم سے مراد عیسائی سلطنت ہے اور پھر بعض احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مسیح موعود کے ظہور کے وقت دجال کا تمام زمین پر غلبہ ہوگا اور تمام زمین پر پھر مگر مظلوم کے دجال محیط ہو جائے گا۔

اب کوئی مولوی صاحب بتلاوے کہ یہ تناقض کیونکر دور ہو سکتا ہے اگر دجال تمام زمین پر محیط ہو جائیگا تو عیسائی سلطنت کہاں ہوگی۔ ایسا ہی یا جوج ماجوج جن کی عام سلطنت کی قرآن شریف خبر دیتا ہے وہ کہاں جائیں گے۔ سو یہ غلطیاں ہیں جن میں یہ لوگ مبتلا ہیں جو بہائے کفر اور کذب ہیں۔ واقعات ظاہر کر رہے ہیں کہ یہ دونوں صفات یا جوج ماجوج اور دجال ہونے کے لیے زمین قوموں میں موجود ہیں کیونکہ یا جوج ماجوج کی تعریف حدیثوں میں یہ بیان کی گئی ہے کہ اُن کے ساتھ روانی میں کسی کو طاقت مقابلہ نہیں ہوگی اور مسیح موعود بھی صرف دعائے کام لے گا اور یہ صفت کھلے کھلے طور پر یورپ کی سلطنتوں میں پائی جاتی ہے اور قرآن شریف بھی اس کا مصداق ہے۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے وھم من کل حدب یفسلون۔ اور دجال کی نسبت حدیثوں میں

اب خلاصہ کلام یہ ہے کہ جبکہ ایک طرف بائبل سے یہ امر ثابت شدہ ہے کہ یورپ کے عیسائی فرقے ہی یا جھج ماجھج ہیں اور دوسری طرف قرآن شریف نے یا جھج ماجھج کی وہ علامتیں مقرر کی ہیں جو صرف یورپ کی سلطنتوں پر ہی صادق آتی ہیں جیسا کہ یہ لکھا ہے کہ وہ ہر ایک بلندی پر سے دوڑیں گے یعنی سب طاقتوں پر غالب ہو جائیں گے اور ہر ایک پہلو سے دنیا کا عروج ان کو مل جائیگا۔ اور محدثوں میں بھی یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ کسی سلطنت کو ان کے ساتھ تاب مقابلہ نہیں ہوگی۔ پس یہ تو قطعی فیصلہ ہو چکا ہے کہ یہی قومیں یا جھج ماجھج ہیں۔ اور اس سے انکار کرنا سراسر تحکم اور خدا تعالیٰ کے فرمودہ کی مخالفت ہو۔ اس میں کس کو کلام ہو سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے قول کے مطابق اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودہ کے موافق یہی قومیں ہیں جو اپنی ذہنی طاقت میں تمام قوموں پر فوقیت لے گئی ہیں۔ جنگ اور لڑائی کے داؤ پیچ اور ملکی تدابیر کے امور میں دنیا میں ان کا کوئی ثنائی نظر نہیں آتا۔ اور انہیں کی کلوں اور ایجا دوں نے کیا لڑائیوں میں اور کیا کسی قسم کے دنیا کے آرام کے سامانوں میں

یہ بیان ہے کہ وہ دہل سے کام لے گا اور مذہبی رنگ میں دنیا میں فتنہ ڈالے گا۔ سو قرآن شریف میں یہ صفت عیسائی پادریوں کی بیان کی گئی ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔ یحرفون الکلمۃ عن مواضعہ۔ اس تقریر سے ظاہر ہے کہ یہ یمنوں ایک ہی ہیں۔ اسی وجہ سے سورۃ الفاتحہ میں دائمی طور پر یہ دعا سکھائی گئی کہ تم جیساٹیوں کے فتنہ سے بچنا مانگو۔ یہ نہیں کہا کہ تم دجال سے بچنا مانگو۔ پس اگر کوئی اور دجال ہوتا جس کا فتنہ پادریوں سے زیادہ ہوتا تو خدا کی کلام میں بڑا فتنہ چھوڑ کر قیامت تک یہ دُعا نہ سکھائی جاتی کہ تم عیسائیوں کے فتنہ سے بچنا مانگو۔ اور یہ نہ فرمایا جاتا کہ عیسائی فتنہ ایسا ہے کہ قریب ہے کہ اس سے آسمان پھٹ جائے۔ پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں۔ بلکہ یہ کہا جاتا کہ دجال فتنہ ایسا ہے جس سے قریب ہے کہ زمین و آسمان پھٹ جائیں۔ بڑے فتنے کو چھوڑ کر چھوٹے فتنہ سے ڈرنا بالکل غیر معقول ہے۔ منہ

ایک نیا نقشہ دنیا کا ظاہر کر دیا ہے اور انسان کی تمدنی حالت کو ایک حیرت انگیز انقلاب میں ڈال دیا ہے اور تدبیر امور سیاست اور دوستی سامان رزم بزم میں وہ یدِ طولی دکھلایا ہے کہ جبکہ دنیا پیدا ہوئی ہے کسی زمانہ میں اُسکی نظیر نہیں پائی جاتی پس خدا کے بزرگ نبی کی پیشگوئی سے صد ہا سال بعد جو واقعہ اُس پیشگوئی کی مقرر کردہ علامتوں کے موافق ظہور میں آیا ہے وہ یہی واقعہ یورپین طاقتوں کا ہے جو جس طور سے خدا نے یا جوج ماجوج کے معنی ظاہر کر لئے اور جس قوم کو موجودہ واقعہ نے اُن علامات کا مصداق ٹھہرا دیا اُسکو قبول نہ کرنا ایک کھلے کھلے حق سے انکار کرنا ہے۔ یوں تو انسان جب انکار پر اصرار کرے تو اُس کا منہ کون بند کر سکتا ہو لیکن ایک منصف مزاج آدمی جو طالبِ حق ہو وہ ان تمام امور پر اطلاع پاکر پورے اطمینان صدر اور تلخ صدر سو گواہی دیگا کہ بلاشبہ یہی قومیں یا جوج ماجوج ہیں۔

اور جب یہ ثابت ہوگا کہ یہی قومیں یا جوج ماجوج ہیں تو خود یہ ثابت شدہ امر ہوگا کہ مسیح موعود اور یا جوج ماجوج کے وقت میں ظاہر ہوگا جیسا کہ قرآن شریف نے بھی یا جوج ماجوج کے غلبہ اور طاقت کے ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے و نفتح فی الصور فجہمنا ہم جمعاً یعنی یا جوج ماجوج کے زمانہ میں بڑا فتنہ اور بھڑکاوٹ لوگوں میں پڑ جائیگی اور ایک مذہب دوسرے مذہب پر اور ایک قوم دوسری قوم پر حملہ کرے گی۔ تب اُن دنوں میں خدا تعالیٰ اس بھڑکاوٹ کے دور کرنے کے لئے آسمان سے بغیر انسانی ہاتھوں کے اور محض آسمانی نشانوں سے اپنے کسی مرسل کے ذریعہ جو صدور یعنی قرنا کا حکم رکھتا ہوگا اپنی پُر جمیلت آواز لوگوں تک پہنچائیگا جس میں ایک بڑی کشش ہوگی اور اس طرح پر خدا تعالیٰ تمام متفرق لوگوں کو ایک مذہب پر جمع کر دیگا۔

اور احادیث صحیحہ صاف اور صحیح لفظوں میں بتلا رہی ہیں کہ یا جوج ماجوج کا زمانہ مسیح موعود کا زمانہ ہے جیسا کہ لکھا ہے کہ جب قوم یا جوج اپنی قوت اور طاقت کے ساتھ تمام قوتوں پر غالب آجائیگی اور اُنکے ساتھ کسی کو تاب مقابلہ نہیں رہے گی۔ تب مسیح موعود کو حکم ہوگا کہ اپنی جماعت کو کوہِ طوبیٰ پہنچا دے اور وہیں آسمانی نشانوں کے ساتھ اُنکا مقابلہ کرے۔

اور خدا کی زبردست اور مصیبت ناک حجابات سے مدد لے کر نشانوں کی مانند جو بنی اسرائیل کی سرکش قوم کے ڈرانے کیلئے کوہ طور میں دکھلائے گئے تھے جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ در فحنا فوقکم الطور یعنی کوہ طور میں نشان کے طریق پر بڑے بڑے زلزلے آئے اور خدا نے طور کے پہاڑ کو یہود کے سروں پر اس طرح پر لڑا ل کر کے دکھلایا کہ گویا اب وہ اُنکے سروں پر پڑتا ہے تب وہ اس مصیبت ناک نشان کو دیکھ کر بہت ڈر گئے۔ اسی طرح مسیح موعود کے زمانہ میں بھی ہوگا۔

اور جو ہم نے چار مختلف زمانے بیان کئے ہیں اُن سے بھی یا جوج ماجوج کے زمانہ میں جو آخری زمانہ ہے مسیح موعود کا اثبات ہوتا ہے کیونکہ جبکہ پہلے زمانہ میں کہ دنیا میں تھوڑے سے آدمی تھے اور صرف ایک ہی قوم تھی بلکہ قوم سے بھی کمتر تھی اور شرک اور کفر اور انواع و اقسام کے گناہوں کا نام و نشان نہ تھا اور انسانی طبیعتیں سادہ اور پاک اور نفسانی جذبات سے محفوظ تھیں۔ تو اُس ابتدائی زمانہ میں خدا نے رسول بھیجا تا ظاہر کرے کہ جیسا کہ ایک انسان سے ایک قوم پیدا ہوئی ایسا ہی خدا بھی اُن کا ایک ہے اور وہی اُنکا مالک اور وہی اُن کا پیداکرنے والا ہے اور وہی اُن کا معبود ہے اُنسی نے پیدا کیا تا اُنکو اپنی معرفت بخشے اور اُن کی عبادت کے ذریعے اُن پر انعام و اکرام کرے اور اپنی مرضی کی راہ سکھا کر اُنکو ہمیشہ کا آرام دے۔ اور ایسا ہی جب ایک قوم سے کئی قومیں بن گئیں اور ایک دوسرے سے الگ ہو کر مختلف ملکوں میں پھیل گئے اور گناہ اور شرک کا گندہ مادہ بھی اُن میں پیدا ہو گیا۔ گویا بھی کمال تک نہ پہنچا۔ تب اُس وقت بھی خدا تعالیٰ نے ہر ایک قوم کی اصلاح کے لئے ہر ایک ملک میں رسول بھیجے تا نبوت کی روشنی کو دنیا کے ہر ایک کونہ میں چمکا کر مختلف شہادتوں سے اپنی ہستی اور اپنے وجود اور اپنی وحی کا ثبوت دے اور تا مختلف کتابوں کی گواہیوں سے اس بات کا ثبوت دے کہ فلاں فلاں امر اُس کے نزدیک گناہ اور قابل نفرت اور مکروہ ہے اور فلاں فلاں امر اُنکی رضا مندی کا موجب ہے اور تا اس طرح پر انسان یقین کے درجہ تک پہنچ کر

اپنی علمی اور عملی حالت میں قوت پیدا کرے کیونکہ وہ خدا جس کو کسی نے بھی نہیں دیکھا اُس پر یقین لانے کے لئے بہت گواہوں اور زبردست شہادتوں کی حاجت ہے جیسا کہ دو آیتیں قرآن شریف کی اس واقعہ پر گواہ ہیں۔ اور وہ یہ ہیں:-

وَإِنْ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ فَلَيْسَ إِذًا أَجْتِنَاهُمْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ
یعنی کوئی قوم نہیں جس میں ڈرائیو لالائی نہیں بھیجا گیا یہ اسلئے کہ تاہر ایک قوم میں ایک گواہ ہو کہ
خدا موجود ہے اور وہ اپنے نبی دنیا میں بھیجا کرتا ہو۔ اور پھر جب اُن قوموں میں ایک نذیر دراز
گزارنے کے بعد باہمی تعلقات پیدا ہونے شروع ہو گئے اور ایک ملک کا دوسرے ملک سے تعاون
اور شناسائی اور آمد و رفت کا کسی قدر دروازہ بھی کھل گیا اور دنیا میں مخلوق پرستی اور ہر ایک قسم کا
گناہ بھی انتہا کو پہنچ گیا۔ تب خدا تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ
صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں بھیجا تا بذریعہ اس تسلیم قرآنی کے جو تمام عالم کی طبع کیلئے مشترک
ہے دنیا کی تمام متفرق قوموں کو ایک قوم کی طرح بنادے اور جیسا کہ وہ واحد لا شریک ہے۔
اُن میں بھی ایک وحدت پیدا کرے درناؤ سب مل کر ایک وجود کی طرح اپنے خدا کو یاد کریں اور اُسکی
وحدانیت کی گواہی دیں اور تا پہلی وحدت قومی جو ابتدائے آفرینش میں ہوئی اور آخری وحدت
اقوامی جس کی بنیاد آخری زمانہ میں ڈالی گئی یعنی جس کا خدا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
مبعوث ہونے کے وقت میں ارادہ فرمایا۔ یہ دونوں قسم کی وحدتیں خدا نے واحد لا شریک کے وجود
اور اُسکی وحدانیت پر دوسری شہادت ہو کیونکہ وہ واحد ہے اسلئے اپنے تمام نظام جسمانی اور
آرومانی میں وحدت کو دوست رکھتا ہے۔ اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا زمانہ
قیامت تک متحد ہو اور آپ خاتم الانبیاء کو ہیں اسلئے خدا نے یہ نہ چاہا کہ وحدت اقوامی آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی کمال تک پہنچ جائے کیونکہ یہ صورت آپ کے زمانہ کے خاتمہ پر دلالت
کرتی تھی یعنی شبہ گذرتا تھا کہ آپ کا زمانہ وہیں تک ختم ہو گیا۔ کیونکہ جو آخری کام آپ کا
تھا۔ وہ اسی زمانہ میں انجام تک پہنچ گیا۔ اس لئے خدا نے تکمیل اس فعل کی جو تمام قومیں ایک

قوم کی طرح بن جائیں اور ایک ہی مذہب پر ہو جائیں۔ زمانہ محمدی کے آخری حصہ میں ڈال دی جو قرب قیامت کا زمانہ ہے اور اس تکمیل کے لئے اسی اُقت میں سے ایک نائب مقرر کیا

جو مسیح موعود کے نام سے موسوم ہو اور اُسی کا نام خاتم الخلفاء ہے

پس زمانہ محمدی کے سر پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اُس کے آخر میں مسیح موعود ہے اور ضرور تھا کہ یہ سلسلہ دنیا کا منقطع نہ ہو جب تک کہ وہ پیدا نہ ہوئے کیونکہ وحدت اقوامی کی خدمت اُسی نائب النبوت کے عہد سے وابستہ کی گئی ہو اور اُسی کی طرف یہ آیت اشارہ کرتی ہو اور وہ یہ ہے **هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظَاهِرَ عَلَىٰ الدِّينِ كُلِّهِ** یعنی خدا وہ خدا ہے جس نے اپنے رسول کو ایک کامل ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تا اس کو ہر ایک قسم کے دین پر غالب کر دے یعنی ایک عالمگیر غلبہ اس کو عطا کرے اور چونکہ وہ عالمگیر غلبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ظہور میں نہیں آیا اور ممکن نہیں کہ خدا کی پشت گمائی میں کچھ تخلف ہو اس لئے اس آیت کی نسبت اُن سب متقدمین کا اتفاق ہو جو ہم سے پہلے گذر چکے ہیں کہ یہ عالمگیر غلبہ مسیح موعود کے وقت میں ظہور میں آئے گا کیونکہ اس عالمگیر غلبہ کیلئے تین امر کا پایا جانا ضروری ہے جو کسی پہلے زمانہ میں وہ پاسے نہیں گئے۔

(۱) اول یہ کہ پورے اور کامل طور پر مختلف قوموں کے میل ملاقات کیلئے آسانی اور سہولت کی راہیں کھل جائیں اور سفر کی ناقابل برداشت مشقتیں دور ہو جائیں اور سفر بہت جلدی طے ہو سکے گو یا سفر سفر ہی نہ رہے اور سفر کو جلد طے کرنے کے لئے فوق العادت اسباب میسر آجائیں کیونکہ جب تک مختلف ممالک کے باشندوں کیلئے ایسے اسباب اور سامان حاصل نہ ہوں کہ وہ فوق العاد کے طور پر ایک دوسرے سے مل سکیں اور آسانی ایک دوسرے کی ایسے طور سے ملاقات کر سکیں کہ گویا وہ ایک ہی شہر کے باشندے ہیں تب تک ایک قوم کے لئے یہ موقعہ حاصل نہیں ہو سکتا کہ وہ یہ دعویٰ کریں کہ اُن کا دین تمام دنیا کے دینوں پر

غالب ہے کیونکہ غلبہ دکھلانے کیلئے یہ شرط ہے کہ ان تمام مذاہب کا لوگوں کو علم بھی ہو جن پر غالب ہونے کا اظہار بھی کیا گیا ہے اور نیز جن کو مغلوب سمجھا گیا ہے وہ بھی اس بات کا علم رکھتے ہوں کہ ہم اس الزام کے نیچے ہیں۔ اور یہ تو بھی ہو سکتا ہے کہ مختلف ممالک کے لوگ ایسے باہم قریب ہو جائیں کہ گویا وہ ایک ہی محلہ میں رہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ امر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ظہور میں نہیں آ سکا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کسی قومیں زمین کے دور دراز کناروں پر آباد تھیں اور پیغام پہنچانے اور سفر کرنے اور باہمی جلد ملاقات کرنے کے وہ سامان موجود نہ تھے کہ جو اب اس وقت ہمارے اس زمانہ میں موجود ہیں۔

(۲) دوسرا امر جو اس بات کے سمجھنے کے لئے شرط ہے کہ ایک دین دوسرے تمام دینوں پر اپنی خوبیوں کے رُو سے غالب ہے یہ ہے جو دنیا کی تمام قومیں آزادی سے باہم مباحثات کر سکیں اور ہر ایک قوم اپنے مذہب کی خوبیاں دوسری قوم کے سامنے پیش کر سکے اور نیز تالیفات کے ذریعہ سے اپنے مذہب کی خوبی اور دوسرے مذاہب کا نقص بیان کر سکیں اور مذہبی کشتی کیلئے دنیا کی تمام قوموں کو یہ موقع مل سکے کہ وہ ایک ہی میدان میں اکٹھے ہو کر ایک دوسرے پر مذہبی بحث کے حملے کریں اور جیسا کہ دریا کی ایک لہر دوسری لہر پر پڑتی ہے ایک دوسرے کے تعاقب میں مشغول ہوں اور یہ مذہبی کشتی نہ ایک دو قوم میں بلکہ عالمگیر کشتی ہو جو دنیا کی قوموں میں سے کوئی قوم اس کشتی سے باہر نہ ہو۔ سو اس قسم کا غلبہ اسلام کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں میسر نہیں آ سکا کیونکہ اول تو اُس زمانہ میں دنیا کی تمام قوموں کا اجتماع ناممکن تھا اور پھر ماسوا کے جن قوموں سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ پڑا ان کو مذہبی امور میں دلائل سننے یا دلائل سنلانے سے کچھ غرض نہ تھی بلکہ انہوں نے اُٹھتے ہی تلوار کے ساتھ اسلام کو نابود کرنا چاہا اور عقلی طور پر اُسکے رد کرنے کیلئے قلم نہیں اٹھائی۔ یہی وجہ ہے کہ اُس زمانہ کو کوئی ایسی کتاب نہیں پاؤ گے

جس میں اسلام کے مقابل پر عقل یا نقل کے رنگ میں کچھ لکھا گیا ہو بلکہ وہ لوگ صرف تلوار سے ہی غالب ہونا چاہتے تھے اس لئے خدا نے تلوار سے ہی اُن کو ہلاک کیا مگر یہاں اس زمانہ میں اسلام کے دشمنوں نے اپنے طریق کو بدل لیا ہے اور اب کوئی مخالف اسلام کا اپنے مذہب کیلئے تلوار نہیں اٹھاتا اور یہی حکمت ہے کہ مسیح موعود کیلئے یضیع الحرب کا حکم آیا یعنی جنگ کی ممانعت ہو گئی اور تلوار کی لڑائیاں موقوف ہو گئیں اور اب قلمی لڑائیوں کا وقت ہے اور چونکہ ہم قلمی لڑائیوں کے لئے آئے ہیں اس لئے بجائے لوہے کی تلوار کے لوہے کی قلمیں بھیجی ملی ہیں۔ اور نیز کتابوں کے چھاپنے اور دُور دراز ملکوں تک اُن تالیفات کے شائع کرنے کے ایسے سہل اور آسان سامان ہمیں میسر آ گئے ہیں کہ گذشتہ زمانوں میں سے کسی زمانہ میں اُن کی نظیر پائی نہیں جاتی۔ یہاں تک کہ وہ مضمون جو برسوں تک لکھنے ناممکن تھے وہ دنوں میں لکھے جاتے ہیں۔ ایسا ہی وہ تالیفات جن کا دُور دراز ملکوں میں پہنچانا مدت ہائے دراز کا کام تھا۔ وہ تھوڑے ہی دنوں میں ہم دنیا کے کناروں تک پہنچا سکتے ہیں اور اپنی محبت بالذات سے تمام قوموں کو مطلع کر سکتے ہیں۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ اشاعت اور اتمام محبت ناممکن تھی کیونکہ اُس وقت نہ کتابوں کے چھاپنے کے آلات تھے اور نہ دوسرے ممالک میں کتابوں کے پہنچانے کے لئے سہل اور آسان طریق میسر تھے۔

(۳) تیسرا امر جو اس بات کو تمام دنیا پر واضح کرنے کیلئے شرط ہے کہ فلاں دین بمقابل دنیا کے تمام دینوں کے خاص طور پر خدا سے تائید یافتہ ہے اور خدا کا خاص فضل اور خاص نصرت اپنے ساتھ رکھتا ہے وہ یہ ہے کہ بمقابل دنیا کی تمام قوموں کے ایسے طور سے تائید الہی کے آسمانی نشان اُس کے شامل ہوں کہ دوسرے کسی دین کے شامل حال نہ ہوں۔ اور بغیر فریضہ انسانی ہاتھوں کے خدا دوسرے دینوں کو تباہ کرنا چاہے اور اُنکے اندر سے اُرواحانی برکت اٹھا لے مگر وہ دین دوسرے دینوں کے سامنے خدا کے چمکدار نشانوں سے

اپنی ممتاز حالت ثابت کرے۔ اور دنیا کے اس سکر سے اُس سکر تک کوئی مذہب نشان آسمانی میں اُس کا مقابلہ نہ کر سکے باوجود اس بات کے کہ کوئی حقہ آبادی دنیا کا اس دعوت بمقابلہ سے بے خبر نہ ہو۔ یا مگر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کامل طور پر ظہور پذیر ہونا ناممکن تھا۔ کیونکہ اسکے لئے یہ شرط تھی کہ دنیا کی تمام قوموں کو جو مشرق اور مغرب اور جنوب اور شمال میں رہتی ہیں یہ موقع مل سکے کہ وہ ایک دوسرے کے مقابل پر اپنے مذہب کی تائید میں خدا سے چاہیں جو آسمانی نشانوں سے اس مذہب کی سچائی پر گواہی دے۔ مگر جس حالت میں ایک قوم دوسری قوم سے ایسی مخفی اور محجوب تھی کہ گویا ایک دوسری دنیا میں رہتی تھی تو یہ مقابلہ ممکن نہ تھا اور نیز اس زمانہ میں ابھی اسلام کی تکذیب انتہا تک نہیں پہنچی تھی اور ابھی وہ وقت نہیں آیا تھا کہ خدا کی غیرت تقاضا کرے کہ اسلام کی تائید میں آسمانی نشانوں کی بارش ہو مگر ہمارے زمانہ میں وہ وقت آگیا کیونکہ اس زمانہ میں گندی تحریروں کے ذریعہ سے اس قدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی توہین کی گئی ہے کہ کبھی کسی زمانہ میں کسی نبی کی توہین نہیں ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تو ثابت نہیں ہوتا کہ کسی عیسائی یا یہودی نے اسلام کے رد اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین میں دو یا تین ورق کا رسالہ بھی لکھا ہو مگر اب اس قدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین اور اسلام کے رد میں کتابیں لکھی گئیں اور اشتہار شائع کئے گئے اور اخباریں تمام دنیا میں پھیلانی گئیں کہ اگر وہ تمام جمع کی جائیں تو وہ ایک بڑے پہاڑ کے برابر ہوتا ہے بلکہ اس سے زیادہ۔ ان اندھوں نے اسلام کو ہر ایک برکت سے بہرہ قرار دیا ہے اور دھوئی کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی آسمانی نشان نہیں دکھلایا اور اس بات پر زور دیا ہے کہ دنیا میں اسلام کا نام و نشان نہ ہے اور ایک عاجز انسان کی خدائی ثابت کرنے کیلئے خدا کے پاک دین اور پاک رسول کی وہ توہین کی گئی ہے جو ابتدائے دنیا سے آج تک کسی دین اور کسی رسول کی ایسی توہین نہیں ہوئی۔ اور درحقیقت یہ ایسا زمانہ آگیا ہے

کہ شیطان اپنے تمام ذریعہ کے ساتھ ناشنوں تک زور لگاتا رہا ہے کہ اسلام کو نابود کر دیا جاوے۔ اور چونکہ بلاشبہ سبچائی کا جھوٹ کے ساتھ یہ آخری جنگ ہے اس لئے یہ زمانہ بھی اس بات کا حق رکھتا تھا کہ اس کی اصلاح کے لئے کوئی خدا کا مامور آوے۔ پس وہ مسیح موعود ہے جو موجود ہے۔ اور زمانہ حق رکھتا تھا کہ اس نازک وقت میں آسمانی نشانوں کے ساتھ خدا تعالیٰ کی دنیا پر رحمت پوری ہو۔ سو آسمانی نشان ظاہر ہو رہے ہیں۔ اور آسمان جو شش میں ہے کہ اس قدر آسمانی نشان ظاہر کرے کہ اسلام کی فتح کا تقارہ ہر ایک ملک میں اور ہر ایک حصہ دنیا میں بچ جائے۔ اے قادر خدا تو جلد وہ دن لا کہ جس فیصلہ کا تو نے ارادہ کیا ہے وہ ظاہر ہو جائے اور دنیا میں تیرا جلال چمکے اور تیرے دین اور تیرے رسول کی فتح ہو۔ آمین ثم آمین۔

اب ہم پھر اصل مقصد کی طرف رجوع کر کے باقی ماندہ مضمون کی نسبت جو آریہ صاحبوں کی طرف سے جلسہ میں پڑھا گیا تھا کچھ لکھتے ہیں۔ چنانچہ مضمون خوان نے اسلام پر ایک یہ بھی اعتراض کیا کہ گویا اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ قرآن شریف اسی طرح کا غدول پر یا پتھر پر لکھا ہوا آسمان پر سے نازل ہوا تھا اور پھر خود ہی اس عقیدہ پر ٹھٹھا اڑا کر کہتا ہے کہ اول تو خدا آسمان پر بیٹھا ہوا نہیں۔ اور پھر اگر ہم فرض بھی کر لیں تو ایسی کتاب اکاش ہو گدرتی ہوئی جل مٹ جائیگی۔ لیکن افسوس کہ یہ لوگ اس بھالت اور بے خبری کے ساتھ جو اسلام کی نسبت رکھتے ہیں پھر بھی جلدی سے اعتراض کر دیتے ہیں معلوم نہیں کہ ان لوگوں نے کہاں سے اور کس سے سُن لیا کہ مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ قرآن شریف کا غد پر لکھا ہوا آسمان سے نازل ہوا تھا۔ اس بات کو تو ایک ناخواندہ مسلمان بھی جانتا ہے کہ قرآن شریف کا نازل ہونا اس طور سے مانا جاتا ہے کہ وہ خدا کا پاک کلام ہو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بل پر نازل ہوا اور اسی طرح ہم اب بھی خدا تعالیٰ کا قانون قدرت

مشاہدہ کرتے ہیں جس مشاہدہ کے ہم خود گواہ رویت ہیں کہ یہی سنت اور قانون قدرت ہے کہ خدا کا کلام مع الفاظ دل پر نازل ہوتا اور زبان پر جاری ہوتا ہے وہ صرف مفہوم نہیں ہوتا بلکہ اس کے ساتھ لفظ بھی ہوتے ہیں اور جیسا کہ خدا کا فعل بینظیر ہے ایسا ہی وہ خدا کا کلام بھی بے مثل ہوتا ہے اس طرح پر کہ نہایت درجہ کی بلاغت فصاحت کے ساتھ امور غیبیہ سے بھرا ہوا ہوتا ہے اور اس کے اندر ایک طاقت اور برکت اور کشش ہوتی ہے جو اپنی طرف کھینچتی ہے اور ایک نور ہوتا ہے جو تاریکی کو دور کرتا ہے اور پیروی کرنے والے کو اس نور سے منور کرتا ہے اور اس کو خدا سے نزدیک کر دیتا ہے اور اس کے ذریعے پیروی کرنے والا گندی زندگی سے نجات پا کر بغیر اس کے جو ہزاروں جو نوع میں ڈالا جائے اسی پہلی جن میں ہی نجات پالیتا ہے مگر افسوس کہ دید میں نہ وہ طاقت ہے نہ وہ نور ہے نہ وہ کشش ہے اسی وجہ سے دید کے ذریعہ ملتی پانے والے اب تک سب کے سب کیڑے مکوڑے اور سور بندر ہی نظر آتے ہیں اور صرف تمکوڑے سے انسان میں باقی تمام سطح زمین اور بخندراور اکاش کا فضا کیڑوں مکوڑوں اور حیوانات سے بھرا پڑا ہے جن کا شمار بحجۃ خدا کے کسی کی طاقت اور قدرت کے اندر نہیں۔ اور پھر یہ عجیب بات ہے کہ ایک ادنیٰ سے ادنیٰ کیڑے کو بھی دیکھ کر ہم یقین کامل سے کہہ سکتے ہیں کہ یہ خدا کا بنا یا ہوا ہے مگر دید میں ہمیں کوئی ایسی فوق العادت بات نظر نہیں آتی کہ ہمیں اس بات کے ماننے کے لئے مجبور کرے کہ وہ ضرور خدا کا کلام ہے۔ اور ایک مکھی کو دیکھ کر ہم سمجھ سکتے ہیں کہ وہ خدا کی بنائی ہوئی ہے۔ لیکن اگر ہم تمام وید اقل سے آخر تک پڑھ جائیں تو ہمیں کوئی خدائی صفت اس میں ایسی معلوم نہیں ہوتی جس سے ہمیں خیال آسکے کہ یہ کتاب خدا کی طرف سے ہے۔ نہ اس میں کسی معجزہ کا ذکر ہے اور نہ اس میں کوئی پیش گوئی ہے اور نہ اس میں انسانی طاقت سے بڑھ کر علوم ہیں بلکہ صرف مونے خیالات ہیں جو باجبا غلطیوں سے بھرے ہوئے ہیں۔

پس ایسی کتاب کیونکر قیل کرنے کے لائق ہو جو اپنی حیثیت اور مرتبہ میں ایک مٹھی کے برابر بھی نہیں۔ کیا یہ سچ نہیں؟ کہ مٹھی کو دیکھ کر اقرار کرنا پڑتا ہے کہ اُسکے بنانے پر انسان قادر نہیں ہو سکتا۔ مگر کیا وید کو کوئی عقلمند بڑھ کر کہہ سکتا ہے کہ اُسکے بنانے پر بھی انسان قادر نہیں۔ پس اگر مٹھی کے موافق بھی جو ایک ذلیل تر جاندار ہو وید میں کوئی اعجوبہ نہیں تو عقل تجویز نہیں کر سکتی کہ وہ اُس خدا کا کلام ہو جس کا قول ایسا بینظیر ہونا چاہیے جیسا کہ اُس کا فعل بینظیر ہو۔

رہا یہ قول معنوں خواں صاحب کا کہ اُسکے خیال کے موافق اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ گویا خدا انسان کی طرح آسمان پر بیٹھا ہوا ہو سو یہ محض اُسکی نادان فہمی ہو چونکہ ہندو لوگ محض اپنی جہالت اور غفلت اور تعصب کی راہ سے قرآن شریف پر ایک نظر نہ کر بھی نہیں ڈالتے بس اُسے ایسے ایسے شیطانی اعتراض انکو سوجھتے ہیں۔ پس واضح ہو کہ قرآن شریف کی تعلیم کے رُوسے خدا جیسا کہ آسمان پر زمین پر بھی ہو جیسا کہ اُس نے فرمایا ہُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَهٌ یعنی زمین میں وہی خدا ہو اور وہی آسمان میں خدا۔ اور فرمایا کہ کسی پوشیدہ مشورہ میں تین آدمی نہیں ہوتے جہکے ساتھ جو عقدا نہیں ہوتا اور فرمایا کہ وہ غیر محدود ہو جیسا کہ اس آیت میں لکھا ہوا لَا تَدْرِي لَهُ الْاِتِّصَالُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاِتِّصَالَ یعنی اُنکھیں اُسکے انتہا کو نہیں پاسکتیں اور وہ اُنکھوں کے انتہا تک پہنچتا ہو۔ ایسا ہی خدا تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہو وَنَحْنُ اقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ یعنی ہم انسان کی شاہ رگ سے بھی زیادہ اُسکی نزدیک ہیں اور یہ بھی ایک جگہ فرمایا کہ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَكُلُوا وَشَرِبُوا لَا تُفْسِدُوا زِينَتَكُمْ عِندَ اللَّهِ ذَٰلِكَ يُحِبُّ الْفَاسِقِينَ یعنی خدا وہ ہے جو انسان اور اُسکے دل میں حامل ہو جاتا ہو اور یہ بھی فرمایا کہ اللَّهُ تَزِدُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ عِندَ اللَّهِ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَكُلُوا وَشَرِبُوا لَا تُفْسِدُوا زِينَتَكُمْ عِندَ اللَّهِ ذَٰلِكَ يُحِبُّ الْفَاسِقِينَ

حاشیہ: قرآن شریف کی اس بارہ میں یہ آیت ہے مایکون من فجوی ثلثۃ إلا هو رابعہم ولا خمسۃ
 الا هو سادسہم یعنی تین شخص کوئی ایسا پرشیدہ مشورہ نہیں کرتے جس کا چوتھا خزانہ ہوا اور نہ پانچ کرتے ہیں جن کا
 چھٹا خزانہ ہو۔

اور تغیر پذیر ہے اور وہ جو باقی رہنے والا ہے وہی خدا ہے یعنی ہر ایک چیز فنا قبول کرتی ہے اور تغیر قبول کرتی ہے مگر انسانی فطرت اس بات کے ماننے کے لئے مجبور ہے کہ اس تمام عالم ارضی اور سماوی میں ایک ایسی ذات بھی ہے کہ جب سب پر فنا اور تغیر وارد ہوا ہے تغیر اور فنا اور نہ نہیں ہوگی وہ اپنے حال پر باقی رہتا ہے وہی خدا ہے۔ لیکن چونکہ زمین پر گناہ اور معصیت اور ناپاک کام بھی ظاہر ہوتے ہیں اور خدا کو صرف زمین تک محدود رکھنے والے آخر کار بت پرست اور مخلوق پرست ہو جاتے ہیں جیسا کہ تمام ہندو ہو گئے۔ اس لئے قرآن شریف میں ایک طرف تو یہ بیان کیا کہ خدا کا اپنی مخلوق سے شدید تعلق ہے اور وہ ہر ایک جان کی جان ہو اور ہر ایک ہستی اسی کے سہارے سے ہے۔ پھر دوسری طرف اس غلطی کو محفوظ رکھنے کیلئے کہ تا اس کے تعلق سے جو انسان کے ساتھ ہو کوئی شخص انسان کو اس کا عین ہی نہ سمجھ بیٹھے جیسا کہ ویدانت والے سمجھتے ہیں۔ یہ بھی فرمادیا کہ وہ سب برتر اور تمام مخلوق کا راء اور اہم مقام پر ہے جس کو شریعت کی اصطلاح میں عرض کہتے ہیں اور عرض کوئی مخلوق چیز نہیں ہے صرف راء اور اہم مرتبہ کا نام نہ یہ کہ کوئی راء یا تخت ہے جس پر خدا تعالیٰ کو انسان کی طرح بیٹھا ہوا تصور کیا جائے بلکہ جو مخلوق سے بہت دور اور تنزہ اور تقدس کا مقام ہو اس کو عرض کہتے ہیں جیسا کہ قرآن شریف میں لکھا ہو کہ خدا تعالیٰ سب کے ساتھ خالقیت اور مخلوقیت کا تعلق قائم کر کے پھر عرض پر قائم ہو گیا یعنی تمام تعلقات کے بعد الگ کا الگ رہا اور مخلوق کے ساتھ مخلوط نہیں ہوا۔

عرض خدا کا انسان کے ساتھ ہونا اور ہر ایک چیز پر محیط ہونا یہ خدا کی تشبیہی صفت ہے اور خدا نے قرآن شریف میں اس لئے اس صفت کا ذکر کیا ہے کہ تا وہ انسان پر اپنا قرب ثابت کرے اور خدا کا تمام مخلوق سے راء اور اہم ہونا اور سب سے برتر اور اعلیٰ اور دور تر ہونا اور اس تنزہ اور تقدس کے مقام پر ہونا جو مخلوقیت سے دور ہو عرض کے نام سے پکارا جاتا ہے اس صفت کا نام تنزیہی صفت ہے اور خدا نے قرآن شریف میں اس لئے اس صفت کا ذکر کیا تا وہ اس سے ایسی توحید اور اپنا وحدہ لا شریک ہونا اور مخلوق کی صفات سے اپنی ذات

کا منتر ہونا ثابت کرے۔ دوسری قوموں نے خدا تعالیٰ کی ذات کی نسبت یا تو تنزیہی صفت اختیار کی ہے یعنی نرگس کے نام سے بیکاراہی اور یا اسکو سرگن مان کر ایسی تشبیہ قرار دی ہے کہ گویا وہ عین مخلوقات ہے اور ان دونوں صفات کو جمع نہیں کیا مگر خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں ان دونوں صفات کے آئینہ میں اپنا چہرہ دکھلایا ہے اور یہی کمال توحید ہے۔

مضمون پڑھنے والے نے اس اعتراض کے ساتھ یہ اعتراض بھی جو دیا ہے کہ مسلمانوں کے اعتقاد میں حجر اسود ایک ایسا پتھر ہے جو آسمان سے گرا تھا۔ معلوم نہیں کہ اس اعتراض سے اسکو کیا فائدہ ہے۔ استعارہ کے رنگ میں بعض یہ روایتیں ہیں کہ وہ بہشتی پتھر ہے۔ مگر قرآن شریف سے ثابت ہے کہ بہشت میں کوئی پتھر نہیں ہو۔ بہشت ایسا مقام ہے کہ اسکی کوئی نظیر دنیا میں نہیں پائی جاتی اور اس دنیا کی کوئی چیز بھی بہشت میں نہیں ہے۔ بلکہ بہشتی نعمتیں ایسی نعمتیں ہیں کہ جو نہ کسی آنکھوں نے دیکھیں اور نہ کانوں نے سُنیں اور نہ دل میں گذریں اور خانہ کعبہ کا پتھر یعنی حجر اسود ایک روحانی امر کیلئے نمونہ قائم کیا گیا ہے۔ اگر خدا تعالیٰ چاہتا۔ تو نہ خانہ کعبہ بناتا اور نہ اس میں حجر اسود رکھتا لیکن چونکہ اسی عادت ہے کہ روحانی امور کے مقابل جسمانی امور بھی نمونہ کے طور پر پیدا کر دیتا ہو نا وہ روحانی امور پر دلالت کریں۔ اسی عادت کے موافق خانہ کعبہ بنیاد ڈالی گئی۔ اصل بات یہ ہے کہ انسان عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور عبادت دو قسم کی ہے۔ (۱) ایک تذلل اور انکسار (۲) دوسری محبت اور ایثار۔ تذلل اور انکسار کیلئے اس نماز کا حکم ہوا۔ جو جسمانی رنگ میں انسان کے ہر ایک عضو کو خشوع اور خضوع کی حالت میں ڈالتی ہے یہاں تک کہ دلی سجدہ کے مقابل پر اس نماز میں جسم کا بھی سجدہ رکھا گیا۔ تا جسم اور روح دونوں اس عبادت میں شامل ہوں۔ اور واضح ہو کہ جسم کا سجدہ بیکار اور لغو نہیں۔ اول تو یہ امر مسلم ہے کہ خدا جیسا کہ

حاشیہ۔ خدا تعالیٰ نے شریعت اسلام میں بہت سے ضروری احکام کیلئے نمونے قائم کئے ہیں چنانچہ انسان کو یہ حکم ہے کہ وہ اپنی تمام قوتوں کے ساتھ اپنے تمام وجود کے ساتھ خدا تعالیٰ کی راہ میں قربان ہو۔ پس ظاہری قربانیاں اسی حالت کیلئے نمونہ ٹھہرائی گئی ہیں لیکن اصل غرض یہی قربانی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَنْ يَتَّكِلَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ طَوْفًا وَلَا دِمَارًا وَلَا هَٰؤُلَاءِ يَتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي هُمْ يُعْتَصِمُونَ یعنی خدا کو تمہاری قربانیوں کا گوشت نہیں چھینا اور نہ خون پیچتا ہے مگر تمہاری تقویٰ اسکو پہنچتی ہے۔ یعنی اسکی آناؤں کو کہ گویا اسکی راہ میں قربانیوں کا جو حصہ ہے وہ قربانیاں بیخ کرتے ہو۔ اسی طرح تم بھی خدا کی راہ میں بیخ ہو جاؤ۔ جب کوئی تقویٰ اس درجہ سے کم ہو تو ابھی وہ ناقص ہے۔ حنف

روح کا پیدا کرنا والا ہی ایسا ہی وہ جسم کا بھی پیدا کرنا والا ہو اور دونوں پر اس کا حق خالقیت ہے
 ماسوا اسکے جسم اور روح ایک دوسرے کی تاثیر قیصل کرتے ہیں بعض وقت جسم کا سجدہ روح
 کے سجدہ کا محرک ہو جاتا ہے اور بعض وقت روح کا سجدہ جسم میں سجدہ کی حالت پیدا کر دیتا ہو
 کیونکہ جسم اور روح دونوں باہم مایا متقابلہ کی طرح ہیں۔ مثلاً ایک شخص جب محض تکلف سے اپنے
 جسم میں ہنسنے کی صورت بناتا ہو تو بسا اوقات وہ سچی ہنسی بھی آجاتی ہو کہ جو روح کے انبساط سے
 متعلق ہو۔ ایسا ہی جب ایک شخص تکلف سے اپنے جسم میں یعنی آنکھوں میں ایک رونے کی صورت بناتا ہو
 تو بسا اوقات حقیقت میں رونا ہی آجاتا ہو جو روح کی درد اور رقت سے متعلق ہو۔ پس جبکہ ثبات ہو چکا
 کہ عبادت کی اس قسم میں جو تذلل اور انکسار ہو جسمانی افعال کا روح پر اثر پڑتا ہو اور روحانی افعال کا جسم پر
 اثر پڑتا ہو۔ پس ایسا ہی عبادت کی دوسری قسم میں بھی جو محبت اور ایثار ہی انہیں تاثیرات کا جسم اور روح
 میں عوض معاوضہ ہو۔ محبت کے عالم میں انسانی روح ہر وقت اپنے محبوب کے گرد گھومتی ہو اور اسکے آستانہ کو
 بوسہ دیتی ہو۔ ایسا ہی خانہ کعبہ جسمانی طور پر محبان صادق کیلئے ایک نمونہ دیا گیا ہو اور خدا نے فرمایا کہ
 دیکھو یہ میرا گھر ہے اور یہ حجر اسود میرے آستانہ کا پتھر ہے اور ایسا حکم اسلئے دیا کہ انسان جسمانی طور پر
 اپنے دلولہ عشق اور محبت کو ظاہر کرے۔ سو حج کرنا والے حج کے مقام میں جسمانی طور پر اس گھر کے گرد
 گھومتے ہیں ایسی صورتیں بنا کر کہ گویا خدا کی محبت میں دیوانہ اور مست ہیں۔ زینت دہر کر دیتے ہیں
 سر منڈ داڑھیٹے ہیں اور مجذوبوں کی شکل بنا کر اسکے گھر کے گرد عاشقانہ طواف کرتے ہیں اور اس پتھر کو
 خدا کے آستانہ کا پتھر تصور کر کے بوسہ دیتے ہیں اور جسمانی دلولہ روحانی تپش اور محبت کو پیدا کر دیتا ہو
 اور جسم اس گھر کے گرد طواف کرتا ہو اور سنگ آستانہ کو چومتا ہو اور روح اسوقت محبوب حقیقی کے گرد
 طواف کرتی ہو اور اسکے روحانی آستانہ کو چومتی ہو اور اس طریق میں کوئی شرک نہیں ایک دست ایک
 دوست جانی کا خط پا کر بھی اسکو چومتا ہو کوئی مسلمان خانہ کعبہ کی پرستش نہیں کرتا اور نہ حجر اسود

ۛۛۛ حاشیہ۔ خدا کا آستانہ معدن فیض ہے یعنی اسی کے آستانہ سے ہر یک فیض ملتا ہو پس اسی کیلئے معتبر ہیں کہ اگر کوئی خواب
 میں حجر اسود کو بوسے تو عالم روحانہ اسکو حاصل ہوتے ہیں کیونکہ حجر اسود کو مراد منبع علم فیض ہے۔ منہ

سے مرادیں مانگتا ہو بلکہ صرف خدا کا قرار دادہ ایک جسمانی نمونہ سمجھا جاتا ہو جس طرح ہم زمین پر سجدہ کرتے ہیں مگر وہ سجدہ زمین کے لئے نہیں ایسا ہی ہم حجر اسود کو بوسہ دیتے ہیں مگر وہ بوسہ اس پتھر کے لئے نہیں۔ پتھر تو پتھر ہے جو نہ کسی کو نفع دے سکتا ہے نہ نقصان۔ مگر اس محبوب کے ہاتھ کا ہے جس نے اسکو اپنے آستانہ کا نمونہ ٹھہرایا۔

پھر مضمون پڑھنے والے نے یہ بیان کیا کہ جس کتاب میں قانون قدرت کے برخلاف تعلیم ہو وہ کتاب الہامی نہیں ہو سکتی۔ اس تقریر سے اُس نے وید پر حملہ کیا جو جسے معلوم ہوتا ہے کہ دراصل وہ وید پر ایمان نہیں رکھتا کیونکہ اگر حقیقت الہامی کتاب کے لئے یہی شرط ہو جو اس نے بیان کی ہے تو اس شرط کو ہرگز وید نے پورا نہیں کیا۔ کیونکہ وید خدا کے قانون قدرت سے ہر ایک پہلو میں مخالفت کرتا مثلاً وید آئندہ زمانہ کیلئے جو دیر کے بعد زمانہ ہو یہ اقرار نہیں کرتا کہ خدا کے الہام کا سلسلہ جاری ہے حالانکہ قانون قدرت شہادت دیتا ہے کہ ضرور الہام کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہنا چاہیئے۔ وجہ یہ کہ قانون قدرت کی رُو سے خدا تعالیٰ کے نظام جسمانی اور روحانی میں تطابق پایا جانا ضروری ہو تا وہ تطابق اس بات پر دلالت کرے کہ ان دونوں نظاموں کا بنانیوالا ایک خدا ہو مگر الہام کو صرف ایک خاص زمانہ تک ختم کر کے تطابق باقی نہیں رہتا کیونکہ اس بات سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ جسمانی ضرورتوں کیلئے ہمیشہ خدا نے اپنے فیضان کا دروازہ کھلا رکھا ہے چنانچہ بھوک کے لئے اس زمانہ میں بھی اناج موجود ہو جیسا کہ پہلے موجود تھا اور پیاس کے لئے اب بھی آسمان سے پانی برستا ہے جیسا کہ پہلے برستا تھا جس سے زمینی پانی دریاؤں اور کنوؤں کے بکثرت ہو جاتے ہیں پھر روحانی حاجتوں کا کیل دروازہ بند کیا گیا۔ کیا روحانی پیاسوں کو اب اس پانی کی ضرورت نہیں ہو جو روحانی طور پر سیراب کرتا ہے یعنی کیا اب اس بات کی حاجت نہیں کہ نوع انسان خدا کے تازہ بتاؤں نشانوں اور ہجرت کے ذریعہ سے شکوک و شبہات سے نجات پا کر اور یقین کے مرتبہ تک پہنچ کر پوری تسلی پاویں کیا یہی وید و قیام پریش کی جاتی ہے کہ جسمانی حاجات کے پورا کرنے کا ثواب تک خدا نے دروازہ بند نہیں کیا۔ مگر روحانی حاجات کے پورا کرنے کا دروازہ بند کر دیا ہے۔ غرض وید تو اس جگہ تطابق دکھلانے سے رو گیا۔

مگر یہ جسمانی اور روحانی تطابق قانون قدرت کا قرآن شریف نے دکھلادیا جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔
 وَالسَّمَاءُ ذَاتُ الرَّجْعِ وَالْأَرْضُ ذَاتُ الْصُلْحِ إِنَّهُ لَقَوْلُ فَصْلٍ وَمَا هُوَ بِالْهَزْلِ (الجزء ۲)
 سورة الطارق یعنی قسم ہے آسمان کی جس سے مینہ نازل ہوتا ہے اور قسم ہے زمین کی جو ٹھوٹ کر اناج
 نکالتی ہے۔ یہ کلام یعنی قرآن شریف حق اور باطل میں فیصلہ کر سکیں گے اور بے فائدہ نہیں یعنی اس
 کلام کی ایسی ہی ضرورت ثابت ہے جیسا کہ جسمانی نظام میں معینہ کی ضرورت ثابت ہے۔ مگر مینہ نہ ہوتا تو
 آٹھ کارکنوں میں بھی خشک ہو جاتے ہیں اور دیا بھی۔ اور پھر نہ پینے کیلئے پانی نہ ہوتا ہے اور نہ کھانے
 کے لئے اناج۔ کیونکہ ہر ایک برکت زمین کی آسمان سے ہی نازل ہوتی ہے۔ اس دلیل سے خدا نے ثابت کیا
 ہے کہ جیسا کہ پانی اور اناج کی ہمیشہ ضرورت ہے ایسا ہی خدا کی کلام اور اس کے تسلی دینے والے معجزات کی
 ہمیشہ ضرورت ہے۔ کیونکہ محض گذشتہ قسموں سے تسلی نہیں ہو سکتی۔

پس آریہ معاجز کو سمجھنا چاہیے کہ محض دید کے ذوق چاہنے سے نہ روحانی پیاس دور
 ہو سکتی ہے اور نہ وہ تسلی مل سکتی ہے جو خدا کے تازہ بتا دیے معجزات سے ملتی ہے اور آیت محمد و محمد بالا
 میں جو خدا نے قسم کھائی پس جاننا چاہیے کہ خدا کی قسمیں انسان کی قسموں کی طرح نہیں ہیں بلکہ
 عادت اللہ اس طرح واقعہ ہوتی ہے کہ وہ قرآن شریف میں قسم کھا کر جسمانی نظام کو روحانی نظام
 کی تصدیق میں پیش کرتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ قسم شہادت کی قائم مقام وضع کی گئی ہے پس ابجگہ
 خدا کی کلام میں جسمانی امور کی قسم کھانے سے اشارہ یہ ہے کہ جو قسم کے بعد روحانی امور بیان کئے
 گئے ہیں جسمانی امور ان کی سچائی کے گواہ ہیں۔ پس جس جگہ تم قرآن شریف میں اس طرز کی قسمیں
 پاؤ گے ہر ایک جگہ ان قسموں سے یہی مراد ہے کہ خدا تعالیٰ اول جسمانی امور پیش کر کے
 ان امور کو روحانی امور کے لئے جو بعد میں لکھتا ہے بطور گواہ کے پیش کرتا ہے۔ مگر
 افسوس بہارے نادان اور اندھے مخالف اپنی بے ہمتی سے قرآن شریف کی ان قسموں پر بھی
 اعتراض کرتے ہیں۔ دراصل بات یہ ہے کہ قرآن شریف ایک ایسی پُر حکمت کتاب ہے جس نے
 طب روحانی کے قواعد کلیہ کیے ہیں کے اصول کو جو دراصل طب روحانی ہے طب جسمانی

کے قواعد کلیہ کے ساتھ تطبیق دی ہے اور یہ تطبیق ایک ایسی لطیف ہے جو صمد ہا معارف اور حقائق کے کھلنے کا دروازہ ہے اور سچی اور کامل تفسیر قرآن شریف کی وہی شخص کر سکتا ہے جو طب جسمانی کے قواعد کلیہ پیش نظر رکھ کر قرآن شریف کے بیان کردہ قواعد میں نظر ڈالتا ہے ایک دفعہ مجھے بعض محقق اور حاذق طبیبوں کی بعض کتابیں کشفی رنگ میں دکھلائی گئیں جو طب جسمانی کے قواعد کلیہ اور اصولی علمیہ اور ستہ ضروریہ وغیرہ کی بحث پر مشتمل اور متضمن تھیں جن میں طبیب حاذق قرشی کی کتاب بھی تھی اور اشارہ کیا گیا کہ یہی تفسیر قرآن ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ علم الابدان اور علم الادیان میں نہایت گہرے اور عمیق تعلقات ہیں اور ایک دوسرے کے مصدق ہیں اور جب میں نے ان کتابوں کو پیش نظر رکھ کر جو طب جسمانی کی کتاب میں تھیں قرآن شریف پر نظر ڈالی تو وہ عمیق در عمیق طب جسمانی کے قواعد کلیہ کی باتیں نہایت بلیغ و سلیسہ میں قرآن شریف میں موجود پائیں اور اگر خدا نے چاہا اور زندگی نے وفا کی تو میرا ارادہ ہے کہ قرآن شریف کی ایک تفسیر لکھ کر اس جسمانی اور روحانی تطابق کو دکھلاؤں۔ غرض آسمان کے نیچے کوئی دوسری کتاب نہیں پائی جاتی کہ جو طب جسمانی اور طب روحانی میں اس قدر تطابق دکھلا کر قانون قدرت کے معیار کو اپنی پیروی کرنے والوں کے ہاتھ میں دیدے۔ اس لئے میں پورے یقین سے سمجھتا ہوں کہ قرآن شریف کے مقابل پر تمام دوسرے مذاہب ہلاک شدہ ہیں۔ وہ منہ سے تو کہہ دیتے ہیں کہ الہامی کتاب کے لئے ضروری شرط یہ ہے کہ وہ قانون قدرت کے مطابق ہو مگر مطابق کر کے دکھلاتے نہیں اور ان کو یہ بھی سمجھ نہیں کہ قانون قدرت کے آگے کو استعمال کرنے کے لئے طریق کیا ہے۔ وہ خدا کے قانون قدرت کو مرد و توڑ کر اپنے مستند عقائد کے مطابق کرنا چاہتے ہیں مگر یہ نہیں سوچتے کہ درحقیقت وہ مطابق بھی ہیں یا نہیں۔

اور پھر مجھے یہ تعجب ہے کہ آریہ صاحبان قانون قدرت کا ذکر ہی کیوں کرتے ہیں۔ کیونکہ جس حالت میں ان کے پر میشر میں یہ قدرت ہی نہیں کہ ایک روح بنا سکے یا کسی روح میں

کوئی قوت پیدا کر سکے یا کوئی ذرہ اجسام بنا سکے یا کوئی علم غیب اپنی شناخت کیلئے اپنی کتاب میں بیان کر سکے یا دلوں کو تسلی دینے کیلئے اپنا کوئی معجزہ دکھلا سکے تو پھر یہ کہنا کہ اُس کا کوئی قانون قدرت ہے سراسر لغو اور بے معنی بات ہے۔ قانون کا مرتب کرنا قدرت کے بعد ہے اور جب قدرت ہی نہیں تو یہ کہنا چاہیے کہ قانون عجز اور بے قدرتی نہ کہ قانون قدرت۔ وہ پریشہ جو محنتی دائمی نہیں دے سکتا اور کسی کا گنہ نہیں بخش سکتا اور اپنی ہستی ثابت کرنے کیلئے کوئی قدرت کا نمونہ دکھلا نہیں سکتا اسکی نسبت قانون قدرت کو کیونکر منسوب کر سکتے ہیں۔

پھر مضمون خواں نے بیان کیا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ خدا اپنے قانون کو بدل سکتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کیا وہ اپنے صفات کو بھی بدل سکتا ہو۔ اب غور کرنا چاہیے کہ یہ کیسا بیہودہ جواب ہے۔ یہ تو سچ ہے کہ جیسا کہ خدا غیر متبدل ہے اس کے صفات بھی غیر متبدل ہیں۔ اس کے کس کو انکار ہو مگر آج تک اُس کے کاموں کی حدیث کس نے کی ہو۔ اور کون کہہ سکتا ہے کہ وہ اسکی عمیق درمیت اور بے حد قدرتوں کی انتہاء تک پہنچ گیا ہو بلکہ اُس کی قدرتیں غیر محدود ہیں اور اس کے عجائب کام ناپید اکنار ہیں اور وہ اپنے خاص بندوں کیلئے اپنا قانون بھی بدل لیتا ہے مگر وہ بدلنا بھی اُس کے قانون میں ہی داخل ہو جب ایک شخص اُس کے آستانہ پر ایک نئی روح لے کر حاضر ہوتا ہے اور اپنے اندر ایک خاص تبدیلی محض اسکی رضا مندی کیلئے پیدا کرتا ہے تب خدا بھی اُس کے لئے ایک تبدیلی پیدا کر لیتا ہے کہ گویا اس بندے پر جو خدا ظاہر ہوا ہے وہ اور ہی خدا ہے۔ نہ وہ خدا جس کو عام لوگ جانتے ہیں۔ وہ ایسے آدمی کے مقابل پر جس کا ایمان کمزور ہے کمزور کی طرح ظاہر ہوتا ہے لیکن جو اسکی جناب میں ایک نہایت قوی ایمان کے ساتھ آتا ہے وہ اُسکو دکھ دیتا ہے کہ تیری مدد کیلئے میں بھی قوی ہوں۔ اس طرح انسانی تبدیلیوں کے مقابل پر اسکی صفات میں بھی تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں جو شخص ایمانی حالت میں ایسا مفقود الطاف ہے کہ گویا میت ہے خدا بھی اسکی تائید اور نصرت سے دستکش ہو کر ایسا خاموش ہو جاتا ہے کہ گویا نعوذ باللہ مر گیا ہے۔ مگر یہ تمام تبدیلیاں وہ اپنے قانون کے اندر اپنے تقدس کے موافق

کر رہا ہے اور چونکہ کوئی شخص اُس کے قانون کی حدیست نہیں کر سکتا اس لئے جلدی سے بغیر کسی قطعی دلیل کے جو روٹن اور بدیہی ہو۔ یہ اعتراض کرنا کہ فلاں امر قانون قدرت کے مخالف ہے محض حماقت ہے کیونکہ ہمیں چیر ذی بھی حدیست نہیں ہوئی اور نہ اس پر کوئی قطعی دلیل قائم ہے اُسکی نسبت کون رائے زنی کر سکتا ہے؟ ہاں قطعی اور یقینی طور پر جو باتیں ثابت ہو چکی ہیں ان سے انکار کرنا ایک قابلِ شرم جہالت ہے جیسا کہ یہ ثابت شدہ امر ہے کہ خدا واحد لا شریک ہے اور وہ ان تمام باتوں پر قادر ہے جو اُسکے تقدس اور کمال کے برخلاف نہیں ہیں اور قانون قدرت کا تو یہ حل ہے کہ پہلے زمانہ میں خدا نے انسان کو محض مٹی سے پیدا کیا یہ بھی ایک قانون قدرت تھا اور پھر اب نطفہ سے پیدا کرتا ہے تو یہ امر بھی قانون قدرت ہے اور پھر اگر ایک زمانہ کے بعد کسی اور طور سے انسان کو پیدا کرے تو کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ طور اس کے قانون قدرت سے باہر ہے جو غیر محدود ہے۔ یہ خیالات سب جہالتیں ہیں سچ تو یہ ہے کہ نہ کسی نے اب تک اُس کی حدیست کی اور نہ اُس کے قانون کی۔

پھر مضمون پڑھنے والے نے اپنے مضمون میں یہ بھی بیان کیا کہ خدا کائناتوں یعنی الہامی کتاب بدل نہیں سکتی۔ ہاں انسانی قوانین ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں کیونکہ انسان کا علم محدود ہے مثلاً گورنمنٹ جو آج قانون بناتی ہے تو کل اُسے بدلنا پڑتا ہے۔ یہ تبدیلی اس لئے کرنی پڑتی ہے کہ گورنمنٹ کا مل علم نہیں رکھتی بلکہ بہت محدود علم رکھتی ہے۔ چونکہ علم تجربہ سے بڑھتا ہے اس لئے گورنمنٹ کے قانون میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے مگر خدا کا علم کامل ہے اس لئے اُس کو اپنی کتاب کی تبدیلی کی ضرورت نہیں۔

اس تقریر میں گویا مضمون پڑھنے والے نے ان تمام کتابوں پر حملہ کیا ہے جو بخود وید کے خدا کی الہامی کتابیں قوموں میں پائی باقی ہیں اور اس حملہ کے وقت پہلے اُس نے اپنے دل میں بغیر کسی دلیل کے فرض کر لیا ہے کہ سب الہامی کتابیں وید کے بعد ہیں۔ اور پھر یہ فرض کر لیا ہے کہ وید کامل کتاب ہے اور اس میں کسی تبدیلی کی ضرورت نہیں

اور پھر اس فرض کرنے کے بعد تمام دوسری الہامی کتابوں کو نعوذ باللہ انسان کا افترا قرار دیا ہے۔ حالانکہ ایسا اعتراض پیش کرنے کے وقت پہلے اس کے لئے ضروری تھا کہ وید کا ابتداء زمانہ میں نازل ہوتا ثابت کرتا اور اس کے منجانب اللہ ہونے پر کوئی دلیل پیش کرتا لیکن اُس نے کوئی دلیل پیش نہیں کی اور نہ کر سکتا تھا بلکہ جس خدا کو وید نے پیش کیا ہے اُس کے وجود کا بھی اُس نے کچھ ثبوت نہیں دیا تو پھر وید کی سچائی کا ثبوت کہاں سے میسر ہو سے اور پھر اگر فرض بھی کر لیں کہ وید ابتداءئے زمانہ کا ہے تب بھی اُس کا ابتداءئے زمانہ میں ہونا سچائی کی دلیل نہیں ہے۔ کیا ابتداءئے زمانہ میں افترا کرتا اور جھوٹ بولنا انسان کو نہیں آتا تھا اور کیا صرف بعد میں افترا کا طریق نکلا ہے بلکہ جیسا کہ اہل زمانہ میں سانپ بندہ سڑ سب موجود تھے ایسا ہی شہریر انسان بھی موجود تھے ہاں تعدد میں کم تھے۔

پھر ماسوا اسکے یہ کہنا کہ خدا کے قانون میں تبدیلی غیر ممکن ہے ہاں انسانی قوانین برباغت کی تحریر اور کمی علم کے بدلنے جاتے ہیں یہ قول بھی ایسے لوگوں کا قول ہے کہ جنہوں نے انسانی قوانین پر بھی کبھی غور نہیں کیا۔ اگر مضمون پڑھنے والا گورنمنٹ کے کسی واضح قانون سے ہی ملاقات کرتا اور اُس سے دریافت کر لیتا کہ کیا ہمیشہ نیا قانون بنانے کا یہ ایک سبب ہوتا ہے کہ دراصل اس قانون میں کوئی غلطی ہوتی ہے اور پھر تحریر کے بعد پتہ لگتا ہے کہ دراصل ہم نے غلط فہم نے غلط فہم میں غلطی کھائی ہے اور دوسرا کوئی بھی سبب نیا قانون بنانے کا نہیں ہوتا۔ تو ایسا بہرہ ور اور احمقانہ خیال کبھی اُس کے مُنہ سے عام جلسہ میں نہ نکلتا بلکہ تبدیلی قانون کا بھابی سبب وہ تبدیلیاں ہوتی ہیں جو انسان کے ذاتی حالات اور عمل چلن اور ذہنی قوی اور اموال اور املاک اور اس کی تمدنی صورتوں یا جنگی طریقوں میں ظہور میں آتی ہیں۔ مثلاً ایک وہ زمانہ تھا جو تیر و کمان یا تلوار سے لڑائی ہوتی تھی اور دوسرے زمانہ میں بندوق وغیرہ وہ ہتھیار پیدا ہو گئے جنہوں نے تیر و کمان کو بیکار کر دیا اور ساتھ ہی لڑائی کا قانون بھی بدل گیا۔ ایسا ہی جب ایک ملک

اپنی آبادی کے لحاظ سے اپنی کاشتکاری کے لحاظ سے اور اپنی تجارت کے لحاظ سے
 اپنی درجہ کی حالت میں ہوتا ہے اور اکثر زمین بھر اور ناقابل زراعت ہوتی ہے اور لوگ
 جاہل اور وحشیوں کی طرح ہوتے ہیں تو اس صورت میں بہت نرمی سے ان کی نسبت قانون
 بنایا جاتا ہے اور سرکاری لگان بہت کم مقرر کیا جاتا ہے اور تجارتی امور میں بھی نرم ٹیکس
 لگایا جاتا ہے لیکن جب ایک مدت کے بعد زمین کی ایک عمدہ حالت پیدا ہو جاتی ہے اور
 ہزار ہا گھماؤں بھر توڑ کر آباد کیا جاتا ہے اور خوش حیثیتی بہت بڑھ جاتی ہے اور ایسا ہی
 تجارتی کاروبار بھی ترقی پذیر ہو جاتے ہیں تو پھر قانون بدلنا پڑتا ہے اور یہ تبدیلی گورنمنٹ
 کے قانون پر ہی موقوف نہیں تعلیمی صیغہ میں بھی ضروری طور پر یہی تبدیلی پیش آتی ہے۔
 جو بچے ابتدائی مرحلہ میں مدرسہ میں بٹھائے جاتے ہیں ان کے لئے اور کتابیں ہوتی ہیں۔
 پھر جب اچھی طرح حرف شناس ہو جاتے ہیں تو پھر اور کتابیں ان کو دی جاتی ہیں۔ اور
 پھر حسب استعداد اس سے بھی بڑھ جاتی ہے تو دوسری کتابیں حسب استعداد ان کو دی جاتی
 ہیں اور سب کے بعد انتہائی کتاب کا وقت آتا ہے اور چونکہ خدا اپنی تعلیم میں گڑبڑ ڈالنا
 نہیں چاہتا اس لئے پیش از وقت کوئی قانون الہامی انسانوں کو نہیں دیتا۔ کیونکہ جن
 تغیرات کا ابھی انسان کو علم ہی نہیں ان تغیرات کے موافق انسان کو قانون دینا گویا
 اس کو سخت پریشانی میں ڈالنا ہے۔

ایسا ہی ہر ایک بیمار جو طبیب کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے اس کے علاج میں بھی
 تبدیلیاں کی جاتی ہیں اور جو بیمار کی ایک خاص حالت میں نسخہ تجویز کیا جاتا ہے وہ نسخہ
 دوسری حالت کے شروع ہونے پر بدلایا جاتا ہے اور جب بیمار میں تیسری حالت پیدا
 ہو جاتے تو پھر اسی حالت کے موافق نسخہ لکھا جاتا ہے اور خدا کی کتاب کو جو طب رُوحانی ہو
 طب جسمانی سے اس کو بہت مناسبت ہے جیسا کہ ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں۔ پس جس حالت
 میں طب جسمانی میں یہ تبدیلیاں ایک لازمی امر ہے تو پھر طب رُوحانی میں کیوں لازمی نہ ہوگا

پس ایسا شخص جو ان تبدیلیوں پر اعتراض کرتا ہو اگر وہ بیمار ہو کر کسی طبیب کی خدمت میں حاضر ہو تو اسکو سوچنا چاہیے کہ کیا جب طبیب بیماری کے عوارض بدلنے کی وجہ سے نسخہ کو بدلانا چاہے تو وہ کہہ سکتا ہو کہ اے طبیب تو بیوقوف ہے کیونکہ یہ دوسرا نسخہ تجھے بعد میں ایک غلطی کر کے منو جھا ہی پہلے تو نے یہ نسخہ کیوں نہ لکھا۔ مجھے تعجب آتا ہو کہ یہ لوگ کیسے جاہل اور نادان ہیں کہ جو انسانی فطرت کو تبدیلیاں لازم ہوئی ہیں ان سے بھی بے خبر ہیں۔ ہر ایک شخص سمجھ سکتا ہو کہ نوع انسان مختلف زمانوں میں اپنے اخلاق اور اعمال اور عقائد اور اپنی تمدنی صورتوں اور قومی عادات میں بڑے بڑے پلٹے کھاتے آئے ہیں اور خدا تعالیٰ ہر ایک العقلاء کے موافق اپنی طرف سے کوئی کتاب بھیجتا رہا ہے کیا یہ ایسی باتیں ہیں جو سمجھ نہیں آ سکتی تھیں بلکہ اکثر آدمی محض تعصب اور شرارت سے سچائی کے دشمن بن جاتے ہیں۔ ایک بوڑھی عورت بھی جو چنداں عقل اور ہنر نہیں رکھتی اپنے بچے کی عمر اور موسم کی تبدیلی کے ساتھ اس کے طریق تعہد میں تبدیلیاں کرتی رہتی ہے۔ ایک وہ زمانہ ہوتا ہے جو بچہ صرف دودھ پینے کے قابل ہوتا ہے۔ اور پھر دوسرا زمانہ آتا ہے کہ کچھ نرم نرم غذا بھی دینا شروع کرتی ہے۔ اور پھر تیسرا زمانہ آتا ہے کہ قطعاً اس کو دودھ دینا بند کر دیتے ہیں اور بچہ گوروتا ہے مگر اسکی کچھ بھی پروا نہیں کی جاتی۔ اور پھر اوائل میں جو بچہ کو پاجامہ پہنایا جاتا ہے آگے پیچھے سے ایک چاک چھوڑ دیتے ہیں۔ سادیشاب کرنے اور پاخانہ پھرنے میں اس کو تکلیف نہ ہو۔ اور پھر جب کچھ ہوش سنبھل جاتا ہے تو پھر وہ چاک بند کیا جاتا ہے۔ اسی طرح تبدیلیاں وقوع میں آتی رہتی ہیں۔ پس یہ سخت نادانی کا خیال ہے کہ تبدیلی محض لاعلمی کی وجہ سے ہوتی ہے ایک تدبیر کی نظر سے دیکھنا چاہیے کہ خدا نے انسان کے جسمانی رزق پیدا کرنے میں بھی جو قانون قدرت رکھا ہے وہ بھی تبدیلیوں سے بھرا ہوا ہے۔ ایک موسم اس نے بارشوں کے لئے مقرر کیا ہے اور پھر دوسرا موسم دھوپ کا ہے کیونکہ اگر بارشیں ہی ہوتی رہیں اور دھوپ کی نوبت نہ آئے تو تمام ختم ہو جاتا گیا ہے پانی میں بہ جلتے۔ اور اگر دھوپ ہی رہے اور بارشیں نہ ہوں۔ تو ختم

جمل جائیں اور قحط پڑ جائے۔ اب سوچ لو کہ کیا کبھی کسی عقلمند نے اعتراض کیا ہے کہ خدا کے جسمانی قانون قدرت میں اس قدر تبدیلیاں کیوں ہیں تو پھر روحانی قانون قدرت پر اعتراض کرنا اگر سراسر جہالت نہیں تو اور کیا ہے؟ دیکھو کبھی دن ہوتا ہے اور کبھی رات۔ اور رات بھی دو قسم کی ہے کبھی چاند کی روشنی ہوتی ہے اور کبھی نہیں ہوتی۔ اور دن میں کبھی صبح ہوتی ہے کبھی دوپہر کبھی شام۔ اور پھر کبھی موسم گرما آجاتا ہے اور کبھی موسم سرما۔ اسی طرح خدا کے جسمانی نظام میں ہزاروں تبدیلیاں واقع ہوتی رہتی ہیں۔ پس اگر خدا نے روحانی قانون قدرت میں تبدیلیاں رکھ دیں تو کیا غضب آگیا۔ بلکہ ایسی الہامی کتاب جو خدا تعالیٰ کے جسمانی قانون قدرت کے ساتھ موافقت نہیں رکھتی وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہو سکتی۔

خلاصہ کلام یہ کہ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ کسی قانون کے تبدیل کرنے کا صرف یہی سبب نہیں ہوتا کہ کوئی غلطی اور فروگزاشت ہو گئی ہے بلکہ قانون کی کمی بیشی اور تبدیل تغیر کا یہ بھی سبب ہو سکتا ہے کہ انسان کے خود حالات بدلتے رہتے ہیں کیونکہ انسان کیا جسمانی وضع کی رو سے اور کیا روحانی وضع کی رو سے تغیر تبدیل کے چکر میں پڑا ہوا ہے اور چونکہ کمالِ انسانی جو کسی حالت منتظرہ کا محتاج نہیں صرف خدا تعالیٰ سے مخصوص ہے اور انسان روزہ رفتہ اپنے کمال کو پہنچتا ہے اس لئے اسکو تبدیلیوں سے چارہ نہیں ہے اور جیسا کہ ایک انسان اپنی ابتدائے پیدائش سے اخیر تک اپنی فطرت کی رو سے معرض تبدیل و تغیر میں پڑا ہوا ہے۔ اور پیدائش سے اخیر تک عدد تغیراتِ اسیر وارد ہوتے ہیں اسی طرح نوع انسان اپنے ابتدائی زمانہ سے اخیر تک تغیر اور تبدیل کا نشانہ ہے۔ مثلاً کسی وحشیانہ زمانہ میں ہندو مذہب کے نسل بڑھانے کے لئے نیوگ کی حاجت تھی اور ایک ہندو بڑی خوشی سے اپنی عورت کو دوسرے اجنبی مرد سے جس کے ساتھ نکاح نہیں ہے ہمبستہ کر ادیتا تھا۔ اور اب اس زمانہ میں ہزار ہا غیر ہندو ایسے ہیں کہ اگر دیانند جیسا کوئی برہمن نیوگ کا شائق

۱۲۰
اُن سے اُن کی بیوی کے بارے میں نیوک کی درخواست کرے تو غالباً اُس کو جان سے مار دیں گے۔

پھر ممنون پڑھنے والے نے یہ بھی بیان کیا کہ معلوم شدہ قوانین نامعلوم قوانین سے برخلاف نہیں ہو سکتے۔ اس سے اُس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کے تمام قوانین معلوم ہی ہیں مگر یہ بات تحقیق طلب ہے کہ کیا یہ جہالت اور نادانگی تمام قوم آریہ میں ہی یا خاص طور پر اسی شخص کا یہ قول ہے۔ واضح ہو کہ بڑے بڑے فلاسفر جو دنیا میں گزرے ہیں وہ یہ اقرار کر چکے ہیں کہ انسان کا علم خدا کے ناقصا ہی علم کے مقابل پر اس قدر بھی نہیں ہے جیسا کہ ایک سونی کو سمندر میں ڈبو کر اُس کی کچھ نری سونی میں رہ جاتی ہے۔ سچے حارثوں کا تو یہ قول ہے کہ چونکہ قوانین الہیہ کی حدیست ہو ہی نہیں سکتی اس لئے حدیست سے پہلے کسی امر کی نسبت ایک حد لگانا دو مقناقض اقرار کو اپنی کلام میں جمع کرنا ہے۔ انسانی علوم جو انسانی عقل کے ماتحت ہیں وہ محض بذریعہ حواس خمسہ ظاہری یا بذریعہ حواس خمسہ باطنی کے معلوم ہوتے ہیں اور یہ کہ قوانین قدرت کی شناخت کا خود محدود ہے اور ظاہر ہے کہ غیر محدود بذریعہ محدود کے دریافت نہیں ہو سکتا۔ پس جن قوانین کو ہم معلوم شدہ کہتے ہیں ممکن ہے کہ وہ بھی دراصل کامل طور پر معلوم نہ ہوں کیونکہ کارخانہ قدرت و راء الوہاد پڑا ہوا ہے انسان صرف کنوئیں کے مینڈک کی طرح ایک سمندر کو اپنے تھوڑے سے پانی کے برابر سمجھ لیتا ہے اور انسان کی تحقیقاتیں ہمیشہ بدلتی رہتی ہیں مثلاً جو کچھ طبعی اور ہیئت جدیدہ کے ذریعہ صد ہا اسرار اب معلوم ہوئے ہیں پہلے اُن کا نام و نشان نہ تھا۔ پس ظاہر ہے کہ جن امور کو وہ قانون قدرت سمجھ رہے تھے وہ قانون قدرت اب اس زمانہ میں ہنسی کے لائق ہے اور ممکن ہے کہ بعد اس کے ایک اور زمانہ اس موجودہ طبعی اور ہیئت کو بھی نئی تحقیقاتوں کے ذریعے سے فسخ کر دے۔ پس انسان کا قانون قدرت ایک ریت کا طومار ہے جو ایک پُر زور ہوا سے اپنی جگہ کو چھوڑ دیتا ہے۔ یہ تو ہم نے محض ظاہری ترقی علوم اور تجربہ کا ذکر کیا ہے لیکن ایسے روحانی امور بھی ہیں جن کے

مقابلہ پر طبعی قانون قدرت کا شیرازہ درہم برہم ہو جاتا ہے۔

مثلاً طبعی تحقیق کے لحاظ سے نیند آنے کے اسباب محض مادی ہیں اور جب وہ کم ہو جاتے ہیں تو نیند بھی کم ہو جاتی ہے اور ان کے بحال کرنے کے لئے مُسکُن دماغ اور مُرطب چیزیں استعمال کرتے ہیں جیسے برو مائڈ اور روغن خشخاش اور روغن تخم کدو اور روغن بادام وغیرہ۔ مگر مکالمہ الہیہ کے وقت میں جو انسان کو ایک قسم کی نیند اور غنودگی آتی ہے جس غنودگی کی حالت میں خدا کا کلام دل پر نازل ہوتا ہے وہ غنودگی اسباب مادیہ کی حکومت اور تاثیر سے بالکل باہر ہے اور اس جگہ طبعی کے تمام اسباب اور علل معطل اور بیکار رہ جاتے ہیں مثلاً جب ایک صادق انسان جس کا درحقیقت غلط تعالیٰ سے محبت اور وفا کا تعلق ہے اپنے اُس ہوش و تعلق میں اپنے رب کریم سے کسی حاجت کے متعلق کوئی سوال کرتا ہے تو ایسا ہوتا ہے کہ وہ بھی اُسی دُعا میں مشغول ہوتا ہو کہ ناگاہ ایک غنودگی اس پر طاری ہو جاتی ہے اور ساتھ ہی آنکھ کھل جاتی ہے تو کیا دیکھتا ہے کہ اُس سوال کا جواب اُس غنودگی کے پردہ میں نہایت فصیح و بلیغ الفاظ میں اُس کو مل جاتا ہے وہ الفاظ اپنے اندر ایک شوکت اور لذت رکھتے ہیں اور اُن میں اُلوہیت کی طاقت اور قوت چمکتی ہوئی محسوس ہوتی ہے اور میخ آہنی کی طرح دل کے اندر دھنس جاتے ہیں اور وہ الہامات اکثر غیب پر مشتمل ہوتے ہیں۔ اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جب ایک سولل کے بعد وہ صادق بندہ اُسی پہلے سوال کے متعلق کچھ اور عرض کرنا چاہتا ہے یا کہ نئی نیا سوال کرتا ہے تو پھر غنودگی اُس پر طاری ہو جاتی ہے اور ایک سیکنڈ تک یہ اس سے بھی کتر حالت میں وہ غنودگی کھل جاتی ہے اور اُس میں سے پھر ایک پاک کلام نکلتا ہے جیسے ایک میوہ کے غلاف میں سے اُس کا مضر نکلتا ہے جو نہایت لذیذ اور پُر شوکت ہوتا ہے۔ اسی طرح وہ خدا جو نہایت کریم اور رحیم اور مطلق میں سب سے بڑھا ہوا ہے ہر ایک سوال کا جواب دیتا ہے اور جواب دینے میں نفرت اور بیزاری ظاہر نہیں کرتا۔ یہاں تک کہ اگر کُتھ یا تثر یا ستودہ سوال

کیا جائے تو اس کا جواب اُسی صورت اور اُسی پیرایہ میں دیتا ہے یعنی ہر ایک سوال کے وقت
 ایک خفیف سی غنودگی وارد حال ہو جاتی ہے اور کبھی ایک بھاری غنودگی اور ربودگی طاری
 حال ہو جاتی ہے کہ گویا انسان ایک غشی کی حالت میں پڑ گیا ہے اور اکثر عظیم الشان امور
 میں اس قسم کی وحی ہوتی ہے اور یہ وحی کی تمام قسموں میں سے برتر و اعلیٰ ہے۔ پس ایسے
 حالات میں جو سوال اور دُعا کے وقت لحظہ لحظہ پر غنودگی طاری ہوتی ہے اور اس غنودگی کے
 پردہ میں وحی الہی نازل ہوتی ہے یہ طرز غنودگی اسبابِ مادیت سے برتر ہے اور جو کچھ طبعی
 والوں نے خواب کے متعلق قانونِ قدرت سمجھ رکھا ہے اُس کو پاشش پاشش کرتی ہے
 ایسا ہی صد ہا رُوحانی امور ہیں جو ظاہری فلسفہ والوں کے خیالات کو نہایت ذلیل ثابت
 کرتے ہیں بسا اوقات انسان کشفی رنگ میں کئی ہزار کوس کی دُور چیمبروں کو ایسے
 طور سے دیکھ لیتا ہے کہ گویا وہ اُس کی آنکھ کے سامنے ہیں اور بسا اوقات اُن رُوحوں
 سے جو فوت ہو چکے ہیں عین بیداری میں ملاقات کرتا ہے۔ اب بتلاؤ کہ ہم ظاہری عقلمندوں
 کے کس قانونِ قدرت میں ان باتوں کو تفلکِ شکر میں جن کی عقلِ محض طبعی اور طبابت کے
 قوانین کے اندر محدود ہے اور ان رُوحانی امور کو سمجھ نہی سکتی اور محض ظلم کے طور پر
 تکذیب کر کے خیال کر لیتے ہیں کہ ہم نے جواب دیدیا ہے۔ غرض جس قانونِ قدرت کو وہ
 پیش کرتے ہیں وہ خدا کے قانونِ قدرت سے وہ نسبت رکھتا ہے جیسکے سمندر کے ساتھ
 ایک قطرہ کا ہزارم حصہ نسبت رکھتا ہے۔ بعض جاہل خدا کے رُوحانی قانونِ قدرت سے بیخبر
 ہونے کی وجہ سے یہ بھی کہا کرتے ہیں کہ الہام کچھ بھی چیز نہیں صرف اصلیت یہ ہے کہ
 انسان کے دماغ کی بناوٹ ہی اس طرح واقع ہے کہ وہ خواہیں دیکھا کرتا ہے یا الہام
 ہوتے ہیں اور یہ کوئی عجوبہ نہیں تمام دنیا اس میں شریک ہے۔ اس طرز کی باتوں سے
 اُن کا مدعا یہ ہوتا ہے کہ خدا کے الہام اور وحی کے سلسلہ کی کسوٹان کر کے الہام اور وحی کو
 ایک معمولی بات اور عام طور پر انسانی فطرت کے لئے ایک طبعی امر ٹھہرا دیں لیکن ظاہر ہے

کہ آفتاب پر تھوکنے سے اُس کی روشنی کم نہیں ہو سکتی۔ یہ تو صحیح بات ہے جسے انکار نہیں ہو سکتا کہ ایک کمزور درجہ پر اور نہایت ضعیف مرتبہ پر اکثر آدمی خواب میں بھی دیکھتے ہیں اور الہام بھی ہوتا ہے۔ مگر وہ خوابیں اور وہ الہام کسی راستبازی اور تزکیہ نفس کا نتیجہ نہیں ہوتے۔ اور کوئی فوق العادت امر اُن میں نہیں ہوتا اور نہ وہ اس طرز سے الہام ہوتے ہیں۔ کہ الہام پانے والوں کو ایک لمبے سلسلہ وحی سے جو دعا کے بعد ایک ہی وقت میں سوال کے طور پر جو عزت دی جائے اور نہ ایسی عظیم الشان پیشگوئیاں اُن الہاموں کے اندر ہوتی ہیں جن کی وجہ سے وہ کھلے کھلے طور پر دنیا میں ممتاز کئے جائیں یعنی ایسی پیشگوئیاں جو دعا قبول ہونے کے بعد اہم کاموں میں اُن مہموں کی قبولیت ظاہر کرنے کے لئے پوری کی گئی ہوں اور اُن پیشگوئیوں کی عظمت اور ہیبت دلوں میں بٹھائی گئی ہو۔ غرض خدا کے قانون قدرت سے اگر کوئی واقف ہے تو صرف وہ لوگ ہیں جو علاوہ ظاہری علوم کے روحانی امور میں کامل حصہ رکھتے ہیں۔ جس نے اُس عالم میں سے کچھ بھی نہیں دیکھا۔ اُس نے قانون قدرت کا کیا دیکھا؟

ماسیہ اس کے مضمون پڑھنے والے کا یہ دعویٰ کہ صرف وید قانون قدرت کے موافق اور دوسری کتابیں قانون قدرت کے مخالف ہیں یہ صرف دعویٰ ہے۔ اگر وہ درحقیقت وید کو سچا اور قرآن شریف کو خلاف حق اور خلاف قانون قدرت سمجھتا ہے تو اُس کا فرض ہے کہ ایسی دو فہرستیں پیش کرے جن میں سے ایک میں یہ دکھاوے کہ وید کی کل تعلیمیں اور کل عقائد قانون قدرت کے موافق ہیں۔ اور دوسری فہرست میں یہ دکھاوے کہ قرآن شریف کی کل تعلیمیں اور کل عقائد یا بعض تعلیمیں اور بعض عقائد قانون قدرت کے مخالف ہیں۔ ہم تو جابجا اس رسالہ میں وید کے نمونے ظاہر کرتے آئے ہیں اور اُن سے ایک طالب حق معلوم کر سکتا ہے کہ کہاں تک وید قانون قدرت سے موافقت رکھتا ہے وید کے حامیوں کو

تو مناسب تھا کہ وہ اس بحث میں اپنے تئیں نہ ڈالتے اور چپ ہی رہتے اور خواہ مخواہ اپنے موجودہ وید کی پردہ درمی نہ کراتے۔ جو کچھ وید نے اپنا فلسفہ اور علم طبعی ظاہر کیا ہے وہ یہی ہے کہ ہندوؤں کے پریشد کو ایک انسان کا فرزند قرار دیتا ہے اور کہتا ہے کہ اندر آریوں کا پریشد کشتیا کا بیٹا ہے۔

اور نیز یہ کہ عناصر اور اجرام سماویہ سب پریشد ہی ہیں اور نیز وہ تعلیم دیتے ہیں کہ ان تمام چیزوں سے مرادیں مانگی جائیں اور نیز یہ تعلیم جو نہایت گندی اور قابل شرم تعلیم ہے یعنی یہ کہ پریشد نراف سے دس انگلی نیچے ہے (سمجھنے والے سمجھ لیں) ہم یہ نہیں کہتے کہ کسی پہلے زمانہ میں یہی وید تھا۔ بلکہ ہماری رائے یہ ہے کہ یہ ایک محرف متبدل کتاب ہے کچھ تو باعتبار الفاظ کے اور کچھ باعتبار معنوں کے۔ اور ہمارے نزدیک ممکن اور اغلب ہے کہ کوئی اصل کتاب خدا تعالیٰ کی طرف سے جوگی پھر کچھ کم کی گئی ہے اور کچھ زیادہ کی گئی۔ اور صورت بدلائی گئی ہے اور موجودہ وید بلاشبہ ایک گمراہ کر نیوالی کتاب ہے۔ جس میں پریشد کا بھی پتہ نہیں ملتا اور اس قدر مخلوق چیزوں کی اس میں پرستش کی تعلیم ہے کہ گویا وہ مخلوق پرستی کی ایک دوکان ہے پس جس جگہ ہم وید پر کوئی حملہ کرتے ہیں یا اسکی تکذیب کے دلائل پیش کرتے ہیں اس جگہ ہی موجودہ وید مراد ہے جو سراسر محرف متبدل ہے نہ وہ اصل وید جو کسی زمانہ میں خدا کی طرف سے آیا تھا اور ہم خدا کی تمام کتابوں پر ایمان لاتے ہیں اور ایسا ہی اس وید پر جو کسی زمانہ میں ملک ہند کے کسی نبی پر نازل ہوا ہوگا مگر موجودہ وید کی نسبت ہم اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں کہہ سکتے کہ جس قدر گندے فرقے مخلوق پرستوں کے اس ملک میں پھیلے ہوئے ہیں یہ سب وید کی ہی مہربانی ہے اور انسانی پاکیزگی کی نسبت جو کچھ وید نے سکھایا ہے اس کا عمدہ نمونہ نیوگ ہے۔ یہ نیوگ کی ہی پاک کارروائیوں میں سے ہے کہ آریہ قوم میں اس بات کا ثبوت ملنا مشکل ہے کہ کون آریہ صاحب اصل باپ کے لطفہ میں سے ہے۔ اور کون آریہ

صاحب بیروج داتا کی ملیں ہے ہیں۔ جو نیوک کے قابل تحصیل طریق سے وجود پذیر ہوئے ہیں۔ کیونکہ جب کہ نیوک کئی لاکھ برس سے چلا آتا ہے تو صاف ظاہر ہے کہ اگر ہم نیوک کی پیدائش کا بہت ہی کم عدد رکھیں تاہم نصف کے قریب نیوک کی اولاد ضرور ہوگی۔ اگر یہی وید وودیا ہے تو کسی کی کیا مجال ہے کہ اس میں دم مارے۔

ایک اور نمونہ وید کے قائلین قدرت کا یاد آیا اور وہ یہ ہے کہ پست ذات دیانند جس کا وید بھاشن آریوں کے نزدیک بہت اعتبار کے لائق ہے وہ اپنی کتاب ستیا رتھ پر کاش میں لکھتے ہیں کہ جب کوئی حیوی یعنی روح بدن سے نکلتی ہے تو اکاش میں ٹھہرتی پھرتی ہے۔ بعد آخر شبنم کی طرح کسی گھاس پات پر گر جاتی ہے اور کوئی مرد اس روح کو کھالیتا ہے اور عورت سے ہمبستر ہوتا ہے تب بچہ پیدا ہوتا ہے مگر وید کو یہ سمجھ نہ آیا کہ اس صورت میں ماننا پڑتا ہے کہ روح دو ٹکڑے ہو کر کسی گھاس پات پر گر جاتی ہے کیونکہ انسان کا بچہ صرف مرد کے نطفہ سے ہی پیدا نہیں ہوتا بلکہ عورت کا نطفہ بھی اس کے ساتھ شامل ہوتا ہے۔ اور اس پر دلیل یہ ہے کہ بچہ کچھ اخلاق اور صورت باپ کی لیتا ہے اور کچھ ماں کی۔ پس وید کے قائلین قدرت پر قربان جائیں جس کو یہ بھی خبر نہیں کہ بچہ میں دو نطفوں کا اشتراک ہے اور جس کے نزدیک روح بھی دو ٹکڑے ہو سکتی ہے۔

پھر مضمون پڑھنے والے نے یہ بیان کیا کہ وید کا خدا مکر نہیں کرتا۔ گرتسی پر نہیں بیٹھتا۔ جھوٹ نہیں بولتا۔ سو واضح ہو کہ اس نادان نے اپنے خیال میں وید کے ان صفات کے بیان کرنے میں قرآن شریف پر زد کی ہے اور اس تحریر سے بھی اس کی غرض یہ ہے کہ گویا قرآن شریف خدا تعالیٰ کو ایسی صفات کی طرف مسوب کرتا ہے جو اس کی شان کے لائق نہیں۔ مگر اصل بات یہ ہے کہ اس زمانہ میں مجز قرآن شریف کے

کوئی ایسی کتاب جو الہامی سمجھی جاتی ہے صفحہ زمین پر پائی نہیں جاتی جو خدا تعالیٰ کو تمام صفات کا ملکہ سے متصف اور تمام حیوب اور نقصانوں سے پاک سمجھتی ہو۔ ہاں قرآن شریف نے خدا تعالیٰ کی صفات میں اس قسم کا مکر بھی داخل رکھا ہے جو اس کی ذات پاک کے منافی نہیں۔ اور جس میں کوئی امر اُس کے تقدر اور اُس کی بے عیب ذات کے مخالف نہیں اور جس پر خدا کا قانون قدرت بھی گواہی دیتا ہے اور اس کی قدیم عادت میں پایا جاتا ہے۔ اور خدا کا مکر اس حالت میں کہا جاتا ہے اور اُس کے اس فعل پر اطلاق پاتا ہے کہ جب وہ ایک شریر آدمی کے لئے اُسی کے پوشیدہ منصوبوں کو اُس کے سزایاب ہونے کا سبب ٹھہراتا ہو۔ قرآن شریف کے رو سے یہی خدا کا مکر ہے جو مکر کرنیوالے کے پاداش میں ظہور میں آتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَكْرُؤًا دَمَكًا اللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ

یعنی کافروں نے ایک بد مکر کیا کہ خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ معظمہ سے نکل دیا اور خدا نے اُن کے مقابل پر ایک نیک مکر کیا کہ وہی مکان اُس رسول کی فتح اور اقبال کا موجب ٹھہرا دیا۔ پس خدا نے اس جگہ اپنا نام خیر الما کرین رکھا یعنی ایسا مکر کرنیوالا جو نیک مکر ہے نہ بد مکر۔ اور کافروں کے مکر کو بد مکر قرار دیا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ نے مکر کو دو قسم پر تقسیم کیا ہے۔ ایک بد مکر اور ایک نیک مکر۔ پس خدا نے نیک مکر اپنی صفات میں داخل کیا ہے۔ اور بد مکر کافروں اور شریر لوگوں کی عادات میں قرار دیا۔

اب اسے ہندو زراو! جنہوں نے بد ذاتی سے خدا کے مقدس رسول اور مقدس کتاب کو گالیاں دینی شروع کی ہیں کچھ حیا کر کے بتلاؤ کہ اس قسم کے مکر میں کونسی خدا تعالیٰ کی کسر شان ہے اور خدا کی کن صفات کے وہ مخالف ہے۔ کیا خدا کا قانون قدرت اس پر گواہی نہیں دیتا کہ شریر لوگوں کے ہلاک کرنے کیلئے جو بد مکروں سے

باز نہیں آئے۔ خدا کے اس قسم کے کام بھی پائے جاتے ہیں کہ جس گڑھے کو ایک بد ذات ایک شریف آدمی کے لئے کھودتا ہے خدا اسی کے ہاتھ سے اسی گڑھے میں اُس کو ڈال دیتا ہے۔ اور انسانوں میں بھی یہی طریق جاری ہے کہ وہ مکر کرنے والے کو مکر کے ساتھ ہی سیدھا کرتے ہیں۔ مثلاً جب چور اور ڈاکو نہایت باریک مکر وں کے ساتھ گورنمنٹ کی رعیت کو نقصان پہنچاتے ہیں تو ان کے پکڑنے کے لئے پولیس کو بھی کوئی مکر کرنا پڑتا ہے مگر فرق یہ ہے کہ چوروں کا بد مکر ہے جس میں خلیق خدا کو ضرر پہنچاتا مقصود ہے اور پولیس کے ملازموں کا نیک مکر ہے جس سے غرض یہ ہے کہ ان بد ذات چوروں کے ضرر سے گورنمنٹ کی رعیت کو بچایا جائے۔

ایسا ہی ابھی تصور سے دن ہوئے ہیں کہ بعض نمکمرام آریوں نے اس گورنمنٹ عالیہ کے مقابل پر ایک بہت باریک مکر کیا تھا۔ اگر وہ چل جاتا تو یہ گورنمنٹ بڑی تشویش میں پڑتی اور شاید اس کا نتیجہ ۱۸۵۷ء سے بھی بدتر ہوتا۔ مگر خدا نے اس گورنمنٹ پر فضل کیا کہ وہ اس بد مکر کی تہ تک پہنچ گئی۔ تب اُس کے لائق آفیسروں نے ان خیر آریوں کے بد مکر کے مقابل پر اُن کی گرفتاری کے لئے ایک نیک مکر اختیار کیا یعنی بہت احتیاط اور خاموشی سے اُن کے سرغنڈ کو گرفتار کر لیا اور ایسی حکمت عملی سے گرفتار کیا کہ آریوں کی طرف سے کوئی شور برپا نہ ہو سکا۔ تب بعض کو اسی ملک کے جیل میں داخل کیا اور بعض کو گرفتار کر کے ہانڈلے کے قلعہ کی ہوا چکھائی۔ اس طور سے گورنمنٹ اپنے نیک مکر میں کامیاب ہو گئی مگر شریر آریہ اپنے بد مکر میں کامیاب ہوئے اور اپنے لئے ہمیشہ کی تباہی مہم پڑی۔

اب بتلاؤ کہ کیا تم گورنمنٹ کے اس مکر کو مورد اعتراض سمجھتے ہو۔ یا اس کو گورنمنٹ کے پسندیدہ کاموں میں داخل کرتے ہو۔ اور اگر تم پسندیدہ نہیں سمجھتے تو ہنوز تم درست کرنے کے لائق ہو۔ اور اگر پسندیدہ سمجھتے ہو تو تم پر ہزار افسوس کہ آسمانی بادشاہت پر تو اعتراض کرتے ہو کیونکہ تم خیال کرتے ہو کہ خدا پکڑنے میں دھیما ہے لیکن انسانی گورنمنٹ کے مکر پر

تم کچھ بھی اعتراض نہیں کرتے کیونکہ تم جانتے ہو کہ اس اعتراض کے وقت تمہاری خیر نہیں ہے پس یقیناً سمجھو کہ نیک مکر سے نہ خدا پر اعتراض ہوتا ہے نہ کسی گورنمنٹ پر۔ مناسبت ہے کہ تم ذرا دیر سے الگ ہو کر جو تمہیں گراہی میں ڈالتا ہے محض عقل سلیم سے کام لے کر سوچو کہ کیا اس قسم کے مکر خدا کے قانون قدرت میں نہیں پائے جاتے؟ کیا وہ بدوں کے منصوبے جو نہایت باریک مکر کے طور پر کئے جاتے ہیں انہیں کے ہلاکت کے اسباب نہیں کر دیتا۔ کیا بد ذات مکر کر نیوالا جب اپنے بد مکر سے ایک نیک آدمی کو ناحق تباہ کرنا چاہتا ہے تو کیا خدا کی عادت نہیں ہے کہ اس نیک مظلوم کو یا گورنمنٹ کو جو عدالت کی کرسی پر بیٹھی ہے کوئی ایسی بات سمجھا دیتا ہے اور کوئی ایسی مخفی شہادت پیدا کر دیتا ہے جس سے وہ بد مکر کر نیوالا پکڑا جاتا ہے اور غریب مظلوم اس الزام سے بری کیا جاتا ہے خدا کے یہ نیک مکر عدالتوں کے ذریعے سے ہر روز ظاہر ہوتے ہیں اور شریر مکاروں کے تہ در تہ پر دے کھولے جاتے ہیں چنانچہ کسی پر مخفی نہیں ہیں مگر آنکھ کے اندھوں کا کیا علاج۔ وہ حقیقت اس نادان معترض نے خدا کے نیک مکر کو قابل اعتراض ٹھہرانے کے لئے خود بد مکر استعمال کیا ہے کہ مکر کی دو قسم کو صرف ایک ہی قسم قرار دے کر لوگوں کو دھوکہ دینا چاہا ہے۔

ہم تقریر مذکورہ بالا میں مکر کی نسبت بقدر کفایت بیان کر چکے ہیں۔ اب دوسرا اعتراض معترض کا یہ ہے کہ قرآن شریف میں خدا کا کرسی پر بیٹھنا بیان کیا گیا ہے۔ سو واضح ہو کہ قرآن شریف میں اس طرح تو کہیں یہ ذکر نہیں ہے جیسا کہ معترض کا بیان ہے۔ ہاں خدا تعالیٰ

﴿عَلَى الْعَرْشِ الْعَظِيمِ﴾ یعنی خدا کی کرسی کے اندر تمام زمین و آسمان سمائے ہوئے ہیں اور وہ ان سب کو اٹھائے ہوئے ہے۔ ان کے اٹھانے سے وہ ٹھکتا نہیں ہے اور وہ نہایت بلند ہے کوئی عقل اس کی کثرت تک پہنچ نہیں سکتی اور نہایت بڑا ہے اس کی عظمت کے آگے سب چیزیں بیچ ہیں۔ یہ ہے ذکر کرسی کا اور محض ایک متعارف ہے جس سے یہ متونا منظور ہو کہ زمین و آسمان سب خدا کے تصرف میں ہیں اور ان سب سے اس کا مقام دو درجہ ہے اور اس کی عظمت تا پیدا گناہ ہے حقہ

کے استواء کا ذکر ہے جو عرش پر ہوا۔ جیسا کہ قرآن شریف میں اللہ جل شانہ فرماتا ہے۔

إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ

اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ ۚ

یعنی تمہارا خدا وہ خدا ہے جس نے چھ دن میں آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور پھر عرش پر قرار پکڑا یعنی اول اُس نے اس دنیا کے تمام اجرام سماوی اور ماضی کو پیدا کیا اور چھ دن میں سب کو بنایا اور چھ دن سے مُراد ایک بڑا زمانہ ہے، اور پھر عرش پر قرار پکڑا یعنی تنزہ کے مقام کو اختیار کیا۔ یاد رہے کہ استواء کے لفظ کا جب علی صلب آتا ہے تو اُس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ ایک چیز کا اس مکان پر قرار پکڑنا جو اُس کے مناسب حال ہو جیسا کہ قرآن شریف میں بھی آیت ہے

وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ ۖ

یعنی نوح کی کشتی نے طوفان کے بعد ایسی جگہ پر قرار پکڑا جو اُس کے مناسب حال تھا یعنی اس جگہ زمین پر اترنے کے لئے بہت آسانی تھی سو اسی لحاظ سے خدا تعالیٰ کیلئے استواء کا لفظ اختیار کیا یعنی خدا نے ایسی وراء الوراہ جگہ پر قرار پکڑا جو اُس کی تنزہ اور تقدس کے مناسب حال تھی چونکہ تنزہ اور تقدس کا مقام ماسوی اللہ کے فنا کو چاہتا ہے سو یہ اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جیسے خدا بعض اوقات اپنی خالقیت کے اسم کے تقاضا سے مخلوقات کو پیدا کرتا ہے پھر دوسری مرتبہ اپنی تنزہ اور وحدت ذاتی کے تقاضا سے اُن سب کا نقش ہستی مٹا دیتا ہے۔ غرض عرش پر قرار پکڑنا مقام تنزہ کی طرف اشارہ ہے تا ایسا نہ ہو کہ خدا اور مخلوق کو باہم مخلوط سمجھا جائے۔ پس کہاں سے معلوم ہوا کہ خدا عرش پر یعنی اُس وراء الوراہ مقام پر مقید کی طرح ہے اور محدود ہے۔ قرآن شریف میں تو جا بجا بیان فرمایا گیا ہے کہ خدا ہر جگہ حاضر و ناظر ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ یعنی جہاں کہیں تم ہو وہ اسی جگہ خدا تمہارے ساتھ ہے۔ اسی طرح قرآن شریف میں فرمایا ہے هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ یعنی خدا سب کے پہلے ہے اور ہر جگہ پہلے ہونے کے پھر سب کے آخر ہے اور

وہ سب زیادہ ظاہر اور بھرپور وجود سے زیادہ ظاہر ہونے کے سبب پوشیدہ ہے۔ اور
 پھر فرمایا اللہ نَوْمُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ یعنی خدا ہر ایک چیز کا نور ہے۔ اُسی کی چمک
 ہر ایک چیز میں ہے خواہ وہ چیز آسمان میں ہے اور خواہ وہ زمین میں۔ اور پھر فرمایا کہ
 كَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ قَاطِعًا یعنی خدا ہر ایک چیز پر احاطہ کر نیوالا ہے اور پھر فرمایا
 وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ یعنی ہم انسان کی رگ جان سے بھی اُس
 نزدیک تر ہیں۔ اور پھر فرمایا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ یعنی وہی خدا ہی
 اُس کے سوا کوئی نہیں وہی ہر ایک جان کی جان اور ہر ایک وجود کا سہارا ہے۔ اس
 آیت کے لفظی معنی یہ ہیں کہ زندہ وہی خدا ہے اور قائم بالذات وہی خدا ہے پس جبکہ
 وہی ایک زندہ ہے اور وہی ایک قائم بالذات ہے تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ
 ہر ایک شخص جو اسکے سوا زندہ نظر آتا ہے وہ اُسی کی زندگی سے زندہ ہے اور ہر ایک جو
 زمین یا آسمان میں قائم ہے وہ اُسی کی ذات سے قائم ہے۔ اور پھر فرمایا هُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ
 فِي الْأَرْضِ اللَّهُ یعنی وہی خدا زمین میں ہے اور وہی خدا آسمان میں۔ اور پھر فرمایا مَا يَكُونُ
 مِنْ شَيْءٍ إِلَّا هُوَ سَائِمًا يَعْلَمُهُ وَلَا خَمْسَةَ إِلَّا هُوَ سَائِدٌ سَهْمُهُ الْخَمْسَةُ - یعنی
 جب تین آدمی کوئی پوشیدہ باتیں کرتے ہیں تو چوتھا اُن کا خدا ہوتا ہے۔ اور جب
 پانچ کرتے ہیں تو چھٹا اُن کا خدا ہوتا ہے۔ ایسا ہی بہت سی اور آیات میں بار بار فرمایا گیا
 ہے کہ خدا ہر جگہ حاضر و ناظر ہے یہاں تک کہ وہ ہر ایک جان کی بھی جان ہے۔ اور ہم
 پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ اگر خدا تعالیٰ اسی ایک پہلو تک معرفت الہی کے مسئلہ کو
 ختم کرتا کہ خدا مخلوق سے الگ نہیں تو ہندوؤں کی طرح یہ مسلمانوں میں بھی مخلوق پرستی شروع
 ہو جاتی۔ کیونکہ اس صورت میں خدا میں اور مخلوق میں کوئی مابہ الامتیاز باقی نہ رہتا۔
 اور یہی وجہ ہے کہ آخر کار وید کے ذریعے سے مخلوق پرستی شروع ہو گئی کیونکہ ہر جگہ الگ
 اور الیہ اور سورج اور چاند کو بطور معبود بیان کیا گیا ہے آخر لوگوں نے ان چیزوں کو

خدا ہی سمجھ لیا۔ اور فرض کرو کہ اگنی وغیرہ پر ہمیشہ کے نام ہی تھے۔ لیکن پھر بھی خدا کا یہ اسم اعظم کہ وہ ہر ایک مخلوق سے وراہ الوراہ مقام پر ہے اور مصنوعات سے برتر و بلند ہے وید میں بیان نہیں کیا گیا۔ پس اسی وجہ سے یہ تمام باطل مذہب وید کے ذریعہ سے پیدا ہو گئے۔ بلکہ وید بات بات میں مخلوق پرستی کی طرف کھینچتا ہے اور خدا تعالیٰ کو محدود ٹھہراتا ہے۔ چنانچہ ویدا دھیا کبر ۱۲ منتر ۱۹ میں لکھا ہے کہ ہمیشہ کل کے اندر رہتا ہے اور تولد ہو کر بہت سی صورتیں اور شکلیں ہو جاتا ہے اور فاضل لوگ اس پر ہمیشہ کوجورحم میں رہتا ہے ہر طرف سے دیکھتے ہیں اب دیکھو کہ وید نے ہمیشہ کو کیسا محدود کر رکھا ہے کہ ہر ایک محدود چیز کا نام اُسکو دیا گیا۔ اور بموجب بیان رگ وید کے سورج۔ اگنی۔ واپو سب پر ہمیشہ ہی ہیں۔ اور پھر یہ بھی لکھا ہے کہ جیسے ہمیشہ رحم میں رہتا ہے ایسا ہی وہ سورج کے سنہری پردہ میں بھی رہتا ہے جیسا کہ بجز وید کے ایش اپنشد منتر ۱۵ و ۱۶ سے ظاہر ہے اور ایسا ہی وہ ناف سے دس انگلی کے فاصلہ پر بھی ہے جس سے ہندوؤں میں لنگ پوجا شروع ہو گئی۔ پس اگر وید قرآن شریف کی طرح خدا تعالیٰ کی تنزیہی صفات بھی لکھتا اور صرف تشبیہی صفات پر حصر نہ رکھتا تو یہ طوفان مخلوق پرستی کا اس کے ذریعہ سے پیدا نہ ہوتا۔ قرآن شریف اسی وجہ سے ہر ایک دھوکہ دہی کی بات سے محفوظ ہے کہ اُس نے خدا تعالیٰ کے ایسے طور و صفات بیان کئے ہیں جن سے توحید باری تعالیٰ شرک کی آلائش سے بکلی پاک رہتی ہے کیونکہ اول اُس نے خدا تعالیٰ کے وہ صفات بیان کئے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ کیونکہ وہ انسان سے قریب ہے اور کیونکہ اُس کے اخلاق سے انسان حصہ لیتا ہے ہن صفات کا نام تو تشبیہی صفات ہیں۔ پھر چونکہ تشبیہی صفات سے یہ اندیشہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو محدود خیال نہ کیا جائے یا مخلوق چیزوں سے مشابہ خیال نہ کیا جائے۔ اس لئے ان ادہام کے دور کرنے کے لئے خدا تعالیٰ نے اپنی ایک دوسری صفت

بیان کر دی۔ یعنی عرش پر قرار پکڑنے کی صفت جس کے یہ معنی ہیں کہ خدا سب مصنوعات سے برتر و اعلیٰ مقام پر ہے کوئی چیز اس کی شبیہ اور شریک نہیں اور اس طرح پر خدا تعالیٰ کی توحید کامل طور پر ثابت ہو گئی۔

پھر مضمون پڑھنے والے نے تیسری صفت وید کے پریشکر کی یہ بیان کی کہ وید کو دینے والا پریشکر جھوٹ نہیں بولتا۔ مگر ہمیں معلوم نہیں کہ اس شخص کی اس مقولہ سے کیا غرض ہے کہ خدا جھوٹ بھی بولا کرتا ہے؟ شاید وہ اس تقریر سے وید کے بعض کلمات کی پردہ پوشی کرنا چاہتا ہے۔ سو اس کی یاد دہانی سے جب ہم نے وید کو غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ درحقیقت وید کے پریشکر نے کئی جگہ وید میں جھوٹ بولا ہے چنانچہ وید کا یہ صریح جھوٹ ہے جو پنڈت دیانند اپنی کتاب تیار تھ پرکاش میں وید کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ جب رُوح بدن سے نکلتی ہے تو وہ اکاش میں پہنچ کر پھر رات کو شبنم کی طرح کسی گھاس پات پر پڑتی ہے اور اس گھاس کو کوئی کھا لیتا ہے تو وہ رُوح نطفہ کی شکل میں ہو کر عورت کے اندر چلی جاتی ہے اور اس سے بچہ پیدا ہوتا ہے۔ اب بتلاؤ کہ اس سے زیادہ کونسا جھوٹ ہو گا کہ رُوح کو ایک جسمانی چیز بنا دیا۔ اور نیز اگر یہ بات سچ ہے کہ رُوح شبنم کی طرح کسی گھاس پات پر پڑتی ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ رُوح دو ٹکڑے ہو کر زمین پر گرتی ہے کیونکہ اس بات سے کسی کو بھی انکار نہیں کہ بچہ کو رُوحانی اخلاق کچھ تو باپ سے حاصل ہوتے ہیں اور کچھ ماں سے۔ جیسا کہ اس کی جسمانی صورت بھی باپ اور ماں میں مشترک ہوتی ہے۔ پس اگر مثلاً کسی بچہ کا باپ لاہور کا رہنے والا تھا اور ماں کلکتہ کی رہنے والی اور ریل کے ذریعہ سے ان دونوں کو کسی مقام میں ایک ہی دن میں اجتماع اور ہمبستری نصیب ہو گئی اور اس بچہ کا نطفہ شیر گیا۔ اور اس نطفہ کی غذا لاہور کے رہنے والے نے لاہور میں کھائی تھی اور کلکتہ والی نے کلکتہ میں۔ پس اس سے لازم آئے گا کہ وہ رُوح

کسی گھاس پات پر دو ٹکڑے ہو کر گری ہو یعنی ایک ٹکڑہ اُس کا تو لاہور میں گرا۔ دوسرا ٹکڑہ کلکتہ میں۔ کیونکہ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں رُوحانی اخلاق بچہ کے ماں اور باپ کے اخلاق میں مشترک ہوتے ہیں اور یہ امر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ رُوح دو ٹکڑے ہو کر گری اور یہ امر باطل ہے۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ رُوح کا شبہ ہم کی طرح گناہی باطل اور جھوٹ ہے۔

واضح ہو کہ یہ ایک وید کا ایسا مسئلہ ہے جس سے تمام وید جھوٹا ٹھہرتا ہے کیونکہ موجودہ وید کا تمام مدار آواگون یعنی جوفوں پر ہے اور اسی آواگون یعنی تناسخ کی رُوسے ماننا پڑتا ہے کہ دنیا کے تمام چرند۔ پرند۔ درند اور تمام کیڑے مکوڑے انسان ہی ہیں۔ اور اسی آواگون کی رُوسے یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ جاودانی ممکن غیر ممکن ہے۔ اور اسی آواگون کی رُوسے یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ کسی کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ اور گناہ نہیں بخشے جاتے۔ اور اسی آواگون کی رُوسے یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ رُوحوں کو خدا نے پیدا نہیں کیا بلکہ وہ سب خدا کی طرح قدیم اور نادیدنی ہیں۔ غرض تناسخ کا مسئلہ تمام وید کا خلاصہ ہے اور یہ ایسا ستون ہے جس کے سہارے سے تمام عقاید وید کے کھڑے ہیں اور اس کے ٹوٹنے سے تمام اصول وید کے ٹوٹ جاتے ہیں اور یہ تناسخ جو اصل جڑ آواگون کی ہے صرف اسی بنا پر یہ قائم رہ سکتا ہے کہ جبکہ بقول دیانند یہ بات ثابت ہو جائے کہ رُوح بدن سے نکل کر اکاش میں چڑھ جاتی ہے اور پھر شبنم کی طرح کسی گھاس پات پر پڑتی ہے مگر جیسا کہ ہم ابھی لکھ چکے ہیں یہ بات بجلی محال ہے اور اس سے لازم آتا ہے کہ رُوح دو ٹکڑے ہو کر گری۔ ماسوا اس کے ایک اور بختہ دلیل اس بات پر یہ ہے کہ جیسا کہ رُوح کا گرناس طرح سے مستلزم محال ہے کہ اس سے رُوح کا دو ٹکڑے ہونا لازم آتا ہے۔ ایسا ہی اس طرح سے بھی مستلزم محال ہے کہ وہ واقعات ثابت شدہ کے مخالف ہے کیونکہ ثابت شدہ واقعات یقینی اور قطعی طور پر شہادت دے رہے ہیں کہ خود نطفہ مرد اور

عورت کا بغیر اسکے کہ اسپر شبنم کی طرح آسمان کی فضا سے رُوح گرے رُوح پیدا ہونے کی اپنے اندر استعداد رکھتا ہے۔ پھر جب مرد اور عورت کا نطفہ باہم مل جاتا ہے تو وہ استعداد بہت قوی ہو جاتی ہے اور آہستہ آہستہ وہ استعداد بڑھتی جاتی ہے کہ یہاں تک کہ جب بچہ کا پورا قالب طیار ہو جاتا ہے تو خدا تعالیٰ کی قدرت اور امر سے اسی قالب میں سے رُوح پیدا ہو جاتی ہے کہ یہ وہ واقعات ہیں جو مشہود اور محسوس ہیں۔ اسی کو ہم کہتے ہیں کہ نیستی سے ہستی ہوئی۔ کیونکہ ہم رُوح کو جسم اور جسمانی نہیں کہہ سکتے۔ اور یہ بھی ہم دیکھتے ہیں کہ رُوح اسی مادہ میں سے پیدا ہوتی ہے جو بعد اجتماع دونوں نطفوں کے رحم مادر میں آہستہ آہستہ قالب کی صورت پیدا کرتا ہے اور اس مادہ کے لئے ضروری نہیں کہ ساگ پات کی کسی قسم پر رُوح شبنم کی طرح گرے اور اس سے رُوح کا نطفہ پیدا ہو۔ بلکہ وہ مادہ گوشت سے بھی پیدا ہو سکتا ہے خواہ وہ گوشت بکرہ کا ہو۔ یا مچھلی کا۔ یا ایسی مٹی ہو جو زمیں کی نہایت عمیق ترسے نیچے ہوتی ہے جس سے میند کیس وغیرہ کیڑے کورے پیدا ہوتے ہیں۔ ہاں بلاشبہ یہ خدا کی قدرت کا ایک راز ہے کہ وہ جسم میں سے ایک ایسی چیز پیدا کرتا ہے کہ وہ نہ جسم ہو اور نہ جسمانی۔ پس واقعات موجودہ مشہودہ محسوسہ ظاہر کر رہے ہیں کہ آسمان سے رُوح نہیں گرتی بلکہ یہ ایک نئی رُوح ہوتی ہے جو ایک مرکب نطفہ میں سے بقدرت قادر پیدا ہو جاتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے ثُمَّ أَنْشَأَهُ خَلْقًا آخَرَ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ یعنی جب رحم میں قالب انسانی تیار ہو جاتا ہے تو پھر ہم ایک نئی پیدائش سے اسکو مکمل کرتے ہیں یعنی ہم اس مادہ کے اندر سے جس سے قالب تیار ہوا ہے رُوح پیدا کر دیتے ہیں۔

پھر ایک اور جگہ یعنی سورۃ الذہر میں جو جزو انتیس^{۲۹} میں ہے اللہ جل شانہ فرماتا ہے اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ یعنی ہم انسان کو ملے ہوئے نطفہ سے پیدا کرتے ہیں یعنی مرد اور عورت کے نطفہ سے۔ پس جیسا کہ ان آیات میں خدا تعالیٰ نے ظاہر فرمایا ہے۔ اسی طرح کروڑوں انسانوں کا مشاہدہ گواہ ہے کہ اسی طرز سے رُوح پیدا

ہوتی ہے اور جبکہ محض گوشت سے بھی لطفہ پیدا ہوتا ہے اور اس سے اولاد پیدا ہوتی ہے تو کیا ہم گمان کر سکتے ہیں کہ مثلاً روح کسی بکری پر بھی پڑتی ہے اور اس کی کھال میں جنس کے اُس کے گوشت میں رچ جاتی ہے اور پھر بعد اس کے کسی خاص بُٹی میں وہ رُوح داخل ہوتی ہے اور اُس کے اندر سرایت کر جاتی ہے اور پھر اُس بُٹی کے دو ٹکڑے ہو کر ایک کبھ ٹکڑا مرد کھا لیتا ہے اور دوسرا ٹکڑا عورت - گو وہ عورت اس مرد سے کتنے ہی فاصلہ پر ہو - اور خواہ وہ گوشت بھی نہ کھاتی ہو - اور کیا ہم گمان کر سکتے ہیں کہ وہ درندے جو صرف گوشت ہی کھاتے ہیں جیسے شیر - بھیڑیا - چیتا ان کی پیدائش کی رُوح بکریوں دنگائیوں وغیرہ حیوانات کی کھال پر بطور شبنم پڑتی ہے اور کیا یہ خیال گذر سکتا ہے کہ پانی کی پھلیوں کی رُوح اور دوسرے تمام جاندار جو پانی کے اندر غرق رہتے ہیں اُن کی رُوح شبنم کی طرح ہو کر پانی میں پڑتی ہے اور سب غور کے لائق وہ کیڑے مکوڑے ہیں جو بیس بیس تیس تیس ہاتھ زمین کو کھود کر اُس کے عمیق پردہ کے اندر سے نکلتے ہیں اور ایسا ہی وہ نہایت چھوٹے کیڑے جو اس کنوئیں کے پانی سے نکلتے ہیں جو نیا کھودا جاتا ہے اور ایک ایک قطرہ میں ہزار ہا کیڑے ہوتے ہیں کہاں سے اور کس راہ سے یہ شبنم رُوح ان کے اندر داخل ہو جاتی ہے پس اگر کوئی شخص مذہبی تعصب دیوانہ اور سوداگر اور باگل جو جلتے تو یہ اور بات ہے ورنہ ان تمام مثالوں کی رُوح سے جو ذکر ہو چکی ہیں ماننا پڑتا ہے کہ یہ عقیدہ آریوں کا کہ گویا رُوح آسمان سے شبنم کی طرح ہو کر کسی گھاس پات پر پڑتی ہے بالکل جھوٹا ہے - اگر تم مثلاً دودھ کو جو باسی ہو کر مٹرنے کو ہے ہاتھ میں لو اور خوب اس دودھ میں نظر لگائے رکھو - تو تمہارے دیکھتے دیکھتے ہزار ہا کیڑے بن جائیں گے - ایسا ہی لگ کر کوئی دال ماش یا پھنہ وغیرہ کی جو خوب پکائی جائے جس کے اندر کے کیڑے بھی مر گئے ہوں جب وہ دال باسی ہو جائے اور مٹ جائے تو اس میں بھی ہزار ہا کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں -

اب عقائد کیلئے یہ سوچنے کا مقام ہے کہ اگر کسی مادہ میں جان پڑنے کیلئے یہ ضروری ہے کہ

شبہنم کی طرح کوئی روح کسی گھاس پات پر گسے تو یہ قاعدہ کیسے صحیح اور درست ہو سکتا ہے جو لوگ اس بات کے قائل ہیں جو ہستی سے ہستی نہیں ہو سکتی اور بدن سے نکلی ہوئی روح پھر کسی راہ سے واپس آ سکتی ہے اُنکا یہ فرض ہو کہ اس بات کو ثابت کریں کہ کس راہ سے اور کس طور سے روح باہر سے اندر داخل ہو جاتی ہو اور وہ اس مواخذہ سے بری نہیں ہو سکتے اور اس بار ثبوت سے اُن کے لئے سبکدوشی ممکن نہیں جب تک کہ وہ ہمیں یہ دکھلا نہ دیں کہ جس طرح اور جس طریق سے مثلاً ایک انسان کی روح اس کے جسم سے باہر نکل جاتی ہو اور اس کے نکلنے میں کسی کو شک اور اختلاف نہیں ہوتا۔ اسی طرح وہ روح کس راہ سے واپس آ جاتی ہے؟ مگر ہمارے ذمہ اس بات کا ثبوت نہیں کہ کیونکر روح پیدا ہو جاتی ہو کیونکہ ہم پیدا ہونے کا مشاہدہ کر دیتے ہیں اور اس بارہ میں ہم ہزار ہا نمونے پیش کرتے ہیں جیسا کہ ابھی ہم لکھ چکے ہیں۔ مگر ہمارے مخالف آریہ جو اُسی پہلی روح کو واپس لاتے ہیں یہ بار ثبوت انکی گردن پر ہے کہ واپسی کی راہ ہمیں دکھلا دیں۔ اگر وہ یہ بھی اقرار کریں کہ دیانند نے جھوٹ بولا ہے اور غلطی کی ہے تو صرف اس قدر اقرار سے اُن کا بچھا چھوٹ نہیں سکتا۔ بلکہ یہ بات اُن کے ذمہ ہے کہ روح کی واپسی کی راہ ہمیں ثابت کر کے دکھلا دیں ورنہ حیا اور شرم سے سوچیں کہ ہم تو اُن کو دکھلا رہے ہیں کہ روح پیدا ہوتی ہے مگر وہ ہمیں دکھلا نہیں سکتے کہ باہر سے آتی ہے۔ یہی اُن کا ایک عقیدہ ہے جس سے سارا وید رد ہو جاتا ہے۔

مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ بمقام پوشیا پردہ مجھے ایک آریہ مُرلیدھرام سے مباحثہ کا اتفاق ہوا اور میں نے اُس کے آگے یہی بات پیش کی کہ دیانند کا یہ قول کہ روح شبہنم کی طرح کسی گھاس پات پر پڑتی ہے اور اُسکو کوئی شخص کھا لیتا ہے تو روح اس سال کے ساتھ ہی اندر چلی جاتی ہے اور اس سے بچہ پیدا ہوتا ہے یہ سراسر باطل قول ہو اور اس سے روح کا دو ٹکڑہ ہونا لازم آتا ہے اور اس تقریر میں میں نے ستیا رتھ پر کاش کا حالہ دیا جو دیانند کی ایک کتاب ہے تب مُرلیدھرام نے ستیا رتھ پر کاش پیش کی کہ کہاں اس میں ایسا لکھا ہے تب میرے دل

میں خیال گذرا کہ ضرور اس شخص نے کوئی چالاکی کی ہے جو یہ کتاب پیش کرتا ہے میں نے وعدہ کیا کہ چونکہ میں ناگری نہیں پڑھ سکتا اس لئے بعد میں تلاش کر کے وہ موقع اپنی کتاب میں لکھ دیا گا۔ پھر میں قادیان آیا اور ایک برہمن صاحب جو نیک طبع اور بے تعصب تھے اور اُن کا نام بین چندرتھا میں نے انکی طرف ایک خط لکھا کہ کیا آپ مجھے بتلا سکتے ہیں کہ ایسا مضمون ستیا رتھ پر کاش کے کس موقع پر ہے۔ اُن کا جواب آیا کہ یہ مضمون ستیا رتھ پر کاش میں موجود ہے مگر یہ آریہ لوگ بڑے چالاک اور افترا پرداز ہیں۔ انہوں نے پہلی کتاب جس میں یہ مضمون تھا تلف کر دی ہے اور نئی کتاب چھپوائی ہے اور اُس میں سے یہ مضمون نکال دیا ہے اور لکھا کہ وہ پہلی کتاب میرے پاس موجود ہے مگر اب میں لاہور سے جانے والا ہوں اور میں تمام کتابیں وطن کی طرف بھیج دی ہیں اور میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ بیس دن کے اندر ستیا رتھ پر کاش کے اُس مقام کی نقل کر کے بھیج دوں گا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے وعدے کے موافق اُس مقام کی نقل بھیج دی اور میں نے اُس کو اپنی کتاب سرسہ چشم آریہ میں درج کر دیا۔ لیکن اب میں کہتا ہوں کہ گو اُنہوں نے ستیا رتھ پر کاش سے وہ مقام اڑا دیا تب بھی اُن کے اس عقیدہ کا جھوٹ ایسا صاف طور پر کھل گیا ہے کہ اب اُن پر کوئی پردہ نہیں پڑ سکتا۔ کیونکہ تمام برہمنوں میں جس طور سے ہر ایک حیوان کے بچوں میں جان پڑتی ہے وہ ایک ایسا طریق ہے جسکی صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ ہر ایک روح اندر سو ہی پیدا ہو جاتی ہے باہر سے کوئی گذشتہ روح ہرگز نہیں آتی جیسا کہ ہم کئی مثالیں اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں۔

دوسرا جھوٹ وید کے پریشد کا جس کا وہ خود اقراری ہے اُس کا یہ قول ہے کہ وہ سرب شکتیان سے یعنی قادر مطلق سے حالانکہ بقول آریہ سماج وید میں اُس نے اپنی کمزوری کا اعتراف کر کے صاف کہہ دیا ہے کہ وہ نہ روحیں پیدا کر سکتا ہے نہ ذرات عالم پیدا کر سکتا ہے پس جبکہ وہ کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتا تو کس بات کا قادر مطلق ہے کیا یہ سفید جھوٹ نہیں ہے۔ اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وید کے پریشد کے نزدیک ایک اور پریشد ہے جو

درحقیقت قادر مطلق ہے کیونکہ جبکہ مذکورہ بالا دلائل سے جو ابھی ہم لکھ چکے ہیں قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہو گیا کہ روحیں انادی اور قدیم نہیں ہیں بلکہ وہ پیدا ہوتی ہیں اور وید کا پر میشر کہتا ہے کہ میں اُن روحوں کا پیدا کر نیوالا نہیں ہوں تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُس کے نزدیک ایک اور پر میشر ہے جو روحوں کو پیدا کرتا ہے۔ اور اگر کہو کہ اگر پر میشر کو عام طور پر قادر مطلق مانا جائے تو اس سے لازم آتا ہے کہ پر میشر اپنا ثانی بھی پیدا کر سکتا ہے اور خود کشتی بھی کر سکتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دونوں امر اُنکی صفات کا ملکہ کے منافی ہیں چونکہ وہ پہلے سے بتلا چکا ہے کہ وہ واحد لاشریک ہے اور نیز بتلا چکا ہے کہ وہ ازلی ابدی ہے موت اُسپر وارد نہیں ہوتی اور یہ دونوں امر اُس کی صفات قدیمہ میں داخل ہیں تو وہ اپنی صفات قدیمہ کے برخلاف کوئی کام کیوں کرے گا؟ اور چونکہ کمال تام اس کا واحد لاشریک ہونے اور ازلی ابدی ہونے میں ہے۔ پس وہ ایسے کام کی طرف کیوں متوجہ ہوگا جو اُسکے کمال تام کے منافی ہو اور وہ اس بات سے بتر و اعلیٰ ہے کہ کوئی نقص اپنے لئے روا رکھے کیونکہ کسی قسم کا نقص اُسکی ذات بے عیب کے برخلاف ہو مگر پیدا کرنا تو اُسکی ذات بے عیب کے برخلاف نہیں بلکہ پہلی صفت تو اُسکی صفات کا ملکہ میں سے پیدا کرنا ہی ہے اور وہی عقل طور پر اُسکی شناخت کیلئے ایک ذریعہ ہے اگر وہ پیدا ہی نہیں کر سکتا اور اُروح اور ذرات سب خود بخود ہیں تو کیونکر معلوم ہو کہ وہ موجود بھی ہو۔ کیا صرف ارواح اور ذرات کے جوڑنے سے اسکی ذات کا پتہ لگ سکتا ہو؟ ہرگز نہیں کیونکہ جو چیزیں قدیم سے خود بخود ہیں اور تمام قوتیں اُنکی خود بخود ہیں تو وہ چیزیں بذریعہ اپنی انھیں قوتوں کے اتصال اور انفصال کی بھی قدرت رکھ سکتی ہیں۔ عرض خدا کی شناخت کی ضروری اور اول صفت یہی ہے کہ وہ پیدا کنندہ ہو۔ اور تبھی وہ قادر مطلق اور سرشکستی مان کہلا سکتا ہے کہ یہ قوت اُس میں پائی جائے۔ پس جبکہ وید کا پر میشر پیدا کرنے پر قادر نہیں اور پھر اُس نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ میں سرشکستیاں ہوں۔ تو اس میں کیا شک ہے کہ اُس نے جھوٹ بولا ہے اور جھوٹ بھی ایسا کہ خود اُس کے اقوال سے ثابت ہے۔ اور یہ کہنا کہ نیستی سے ہستی نہیں ہو سکتی اس لئے پر میشر روحوں کے

پیدا کرنے سے معذور ہے یہ دوسرا جھوٹ ہے کیونکہ ابھی ہم ثابت کر آئے ہیں کہ نیست سے ہست ہوتا ہے کیونکہ رُوحوں کے بارے میں صرف دو پہلو تجویز ہو سکتے ہیں۔

(۱) ایک تو یہ کہ ایسا خیال کیا جاوے کہ رُوح پیدا نہیں ہوتی بلکہ جسم سے نکل کر پھر واپس آتی ہے اور شبہم کی طرح کسی گھاس پات پر پڑ کر کسی مرد کی غذا ہو جاتی ہو اور اس طرح پیٹ کے اندر چلی جاتی ہو۔ سو ہم ابھی ثابت کر آئے ہیں کہ یہ بات بالکل جھوٹ ہے اور مشاہدہ بالکل اس کے برخلاف گواہی دے رہا ہو اور نیز اس سے رُوح کی تقسیم لازم آتی ہے۔

(۲) دوسرا پہلو رُوح کے بارے میں یہ ہے کہ وہ پیدا ہوتی ہے باہر سے نہیں آتی۔ اس پہلو کی سچائی دو طور سے ثابت ہو چکی ہے۔ اول اس طور سے کہ جب رُوح کا واپس آنا ممکن اور محال ثابت ہو تو پھر دوسرا پہلو باقی رہ گیا کہ وہ پیدا ہوتی ہو۔ دوسرا اس طور سے کہ چشمہ دید مشاہدات گواہی دے رہے ہیں کہ ضرور رُوح پیدا ہوتی ہو اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ مثلاً جو حیوان گوشت ہی کھاتے ہیں یا وہ کیرٹے کوڑے جو زمین کے اندر پیدا ہوتے ہیں۔ ان پر تو کوئی رُوح شبہم کی طرح آسمان سے گرتی نہیں بلکہ یہ امر بھی محسوس و مشہود ہو کہ ہر ایک مادہ جو مڑ جاتا ہے تو ہمارے دیکھنے دیکھتے ہزاروں کیرٹے اُس میں پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور کوئی رُوح آسمان سے اُن پر گرتی نظر نہیں آتی۔ پس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ضرور رُوح پیدا ہوتی ہے۔ غرض جبکہ یہ امر محسوس و مشہود ہے اور ہم بحشم خود رُوح کا پیدا ہونا ہر روز دیکھتے ہیں مگر آسمان سے گرنا نہیں دیکھتے تو جس کتاب میں یہ بات درج ہو کہ وہ شبہم کی طرح ہو کر آسمان سے برستی ہے اُس کتاب کے جھوٹے ہونے میں کیا کلام ہو جبکہ یہ ثابت ہو گیا کہ رُوح آسمان سے نہیں گرتی۔ تو اب اس بحث کی ضرورت نہیں کہ خدا کیونکر نیست سے ہست کر لیتا ہے کیونکہ جبکہ نیست سے ہست ہونا ہر روزہ مشاہدہ میں آتا ہو تو پھر کسی بیجا کام کا ہے جو مشہود و محسوس سے انکار کرے۔ درحقیقت خدا کے سوا کام انسان کے فہم سے برتر ہیں۔ مثلاً ایک بچہ انسان کا صرف ایک قطرہ مٹی سے پیدا کیا جاتا ہے اور ہم بالکل نہیں سمجھ سکتے کہ

ایک قطرہ سے انسان کیونکر پیدا ہو جاتا ہے اور ہم سمجھ نہیں سکتے کہ دیکھنے والی آنکھیں کیونکر اس میں پیدا ہو جاتی ہیں اور ہم اس بات کی تہ تک نہیں پہنچ سکتے کہ سُننے والے کان کیونکر اس میں بنائے جاتے ہیں اور ہمارے خیال میں نہیں آتا کہ انسان کی صورت اور ہاتھ اور پیر اور دل اور دماغ اور جگر اور تمام اعضا کیونکر اس میں بن جاتے ہیں۔ پس بلاشبہ یہ تمام امور ہمارے نزدیک ایسے ہی محال ہیں جیسے نیست سے هست ہونا۔ کیونکہ ہم اُن کے بنانے پر قادر نہیں اور ہماری عقل کوئی فلسفی دلیل اس بات پر قائم نہیں کر سکتی کہ کیونکر یہ تمام اعضا بن جاتے ہیں۔ پس جیسا کہ ان تمام اعضاء کا بننا ہماری عقل سے برتر ہے ایسا ہی رُوح کا بھی پیدا ہونا ہماری عقل سے برتر ہے اور جبکہ ہم واقعی طور پر ثابت کر چکے ہیں اور چشم خود دیکھ چکے ہیں کہ رُوح پیدا ہوتی ہے تو پھر امور مشہودہ و محسوسہ سے ہم انکار کیوں کریں؟ ہمارے عقل اور فہم سے جیسا کہ رُوح کا پیدا ہونا برتر ہے۔ ایسا ہی ایک قطرہ سے انسان کا اپنی تمام قوتوں کے ساتھ بننا برتر ہے۔ پس یہ کمال بے حیائی ہے کہ جو ایک محال ہمارے نزدیک ہے اس کو تو جاننا سمجھ لینا اور جو دوسرا امر یعنی رُوحوں کا پیدا ہونا محال عقل اور فہم سے برتر ہے اس کو محال اور ممتنع قرار دینا۔ خدا کے کارخانہ قدرت میں انسان کی محال نہیں کہ کچھ دست اندازی کر سکے۔ ہزار ہا اصرار و ربوبیت ہیں جو ہمیں سمجھ نہیں آتے۔ اور پھر مشاہدات کے ذریعہ سے ہمیں ماننے ہی پڑتے ہیں۔ پس کیا ابھی تک اس میں کچھ شک ہے کہ مشاہدات ہمیں اس بات کے ماننے کیلئے مجبور کرتے ہیں کہ رُوحیں پیدا ہوتی ہیں اور پر سے نیچے نہیں آتیں۔ مثلاً زمین کے نیچے کا طبقہ جو سترانشی ہاتھ تک کھود کر پھر دکھائی دیتا ہے اس میں جاندار پائے جاتے ہیں۔ پس کیا کوئی عقل تجویز کر سکتی ہے کہ رُوح شبنم بن کر نیچے چلی جاتی ہے۔ پس جبکہ سچا واقعہ یہی ہے کہ رُوح پیدا ہوتی ہے تو اس نفس الامر کے برخلاف وید کے پر میشر کا یہ بیان کہ رُوح شبنم کی طرح آسمان سے گرتی ہے یہ ایسا جھوٹا اور خلاف واقعہ بیان ہے کہ ایک بچہ بھی اس پر ہنسنے لگا۔ کیا وہ جانور جو صرف گوشت کھاتے

ہیں اُن کے نیچے نہیں ہوتے۔ کیا زمین کے نیچے کے طبقہ میں رہنے والے کیڑے جو کبھی باہر نہیں آتے اُن کی کسی غذا پر شبنم کے طور پر روح برستی ہے۔ پس مجھے تعجب ہے کہ جو لوگ ایسے وید پر ایمان لاتے ہیں جو سراسر خلاف واقعہ باتوں سے بھرا ہوا ہے۔ وہ خدا تعالیٰ کے اس کلام پر اعتراض کرتے ہیں جو سراسر حق اور حکمت سے مملو ہے۔

پھر مضمون پڑھنے والے نے بیان کیا کہ جس کتاب میں قوانین قدرت کے خلاف تعلیم ہو۔ وہ الہامی نہیں ہو سکتی۔ مگر افسوس! کہ ان لوگوں کو کچھ بھی شرم اور حیا نہیں۔ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں کہ وید کی تعلیم قانون قدرت کے برخلاف ہے اور برخلاف بھی ایسی کہ کھلی کھلی سچائی سے انکار ہو۔ جیسا کہ وہ اس بات کا قائل ہو کہ روح دوبارہ کسی گھاس پائے کے ذریعہ پریٹ میں چلی جاتی ہے حالانکہ یہ امر ثابت شدہ ہو کہ روح پیدا ہوتی ہے جیسا کہ ہم کئی بار لکھ چکے ہیں۔ پس قرآن شریف کی تعلیم پر یہ اعتراض کرنا کہ وہ قانون قدرت کے برخلاف ہے یہ بڑی جہالت ہی نہیں بلکہ بیجانی اور جہالت دونوں ملے ہوئے ہیں۔ اور ان لوگوں کا یہ قول کہ معلوم شدہ قوانین کا رد نامعلوم قوانین سے کیونکر ہو سکتا ہو۔ یہ اعتراض تو درحقیقت وید پر ہی عائد ہوتا ہے کیونکہ جبکہ معلوم ہو چکا ہے کہ آسمان سے کوئی روح نہیں برستی بلکہ بقدرت قادرِ قادرِ قادر سے ہی پیدا ہو جاتی ہے تو پھر وید کا یہ قول کہ آسمان سے بطور شبنم برستی ہے یہ قول تو اس لائق بھی نہیں کہ اس کو نامعلوم قوانین میں بھی داخل کریں کیونکہ امور محسوسہ و مشہودہ کو اس کا بطلان ثابت ہو چکا ہے۔ پس کیا یہی وید ہے جس پر ناز کیا جاتا ہے۔ افسوس!

مضمون پڑھنے والے نے یہ بھی بیان کیا کہ وید میں لکھا ہے کہ جانوروں سے پیار کرو کیونکہ وہ سب انسان ہیں۔ لیکن افسوس! کہ ہم ایسا پیار مشاہدہ نہیں کرتے۔ اگر کسی آریہ کے کسی حصہ بدن پر بھوٹا ہو اور ڈاکٹر اُس کا علاج جو تکلیف دہ علاج ہو تو فی الفور جو تکلیف لگائی جاتی ہیں جو بعض اوقات اس زہر کو چوس کر سب کی سب مر جاتی ہیں اور کوئی آریہ یہ خیال نہیں کرتا کہ میں مر جاؤں تو بہتر ہے۔ ایک عاجز جو نمک کو کیوں

ہلاک کروں۔ آخر وہ بھی تو دراصل انسان ہے کیا یہ پیارا ہے؟ ایسا ہی شہد کی مکھیوں کے ہزاروں بچے تلف کر کے شہد نکالتے ہیں کیا یہ پیارا ہے؟ گائیوں کا دودھ جو اُن کے بچوں کا حق ہے آپ پی لیتے ہیں کیا یہ پیارا ہے؟ ہر ایک قطرہ پانی میں ہزاروں کیڑے ہوتے ہیں جو دراصل بقول اُن کے انسان ہیں وہ پانی پی کر اُن کیڑوں کو ہلاک کرتے ہیں کیا یہ پیارا ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ دیدنے انسانوں کی ہمدردی بھی نہیں سکھائی۔ سکھوں کے عہد میں ہزاروں غریب مسلمان صرف گائے کے فنج کا شہہ ہونے کی وجہ سے قتل کئے گئے تھے۔ ایسا ہی صدیاً ہند لوگ ہزار ہا مس گیبوں وغیرہ اناج کھاتوں میں دفن رکھتے ہیں اور انتظار کرتے رہتے ہیں کہ کوئی سخت قحط پڑے اور خلق اللہ بدستبا ہی آوے تب وہ غلہ فروخت کر کے مالدار ہو جائیں پس جس دیدنے یہ نہیں سکھایا کہ انسانوں سے پیار کیا جاوے اور اُن کا بُرا نہ مانگا جاوے اُسپر کیونکر اُمید رکھیں؟ کہ اُس نے یہ سکھایا ہوگا کہ دوسرے جانوروں سے پیار کرو۔ مگر جیسا کہ قرآن شریف کی رو سے یہ منع ہے کہ کسی قوم سے سوءدعت لوخواہ وہ مسلمان ہیں یا ہندو یا عیسائی۔ ایسا ہی قرآن شریف نے اس بات سے بھی منع کیا ہے کہ اناج کو اپنے طبع اور غرض نفسانی سے لوگوں سے روک رکھیں اور اس کے فروخت کے لئے کسی قحط کے منتظر رہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ نجس اور خبیث لوگوں کا کام ہے مگر افسوس! کہ ایسے لوگ آریوں میں لاکھوں پائے جاتے ہیں اگر وید میں ممانعت ہوتی تو اس کثرت سے یہ بُرے کام ہندوؤں میں ہرگز نہ ہوتے۔ وہ شخص سخت چنڈال اور پلید ہوتا ہے جو اپنے نفس کی بھلائی کیلئے تمام دنیا کا بدخواہ ہو۔ اور اگر اسکے برخلاف وید کی کوئی تعلیم ہے تو ہمیں دکھلاؤ۔ بلکہ میں نے سنا ہے کہ بعض اِس قسم کے ہندو جن کے پاس بہت غلہ ہے روغنی روٹیاں پکا کر باہر لیجاتے ہیں اور اُن پر پاخانہ پھرتے ہیں تا اِس کام سے ہمیشہ ناراض ہو جاوے اور قحط زیادہ پڑے۔ ایسا ہی قرضہ کے وقت سود پر سود چڑھا کر انجام کار غریب زمینداروں کی زمینیں اپنے قبضہ میں کر لیتے ہیں جس کی وجہ سے

گورنمنٹ کو آخر کار ایک قانون جاری کرنا پڑا۔

~~~~~

## دوسرا حصہ

اُن حملوں کے رد میں جو اسیہ مضمون پڑھنے والے نے قرآن شریف اور  
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کئے ہیں

مضمون پڑھنے والے نے بیان کیا کہ توبہ کا مسئلہ خلاف قانون قدرت ہے۔ اس سے  
مطلب اُس کا قرآن شریف پر حملہ کرنا ہے۔ گویا قرآن شریف میں خلاف قانون قدرت کے  
تعلیم پائی جاتی ہے۔ اگرچہ ہم توبہ کے بارے میں اسی سے پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں مگر پھر  
مختصر طور پر بیان کرنا مضائقہ نہیں۔ یاد رہے کہ ہمیں بار بار افسوس آتا ہے کہ تعصب کیوجہ  
سے بن لوگوں کی عقل کیوں ماری گئی ہو۔ واضح ہو کہ توبہ لغت عرب میں رجوع کرنے کو کہتے ہیں۔  
اسی وجہ سے قرآن شریف میں خدا تعالیٰ کا نام بھی تو آپ ہے یعنی بہت رجوع کر بیولا۔ اس کے  
معنی یہ ہیں کہ جب انسان گناہوں سے دستبردار ہو کر صدق دل سے خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہو  
تو خدا تعالیٰ اس سے بڑھ کر اس کی طرف رجوع کرتا ہو اور یہ امر سراسر قانون قدرت کے مطابق ہو کہ چونکہ  
جبکہ خدا تعالیٰ نے نوع انسان کی فطرت میں یہ بات رکھی ہو کہ جب ایک انسان سچے دل سے  
دوسرے انسان کی طرف رجوع کرتا ہے تو اُس کا دل بھی اُس کیلئے نرم ہو جاتا ہے تو پھر عقل  
کیونکر اس بات کو قبول کر سکتی ہو کہ بندہ تو سچے دل سے خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرے مگر خدا  
اُس کی طرف رجوع نہ کرے بلکہ خدا جس کی ذات نہایت مکرم و جیم واقع ہوئی ہو وہ بندہ سے بہت  
زیادہ اس کی طرف رجوع کرتا ہو۔ اسی لئے قرآن شریف میں خدا تعالیٰ کا نام جیسا کہ میں نے بھی لکھا ہے

تو آپ سے یعنی بہت رجوع کر نیوالا۔ سو بندہ کا رجوع تو پیشانی اور ذہانت اور تہذیب اور انکسار کے ساتھ ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ کا رجوع رحمت اور مغفرت کے ساتھ۔ اگر رحمت خدا تعالیٰ کی صفات میں سے نہ ہوتو کوئی مخلصی نہیں پاسکتا۔ افسوس کہ ان لوگوں نے خدا تعالیٰ کی صفات پر غور نہیں کیا اور تمام مدار اپنے فعل اور عمل پر رکھا ہے مگر وہ خدا جس نے بغیر کسی کے عمل کے ہزاروں نعمتیں انسان کے لئے زمین پر پیدا کیں۔ کیا اس کا خلیق ہو سکتا ہے کہ انسان ضعیف البنیان جب اپنی غفلت سے مستند ہو کر اس کی طرف رجوع کرے اور رجوع بھی ایسا کرے کہ گویا مر جائے اور پہلا ناپاک چولہ اپنے بدن پر سے اتار دے اور اس کی آتش محبت میں جل جائے تو پھر بھی خدا اس کی طرف رحمت کے ساتھ توجہ نہ کرے کیا اس کا نام خدا کا قانون قدرت ہے؟ لعنت اللہ علی الکاذبین۔

مضمون پڑھنے والے نے اس بات پر کئی جگہ زور دیا کہ الہامی کتاب کے مندرجہ ذیل نشان ہیں۔

- |                                                                                           |                                                                                                                                                                                                                                          |
|-------------------------------------------------------------------------------------------|------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------|
| (۱) وہ ابتدائے آفرینش میں ہو۔                                                             | (۲) اس میں کوئی بات خلاف قانون قدرت نہ ہو۔                                                                                                                                                                                               |
| (۳) اُس کی تعلیم عالمگیر ہو۔                                                              | (۴) وہ کسی خاص ملک کی زبان نہ ہو۔                                                                                                                                                                                                        |
| (۵) کوئی تاریخی واقعہ اس میں درج نہ ہو۔                                                   | (۶) وہ تمام دینی دنیوی علوم کا سرچشمہ ہو۔                                                                                                                                                                                                |
| (۷) طہمیں کی نہ نگیاں پوتر یعنی پاک ہوں۔                                                  | (۸) الہیہ کے اعلیٰ درجہ کے صفات اسمیں درج ہوں۔                                                                                                                                                                                           |
| (۹) اُس میں اعلیٰ اخلاق سکھائے گئے ہوں۔                                                   | (۱۰) وہ کتاب اپنے آپ میں مکمل ہو۔                                                                                                                                                                                                        |
| (۱۱) اُس میں اختلاف نہ ہو۔                                                                | (۱۲) کسی کی اُس میں طرفداری نہ ہو۔                                                                                                                                                                                                       |
| (۱۳) اُس میں ایسی باتیں نہ ہوں کہ فلاں موقع پر بے انصافی کی۔ اور فلاں کام کر کے بچھتا یا۔ |                                                                                                                                                                                                                                          |
|                                                                                           | فلاں کام میں مکاری کی۔ دوسروں کے ٹوٹنے کا حکم دیا۔ پیدائش اور فنا کے بارے میں صحیح صحیح حالات درج ہوں۔ (۱۴) راجا پر جہا اور والدین اور اولاد وغیرہ سب کے حقوق انصاف سے درج ہوں۔ (۱۵) اس میں ترمیم و تفسیح نہ ہو اور نہ ہونے کی ضرورت ہو۔ |
|                                                                                           | وہ خاص الہیہ کی زبان ہو۔                                                                                                                                                                                                                 |

واضح ہو کہ یہ تمام نشانیاں الہامی کتب کی جو مضمون پڑھنے والے نے قرار دی ہیں وہ اس لئے قرار نہیں دیں کہ عقل اور انصاف کا مقتضی یہی ہو بلکہ وید کی نسبت جو کچھ انکا خیال ہو وہی نشانیاں قرار دیدی ہیں اور پھر بعد اس کے قرآن شریف پر حملے کئے ہیں یہ شخص اپنے نہایت تعصب کی وجہ سے اس قدر دلوانہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا الیکھراحم کا بھی دادا ہو۔ تعصب اور نادانی بھی کیا بلا ہو کہ دونوں مل کر ایک خود غرض شخص کو اندھا کر دیتی ہیں۔ دراصل الہامی کتاب کیلئے دو نشانیاں ہی کافی تھیں اور وہ یہ کہ (۱) الہی طاقت اُسکے اندر موجود ہو۔ (۲) جس غرض کیلئے آئی ہو اُس غرض کو اُس کی تعلیم پوری کر سکے یعنی انسان کو خدا تک پہنچنے کیلئے جو ضرورتیں ہیں ان تمام ضرورتوں کا سامان اس میں موجود ہو اور ایسے کھلے کھلے دلائل ہوں جو یقین دلا سکیں کہ وہ خدا کی طرف سے ہو اور بڑی بات یہ ہے کہ وہ سب پہلے خدا تعالیٰ کی ہستی کا اُن دلائل کے ساتھ پتہ دے جو انسانی طاقت سے باہر ہیں۔ اور اُس کے اندر ایک ایسی طاقت ہو کہ وہ دُور افتادہ انسانوں کو خدا تک پہنچا سکے اور اُنکے اندر دینی گندوں کو دُور کر سکے اور اُن کو ایک پاک حالت بخش سکے اور صاف ظاہر ہے کہ بڑی اور اقل علامت طیبہ کی یہی ہے کہ وہ اکثر بیماروں کو چھار کر دے اور صحت و ائندہ کو بحال کر کے دکھلا دے اور دُور شدہ تندرستی کو دوبارہ قائم کر دے سو انبیاء علیہم السلام طیبہ رُوحانی ہوتے ہیں اسلئے رُوحانی طور پر اُنکے کامل طیبہ ہونے کی یہی نشانی ہو کہ جو نسخہ وہ دیتے ہیں یعنی خدا کا کلام۔ وہ ایسا تیر بہوت ہوتا ہو کہ جو شخص بغیر کسی اعراض صوری یا معنوی کے اس نسخہ کو استعمال کرے وہ شفا پا جاتا ہو اور گناہوں کی مرض دُور ہو جاتی ہے اور خدا تعالیٰ کی عظمت دل میں بیٹھ جاتی ہے اور اُس کی محبت میں دل محو ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جس چیز کا نام عذاب رکھا گیا ہے وہ یہی تو عذاب ہے کہ انسان کا خدا سے تعلق نہیں ہوتا بلکہ اپنی نفسانی خواہشوں سے تعلق شدید ہو جاتا ہے اور ان نفسانی خواہشوں کی ایسی پرستش کرتا ہے اور ایسے طور سے اُن کی طلب میں لگا رہتا ہے کہ گویا وہی نفسانی خواہشیں اُس کا خدا ہے۔ پس جو کتاب ان مشغلی آلائشوں کو دُور کرتی ہے اور خدا تعالیٰ

کی محبت کا ایک سچا جوش دل میں پیدا کر دیتی ہے درحقیقت وہی خدا کی کتاب ہے۔ کیونکہ جب ایک طبیب اندھوں کو آنکھیں کھینچتا ہے اور بہروں کے کان کھولتا ہے اور فالج زدہ لوگوں کو اٹھا کر تباہے اور سخت بگڑے ہوئے مریض اُس کے ہاتھ سے شفا پاتے ہیں تو بس اسی ایک نشان سے ہم سمجھ جاتے ہیں کہ وہ درحقیقت حاذق طبیب ہے اور اس کے بعد اس کے حاذق طبیب ہونے میں کلام کرنا کسی عقلمند اور بھلے مانس کا کام نہیں ہوتا۔ لیکن افسوس! کداحی شخص نے ان نشانیوں کی طرف توجہ ہی نہیں کی اور محض اپنے دعوے کو بطور نشانیوں کے پیش کر دیا ہے حالانکہ وہ صرف اس کے دعوے میں جن پر کوئی دلیل پیش نہیں کی اور وہ بھی بے تعلق اس لئے ہم نے ارادہ کیا ہے کہ گو کتاب میں کسی قدر طول ہو مگر ہم اللہ اللہ اس کی پیش کردہ نشانیوں کو ایک ایک کر کے دکھلائیں گے کہ وہ کیسے بیہودہ دعوے اور باطل خیالات میں جو دین میں ہرگز نہیں پائے جاتے۔ اگر شخص ایک عام جلسہ میں خدا تعالیٰ کے پاک رسول اور پاک کتاب کی نسبت اس قدر توہین نہ کرتا اور اس قدر گالیاں نہ دیتا تو ہمیں کچھ ضرور نہ تھا کہ آریہ مذہب کی نسبت قلم اٹھاتے کیونکہ دین اسلام کی خوبیاں بھی بیان کرنا ایک ایسا امر ہے کہ جس سے باطل مذہب رد ہو جاتے ہیں مگر اس شخص نے اپنی بدزبانی کو انتہا تک پہنچا دیا آخر ہمیں ضرورت پڑی کہ ایسے حشیانہ دانتوں کو توڑا جائے۔ اس شخص کو اس بات کے کہنے سے حیا نہیں آئی کہ وید کا نام مکمل کتاب رکھتا ہے حالانکہ وید کی رد سے ہمیشہ کا ہی کچھ پتہ نہیں کہ ہے یا نہیں۔ بت پرستی کی اور عناصر پرستی کی جڑ ہی وید ہے اسی سے آریہ ورت میں یہ سب گند پھیلے ہیں اور ہم تو دس ہزار روپیہ کی جائداد ایسے شخص کو دے سکتے ہیں کہ جو وید کی رو سے ہمیشہ کا وجود ثابت کر کے دکھلا دے۔ ورنہ خالی وید وید کرنا سر اسر جائے شرم!

اب ہم مضمون پڑھنے والے کی ان نشانیوں مقرر کردہ کی نسبت ذیل میں ایک مکمل بیان لکھیں گے جو اُس نے الہامی کتاب کی علامات مقرر کی ہیں تا معلوم ہو کہ کہاں تک



وہ صحیح اور درست ہیں لیکن قبل اس کے ہم اس قدر تحریر کرنا چاہتے ہیں کہ یہ تمام نشانیاں الہامی کتاب کی اپنے عقیدہ کو پیش نظر رکھ کر اس نے لکھی ہیں مثلاً چونکہ بغیر کسی دلیل کے ہندوؤں کا یہ خیال ہے کہ وید ابتدائے آفرینش میں پریشتر کی طرف سے آیا ہو پس مضمون پڑھنے والے نے اپنے مذہب کی فتح مد نظر رکھ کر کہ الہامی کتاب کے لئے یہ ایک نشانی ٹھیرادی کہ وہ ابتدائے آفرینش میں ہو۔ اور چونکہ اُس نے دیکھا کہ وید میں کوئی ذکر معجزات اور پیشگوئیوں کا نہیں اور صرف معمولی باتیں اس میں درج ہیں جو معمولی انسان سے ہو سکتی ہیں اور جو انبیاء علیہم السلام فوق العادت نشان دکھایا کرتے ہیں اُن نشانوں کا وید میں نام و نشان نہیں سو اُس نے وید کی حالت کو مد نظر رکھ کر یہ دوسری علامت الہامی کتاب کی ٹھیرادی کہ وہ قانون قدرت کے مخالف نہ ہو یعنی جو کچھ عام انسانوں کے لئے خدا تعالیٰ معمولی رنگ میں اپنے افعال ظاہر کرتا ہے اس سے بڑھ کر اس کتاب میں کچھ نہ ہو۔ گویا خدا کا قانون قدرت صرف اس حد تک ہے جو عام لوگوں کے ساتھ پایا جاتا ہے حالانکہ ہم کئی مرتبہ لکھ چکے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے قانون قدرت دو قسم کے ہیں۔ عام لوگوں کے ساتھ اور قانون قدرت ہے اور خاصوں کے ساتھ اور قانون قدرت ہے۔ چنانچہ آریہ مضمون پڑھنے والا خود اس بات کا اقرار ہی ہے کہ جو الہام چار رشیوں پر ہوا وہ دوسروں کو نہیں ہو سکتا گو کیسے ہی پاک اور پوتر ہو جائیں۔ پس اپنے اس عقیدہ کی رُو سے وہ خود مانتا ہے کہ خدا کا ایک ہی رنگ کا قانون قدرت نہیں ہے اور فی الواقع سچی اور کامل معرفت کی رُو سے یہی ثابت ہو گیا ہے کہ انسانوں کے بارہ میں خدا تعالیٰ کا قانون قدرت ایک قسم کا نہیں بلکہ جس درجہ پر انسان کی حالت ہے۔ اُسی درجہ پر خدا کا قانون قدرت اس کی نسبت ہوتا ہے۔ ایک وہ لوگ ہیں کہ جو خدا تعالیٰ کی کچھ بھی پروا نہیں رکھتے۔ اور ہر ایک قسم کی معصیت و لہیری سے کر لیتے ہیں۔ گویا اُن کے نزدیک خدا نہیں ہے۔ اور ایک وہ لوگ ہیں کہ جو خدا کی اطاعت اور محبت میں مر رہی رہتے ہیں اور خدا کی رضا جوئی کیلئے آگے سے آگے قدم رکھتے

جالتے ہیں گو اس راہ میں بکلی نیست و نابود ہو جائیں اور معمولی اور رسمی عقیدہ پر خوش نہ ہو کر  
 یہ چاہتے ہیں کہ پورے اور کامل طور پر خدا تعالیٰ کی معرفت اُنکو حاصل ہو اور چمکتے ہوئے  
 نشانوں کی روشنی کے ساتھ وہ خدا کو دیکھ لیں اور یہ بھوک اور پیاس بشتت اُن میں  
 بڑھ جاتی ہے اور اس خواہش کے لئے وہ سب کچھ فدا کرتے ہیں اور موت کو بھی کچھ چیز  
 نہیں سمجھتے۔ پس وہ خدا جو اُنکی اس حالت کو دیکھتا ہے اُن کا مطلوب اُن کو عطا کرنا ہے۔  
 اور یہ کہو کر ہو کہ اُس کی کامل معرفت ڈھونڈنے والے محروم رہ جائیں۔ اس لئے خدا کا  
 قانون قدرت جو ایسے لوگوں کے لئے قدیم سے چلا آتا ہے یہی ہے کہ وہ اُنکی دستگیری  
 فرماتا ہے اور خدا تعالیٰ کے زبردست نشان جو فوق العادت ہیں اُن کا یقین کامل کرنے  
 کے لئے اُن پر ظاہر ہوتے ہیں یعنی وہ نشان جو خدا کی اس عادت کے برخلاف ہیں جو عام  
 لوگوں کے لئے مقرر ہے اُن کو دکھائے جاتے ہیں۔

غرض خدا کا قانون قدرت ایک نہیں ہے جیسا کہ انسانی تعلقات بھی خدا کے ساتھ  
 ایک درجہ پر نہیں ہیں انسان کے ہر ایک رنگ میں خدا بھی اُسکے ساتھ رنگ بدلتا ہے  
 اس کے امرا رہے پائیل ہیں جیسی جیسی کسی کی محبت بڑھتی ہے اور قوت اخلاص ترقی پکڑتی  
 ہے ویسا ہی خدا بھی ایک نئے طور پر اُس سے معاملہ کرتا ہے۔ پس اُس سے زیادہ مذہباً کوں  
 جو مختلف قسم کے بندوں کے ساتھ ایک ہی قانون قدرت خدا تعالیٰ کا سمجھتا جو اصل بات تو یہ ہے  
 کہ چونکہ یہ لوگ دن رات دنیا کے مُردار پر سرنگوں ہیں اور کچھ بھی خدا تعالیٰ سے تعلق نہیں رکھتے  
 اور محض قومی تعصب سے زبان چلا رہے ہیں اس لئے خدا تعالیٰ کے امرا کے بارے میں اُن کی  
 حسرت مفقود ہے اور وید کی بد قسمتی ایک یہ بھی ہے کہ اسکے حامی ایسے لوگ ہیں۔

غرض مضمون پڑھنے والے کی نشانیاں پیش کردہ جو الہامی کتاب کے لئے وہ  
 ٹھیکرانا ہے سب اسی قسم کی ہیں کہ جو کچھ اس کے عقیدہ میں داخل ہے وہی الہامی کتاب کی  
 نشانی وہ ٹھیکر دیتا ہے مگر وہ اس بات کا ذکر کرنا بھول گیا کہ الہامی کتاب کی ایک یہ بھی نشانی ہے کہ

جس میں یہ مذکور ہو کہ رُوح بدن سے نکل کر پھر شبنم کی طرح کسی گھاس پات پر پڑتی ہے اور دو ٹکڑے ہو کر مرد اور عورت کے اندر چلی جاتی ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس نشانی کا ذکر کرنے سے وہ اس وجہ سے ڈر گیا کہ اس سے وید کی پورے طور پر پروردہ درمی ہو جائے گی کیونکہ تمام دنیا جانتی ہے کہ دید نے یہ صریح صریح جھوٹ بولا ہے اور خدا کے مقرر و معین قانون کے خلاف بیان کیا ہے اور جھوٹ بھی ایسا کھلا کھلا جھوٹ کہ بدیہی اور مشہور و محسوس امور کی مخالفت کی ہے۔ طبعی تحقیقاتوں سے ثابت ہے کہ زمین کی ہر ایک چیز میں ایک جاندار کیڑے کا مادہ موجود ہے یہاں تک کہ زنک خوردہ لوہے میں بھی کیڑا پیدا ہو جاتا ہے اور عجیب ترین کہ بعض پتھروں میں بھی کیڑا دیکھا گیا ہے اور ہر ایک قسم کے اناج اور ہر ایک قسم کے پھل جب بہت مدت تک رکھے جائیں تو ان میں بھی کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں جب انسان موت کے بعد دفن کیا جاتا ہے تو رفتہ رفتہ تمام بدن اُس کا کیڑوں سے بھر جاتا ہے اور سب سے عجیب ترین کہ ایک مشہور درخت ہے جس کو گولر کہتے ہیں اس کا پھل جب تک سبز ہوتا ہے اس میں کوئی کیڑا نہیں ہوتا اور جیسے جیسے پکتا جاتا ہے اسی کے مادہ میں کیڑے پیدا ہوتے جاتے ہیں۔ اور جب اس پھل کو چیرا جائے تو وہ کیڑے پر واز بھی کر جاتے ہیں اور بعض وقت ایک انڈے میں جو مرغی اور لٹخ وغیرہ کا ہو جب سڑ جائے تو بجائے ایک بچہ کے صدمہ کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہ تمام امور دلالت کر رہے ہیں کہ یہ راز ہی اور ہے یہ دہی راز ہے جس کی نسبت ہم کہتے ہیں کہ نیستی سے ہستی ہوتی۔ مثلاً گولر کا ایک پھل چیر کر دیکھو اُس میں کوئی کیڑا نہیں ہوتا اور ہندو مسلمان سب اس کو کھاتے ہیں اور پھر جب پک جاتا ہے تو وہی مادہ کیڑے بن جاتے ہیں۔ اب اس کو اگر نیستی سے ہستی نہ کہیں تو اور کیا کہیں؟ اسی طرح ہم نیستی سے ہستی مانتے ہیں جس پر مشاہدہ گواہ ہے یہی قانون قدرت ہے۔ اس میں وید نے بڑی بھاری غلطی کھائی ہے جو ہرگز معافی کے لائق نہیں۔ کیا ایسے وید کو ہم قانون قدرت کے مطابق کہہ سکتے ہیں؟

غرض اسی وجہ سے مضمون پڑھنے والے نے اس نشانی کا ذکر نہیں کیا کہ یہ دید کا بیان ایک غلط بیان ہے۔ غالباً اُس کو یہ بات سُوجھ گئی ہے کہ اس نشانی کے پیش کرنے سے دید کا تمام تار و پود جھوٹ کا مجموعہ ثابت ہو گا اور نہ صرف جھوٹ بلکہ اس کی جہالت اور ناواقفیت بھی ثابت ہو گی کہ ایسا خدا کے قانون قدرت سے بے خبر ہے کہ روح کو شہنشاہ کی طرح کسی گھاس پات پر نازل کرتا ہے حالانکہ گھاس پات کے مادہ کے اندر خود کثیر سے موجود ہیں اُن پر لوہی شہنشاہ پڑی تھی اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ زمین کے سب نباتات جمادات حیوانات کیڑوں سے بھرے ہوئے ہیں اور زمینی مادہ کے سب کچھ اندھے ادھر سے کچھ نہیں آتا کیا دید کے کشیول کے معدہ اور دماغ اور دوسرے اعضاء میں کیڑے نہیں تھے؟ اور مرد اور عورت کی منی بھی کیڑوں سے خالی نہیں اور زمین پر یا زمین کے نیچے کو نسا ایسا مادہ ہے جو کیڑوں سے خالی ہے۔ آریلوں کو خیال کرنا چاہئے تھا کہ کب اور کس راہ سے اُن پر شہنشاہی روح پڑ گئی۔ آخر جھوٹ کی کوئی حد ہے لیکن دید تو جھوٹ بولنے میں حد سے بڑھ گیا اور اس نے خدا کے بدیہی اور محسوس و مشہود اور قدیم قانون قدرت کو ایسا اپنے ہاتھ سے پھینک دیا جیسا کہ کوئی ایک کاغذ کو ٹھٹھے ٹھٹھے کر کے پھینک دے۔

اور مضمون پڑھنے والے کو ایک اور نشانی الہامی کتاب کی پیش کرنی چاہئے تھی۔ اور اس کا پیش کرنا تو بہت شرمندہ تھا معلوم نہیں کہ اُس نے وہ نشانی کیوں پیش نہ کی۔ شاید جھول گیا اور وہ نشانی نیوگ ہے یعنی یہ کہنا چاہئے تھا کہ الہامی کتاب کی ایک یہ بھی نشانی ہے کہ وہ نیوگ کی تعلیم دے یعنی اس میں یہ تعلیم پائی جائے کہ جب کسی شخص کے گھر میں لڑکا پیدا نہ ہو تو وہ اپنی پیاری بیوی کو دوسرے سے ہمبستر کرادے اور جب تک لڑکا پیدا نہ ہو اسی طرح ہمیشہ غیر مردوں سے اپنی بیوی کی مٹی بلید کرنا رہے اور شاید یہ نشانی الہامی کتاب کی اس لئے اس نے ذکر نہیں کی کہ اس کو محسوس ہو گیا کہ یہ دیو لوئی کی بات ہے

۱۲۲

اور بڑی بے خبری کا کام ہے کہ باوجودیکہ نکاح کا تعلق بدستور ہے اپنی بیوی کو دوسرے سے ہمبستر کرادے اور نہ صرف ایک دو دن کے لئے بلکہ ایک دراز مدت کے لئے غیروں کے بستر پر اُس کو لٹاتا رہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دید کے چاروں روشنی نیوگ کے پاک عمل کے ضرور کاربند ہوں گے۔ اور شاید اُن کے پوتر ہونے کی یہی نشانی ہوگی تبھی تو انہوں نے خود سرور کو وہی تعلیم دی جس پر آپ کا ربند تھے۔

مگر اس زمانہ کے اکثر ہندو دیکھے گئے ہیں کہ جب کہیں نیوگ کا ذکر آتا ہے تو اسے مذمت کے منہ چھپاتے ہیں یا بھاگنے لگتے ہیں۔ ایک کتاب میں میں نے پڑھا ہے کہ ایک بنگالی صاحب بڑے شوق سے آریہ سماج میں داخل ہوئے تھوڑے دنوں کے بعد ان کا کوئی پرانا دوست برہمو مذہب کا ان کی ملاقات کے لئے گیا اور آہستہ آہستہ بات چلا کر اُس نے نیوگ کا فکر کر دیا وہ بیچارہ بنگالی آریوں کے بنجہ میں لوگوں کو فساد تھا اس نے کہا کہ نیوگ کیا ہوتا ہے تب برہمو صاحب نے اس کی تفصیل سنادی کہ تمہاروں کے لئے دید کا یہ حکم ہے کہ اگر زینہ اولاد پیدا نہ ہو تو اپنی عورت کو بغیر اس کے جو طلاق دی جائے دوسرے سے ہمبستر کرادیں اور جب تک اولاد نہ ہو اسی طرح اپنی بیوی کا بغیر دسے منہ کالا کرتے رہیں۔ جب اس غریب بنگالی نے یہ بات سنی تو چونک اٹھا اور کہا کہ یہ آریہ سماج پر سراسر تہمت ہے جس کا ایسی بے حیائی اور نا پاکی کی تعلیم دید میں کیونکر ہو سکتی ہے؟ اور دید کے چاروں روشنی جو پوتر تھے ایسی گندی تعلیم کیونکر دے سکتے تھے؟ تب برہمو صاحب نے بہت ادب اور نرمی سے ستیاد تھپہ پر کاش اور دید بھاش پنڈت دیا تند کا اپنی بغل میں سے نکال کر دونوں اُنکی خدمت میں پیش کر دئے اور تہایت ملائمت سے عرض کیا کہ آپ نیوگ کے بارہ میں یہ چند سطریں پڑھ لیں جب اس بنگالی نے جو شریف اور غیر تمند تھا وہ مقام پڑھا جہاں پنڈت دیا تند دید کی شریوں کے حوالہ سے یہ تعلیم دیا ہے کہ لڑکا نہ ہو تو ضرور تم لوگ اپنی استریوں کو بغیر لوگوں سے ہمبستر کرادو اس طرح پر نرمیہ اولاد حاصل کرو ورنہ تمہاری کٹی نہیں ہوگی یہ تعلیم پڑھتے

ہی وہ شریف آدمی آگ بگولا ہو گیا اور غصہ میں آکر ان کتابوں کو اپنے ہاتھ سے ایک رتی اور ناپاک چیز کی طرح پھینک دیا اور کہا کہ میں ایسے مذہب پر لعنت بھیجتا ہوں جس میں اس قدر ناپاکی اور بے حیائی کی تعلیم ہے اور اس اپنے دوست کا شکر کیا جس نے اس کو اس گندے نکالا۔

اب ہم مضمون پڑھنے والے کی ان نشانیوں کا کسی قدر تفصیل سے ذکر کرتے ہیں جو اس نے اپنے عقیدہ کے موافق الہامی کتاب کے لئے مقرر کی ہیں۔ سو ان میں سے پہلی نشانی یہ ہے کہ وہ کتاب ابتداء سے آخر میں سے ہو۔ اس نشانی کے ذکر کرنے سے اس شخص کا مطلب یہ ہے کہ قرآن شریف ابتداء سے زمانہ میں نہیں آیا اس لئے وہ خدا کی کتاب نہیں لیکن اس کی اس تقریر سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ گویا وید کا پر مشر ابتداء سے زمانہ کے بعد ہمیشہ کے لئے اپنا الہام نازل کرنے سے عاجز ہو جاتا ہے اور الہام کرنے کی قوت اسکی ذات میں سے منقود ہو جاتی ہے یہاں تک کہ گویا یہی مصالح جدیدہ الہام کے مقتضی ہوں اور کیسے ہی مفاسد زمین میں پھیل جائیں اور کیسے ہی کسی پہلی کتاب میں تغیرات اور تحریفات داخل کر جائیں اور کیسے ہی دور و دراز ملکوں کے رہنے والے اس پہلی کتاب سے بے خبر ہوں مگر پر مشر قسم کھا لیتا ہے کہ وہ پہلی کتاب کے بعد کوئی کتاب نازل نہیں کرے گا اور صاف ظاہر ہے کہ یہ طریق اور یہ عادت خدا تعالیٰ کے اس قانون قدرت کے برخلاف ہے جو جسمانی طور پر انسان کے جسمانی معاملات کے لئے پایا جاتا ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ ہمدردی جسمانی ضرورتوں کے موافق ہمیشہ تازہ بتازہ سامان ہمیں دئے جاتے ہیں اور ہمیں صرف ان قصوں کے ذریعہ سے خوش نہیں کیا جاتا کہ کسی پہلے زمانہ میں ایسے پھل تھے جو لوگ کھاتے تھے اور ایسا اناج تھا جو لوگ استعمال کرتے تھے اور ایسی دوائیں تھیں جن کے ذریعہ سے علاج ہوتا تھا بلکہ وہ سب چیزیں اب بھی ہمارے لئے پیدا کی جاتی ہیں جیسا کہ پہلے پیدا کی جاتی تھیں تو پھر روحانی قانون قدرت کیوں بدل گیا۔ کیا ہم گمان کر سکتے ہیں کہ پہلے خدا تعالیٰ بولنے پر قادر تھا اور اب قادر نہیں ہو رہا پہلے اس کو الہام دینے کی طاقت تھی مگر اب وہ طاقت باقی نہیں رہی اور کیا سچ نہیں کہ خدا پہلے زمانہ میں جیسا کہ

سنا تھا اب بھی سنا ہے تو پھر کیا وجہ کہ ہمارے اس زمانہ میں خدا کی قوت شنوائی تو بدستور بحال ہے لیکن قوت کلام مفقود ہو گئی اور کیا یہ سچ نہیں کہ پہلے زمانہ کے بعد جو زمانے آئے ان میں دن بدن معصیت اور گناہ بڑھتا گیا اور اس قدر نئے نئے گناہ پیدا ہوئے جو پہلے زمانہ میں ان کا نام و نشان نہ تھا تو کیا ایسی حالت میں یہ ضروری نہ تھا کہ خدا تعالیٰ اتنے گناہوں اور نو پیدا خراب عقیدوں کے لئے کوئی نئی کتاب بھیجتا جو موجودہ فاسد کے دور کو نئے کیلئے پورے زور سے اپنی زبردست ہدایتیں پیش کرتی اور اپنے خوفناک نشانوں کے ساتھ خدا کی طرف توجہ دلاتی نہ یہ کہ خدا اس قدر طوفان دیکھنے کے بعد بالکل چپ ہی ہو جاتا اور یہ کہنا کہ دید کے ورق چاٹا کر اور اس سے بڑھ کر کوئی ہدایت میرے پاس نہیں اور آئندہ کسی نئی ہدایت کی امید نہ رکھو! اور اگر یہ کہو کہ دید میں پہلے سے یہ سب احکام موجود ہیں تو اس سے بڑھ کر کوئی بھوٹ نہیں ہوگا کیونکہ تم خود اقرار رکھتے ہو اور عقل بھی ہی تجویز کرتی ہے کہ پہلا زمانہ ان گناہوں اور بد عقیدوں سے خالی تھا جو پچھلے سے پیدا ہوئے تو پھر جب پہلے زمانہ میں بد عقیدے اور گناہ موجود ہی نہیں تھے تو ان سے منع کرنا کیا معنی رکھتا ہے بلکہ یہ تو نامعلوم بدکاری اور بد عقیدہ کا یاد دلانا ہے اور اگر کہو کہ دید نے بطور پیش گوئی سب بُرے احکام اور بُرے عقیدے بیان کر دیئے ہیں کہ آئندہ ایسا ہوگا تو یہ بھوٹ ہے کیونکہ تم خود اقرار رکھتے ہو کہ دید میں کوئی پیش گوئی نہیں علاوہ اس کے ہم تو اس فیصلہ پر بھی راضی ہیں کہ جس قدر قرآن شریف نے بد عقیدوں اور بد اعمال کا حال بیان کیا ہے یا وہ عقیدے جو قرآن شریف نے بیان فرمائے مگر دید کی رو سے بد عقیدے ہیں ایسا ہی وہ بد اعمال جو دنیا کے مختلف حصوں میں پائے جاتے ہیں جن کا ذکر قرآن شریف میں مفصل مذکور ہے آریہ لوگ دید میں سے ہم کو نکال دیں ایسے طور سے کہ جیسے غیر فرقے قرآن شریف کو پڑھ کر اس کے قائل ہیں کہ یہ سب باتیں اس میں مذکور ہیں دید کی نسبت بھی ہی اقرار کر سکیں ایسا ہی خدا کی ہستی اور توحید کے دلائل جو قرآن شریف میں لکھے ہیں جو مخالف فرقے اس کے قائل ہیں یہ سب آریہ صاحبان دید میں سے نکال کر ہم کو دکھلا دیں تو ہم ہزار روپے نقد ان کو دینے کو تیار ہیں۔ فوس کی کہ یہ کس قدر بھوٹ

ہے کہ دید کی طرف وہ کمال منسوب کیا جاتا ہے جو اس میں پایا نہیں جاتا۔  
 علاوہ اس کے کوئی شخص اس سے انکار کر سکتا ہے کہ ابتدائے زمانہ کے بعد دنیا پر بڑے بڑے  
 انقلاب آئے پہلے زمانہ کے لوگ تھوڑے تھے اور زمین کے چھوٹے سے قطع پر آباد تھے اور پھر  
 وہ زمین کے دور دور کنادوں تک پھیل گئے اور زبانیں بھی مختلف ہو گئیں اور اس قدر آبادی  
 بڑھی کہ ایک ملک دوسرے ملک سے ایک علیحدہ دنیا کی طرح ہو گیا تو ایسی صورت میں کیا ضرور  
 نہ تھا کہ خدا تعالیٰ ہر ایک ملک کے لئے الگ الگ نبی اور رسول بھیجتا اور کسی ایک کتاب پر کفایت  
 نہ رکھتا۔ ہاں جب دنیا نے پھر اتحاد اور اجتماع کے لئے پلٹا کھایا اور ایک ملک کو دوسرے ملک  
 سے ملاقات کرنے کے لئے سامان پیدا ہو گئے اور باہمی تعارف کے لئے فروع و اقسام کے  
 ذرائع اور وسائل نکل آئے تب وہ وقت آگیا کہ قومی تفرقہ درمیان سے اٹھا دیا جائے اور  
 ایک کتاب کے ماتحت سب کو کیا جائے تب خدائے سب دنیا کیلئے ایک ہی نبی بھیجتا  
 وہ سب قوموں کو ایک ہی مذہب پر جمع کرے اور تادمہ جیسا کہ ابتداء میں ایک قوم تھی آخر میں  
 بھی ایک ہی قوم بنا دے۔

اور یہ ہمارا بیان جیسا کہ واقعات کے موافق ہے ایسا ہی خدا تعالیٰ کے اس کلون قدرت  
 کے موافق ہے جو زمین و آسمان میں پایا جاتا ہے کیونکہ اگرچہ اُس نے زمین کو الگ تاثیرات بخشی  
 ہیں اور چاند کو الگ اور ہر ایک ستارہ میں جدا جدا قوتیں رکھی ہیں مگر پھر بھی باوجود اس تفرقہ کے  
 سب کو ایک ہی نظم اسم میں داخل کر دیا ہے اور تمام نظام کا پیشرو آفتاب کو بنایا ہے  
 جس نے ان تمام سیاروں کو انجن کی طرح اپنے پیچھے لگالیا ہے پس اس سے غور کرنے والی  
 طبیعت سمجھ سکتی ہے کہ جیسا کہ خدا تعالیٰ کی ذات میں وحدت ہے ایسا ہی وہ نوع  
 انسان میں بھی جو ہمیشہ کی بندگی کے لئے پیدا کئے گئے ہیں وحدت کو ہی چاہتا ہے اور  
 درمیانی تفرقہ قوموں کا جو باعث کثرت نسل انسان نوع انسان میں پیدا ہوا وہ بھی  
 دراصل کامل وحدت پیدا کرنے کے لئے ایک تمہید تھی کیونکہ خدائے ہی چاہا کہ پہلے نوع



انسان میں وحدت کے مختلف حصے قائم کر کے پھر ایک کامل وحدت کے دائرہ کے اندر سب کو لے آوے سو خدا نے قوموں کے جدا جدا کردہ مقرر کئے اور ہر ایک قوم میں ایک وحدت پیدا کی اور اس میں یہ حکمت تھی کہ تا قوموں کے تعارف میں بہولت اور آسانی پیدا ہو اور ان کے باہمی تعلقات پیدا ہونے میں کچھ دقت نہ ہو اور پھر جب قوموں کے چھوٹے چھوٹے حصوں میں تعارف پیدا ہو گیا تو پھر خدا نے چاہا کہ سب قوموں کو ایک قوم بنائے جیسے مثلاً ایک شخص باغ لگاتا ہے اور باغ کے مختلف بوٹوں کو مختلف سختوں پر تقسیم کرتا ہے اور پھر اس کے بعد تمام باغ کے ارد گرد دیوار کھینچ کر سب درختوں کو ایک ہی دائرہ کے اندر کر لیتا ہے اسی کی طرف قرآن شریف نے اشارہ فرمایا ہے اور وہ یہ آیت ہے اِنَّ هٰذَا اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّبِعُوْنِیْ اِنِّیْ خَافُ اَنْ تُفَرِّقُوْا بَیْنَ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ یعنی اے دنیا کے مختلف حصوں کے نبیو! یہ مسلمان جو مختلف قوموں میں سے اس دنیا میں کٹھے ہوئے ہیں یہ تم سب کی ایک اُمت ہے جو سب پر ایمان لاتے ہیں اور میں تمہارا خدا ہوں سو تم سب مل کر میری ہی عبادت کرو (دیکھو المیزان: اسوۃ الانبیاء) اس تدریجی وحدت کی مثال ایسی ہے جیسے خدا تعالیٰ نے حکم دیا کہ ہر ایک محلہ کے لوگ اپنی اپنی محلہ کی مسجدوں میں پانچ دقت جمع ہوں اور پھر حکم دیا کہ تمام شہر کے لوگ ساتویں دن شہر کی جامع مسجد میں جمع ہوں یعنی ایسی وسیع مسجد میں جس میں سب کی گنجائش ہو سکے اور پھر حکم دیا کہ سال کے بعد عید گاہ میں تمام شہر کے لوگ اور نیز گرد و نواح دیہات کے لوگ ایک جگہ جمع ہوں اور پھر حکم دیا کہ عمر بھر میں ایک دفعہ تمام دنیا ایک جگہ جمع ہو یعنی مکہ معظمہ میں سو جیسے خدا نے آہستہ آہستہ اُمت کے اجتماع کو حج کے موقع پر مکالم تک پہنچایا اول چھوٹے چھوٹے مواقع اجتماع کے مقرر کئے اور بعد میں تمام دنیا کو ایک جگہ جمع ہونے کا موقع دیا سو یہی صفت اللہ الہامی کی کتابوں میں ہے اور اس میں خدا تعالیٰ نے یہی چاہا ہے کہ وہ آہستہ آہستہ نزع انسان کی وحدت کا دائرہ کمال تک پہنچائے اول چھوٹے چھوٹے ملکوں کے حصول میں وحدت پیدا کرے اور پھر آخر میں حج کے اجتماع کی طرح سب کو ایک جگہ

صحیح کر دیوے جیسا کہ اس کا وعدہ قرآن شریف میں ہے وَلَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَيَجْمَعُنَا هُمْ جَمْعًا  
یعنی آخری زمانہ میں خدا اپنی آواز سے تمام سعید لوگوں کو ایک مذہب پر جمع کر دے گا جیسا  
کہ وہ ابتداء میں ایک مذہب پر جمع تھے تاکہ اول اور آخر میں مناسبت پیدا ہو جائے۔

غرض پہلے نوع انسان صرف ایک قوم کی طرح تھی اور پھر وہ تمام زمین پر پھیل گئے تو  
خدا نے ان کے سہولت تعارف کے لئے ان کو قوموں پر منقسم کر دیا اور ہر ایک قوم کے لئے اسکے  
مناسب حال ایک مذہب مقرر کیا جیسا کہ وہ فرماتا ہے يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ  
وَأُنْثَىٰ وَجَعَلَكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا (الحجرات ۱۳ سورۃ الحجرات)

اور پھر فرماتا ہے

لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شَرْعَةً وَمِنْهَا جَاذٌ وَكَوْشًا اللَّهُ جَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَكِنْ  
لَيَبْتَلِيَكُمْ فِيهَا ثُمَّ فَأَسْتَبْقُوا الْخَيْرَاتِ ط (الحجرات ۱۳ سورۃ المائدة) (ترجمہ) اسے  
لوگو! ہم نے مرد اور عورت سے تمہیں پیدا کیا ہے اور ہم نے تمہارے کنبے اور قبیلے مقرر کئے  
یہ اس لئے کیا کہ تاہم میں باہم تعارف پیدا ہو اور ہر ایک قوم کے لئے ہم نے ایک مشرب اور مذہب  
مقرر کیا تاہم مختلف فطرتوں کے جوہر نہ دیکھو اپنی مختلف ہدایتوں کے ظاہر کر دیں میں تم اے مسلمانو  
تمام بھائیوں کو دور کر لو کیونکہ تم تمام قوموں کا مجموعہ ہو اور تمام فطرتیں تمہارے اندر ہیں غرض  
مذکورہ بالا وجوہ کی بناء پر خدا نے نوع انسان کو کئی قوموں پر منقسم کر دیا۔ پہلے زمانہ کے لوگ تو  
آبائی رشتہ کے سلسلہ میں منسلک تھے اور ان میں وحدت قرابت حاصل تھی اور پھر جب بہت فوجی  
بن گئیں تو ہر ایک قوم میں وحدت قائم کرنے کیلئے کتہیں بھیج گئیں اور اُس زمانہ میں ہر ایک حصہ ملک  
میں صرف قومی وحدت حاصل ہو سکتی تھی اس سے زیادہ نہیں یعنی تمام دنیا کی وحدت غیر ممکن  
تھی مگر پھر میرا زمانہ ایسا آیا جس میں اقوامی وحدت کے سامان پیدا ہو گئے یعنی تمام دنیا کی  
وحدت کے سامان نمودار میں آ گئے اور ہر ایک زمانہ جو نوع انسان پر آیا وہ اس بات کا مقتضی  
تھا جو اسی زمانہ کے مطابق کتاب دی جاوے۔ یہی وجہ ہے کہ قومی وحدت کا جب خدا نے

ارادہ کیا تب ہر ایک قوم کے لئے جدا جدا رسول بھیجی اور یہ قومی وحدت اقوامی وحدت سے مقدم تھی اور حکمت ربانی اس امر کی مقتضی تھی کہ اول ہر ایک ملک میں قومی وحدت قائم کرے اور جب قومی وحدت کا دور ختم ہو چکا تب اقوامی وحدت کا زمانہ شروع ہو گیا اور وہی زمانہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کا تھا۔ اور یاد رہے کہ کسی رسول اور کتاب کی ایسی قدر عظمت سمجھی جاتی ہے جس قدر ان کو اصلاح کا کام پیش آتا ہے اور جس قدر اس اصلاح کے وقت مشکلات کا سامنا پڑتا ہے سو یہ بات ظاہر ہے کہ ابتدائے زمانہ میں جو کتاب نازل ہوئی ہوگی وہ کسی طرح کامل کمال نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ابتدائے زمانہ میں ان مشکلات کا وہم و گمان بھی نہیں آ سکتا جو بعد میں پیدا ہوئیں۔ ایسا ہی قومی وحدت کے زمانہ میں اس وقت کے نبیوں اور رسولوں کو وہ مشکلات ہرگز پیش نہیں آ سکتی تھیں جو اقوامی وحدت کے زمانہ میں اس نبی کو پیش آئیں جس کو یہ حکم ہوا کہ جو تمام قوموں کو ایک وحدت پر قائم کرو۔

خلاصہ کلام یہ کہ دنیا پر تین انقلاب آئے ہیں اور ہر ایک انقلاب ایک خاص طور کی ہدایت کو چاہتا تھا چنانچہ ابتدائے آفرینش کا زمانہ ایک ایسا سادہ زمانہ تھا کہ اس میں ان معاصی اور گناہوں اور بد عقائد کی تفصیل کی ضرورت نہ تھی جو بعد میں پیدا ہوئی چونکہ اس زمانہ میں کامل طور پر نوع انسان میں بدی اور بد عقیدگی نہیں پھیلی تھی اس لئے اس وقت کسی کامل کتاب کی ضرورت نہ تھی لہذا جس کتاب کو ہم تسلیم کریں کہ وہ ابتدائے آفرینش کی کتاب ہے ساتھ ہی ہمیں یہ بھی تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ وہ ناقص کتاب ہے یہ بات ہر ایک عقل سلیم قبول کر لے گی کہ کمال اصلاح کی نوبت کمال فساد کے بعد آتی ہے طیب کا یہ کام نہیں کہ وہ چنگے بھلے لوگوں کو وہ جو اشیاء دے جو عین بیماری کے غلبہ کے وقت دینی چاہئیں۔ اسی لئے قرآن شریف نے پہلے یہ بیان کر دیا کہ ظہر الفساد فی البر والنجس یعنی تمام دنیا میں فساد پھیل گیا اور ہر ایک قسم کے گناہ اور معاصی کا طوفان برپا ہو گیا اور پھر ہر ایک

بدعقیدگی اور بد عملی کے بارے میں مکمل باتیں پیش کر کے فرمایا کہ :- الیوم اکملت لکم دینکم یعنی آج میں نے تمہارا دین کامل مکمل کر دیا مگر کسی پہلے زمانہ میں جس میں ابھی طوفانِ ضلالت بھی جوش میں نہیں آیا تھا مکمل کتاب کیونکر انسانوں کو مل سکتی ہے۔

ماسوا اس کے یہ سراسر جھوٹ ہے کہ وید ابتدائے زمانہ کی کتاب ہے جو شخص صرف رگوید کے پہلے حصہ کو ادل سے آخر تک پڑھے تو اس کو معلوم ہو جائے گا کہ جابجا وید خود کی بات کا اقرار ہی ہے کہ وہ پہلے زمانہ کی ہرگز کتاب نہیں ہے یہ رگوید اردو میں بمقام دہلی چھپ چکا ہے اور انگریزی میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے اور ہر ایک شخص خواہ انگریزی بخول ہے یا اردو خوان باسانی اس کو پڑھ سکتا ہے۔

دوسری نشانی الہامی کتاب کی مضمون پڑھنے والے نے یہ بیان کی کہ وہ خلاف قانون قدرت نہ ہو مگر یہ نشانی بھی وید میں ہرگز پائی نہیں جاتی۔ ہم وید کی تعلیمات کے بارے میں ذیل میں چند نمونے لکھتے ہیں ناظرین خود سمجھ لیں کہ جس وید میں ایسے ایسے بیان ہیں کیا وہ خدا کے قانون قدرت کے مطابق ہے چنانچہ رگوید میں ایک یہ شرتی ہے۔ اے اندر کو سیہ کاوشی کے پو تو جلد آؤ اور مجھ رشی کو المذا کر دے۔ اس فقرہ کی شرح میں وید کے بھاشی کاروں نے لکھا ہے کہ کو سیہ کا بھاشا ویشوا متر تھا پھر اندر اس کا بیٹا کیونکر بن گیا۔ اس کی وجہ سیہا وید کا بھاشیکار وہ قصہ بیان کرتا ہے جو وید کے تتمہ آئو کر میتھ کا میں درج ہے اور وہ یہ ہے کہ کو سیہ کا اشتر تھا کے پوتے نے یہ دل میں خواہش کر کے کہ اندر کی توجہ سے میرے گھر میں بیٹا ہوا تب جب اختیار کیا تھا جس تب کے جلدو میں خود اندر ہی نے اس کے گھر میں جنم لے لیا اور چونکہ اندر بموجب عقاید آریہ سماج ذالوں کے پریشکر کا نام ہے اس سے معلوم ہوا کہ خود پریشکر کو سیہ کا رشی کی بیوی کے رحم میں داخل ہو گیا تھا اور پیدا ہونے کے بعد

بعض جگہ اس سے پہلے بجائے کو سیہ کا رشی کے کشٹیا لکھا گیا ہے اور یہ سہو کا تب ہے پس گزشتہ مقامات میں جہاں اس قصہ کے متعلق جو اذکار لکھا گیا ہے کشٹیا کا لفظ ہوا اس کو کو سیہ کا سمجھ لینا چاہئے۔ منہ

اس کا نام وشواہتر رکھا گیا۔ پس ایسا دید جو پریشتر کو کسی کارشی کا پوتر قرار دیتا ہے کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس کی باتیں قانون قدرت کے مطابق ہیں؟ اور اگر اسی طرح پریشتر کی یہ عادت ہے کہ وہ اولاد دینے کے لئے خود ہی عورتوں کے رحم میں داخل ہو جایا کر تا ہے تو پھر ایسی صورت میں نیوگ کی پلید رسم کی کیا ضرورت ہے یہ تو بہت سہل طریق ہے کہ جس آدمی کے گھر میں اولاد نہ ہو خود پریشتر ہی اس کی بیوی کے رحم میں داخل ہو جائے۔ اس طرح پر اس ناپاک رسم کی بیخ کنی ہو سکتی ہے جو نیوگ کے نام سے مشہور ہے۔

ہم تو حیران ہیں کہ جس دید میں ایسے قصے ہیں اس کی نسبت کیوں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ قانون قدرت کے موافق ہے ایسا ہی دید کی یہ تعلیم قانون قدرت کے مخالف ہے کہ گوشت کھانا سخت ممنوع اور پریشتر کے فحشاء کے بخلاف ہے کیونکہ اگر دنیا کے ہر ایک جاندار پر وسیع نظر ڈالی جاوے تو معلوم ہوگا کہ زمین کی سطح پر اور دریاؤں میں جو جاندار پائے جاتے ہیں اکثر گوشت خوار ہی ہیں اور گوشت خواروں کی نسبت وہ جانور جو صرف نباتی چیزیں کھاتے ہیں نہایت ہی قلیل ہیں گویا کچھ بھی نہیں پہلے ہم اگر انسانوں پر ہی نظر ڈالیں تو ثابت ہوگا کہ یورپ اور امریکہ اور ایشیا کے کل انسان بجز قلیل مقدار میں ہندوؤں کے جو گوشت نہیں کھاتے سب گوشت خوار ہیں گویا تمام دنیا کی فطرت کا تقاضا گوشت خوری ہے اور جو تھوڑا سا کردہ ہندوؤں کا گوشت نہیں کھاتا ان میں سے قوت شجاعت اور غیرت بالکل مفقود ہے اسی وجہ سے نیوگ جیسی ناپاک رسم کو انہوں نے قبول کر لیا اور وہ اس لائق بھی نہیں ہوتے کہ جنگی فوجوں میں داخل ہوں کیونکہ سخت جردل ہوتے ہیں۔

اور جب ہم دوسرے جانداروں کی طرف نظر ڈالتے ہیں تو وہ بھی بجز چند بزدل قسم جانوروں کے جیسی بکری اور گائے باقی سب گوشت خور ہی ثابت ہوتے ہیں اور بحری جانور تو کل گوشت خوار ہیں اور چھوٹے چھوٹے دریاؤں کا تو ذکر کیا ہے۔ بحر محیط یعنی سمندر جس نے زمین کا ایک بڑا حصہ روکا ہوا ہے وہ بھی گوشت خوار جانوروں سے بھرا ہوا ہے اور

یہ جاندار کرڈڑا درجہ انسانوں کی تعداد سے زیادہ ہیں پس جو کچھ ہماری نظر کے سامنے فعل الہی موجود ہے وہ صاف بتا رہا ہے کہ خدا کا قانون قدرت یہی ہے اور اس کے جواب میں یہ کہنا کہ جو جاندار گوشت خوار ہیں وہ کسی پہلی جنون میں بہت بُرے آدمی تھے پر ہمیشہ بطور سزا کے اُن کو گوشت خوار بنایا۔ اس جواب سے ہر ایک عقلمند تعجب کرے گا کہ یہ کیسی سزا ہے کہ سزا کے طور پر ایک عمدہ اور مقوی غذا ان کو دے دی۔ ماسوا اس کے ایک ثابت شدہ امر کے مقابل پر صرف اپنا ایک خیال پیش کرنا جس کا کوئی بھی ثبوت نہیں یہ کس قسم کی منطق ہے ظاہر ہے کہ یہ تو کھلے کھلے طور پر ثابت شدہ امر ہے کہ خدا تعالیٰ کی اکثر مخلوق دنیا میں گوشت خوار ہی ہے اور یہ مہترح طور پر اس بات کی دلیل ہے کہ مخلوق کے لئے خدا نے یہی پسند کیا ہے اور جو بعض پرند اور چرند گوشت نہیں کھاتے وہ صرف اس وجہ سے ہے کہ وہ شکار کرنے سے عاجز ہیں ورنہ وہ سب کچھ کھا سکتے ہیں اور جب یہ بات ثابت ہو چکی تو ماننا پڑا کہ مخلوق کے لئے خدا کا قانون قدرت یہی ہے کہ وہ گوشت کھایا کریں اور بہت سے اسباب صحت گوشت کھانے پر ہی موقوف رکھے گئے ہیں اسی لئے ہند کی طبابت میں بھی بعض امراض کے علاج میں گوشت کا ذکر ہے۔ اب اس کے مقابل پر یہ دہم پیش کرنا کہ گوشت خوار جاندار صرف سزا کے طور پر گوشت خوار بنائے گئے ہیں یہ صرف ایک دعویٰ ہے جس کا کچھ ثبوت نہیں۔ ایسا ہی یہ لوگ ہر ایک جگہ دلیل کی جگہ دعویٰ ہی پیش کر دیتے ہیں نہ معلوم کہ ایسی باتوں سے یہ لوگ عوام کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں یا اب تک یہ لوگ دعویٰ اور دلیل میں فرق نہیں کر سکتے۔ راجہ رام چند رائد کرشن سب گوشت کھاتے تھے مگر وہ گوشت کھانا خلاف قانون قدرت سمجھتے تو ایسا کیوں کرتے؟

پھر جیسا کہ ہم بار بار لکھ چکے ہیں دیدہ کا یہ دعویٰ کہ تمام دودھیں قدیم اور انادی میں اور وہی بار بار شبنم کی طرح زمین پر بذریعہ غذا انسانوں کے پیٹ میں جاتی ہیں اور بچہ بنتی ہیں یہ بھی

سراسر خلاف قانون قدرت ہے اور چونکہ ہم اس رسالہ میں اس امر کا خلاف قانون قدرت ہونا دلائل مشہورہ و محسوسہ سے ثابت کر چکے ہیں لہذا اب اس کے لکھنے کی اس جگہ ضرورت نہیں +

تیسری نشانی جو مضمون پڑھنے والے نے الہامی کتاب کے لئے بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ اس کی تعلیم عالم گیر ہو لیکن ظاہر ہے کہ دید کی تعلیم ہرگز عالم گیر نہیں بلکہ عالم گیر ہونا تو الگ انسانی فطرت بھی اس کو قبول نہیں کر سکتی کیا دنیا میں کوئی غیر متد انسان قبول کر سکتا ہے کہ اس کی منکوحہ عورت باوجود قائم ہونے نہاج کے دوسرے سے منہ کالا کرادے انسانی غیرت نے ایسے ناجائز کاموں کے وقت دنیا میں خون کی ندیاں بہا دی ہیں پس ایسی بے حیائی کی تعلیم عالم گیر کیوں کر ہو سکتی ہے۔ مضمون پڑھنے والے کو اگر یہ دعویٰ ہو کہ یہ تعلیم عالم گیر ہو سکتی ہے تو پہلے اس آریہ دوت میں ہی اس تعلیم کو جاری کر کے دکھاوے۔ ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ قطعی اور یقینی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ نیوگ کی تعلیم درحقیقت اُن سنیا سیوں کی خود ایجاد ہے کہ جو دراصل اُن کا نفس شہوات سے ایسا بھرا ہوا تھا جیسا کہ ایک بڑا پھوڑا پیپ سے بھرا ہوتا ہے اور دوسری طرف اُن کا یہ دعویٰ تھا کہ وہ بغیر عورت کے بسر کر سکتے تھے آخر نفس اُن کا قابو سے نکل گیا۔ سو ابتدا میں ایسے ہی سنیا سیوں نے نیوگ کے مسئلہ کو ایجاد کیا ہے اور اُس کے ذریعہ سے اپنی نفسانی خواہشیں پوری کی ہیں اور پھر آہستہ آہستہ وہ ہدایت دید میں بھی درج کی گئی اور عام طوطہ پر کاربہ دت میں اس پر عمل ہونے لگا سو خدا نہ کرے کہ دید کی یہ تعلیم عالم گیر ہو۔ اور جس وقت یہ ناپاک تعلیم عالم گیر ہو جائے گی سو اس وقت قیامت آجائے گی۔ اور یہ بھی ہم نے سنا ہے کہ دیدوں کے جغرافیہ میں یہ لکھا ہے کہ کوہ ہمالہ کے پرے کوئی آبادی نہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دیدوں میں عالم سے مراد یہی آریہ دوت مراد ہے پس اگر یہ صحیح نہیں ہے تو اول آریوں پر فرض ہے کہ دیدوں کی شہرتوں کے موافق عالم کی فہرست پیش کریں۔ میں تو

یہ بات نہیں مانتا کہ دیدوں کے رشیوں کو یہ خبر بھی ہو کہ سوائے اُریہ دوت کے دنیا میں اور ملک بھی ہے۔

ماسوا اس کے دید کی تعلیمیں کہ گو بر کھانا اور پیشاب پینا اور اپنی منکوہ عورتوں کو بغیر طلاق کے نامحرم مردوں سے ہمبستر کرانا اور خدا کے خالق ہونے سے انکار کرنا اور آگ اور پانی اور چاند اور سورج وغیرہ اجرام کی پرستش کے لئے حکم دینا جس سے تمام اُریہ دوت بھرا پڑا ہے یہ ایسی خراب تعلیمیں ہیں کہ کوئی پاک اور صحیح فطرت ان کو قبول نہیں کر سکتی اور دیدوں پر خود یہ تہمت ہے کہ کسی زمانہ اور کسی وقت میں ان کی تعلیم عالمگیر تھی جس قدر اب دنیا میں ممالک موجود ہیں اس زمانہ سے پہلے کسی کی بلا کو بھی خبر نہ تھی کہ دید کیا چیز ہیں۔ جب اس ملک میں گورنمنٹ انگریزی کی عجلداری ہوئی تب بعض انگریزوں نے دیدوں کے تجربے کئے اور یورپ اور امریکہ میں اس کا نام پہنچایا معلوم نہیں کہ خواہ مخواہ منصوبے کے طور پر ایسی باتیں کرنا ان لوگوں کو کس نے سکھایا اس سے حاصل کیا ہے اس بات کا فیصلہ تو آسانی ہے کہ صرف یورپ کے محققوں سے ہی دریافت کر لو کہ دیدوں کے نام سے تم کب سے واقف ہو اور کس زمانہ سے آشنا ہو۔ ماسوا اس کے دید کی تعلیم کو تسلیم کہہ بھی نہیں سکتے۔ تعلیم تو وہ ہوتی ہے جس کے ذریعہ سے نجات کی راہ مل سکے مگر جب کہ دید کی رو سے تو یہ اور استغفار کا دروازہ ہی بند ہے اور تسلیم ملد تناخ پر ہے تو دید کے ماننے سے کیا فائدہ اور نہ ماننے سے کیا نقصان ہے۔

مضمون پڑھنے والے نے الہامی کتاب کی ایک یہ نشانی لکھی ہے کہ وہ کسی ملک کی زبان نہ ہو یعنی زمین کے باشندوں میں سے کوئی شخص اس زبان کو نہ بول سکتا ہو نہ سمجھ سکتا ہو۔ اب ہمیں اس نشانی کے بارے میں کچھ بیان کرنا ضروری نہیں خود ناظرین سوچ لیں کہ ایسی زبان میں الہامی کتاب نازل کرنے سے کیا فائدہ ہوگا اور جب کہ کوئی شخص اس زبان کو نہ بول سکتا ہے اور نہ سمجھ سکتا ہے تو اس کی ہدایتوں پر عمل کرنا کیونکر ممکن ہوگا ایسی



۴۵

مورت میں بلاشبہ ریشیوں کے دلوں پر ایسی کتاب کا نازل کرنا یا نہ نازل کرنا ہمارا ہموگا کیونکہ اس جگہ یہ سوال پیش ہوگا کہ جب کہ انسان اسی زبان کو سمجھ سکتا ہے جس کو بول سکتا ہے تو دید کے ریشیوں کو ایسی زبان کیونکر سمجھ آسکتی تھی جس کو وہ بول نہ سکتے تھے۔

اللہ اگر کہو کہ ہمیشہ ریشیوں کو ان کی اپنی زبان کے ذریعہ سے اس نامعلوم زبان کے معنی سمجھا دئے تھے تو یہ عند بھی دوسرے لفظوں میں اس بات کا اقرار ہے کہ ہمیشہ انسان کی زبان میں الہام کرتا ہے بلکہ اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہمیشہ ایسی زبان میں الہام کرنے سے بچھتا یا جس کو دید کے ریشی سمجھ نہیں سکتے تھے اور جب اس کو اپنی غلطی محسوس ہوئی تو آخر اس نے انسانوں کی زبان کے ذریعہ سے اس زبان کے معنی دید کے ریشیوں کو سمجھائے پس کیا ایسی لغو حرکت سے یہ ثابت نہ ہوگا کہ ہمیشہ بھی اپنی جلد بازی سے غلطی کرتے تھے ہے اور اس پر اعتراض ہوگا کہ جس بات کو اس نے مجبور ہو کر آخر کو اختیار کیا وہ بات پہلے ہی کیوں اختیار نہ کی۔

ماسوا اس کے جب کہ ہم خود اس بات کے گواہ ہیں کہ خدا تعالیٰ اب بھی دوسری زبانوں میں الہام کرتا ہے اور خدا تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ہمیں اس گروہ میں داخل کیا ہے جو خدا تعالیٰ کے مکالمہ و مخاطبہ سے مشرف ہوتے ہیں تو پھر ہم امور مشہودہ ثابت شدہ سے کیونکر انکار کر سکتے ہیں کیا آری سماج والوں کو خبر نہیں کہ وہ ہمارا الہام ہی تھا جس نے مجھے برس پہلے لیکھرام کی نسبت خبر دی تھی کہ وہ پچھ برس کی مدت تک عید کے ایک دن بعد بذریعہ قتل اس دنیا سے کوچ کرے گا اور وہ ہمارا الہام ہی تھا جس نے خبر دی تھی کہ مسمیٰ سومراج اور اس کے دوست بھی جو قادیان میں بدگوئی سے باز نہیں آتے تھے ظالموں کے عذاب سے مرگے یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے اپنے اخبار شہبہ چٹک کے ذریعہ سے گالیاں دینا اپنا مشیوہ بنا رکھا تھا آخر ظالموں نے دو تین دن میں ہی ان کا قصہ پاک کیا۔ ایسا ہی وہ ہمارا الہام ہی تھا جس نے تمام دنیا کے سخت زلزلہ کی خبر دی

۴۶

اور نیز ۴۰۰۵ء کے زلزلہ کی خبر دی تھی ایسا ہی اور صدمہ الہامی پیشگوئیاں ہیں جو ظہور میں آئیں اور پوری ہوں۔ پھر ہم اپنی چشم دید باتوں سے کیونکر انکار کر سکتے ہیں بلکہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ ہر ایک زبان میں الہام کرتا ہے جیسا کہ وہ ہر ایک زبان میں لوگوں کی آواز سناتا ہے مخلوق کی زبانیں دراصل خدا کی ہی زبان ہے۔ ہر ایک قوم اپنی اپنی زبان میں اُس کی درگاہ میں دعائیں کرتی ہے۔

ویدک سنسکرت کی نسبت اصل حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک مردہ زبان ہے چونکہ اب وہ بولی نہیں جاتی تو نادان لوگوں نے سمجھ لیا کہ گویا وہ پریشتر کی زبان ہے در نہ ہر ایک عقل سلیم سمجھ سکتی ہے کہ چونکہ خدا سب شکتی مان ہے اور قادر مطلق اور عالم الغیب ہے اس لئے ضروری ہے کہ ہر ایک زبان کا اس کو علم ہو اور ہر ایک زبان کے بولنے پر وہ قادر ہو اور اگر وہ ہر ایک زبان کے بولنے پر قادر تو ہے مگر اس کو بولنا اپنی شان کے برخلاف سمجھتا ہے تو ان زبانوں میں لوگوں کی دعائیں کیوں سناتا ہے کیا اس میں اس کی کسر شان نہیں؟ اس میں بھی یہ شرط لگا دینی چاہئے کہ دعائیں سنائی جائے گی کہ جب اُسی زبان میں جو پریشتر کی زبان ہے لوگ دعا کریں اور بغیر اس کے ہرگز ہرگز پریشتر کسی کی دعا کو نہیں سنئے گا تعجب کہ ان لوگوں کی عقل کیسی مادی گئی ہے کہ پریشتر کے لئے ایک خاص زبان چھیڑتے ہیں گویا جیسا کہ ہر ایک قوم کی الگ زبان ہے ایسا ہی پریشتر کی بھی ایک الگ زبان ہے حالانکہ جیسا کہ خدا تعالیٰ انسانوں کا پیدا کرنے والا ہے ایسا ہی ان کی زبانوں کا بھی وہی پیدا کرنے والا ہے اور نہیں کہہ سکتے کہ وہ ان کی زبانوں سے بے خبر ہے یا ان میں بولنے پر قادر نہیں اور کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ پریشتر کو دوسری زبانوں میں الہام کرنے سے کیوں نفرت اور بیزاری ہے اور یہ عجیب بات ہے کہ وہ دوسری زبانوں میں دعا کو سن تو لیتا ہے مگر بول نہیں سکتا۔

علاوہ اس کے ہم نے ایک بڑی عمیق تحقیق سے ثابت کیا ہے کہ جس قدر دنیا میں زبانیں ہیں ان سب کی ماں عربی ہے اور اس وقت ہم طول کے اندیشہ کی وجہ سے اس بارے میں

کچھ لکھنا نہیں چاہتے لیکن پھر کسی آریہ کی تحریک سے ہم انشاء اللہ اس بارے میں ایک مفصل مضمون تحریر کریں گے۔

مضمون پڑھنے والے نے الہامی کتاب کی ایک یہ بھی نشانی لکھی ہے کہ اس میں کوئی قصہ درج نہ ہو مگر معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کے ہوش و حواس قائم نہیں ہیں جو کچھ بیان کرتا ہے وہ صرف دعویٰ ہی ہوتا ہے ورنہ صاف ظاہر ہے کہ خدا جو عالم غیب اور جہیم اور مہر چشمہ تمام علوم ہے اس کی مر بیانہ عادات میں یہ بھی داخل ہے کہ مت آخرین کو متقدمین کے اخلاق اور عادات سے اطلاع دیتا ہے اور یہ جتنا تا ہے کہ پہلے اسکی ایسے ایسے صادق و فادار مومن گذر چکے ہیں جنہوں نے شہادت اور مصائب پر صبر کیا اور بڑے بڑے امتحانوں میں پڑ کر پورے نکلے اور انہوں نے خدا کی راہ میں آگے سے آگے قدم رکھا اور خدا نے اُن کی وفاداری کو دیکھ کر اُن پر بڑے بڑے فضل کئے اور ہر ایک امر میں اُن کو کامیابی بخشی اور اپنے برگزیدہ بندوں میں اُن کو داخل کیا اور ان کے مقابل پر ایک اور لوگ بھی گذرے ہیں جو خدا سے برگشتہ رہے اور دلیری سے ہر ایک قسم کے گناہ کئے اور خدا کے بندوں کو دکھ دئے اور آخر وہ پکڑے گئے اور عذاب شدید میں مبتلا ہوئے۔ اور ایسے قصوں کے لکھنے سے خدا تعالیٰ کا یہ مقصود ہوتا ہے کہ تا لوگ اس راہ سے بھی متنبہ ہوں اور بدی کو چھوڑیں اور نیک نمونہ اختیار کریں اب کوئی عقلمند سوچے کہ ایسے قصے بیان کرنے کیوں حرام ہو گئے تھے جن میں انسانوں کے لئے ایک صریح فائدہ مقصود ہے۔ انسان کی فطرت میں یہ داخل ہے کہ اچھے اور نیک آدمیوں کے قصے سُن کر جنہوں نے خدا کی راہ میں بڑی بڑی وفاداری دکھلائی اور اس وفاداری کے بڑے بڑے اجر پائے ان کاموں کے کرنے کیلئے اس کے دل میں رغبت پیدا ہوتی ہے اور ایسے آدمیوں کے قصے سُن کر جو اپنے شامت اعمال

حاشیہ خواہاں ایک صاحب جو ایک بزرگ آدمی تھے وید کی نسبت ان الفاظ سے لکھتے ہیں کہ تیار دل

وید کہانی یعنی چاروں وید محض کہانیاں ہیں ان میں کوئی حقیقت اور مضمون نہیں

سے سزا یاب ہوئے ایسے کاموں کے کرنے سے دل میں خوف پیدا ہو جاتا ہے کہ مبادا ہم بھی پکڑے جائیں۔ سو ترغیب اور ترہیب کے لئے یہ ایک طریق ہے جس طریق سے انسانی فطرت ہمیشہ متاثر ہوتی چلی آتی ہے سو خدا تعالیٰ کی کامل کتاب کی یہی نشانی ہے جو فاسقوں کو حق پر قائم کرنے کے لئے کسی موثر طریق کو اٹھانہ رکھے اور ہر ایک طریق کو بیان کر دے سو قرآن شریف نے ان تمام طریقوں کو استعمال کیا تاہل کھول کھول کر سُنا دیا کہ اچھے کام یہ ہیں اور بُرے کام یہ ہیں اور پھر اچھے کاموں کے نتیجے اور بُرے کاموں کے نتیجے کھول کر بتلائے اور پھر ان امور کے بارے میں ان لوگوں کے حالات سُنا دئے جو پہلے زمانوں میں گند چکے ہیں اور ظاہر ہے کہ نیک اعمال اور نیک اخلاق کی طرف مائل ہونے اور بد طریق کو ترک کرنے کے لئے قصوں کو بڑا دخل ہے یہاں تک کہ نادل پڑھنے والے بھی ان فرہنی اور مصنوعی قصوں سے متاثر ہو جاتے ہیں اور درحقیقت اصلاح چلن اور تبدیل اخلاق کے لئے یہ ایک علمی ذریعہ ہے کہ جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے اس ذریعہ سے لوگ فائدہ اٹھاتے رہے ہیں اور اب بھی اٹھاتے ہیں۔ مگر ہم آدمیوں کے موجودہ دید کی نسبت کیا کہیں اور کیا لکھیں کہ وہ اس علمی ذریعہ کا بھی دشمن ہے

ماسوا اس کے قرآن شریف میں جس قدر قصے بیان کئے گئے ہیں ان کی تحریر سے صحت یہی غرض نہیں کہ گذشتہ لوگوں کے نیک کام اور بد کام پریش کر کے ان کا انجام سُنا دیا جادے تا وہ رغبت یا عبرت کا ذریعہ ہوں بلکہ یہ بھی غرض ہے کہ ان تمام قصوں کو پیش گوئی کے رنگ میں بیان کیا گیا ہے اور بتلایا گیا ہے کہ اس زمانہ میں بھی ظالم اور شریر لوگوں کا انجام گار ایسی ہی سزائیں ملیں گی جیسی پہلے شریر لوگوں کو ملی تھیں اور صادقوں اور راستبازوں کی ایسی فتح ہوگی جیسا کہ پہلے زمانوں میں ہوئی تھی۔ مجھے تعجب ہے کہ مضمون پڑھنے والے نے ایسی یہودہ اور باطل نشانی الہامی کتاب کی لکھ کر کیوں دید کی پردہ دری کر لی اور کیوں عقلمندوں کو وید پر ہنسنے کا موقعہ دیا۔ اور اس بات کو کون نہیں جانتا کہ وید میں قصے بھی موجود ہیں کیا

کو سیکارشی کا قصہ دید میں موجود نہیں؟ ایسا ہی اور کئی قصے ہیں جو روگید کی شدتوں میں ان کی طرف اشارات پائے جلتے ہیں۔ درحقیقت یہ لوگ تاوان دوست کے حکم میں ہیں کہ اپنی طرف سے الہامی کتاب کے لئے یہودہ شرطیں لگا کر دید کے منہ پر سیاہی کا دھبہ لگاتے ہیں۔ خود تاریخ کو ایک علمی ذریعہ سمجھا گیا ہے پھر ایسے قصے کیوں قابل اعتراض ہیں جن کے ذکر سے نہ صرف تاریخی امور معلوم ہوتے ہیں بلکہ وہ قصے عمدہ عمدہ مثالوں اور نظیروں کو پیش کر کے نیکی اور صلاحیت کی طرف کھینچتے ہیں اور بددول اور بدکاروں کا انجام ذکر کے بدی سے روکتے ہیں گویا وہ ایک بھاری فوج ہے جو دلوں کو فتح کرتی ہے اور کمزوری کو دور کرتی اور نیک کاموں کے لئے قوت دیتی ہے۔

مفسرین پڑھنے والے نے الہامی کتاب کی ایک یہ نشانی لکھی ہے کہ وہ کتاب تمام دینی علوم کا سرچشمہ ہو۔ اس کی اس تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت وہ دہرہ بردہ دید کا سخت مخالف ہے کیونکہ ایسی باتیں کرتا ہے جو دید میں پائی نہیں جاتیں نبوی امور کے بارے میں تو ذکر کرنا ہی فضول ہے کیونکہ آدمیوں میں سے جس قدر لوگوں نے حال کی نئی سائنس اور ہیئت کو پڑھا ہے وہ اپنے دل میں خوب جانتے ہوں گے کہ اس ترقی علوم کے زمانہ میں طبعی اور ہیئت کے علوم میں انواع و اقسام کے تجارب کے ذریعہ سے دہرہ بردہ کھلے ہیں جو نہ دید کو معلوم تھے اور نہ دید کے رشیوں کو بلکہ دید کو علوم دنیوی سے کچھ بھی علاقہ نہیں اور وہ اس چشمیانہ زمانہ کی کتاب ہے جبکہ ان علوم سے لوگ محض نا آشنا تھے یہاں تک کہ ان کو یہ بھی توفیق نہ ہوئی کہ اپنے خالق اور مالک کو شناخت کر سکیں اور نہ صرف اس قدر بلکہ انسانی طبابت اور تہذیب سے بھی بالکل بے بہرہ تھے چنانچہ نیوٹن کا عقیدہ ظاہر کر رہا ہے کہ جیسا کہ جنگلوں کے دندہ چرند وغیرہ بغیر قید و کار کے نہ مادہ باہم مل جاتے ہیں یہی طریق اس زمانہ میں تاریخیوں کا تھا بلکہ حیوانات سے بدتر کیونکہ حیوانات کو تو خدا نے عقل نہیں دی اور وہ معذور ہیں مگر یہ لوگ باوجود عقل رکھنے کے حیوانات سے بھی بڑھ گئے ان کے مذہب

میں ایک کی بیاہتا بیوی دوسرے سے ہمبستر ہو جاتی ہے اس سے زیادہ تر وحشیانہ حالت کی اور کوئی نظیر ہو سکتی ہے مگر جب انسان میں شرم اور حیا نہیں رہتی تو وہ ناپاک کی کو بھی ایک پاک طریق سمجھ لیتا ہے۔ اور ذیوی علوم کے ذکر کرنے کے وقت یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ یہ لوگ تاریخ کے نہایت کچھے ہیں اور اسلامی زمانہ تک تو ان کی تاریخ کا کچھ تھوڑا سا پتہ لگتا ہے مگر پھر جب اسلامی زمانہ سے اوپر چڑھیں تو ان کے تاریخی حالات میں تاریخی شروع ہو جاتی ہے اور پھر اگر ہزار برس تک آگے چلے جائیں تو ایسی تاریخی معلوم ہوتی ہے کہ بجز شاعرانہ کی گپ اور لاف و گراف کے اور کسی صحیح تاریخ کا پتہ نہیں لگتا۔ اور یہ بات نہ صرف ہم کہتے ہیں بلکہ جس قدر دنیا کے عقل مندوں نے ان کے تاریخی حالات پر غور کیا ہے سب کی بالاتفاق یہی رائے ہے۔

ابھی یہ بات کہ وید و روحانی علوم کا سرچشمہ ہے یہ حقیقت تو ہمیں اس دن سے معلوم ہے جب کہ ستیا رتھ پر کاش میں ہم نے یہ پڑھا تھا کہ وید نے اپنا روحانی علم یہ ظاہر کیا ہے کہ روحیں بدنوں سے نکل کر پھر شبنم کی طرح کسی گھاس پات پر پڑتی ہیں۔ سو جس وید کے روحانی علموں کا یہ غور نہ ہے وہ کیوں نہ سرچشمہ علوم ہو عقلمند انسان تو ایک نقطہ سے تمام حالات معلوم کر سکتا ہے روحوں کا مخلوق ہونا کروڑا مشاہدات سے ثابت ہے مگر وید کہتا ہے کہ مخلوق نہیں اور خدا تعالیٰ کی طرح وہ قدیم سے خود بخود ہیں۔ پس ایک طرف تو وید اپنے پر مشر کو خالق ہونے سے جواب دیتا ہے اور دوسری طرف امر مشہود و محسوس کا انکار کرتا ہے یہ اس کا فلسفہ ہے اور یہ روحانی علوم ہیں۔ مگر قرآن شریف کہتا ہے کہ روحیں اندادی اور غیر مخلوق نہیں اور دونوں فصول کی ایک خاص ترکیب سے وہ پیدا ہوتی ہیں اور یا دوسرے کیرٹوں کو ٹڈوں میں ایک ہی مادہ سے پیدا ہو جاتی ہیں اور یہی سچ ہے کیونکہ مشاہدہ اس پر گواہی دیتا ہے جس کے ماننے کے بغیر چارہ نہیں اور امر محسوس مشہودہ سے انکار کرنا امر جمہالت ہے اور جسم کہتے ہیں کہ روح نیست سے ہست ہوتا ہے تو اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اول وہ کچھ

بھی نہیں تھا بلکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ اس کے لئے کوئی ایسا مادہ نہیں تھا کہ انسان اپنی قوت سے اس میں سے رُوح نکال سکتا اور اس کی پیدائش صرف اس طور سے ہے کہ محض الہی قوت اور حکمت اور قدرت کسی مادہ میں سے اس کو پیدا کر دیتی ہے اسی واسطے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ رُوح کیا چیز ہے تو خدا نے فرمایا کہ تو ان کو جواب دے کہ رُوح میرے رب کے امر میں سے ہے اس بارے میں آیت قرآنی یہ ہے کہ ۱۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا

یعنی یہ لوگ پوچھتے ہیں کہ رُوح کیا چیز ہے اور کیونکر پیدا ہوتی ہے۔ ان کو جواب دے کہ رُوح میرے رب کے امر سے پیدا ہوتی ہے یعنی وہ ایک ملائکہ قدرت ہے اور تم لوگ رُوح کے بارے میں کچھ علم نہیں رکھتے مگر تھوڑا سا یعنی صرف اس قدر کہ تم رُوح کو پیدا ہوتے دیکھ سکتے ہو اس سے زیادہ نہیں جیسا کہ ہم بحکم خود دیکھ سکتے ہیں کہ ہماری آنکھ کے سامنے کسی مادہ میں سے کیڑے کوڑے پیدا ہو جاتے ہیں۔

اور انسانی رُوح کے پیدا ہونے کے لئے خدا تعالیٰ کا قانون قدرت یہ ہے کہ دو نطفوں کے ملنے کے بعد جب آہستہ آہستہ قالب تیار ہو جاتا ہے تو جیسے چند اودیہ کے ملنے سے اُس مجموعہ میں ایک خاص مزاج پیدا ہو جاتی ہے کہ جو ان دواؤں میں فرد فرد کے طبع پر پیدا نہیں ہوتی اسی طرح اُس قالب میں جو نطفوں اور دو نطفوں کا مجموعہ ہے ایک خاص جوہر پیدا ہو جاتا ہے اور وہ ایک فاسفس کے رنگ میں ہوتا ہے اور جب تجلی الہی کی ہوا اُن کے امر کے ساتھ اس پر چلتی ہے تو یکدم وہ آفرختہ ہو کر اپنی تاثیر اس قالب کے تمام حصوں میں پھیلا دیتا ہے تب وہ جنین زندہ ہو جاتا ہے پس یہی آفرختہ چیز جو جنین کے اندر تجلی ربی سے پیدا ہو جاتی ہے اُسی کا نام رُوح ہے اور وہی کلمہ اللہ ہے اور اس کو امر ربی سے اس لئے کہا جاتا ہے کہ جیسے ایک حاملہ عورت کی طبیعت مدبرہ بحکم قادر مطلق تمام اعضا کو پیدا کرتی ہے اور ملکوت کے جانے کی طرح قالب کو بناتی ہے اس رُوح میں اس طبیعت مدبرہ کو کچھ دخل نہیں بلکہ رُوح محض خاص تجلی الہی سے پیدا

ہوتی ہے اور گو رُوح کا فاسفرس اس مادہ سے ہی پیدا ہوتا ہے مگر وہ روحانی آگ جس کا نام رُوح ہے وہ بجز مٹی نسیم آسمانی کے پیدا نہیں ہو سکتی۔ یہ سچا علم ہے جو قرآن شریف نے ہمیں بتلایا ہے تمام فلاسفوں کی عقلیں اس علم تک پہنچنے سے بیکار ہیں اور دید بھی بید بے ثمر کی طرح اس علم سے محروم رہا وہ قرآن شریف ہی ہے جو اس علم کو زمین پر لایا سو اس طور سے ہم کہتے ہیں کہ رُوح نیست سے ہست ہوتی ہے یا عدم سے وجود کا پیرا یہ ہنستی ہے۔ یہ نہیں ہم کہتے کہ عدم محض سے رُوح کی پیدائش ہوتی ہے کیونکہ تمام کارخانہ پیدائش سلسلہ حکمت اور علل معلولات سے وابستہ ہے۔

اور یہ کہنا کہ اگر رُوح مخلوق ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ فنا بھی ہو جائے تو اس کا جواب یہ ہے کہ رُوح بیشک فنا پذیر ہے اس پر دلیل یہ ہے کہ جو چیز اپنی صفات کو چھوڑتی ہے اس حالت میں اس کو فانی کہا جاتا ہے اگر کسی دوا کی تاثیر بالکل باطل ہو جائے تو اس حالت میں ہم کہیں گے کہ وہ دوا مرگئی۔ ایسا ہی رُوح میں یہ امر ثابت ہے کہ بعض حالات میں وہ اپنی صفات کو چھوڑ دیتی ہے بلکہ اس پر جسم بھی زیادہ تغیرات وارد ہوتے ہیں انہیں تغیرات کے وقت کہ جب وہ رُوح کو اس کی صفات سے جدا ڈال دیتی ہیں کہا جاتا ہے کہ رُوح مرگئی کیونکہ موت اسی بات کا نام ہے کہ ایک چیز اپنی لازمی صفات کو چھوڑ دیتی ہے تب کہا جاتا ہے کہ وہ چیز مرگئی اور یہی بعید ہے کہ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں فقط انہیں انسانی رُوحوں کو بعد وفات دنیا زندہ قرار دیا ہے جن میں وہ صفات موجود تھے جو اصل غرض اور علت غائیہ کی پیدائش کی تھی یعنی خدائے تعالیٰ کی کامل محبت اور اس کی کامل اطاعت جو انسانی نفع کی جان ہے اور جب کوئی نفع خدا کی محبت سے پر ہو کر اور اس کی راہ میں قربان ہو کر دنیا سے جلتی ہے تو اسی کو زندہ رُوح کہا جاتا ہے باقی سب مردہ رُوحیں ہوتی ہیں۔ غرض رُوح کا اپنی صفات سے الگ ہونا ہی اس کی موت ہے چنانچہ حالت خواب میں بھی جب جسم انسانی مرتا ہے تو رُوح بھی ساتھ ہی مرتا ہے یعنی اپنی صفات موجودہ کو جو بیداری کی حالت میں تھیں چھوڑ دیتی ہے اور ایک قسم کی موت اس پر وارد ہو جاتی ہے کیونکہ خواب میں وہ صفت اس میں باقی نہیں رہتی جو بیداری میں اس کو حاصل ہوتی ہیں۔



سو یہ بھی ایک قسم موت کی ہے کیونکہ جو چیز اپنی صفات سے الگ ہو جائے اس کو زندہ نہیں کہہ سکتے۔ اکثر لوگ موت کے لفظ پر بہت دھوکہ کھاتے ہیں موت صرف معدوم ہونے کا نام نہیں بلکہ اپنی صفات سے معطل ہونے کا نام بھی موت ہے ورنہ جسم جو مر جاتا ہے بہر حال مٹی اُس کی تو موجود رہتی ہے اسی طرح رُوح کی موت سے بھی یہی مراد ہے کہ وہ اپنی صفات سے معطل کی جاتی ہے جیسا کہ عالم خواب میں دیکھا جاتا ہے کہ جیسے جسم اپنے کاموں سے بیکار ہو جاتا ہے ایسا ہی رُوح بھی اپنی اُن صفات سے جو بیداری میں رکھتے تھے مٹا معطل ہو جاتی ہے مثلاً ایک زندہ کی رُوح کسی میت سے خواب میں ملاقات کرتی ہے اور نہیں جانتی کہ وہ میت ہے اور سونے کے ساتھ ہی بکلی اس دُنیا کو بھول جاتی ہے اور پہلا چولہا اُتاد کر نیا چولہا پہن لیتی ہے اور تمام علوم جو رکھتی تھی سب کے سب بیکار کی خاموشی کر دیتی ہے اور کچھ بھی اس دُنیا کا یاد نہیں رکھتی پھر اس صورت کے کہ خدا یاد دلادے اور اپنے تصرفات سے بکلی معطل ہو جاتی ہے اور پھر جمع خدا کے گھر میں جا پہنچتی ہے اور اس وقت تمام حرکات اور کلمات اور جذبات اس کے خدا تعالیٰ کے تصرفات کے نیچے ہوتے ہیں اور اس طور سے خدا تعالیٰ کے تصرفات کے نیچے وہ مغلوب ہوتی ہے کہ نہیں کہہ سکتے کہ جو کچھ اسلام خواب میں کرتی یا کہتی یا سُنتی یا حرکت کرتی ہے وہ اپنے اختیار سے کرتی ہے بلکہ تمام اختیاری قوت اس کی مغلوب ہو جاتی ہے اور کامل طور پر موت کے آثار اس پر ظاہر ہو جاتے ہیں جو جس قدر جسم پر موت آتی ہے اس سے بڑھ کر رُوح پر موت وارہ ہو جاتی ہے مجھے ایسے لوگوں سے سخت تعجب آتا ہے کہ وہ اپنی حالت خواب پر بھی غور نہیں کرتے اور نہیں سوچتے کہ اگر رُوح موت سے مستثنیٰ رکھی جاتی تو وہ ضرور عالم خواب میں بھی مستثنیٰ رہتی ہمارے لئے خواب کا عالم موت کے عالم کی کیفیت سمجھنے کیلئے ایک آئینہ کے حکم میں ہے جو شخص رُوح کے بارے میں کبھی معرفت حاصل کرنا چاہتا ہے اس کو چاہئے کہ خواب کے عالم پر بہت غور کرے کہ ہر ایک پوشیدہ راز موت کا خواب کے ذریعے کھل سکتا ہے مگر تم عالم خواب کے سراپ پر جیسا کہ چاہتے تو جب

کہو گے اور جس طور سے عالم خواب میں رُوح پر ایک موت وارد ہوتی ہے اور اپنے علوم اور صفات سے وہ الگ ہو جاتی ہے اس طور پر نظر تدبر ڈالو گے تو تمہیں یقین ہو جائے گا کہ موت کا معاملہ خواب کے معاملہ سے ملتا جلتا ہے پس یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ رُوح مفارقت بدن کے بعد اسی حالت پر قائم رہتی ہے جو دنیا میں وہ رکھتی تھی بلکہ خدا تعالیٰ کے حکم سے ایسی ہی موت اس پر وارد ہو جاتی ہے جیسا کہ خواب کی حالت میں وارد ہوئی تھی بلکہ وہ حالت اس سے بہت زیادہ ہوتی ہے اور ہر ایک صفت اس کی نیستی کی جگہ کے اندر مبیہ جاتی ہے اور وہی رُوح کی موت ہوتی ہے اور پھر جو لوگ زندہ ہونے کے کام کرتے تھے وہی زندہ کئے جاتے ہیں کسی رُوح کی مجال نہیں کہ آپ زندہ رہ سکے کیا تم اختیار رکھتے ہو کہ نیند کی حالت میں تم اپنے ان صفات اور حالات اور علوم کو اپنے قبضہ میں رکھ سکو جو بیداری میں تم کو حاصل ہیں؟ نہیں بلکہ آنکھ بند کرنے کے ساتھ ہی رُوح کی حالت بدل جاتی ہے اور ایک ایسی نیستی اس پر وارد ہوتی ہے کہ تمام کارخانہ اس کی ہستی کا الٹ پلٹ ہو جاتا ہے چنانچہ خدا تعالیٰ رُوح کی موت کے بارے میں قرآن شریف میں فرماتا ہے :-

اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنفُسَ حَيَّتٍ مَّوْتَهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَمَاتِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَىٰ عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْأُخْرَىٰ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ - الجنہ ۴۲ سورۃ الزمر -

(ترجمہ) خدا جانوں کو جب ان کی موت کا وقت آتا ہے اپنے قبضہ میں کر لیتا ہے یعنی وہ جانیں بے خود ہو کر الہی تعریف اور قبضہ میں اپنی موت کے وقت آجاتی ہیں اور زندگی کی خود اختیاری اور خود شناسی ان سے جاتی نہ رہتی ہے اور موت ان پر وارد ہو جاتی ہے یعنی جگہ وہ رُوحیں نیست کی طرح ہو جاتی ہیں اور صفات حیات نائل ہو جاتی ہیں اور ایسی رُوح جو دراصل مرقی نہیں مگر مرنے کے مشابہ ہوتی ہے وہ رُوح کی وہ حالت ہے کہ جب انسان سوتا ہے تب وہ حالت پیدا ہوتی ہے اور ایسی حالت میں بھی رُوح خدا تعالیٰ کے قبضہ اور تعریف میں آجاتی ہے اور

ایسا تغیر اس پر وارد ہو جاتا ہے کہ کچھ بھی اس کی ذنبوی شعور اور ادراک کی حالت اس کے اندر باقی نہیں رہتی۔ غرض موت اور خواب دونوں حالتوں میں خدا کا قبضہ اور تصرف رُوح پر ایسا ہو جاتا ہے کہ زندگی کی علامت جو خود اختیاری اور خود شناسی ہے بکلی جاتی رہتی ہے پھر خدا ایسی رُوح کو جس پر درحقیقت موت دلو ذکر دی ہے واپس جانے سے روک رکھتا ہے اور وہ رُوح جس پر اُس نے درحقیقت موت وارد نہیں کی اس کو پھر ایک مقررہ وقت تک دُنیائے کی طرف واپس کر دیتا ہے۔ اس ہمارے کاروبار میں ان لوگوں کے لئے نشان ہیں جو فکر اور سوچ کرنے والے ہیں۔ یہ ہے ترجمہ مودشرح آیت حمد و حمد بالا کا۔ اور یہ آیت موصوفہ بالادلالہ کہ رہی ہے کہ جیسی جسم پر موت ہے روحوں پر بھی موت ہے لیکن قرآن شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ ایسا رُوح اور اختیار اور برتری کی روحیں چند روز کے بعد پھر زندہ کی جاتی ہیں کئی تین دن کے بعد کئی ہفتہ کے بعد کئی چالیس دن کے بعد۔ اور یہ حیات ثانی نہایت آرام اور آسائش اور لذت کی اُن کو ملتی ہے یہی حیات ہے جس کو حاصل کرنے کے لئے نیک بندے اپنی پوری قوت اور پوری کوشش اور پورے صدق و صفائے ساتھ خدا تعالیٰ کی طرف جھکتے ہیں اور نفسانی تاریکیوں سے باہر آنے کے لئے پورا زور لگاتے ہیں اور خدا کی رضا جوئی کے لئے تلخ زندگی اختیار کرتے ہیں گویا مرہی جاتے ہیں۔ غرض جیسا کہ آیت موصوفہ بالا بیان فرما رہی ہے رُوح کو بھی موت ہے جیسا کہ جسم کو اگرچہ اس عالم کی نہایت مخفی کیفیتیں اس تاریک دنیا میں ظاہر نہیں ہوتیں لیکن بلاشبہ عالم رؤیا یعنی خواب کا عالم اس عالم کے لئے ایک نمونہ ہے اور جو موت اس عالم میں صُبح پر وارد ہوتی ہے اس موت کا نمونہ عالم خواب میں بھی پایا جاتا ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ معاً کچھ بند ہونے کے ساتھ ہی ہماری رُوح کی تمام صفات الٹ پلٹ ہو جاتی ہیں اور اس بیداری کا تمام سلسلہ فراموش ہو جاتا ہے اور تمام رُوحانی صفات اور تمام علوم جو ہماری رُوح میں تھے کالعدم ہو جاتے ہیں اور حالت خواب میں وہ نظارے رُوح کے ہمارے پیش نظر آ جاتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اب وہ ہماری رُوح کچھ اور ہی ہے اور تمام صفات اس کے جو بیداری میں تھے

کھینٹے گئے ہیں اور یہ ایک ایسی حالت ہے جو موت سے مشابہ بلکہ ایک قسم کی موت ہے اور یہ قطعی اور یقینی دلیل اس بات پر ہے کہ وہ موت جو جسم کی موت کے ساتھ روح پر وارد ہوتی ہے وہ ایسی موت کے ساتھ مشابہ ہے جو غیب کی حالت میں روح پر وارد ہوتی ہے مگر وہ موت اس موت کی نسبت بہت بھاری ہے۔ ❦

خلاصہ کلام یہ ہے کہ دیدنے اس بارے میں دشمنی غلطی کی ہے کہ روحوں کو بھی خدا تعالیٰ کی طرح ازلی ابدی قرار دیا ہے پس اس شخص سے زیادہ تر نادان کون ہے کہ جو ایسے دیدوں کو جو سراسر غلطیوں سے بھرے ہوئے اور مخلوق کو خدا کے برابر ٹھہرا کر شرک کی تعلیم دیتے ہیں۔ سرچشمہ علوم ٹھہراتا ہے مگر قرآن شریف روحوں کو ازلی ابدی نہیں ٹھہراتا ہے اُن کو مخلوق بھی مانتا ہے اور قافی بھی۔ جیسا کہ روحوں کے مخلوق ہونے کے بارے میں صاف طور پر فرماتا ہے کہ **ثُمَّ أَنشَأْنَا لَهُ مَخْلُوقًا أُخْرَىٰ** یعنی جب قالب تیار ہو جاتا ہے تو اس کی تیاری کے بعد اُسی قالب میں سے ہم ایک نئی پیدائش کر دیتے ہیں یعنی روح۔ اور ایسا ہی قرآن شریف میں ایک اندازہ فرمایا **قُلِ الْمَرْحُومُونَ مِن قَبْلِكَ وَمَا يُوتُونَ ثُمَّ مِنَ الْعِلْمِ الْأَكْبَرِ لَا طَعْمَ لِرُوحٍ مِّمَّنْ** جبکہ اس کے اسرار سے پیدا ہوتی ہے اور تم کو اس کا بہت تھوڑا علم ہے اور کئی محل میں خدا تعالیٰ نے یہ بھی اشارہ فرمایا ہے کہ جس مادہ سے روح پیدا ہوتی ہے اسی مادہ کے موافق روحانی اخلاق ہوتے ہیں جیسا کہ تمام درندوں پرندوں پرندوں اور حشرات الارض پر غور کر کے یہی ثابت ہوتا ہے کہ جیسا کہ لفظ کا مادہ ہوتا ہے اسی کے مناسب حال روحانی اخلاق اس جالور کے ہوتے

❦ حالت خواب میں روحانی نظارے عجیب فریب ہوتے ہیں مثلاً کبھی انسان لیکچر کی طرح اپنے تئیں دکھاتا ہے اور بیداری کا یہ واقعہ کہ وہ حقیقت جو الٰہی ہے یا لفظ صلاہ انداز کی اولاد ہے انداز کی بیوری ہے بالکل فراموش کر دیتا ہے سو یہ تمام غلط ہے جو عالم خواب میں پیدا ہوتے ہیں صاف دلالت کرتے ہیں کہ روح خواب کی حالت میں اپنے حافظہ اور یادداشت اور اپنی بیداری کی صفات سے الگ ہو جاتی ہے اور یہی اس کی موت ہے۔ منہ  
حاشیہ: اس آیت کے منہ کوئی طور کے مفسرین نے کھنچ کر لیا ہے اور یہ معنی بھی الٰہی میں شامل ہیں۔ منہ

ہیں۔ غرض نجات ممدوحہ بالاسے رُوحوں کا مخلوق ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور ایک اور آیت بھی رُوحوں کا مخلوق ہونا ثابت کرتی ہے اور وہ یہ ہے **وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدْ سَمَا تَقْدِيرًا** البقرہ ۱۷۱ سورۃ الفرقان یعنی خدا وہ ہے جس نے ہر ایک چیز کو پیدا کیا اور کوئی چیز اس کی پیدائش سے باہر نہیں اور اُس نے پیدا کر کے ہر ایک کے جسم اور طاقتوں اور قوتوں اور خواص اور صورت اور شکل کو ایک حد کے اندر محدود کر دیا تا اس کا محدود ہونا محدود پر دلالت کرے جو ذات باری عز اسمہ ہے مگر آپ وہ غیر محدود ہے اس لئے اس کی نسبت سوال نہیں ہو سکتا کہ اس کا محدود کون ہے۔ غرض آیت ممدوحہ بالاسی خدا تعالیٰ نے صاف فرما دیا کہ ہر ایک چیز جو ظہور پذیر ہوئی ہے مع اپنی تمام قوتوں اور طاقتوں کے خدا کی پیدا کردہ ہے پس یہی کامل توحید ہے جو خدا تعالیٰ کو تمام فیوض کا سرچشمہ قرار دیتی ہے اور کوئی ایسی چیز قرار نہیں دیتی جو اس کی پیدا کردہ نہیں یا اسی کے بہارے سے جیتی نہیں۔

پھر دوسرا حصہ اس توحید کا یہ ہے کہ جیسا کہ کوئی چیز بجز خدا کے خود بخود موجود نہیں ایسا ہی ہر ایک چیز بجز خدا کے اپنی ذات میں خالی اور ہالک ہونے سے بری نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے **كُلُّ شَيْءٍ وَهْلٌ اِلَّا وَجْهَهُ** یعنی ہر ایک چیز محض ہاکت میں ہے اور مرنے والی ہے بجز خدا کی ذات کے کہ وہ موت سے پاک ہے اور اسی طرح ایک اور آیت میں فرمایا **كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ** یعنی ہر ایک جو زمین پر ہے اترے گا پس جیسا کہ خدا نے اس آیت میں کہ **وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ** ہے لفظ کُل کے ساتھ جو احاطہ تاتر کے لئے لیا ہے ہر ایک چیز کو جو اسکے سوا ہے مخلوق میں داخل کر دیا۔ ایسا ہی اس لفظ کُل کے ساتھ اس آیت میں جو **كُلُّ شَيْءٍ وَهْلٌ اِلَّا وَجْهَهُ** ہے اور نیز اس آیت میں کہ **كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ** ہے ہر ایک چیز کے لئے بجز اپنی ذات کے موت ضروری ٹھہرا دی۔ پس جیسا کہ جسمی ترکیب میں انحلال ہو کر جسم پر موت آتی ہے ایسا ہی رُوحانی صفات میں تغیرات پیدا ہو کر رُوح پر موت آجاتی ہے مگر جو لوگ دہم اللہ میں محو ہو کر مرتے ہیں وہ باعث اس اتصال کے جو ان کو حضرت عزت سے

ہو جاتا ہے دوبارہ زندہ کئے جاتے ہیں اور ان کی زندگی خدا کی زندگی کا ایک ظل ہوتا ہے اور پلید روحوں میں بھی عذاب دینے کے لئے ایک حس پیدا کی جاتی ہے مگر وہ نہ مردوں میں داخل ہوتے ہیں نہ زندوں میں جیسا کہ ایک شخص جب سخت درد میں مبتلا ہوتا ہے تو وہ بدحواسی کی زندگی اس کے لئے موت کے برابر ہوتی ہے اور زمینِ آسمان اس کی نظر میں تاریک دکھائی دیتے ہیں انہیں کے بارے میں خدا تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے **اِنَّهُ مِنْ تَآتِیَاتِ مَّجْرِمًا قَانَ لَهٗ جَهَنَّمُ لَا یَمُوتُ فِیْہَا وَ لَا یَحْیٰی** یعنی جو شخص اپنے رب کے پاس مجرم ہو کر آئے گا اس کے لئے جہنم ہے وہ اس جہنم میں نہ مرے گا اور نہ زندہ رہے گا اور خود انسان جب کو اپنے نفس میں خود کو رہے کہ کیونکر اس کی روح پر بیداری اور خواب میں تغیر آتے رہتے ہیں تو بالضرور اس کو ماننا پڑتا ہے کہ جسم کی طرح روح بھی تغیر پذیر ہے اور موت صرف تغیر اور سلب صفات کا نام ہے ورنہ جسم کے تغیر کے بعد بھی جسم کی مٹی تو بدستور رہتی ہے لیکن اس تغیر کی وجہ سے جسم پر موت کا لفظ اطلاق کیا جاتا ہے۔ اسی کی طرف اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں اشارہ فرماتا ہے جیسا کہ وہ کہتا ہے **وَرَفِیْ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تَبْصُرُوْنَ** یعنی کیا تم اپنی جانوں میں غور نہیں کرتے۔ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ انسانی روح میں بڑے بڑے عجیب و غریب خواص اور تغیرات دیکھے گئے ہیں کہ وہ جسم میں نہیں اور روحوں پر غور کر کے جلد تو انسان اپنے رب کی شناخت کر سکتا ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں بھی ہے کہ **مَنْ عَرَفَتْ اَنْفُسَهُ فَقَدْ عَرَفَتْ رَبَّہٗ** یعنی جس نے

جس قدر تغیرات جسم پر آتے ہیں انسان زیادہ تر ان سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا کیونکہ جسمانی چیزیں جلد تو بے وقعت ہیں داخل ہو جاتی ہیں لیکن روح کے تغیرات خاص کر مجاہدات کے وقت میں اور علم کشف کی حالتیں ایسی عجیب ہیں کہ انسان کو گویا خدا تعالیٰ کا چہرہ دکھا دیتی ہیں اور معرفت کی منازل کو طے کرنے والے ہر ایک اپنے مرتبہ ترقی کے وقت محسوس کرتے ہیں کہ ان کی پہلی حالت روح کی گویا ایک موت تھی اور جو دوسری حالت میں مریح کو علم اور ادراک کا حصہ نصیب ہوا وہ پہلی حالت میں ہرگز نہ تھا بلکہ ظاہری علوم کی تحصیل کرنے والے بھی اس بات کے قائل ہو سکتے ہیں کہ روح بچپن کی حالت میں کس نیند میں غرق تھی اور جب اس کو صحتِ علم سے حیران کیا تو کیسی نئی روشنی اس کے اندر آگئی۔ منہ

اپنے نفس کو شناخت کر لیا اُس نے اپنے رب کو شناخت کر لیا پھر ایک اور جگہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَلْكَسْتُ بِرَبِّكَ طَقَالُوْا بَلٰی یعنی میں نے رُوحوں کو پوچھا کہ کیا میں تمہارا پیدا کرنے والا نہیں تو تمام رُوحوں نے یہی جواب دیا کہ کیوں نہیں۔ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ رُوحوں کی فطرت میں ہی نقش اور مودہ ہے کہ وہ اپنے پیدا کنندہ کی قائل ہیں اور پھر بعض انسان غفلت کی تاریکی میں پڑ کر اور پیدہ تعلیموں سے متاثر ہو کر کوئی دہریہ بن جاتا ہے اور کوئی آریہ اور اپنی فطرت کے مخالف اپنے پیدا کنندہ سے انکار کرنے لگتے ہیں ظاہر ہے کہ ہر شخص اپنے باپ اور ماں کی محبت رکھتا ہے یہاں تک کہ بعض بچے ماں کے مرنے کے بعد مرجاتے ہیں پھر اگر انسانی رُوحیں خدا کے ہاتھ سے نہیں نکلیں اور اس کی پیدا کردہ نہیں تو خدا کی محبت کا ٹک کس نے اُن کی فطرت پر چھڑک دیا ہے اور کیوں انسان جب اُس کی آنکھ کھلتی ہے اور پردہ غفلت دُور ہوتا ہے تو دل اُس کا خدا کی طرف کھینچا جاتا ہے اور محبت الہی کا دریا اس کے صحنِ سینہ میں بہنے لگتا ہے آخر اُن رُوحوں کا خدا سے کوئی رشتہ تو ہوتا ہے جو اُن کو محبت الہی میں دیوانہ کی طرح بنا دیتا ہے وہ خدا کی محبت میں ایسے کھوئے جاتے ہیں کہ تمام چیزیں اس کی راہ میں قربانی کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں یہ سب کہ وہ عجیب تعلق ہے ایسا تعلق نہاں کا ہوتا ہے نہ باپ کا۔ پس اگر بقول اُدیوں کے رُوحیں خود بخود ہیں تو یہ تعلق کیوں پیدا ہو گیا اور کس نے یہ محبت اور عشق کی قوتیں خدا تعالیٰ کے ساتھ رُوحوں میں رکھ دیں یہ مقام سوچنے کا مقام ہے اور یہی مقام ایک سچی معرفت کی کنج ہے

یہ بھی طبعی حقیقتوں سے ثابت ہے کہ تین سال تک انسان کا پہلا جسم تحلیل پا جاتا ہے اور اُس کے قائم مقام دوسرا جسم پیدا ہو جاتا ہے اور یہ یقینی امر ہے جیسا کہ دیکھا جاتا ہے کہ جب انسان کسی بیماری کی وجہ سے نہایت درجہ لاغر ہو جاتا ہے یہاں تک کہ ایک مُشتِ استخوان رہ جاتا ہے تو صحت یابی کے بعد آہستہ آہستہ پھر وہ ویسا ہی جسم تیار ہو جاتا ہے۔ سو اس طرح ہمیشہ پہلے اجزا جسم کے تحلیل پاتے جاتے ہیں اور دوسرے اجزا اُنکی جگہ لیتے ہیں۔ پس جسم پر گویا ہر آن ایک مُرت ہے اور

ایک حیات، ایسا ہی جسم کی طرح روح پر بھی تغیرات وارد ہوتے رہتے ہیں اور اس پر بھی ہر آن ایک موت اور ایک حیات ہے۔ مرنے پر فرق ہے کہ جسم کے تغیرات ظاہر اور کھلے کھلے ہیں مگر حیات کے روح مخفی ہے ایسا ہی اس کے تغیرات بھی مخفی ہیں اور روح کے تغیرات غیر متناہی ہیں جیسا کہ قرآن شریف سے ظاہر ہے کہ روح کے تغیرات غیر محدود ہیں یہاں تک کہ بہشت میں بھی وہ تغیرات ہوں گے مگر وہ تغیرات رو بہ ترقی ہوں گے اور روحیں اپنی روحانی صفات میں آگے کو آگے بڑھتی جائیں گی اور پہلی حالت سے دوسری حالت ایسی دور اور بلند تر ہو جائے گی گویا پہلی حالت بہ نسبت دوسری حالت کے موت کے مشابہ ہوگی۔

اوپر مذہب کے لوگ یہ بھی روحوں کے انادی ہونے پر ایک دلیل پیش کرتے ہیں کہ ہمیشہ قدیم ہے اور اس کی صفات بھی قدیم ہیں اور روحوں کے حادث ماننے سے ہمیشہ کے صفات کا بھی حادث ہونا لازم آتا ہے اس لئے ماننا پڑا کہ روحیں حادث نہیں ہیں۔ مگر معلوم نہیں کہ یہ لوگ کس قدر جہالت میں غرق ہیں کہ منہ سے تو کچھ نکلتا ہے اور عقیدہ کچھ اندر ہوتا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ جس حالت میں روحیں ان کے نزدیک ہمیشہ کی پیدا کردہ نہیں اور قدیم سے خود بخود اند پر ہمیشہ کی طرح انی اور انادی ہیں اور ہمیشہ کا تھان کو کچھ بھی نہیں گیا تو ہمیشہ کی صفات سے ان کو کیا تعلق ہے اور انی کو قدیم ملتے سے ہمیشہ کی کوئی صفت ثابت ہوتی ہے کیونکہ وہ ہمیشہ سے بالکل بے تعلق ہیں۔ ہاں یہ بات سچ ہے کہ خدا کی صفات خالقیت رازقیت وغیرہ سب قدیم ہیں حادث نہیں ہیں۔ پس خدا تعالیٰ کی صفات قدیمہ کے لحاظ سے مخلوق کا وجود نوعی طور پر قدیم یا متاخر تا ہے نہ شخصی طور پر یعنی مخلوق کی نوع قدیم سے جلی آتی ہے ایک نوع کے بعد دوسری نوع خدا پیدا کرتا چلا آیا ہے۔ سو اسی طرح ہم ایمان رکھتے ہیں اور یہی قرآن شریف

حاشیہ: بعض صفات باری کی نسبت اضافی حدوث مانا جاتا ہے جیسا کہ جب پھر میٹ میں ہوتا ہے تو خدا کا علم جو واقع کے مطابق ہونا چاہئے وہ یہ ہے کہ وہ میٹ میں ہے اور جب پھر پیدا ہو کر اپنی حالت میں ایک تغیر پیدا کرتا ہے تو خدا کے علم میں بھی وہ تغیر آجاتا ہے مگر باوصف اس کے خدا کی سب صفات قدیم ہیں۔ ملاحظہ



نے ہمیں سکھایا ہے اور ہم نہیں جانتے کہ انسان سے پہلے کیا کیا خدا نے بنایا۔ مگر اس قدر ہم جانتے ہیں کہ خدا کے تمام صفات کبھی ہمیشہ کے لئے معطل نہیں ہوئے اور خدا تعالیٰ کی قدیم صفات پر نظر کر کے مخلوق کے لئے قدامت نوعی ضروری ہے مگر قدامت شخصی ضروری نہیں۔

آئیوں کی بڑی غلطی یہ ہے کہ وہ خدا کی بے انتہا قدرتوں اور بے انتہا اسرار کو اپنے نہایت محدود علم کے پیمانہ سے ناپتے ہیں اور جو باتیں انسان کے لئے غیر ممکن ہیں وہ خدا کے نزدیک بھی غیر ممکن ٹھہراتے ہیں۔ اسی بنا پر ان کا اعتراض ہے کہ رُوحیں کہاں سے پیدا ہوئیں اور مادہ کہاں سے پیدا ہوا۔ تعجب کہ وہ پہلے کیوں اس سوال کو حل نہیں کرتے کہ خدا کہاں سے اور کس طرح پیدا ہوا۔ جب کہ اس بات کو ماننا پڑے گا کہ خدا کی قدرتیں ناپیدا کنار ہیں اور اُس کے اسرار و راز الوداد ہیں اور ہمارے مشاہدات اس کے گواہ ہیں تو پھر یہ بیہودہ منطق خدا تعالیٰ کی قدرت کی نسبت کیوں استعمال کی جاتی ہے جس حالت میں دُنیا کے لوگ بھی اپنی عجیب و غریب ایجادوں کے ساتھ لوگوں کو حیران کر دیتے ہیں اور ایسے عمیق اسرار سائنس کے نکلنے آتے ہیں کہ ہزاروں فلاسفوں زمانہ سے پہلے ایسے گذر گئے ہیں کہ ان خواص کو از قبیل محالات سمجھتے تھے تو پھر خدا تعالیٰ کے عمیق اسرار پر کیوں اعتراض کئے جاتے ہیں؟ جو کچھ ہمارے مشاہدہ میں ہر روز آتا ہے کیا ہم اپنے عقلی ہتھیاروں کے ذریعہ سے اس کی تک پہنچ سکتے ہیں؟ زمین میں مثلاً ایک کنڈ کا دانہ بویا جاتا ہے پھر اس میں سے سبزہ نکلتا ہے اور ٹہنیاں پیدا ہوتی ہیں اور خوشہ لگتا ہے اور ایک دانہ سے کئی دانے ہو جاتے ہیں کیا کوئی سمجھ سکتا ہے کہ اتنی چیزیں صرف ایک دانہ سے کیوں پیدا ہو جاتی ہیں اگر صرف ہست سے ہست مانا جائے تو ایک دانہ کے عوض میں صرف بعدد ایک دانہ پیدا ہونا چاہئے باقی سب نیست سے ہست قبول کرنے پڑتے ہیں۔ ایسا ہی اگر اُم کا ایک پھل

ہم نے ہمیشہ کے لئے اس نے شرط لگا دی ہے کہ خدا کی صفات میں سے ایک وحدت بھی ہے کیونکہ اُس کی ذات کے لئے کسی دوسری چیز کا وجود ضروری نہیں اس لئے وہ بھی زمانہ آئے گا کہ خدا کی نفس موجودات کا مادہ کا اپنی وحدت کی صفت کو ثابت کرے اور ایسا ہی پہلے بھی زمانہ آچکا ہے۔ منہ

زمین میں بویا جادے تو اس سے ایک بڑا درخت اہستہ اہستہ پیدا ہوتا ہے اور بہت سی شاخیں نکالتے ہیں اور پھول لاتا ہے اور آخر ہزاروں آم اُس پر لگتے ہیں کیا کوئی سمجھ سکتا ہے کہ یہ کیا ماجرا ہے آم جو بویا گیا وہ تو صرف ایک تھا پس یہ اتنا بکڑیوں اور تہوں اور پھولوں کا کہاں سے پیدا ہو گیا۔ کیا اگر نیستی سے ہستی نہیں تو اور کیا ہے؟ پس سچ تو یہ ہے کہ اگر خدا تعالیٰ اناج اور پھلوں کے پیدا کرنے میں نیستی سے ہستی نہ کرتا اور ایک دانہ کے عوض میں صرف ایک دانہ پیدا ہوتا تو تھوڑے ہی دنوں میں سب لوگ مر جاتے۔ عقلی طور پر تو صرف یہ ماننا پڑتا ہے کہ ایک دانہ کی جگہ صرف ایک ہی دانہ پیدا ہو باقی جو کچھ خدا تعالیٰ پیدا کر کے دکھاتا ہے وہ سب عقل سے برتر اور نیستی سے ہستی ہے۔ مگر افسوس ان کافر نعمت لوگوں پر جو ہمیشہ نیستی سے ہستی دیکھتے ہیں اور وہی اناج اور پھل جو نیست سے ہست ہوتے ہیں ان کو کھا کر وہ زندہ رہتے ہیں لیکن پھر وہ سب کچھ دیکھ کر بھی خدا کی قدرتوں سے منکر ہو جاتے ہیں اور اعتراض شروع کر دیتے ہیں کہ خدا نیست سے کیونکر ہست کر دیتا ہے اور منہ سے کہتے ہیں کہ خدا سب شکیں مائل اور قادر ہے مگر دراصل وہ اُس کو قادر نہیں سمجھتے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ جب تک خدا اپنی قدرتیں نہ دکھلاوے اس کا قادر ہونا کیونکر ثابت ہو اور اگر انسانی قدرت کی حد تک ہی اُس کی قدرتیں ہوں تو اس میں اور انسان میں فرق کیا ہوا؟ قرآن شریف میں خدا تعالیٰ ایک جگہ مثل کے طور پر فرماتا ہے۔

كَمْثَلِ حَبَّةٍ اَنْثَبَتْ سَبْعَ سَنَابِلٍ فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِائَةُ حَبَّةٍ ۝۱۰۱  
یعنی خدا کی راہ میں جو لوگ مال خرچ کرتے ہیں اُن کے مالوں میں خدا اس طرح برکت دیتا ہے کہ جیسے ایک دانہ جب بویا جاتا ہے تو گو وہ ایک ہی ہوتا ہے مگر خدا اس میں سے سات خوشے نکال سکتا ہے اور ہر ایک خوشہ میں تترائے پیدا کر سکتا ہے یعنی اہل چیز سے زیادہ کہ دنیا یہ خدا کی قدرت میں داخل ہے اور درحقیقت ہم تمام لوگ خدا کی اسی قدرت سے ہی زندہ ہیں۔ اور اگر خدا اپنی طرف سے کسی چیز کو زیادہ کرنے پر قادر نہ ہوتا تو تمام دنیا ہلاک ہو جاتی اور ایک جاندار بھی مرنے زمین

پر باقی نہ رہتا۔ پس خدا کی اسی قدرت نے جو نیست سے ہست کرنا ہے تمام دنیا کو بچا رکھا ہے انسان کی سخت بد ذاتی ہے جو اس کو اپنی قدرت غنائی میں عاجز سمجھے اور اس کو نیست سے ہست کرنے پر قلعہ خیال نہ کرے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ انسانی ایجادیں بھی بعض ایسے کام دکھاتی ہیں کہ گویا نیست سے ہست کرتی ہیں مثلاً فوٹو گراف میں جو آواز بند کی جاتی ہے اور وہ اُس انسان کے ٹھیک ٹھیک لہجہ پر جس کی آواز بند کی گئی ہے تخلیق ہے کیا اس ایجاد سے پہلے کسی کو سمجھ آ سکتا تھا کہ آواز میں یہ بھی خاصیت ہے کہ وہ خاص قسم کے ظروف میں بند ہو سکتی ہے اور پھر اصل آواز کی طرح پیدا ہو کر سنائی دیتی ہے اور سالہا سال اور صد ہائے دراز تک بند رہ سکتی ہے اور پھر جب اُس آواز کا سُنا منظر ہو تو ایسے طور سے تخلیق ہے کہ گویا وہ انسان جس کی آواز بند کی گئی ہے بول رہا ہے کیا یہ نیست سے ہست نہیں مگر اس طبعی راز کا کسی کو علم نہ ہو تو وہ ایسی آواز سے ڈرے گا اور خیال کرے گا کہ شاید اس میں کوئی جن بولی رہا ہے۔

اسی طرح اس زمانہ میں ہزار ہا سائنس کے اسرار کا پردہ کھلتا جاتا ہے جو کسی زمانہ میں نیست کے طور پر سمجھے جاتے تھے اور وہ عمیق در عمیق علم طبعی کے خواص نئی ایجادوں کے ذریعہ سے ظاہر ہوتے جاتے ہیں کہ انسان کی عقل حیران رہ جاتی ہے۔ پھر تعجب آتا ہے کہ ایسے زمانہ میں وہ نادان بھی ہیں جو خدا تعالیٰ کے اسرار قدرت پر اعتراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ رُوح نیست سے کیونکر ہست ہو جاتی ہے اور دیکھتے ہیں کہ دُنیا میں ہزاروں چیزیں نیست سے ہست ہو رہی ہیں مثلاً ایک دھات جو بالکل نیست ہو جاتی اور مچائی ہوئی شہد اور سہاگہ اللہ گھی میں جوش دینے سے پھر زندہ ہو جاتی ہے کسی نے پنجابی میں کہا ہے شہد سہاگہ گھی۔ موٹی دھات دا ایہو جی یعنی شہد سہاگہ اور گھی جو ہے مری ہوئی دھات کی ہی جان ہے۔ اور اسرار قدرت الہی میں سے ایک یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جب ایک گھری کو پتھر یا سوٹے سے مارا جائے اور وہ بظاہر بالکل مر جائے مگر ابھی تازہ ہو تو مگر اس کے سر کو گوبر میں دبایا جائے تو چند منٹ میں وہ زندہ ہو کر بھاگ جاتی ہے کبھی بھی اگر پانی میں مر جائے تو وہ بھی زندہ ہو کر پرواز کر جاتی ہے اور بعض جانور

جیسے ذہن اور دوسرے حسرات الارض سخت سردی کے ایام میں مرجاتے ہیں اور زمین میں یا دیواروں کے سوراخوں میں چھپے رہتے ہیں اور جب گرمی کا موسم آتا ہے تو پھر زندہ ہو جاتے ہیں ان امور کو جو بحر خدا تعالیٰ کے کون سمجھ سکتا ہے؟ ایسا ہی بعض نباتی اور معدنی چیزیں علیحدہ علیحدہ ہونے کی حالت میں تو ایک خاصیت نہیں رکھتیں مگر ترکیب کے بعد ان میں ایک نئی خاصیت پیدا ہو جاتی ہے مثلاً شدرہ اور گندھک اور کوئلہ ایک خاص ترکیب سے بارود بن جاتا ہے اور اگر چاہیں کہ صرف شورہ یا صرف گندھک یا صرف کوئلہ سے بارود بنایا جائے تو یہ غیر ممکن ہوتا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ترکیب سے ایک نئی چیز پیدا ہو سکتی ہے اور شاید اسی بناء پر کیمیا کے طالب سونا اور چاندی بنانے کے سودا میں لگے رہتے ہیں مگر کوئی کیمیا اسی نہیں جیسا کہ خدا کی محبت اور خدا کی طرف ایسا ٹھکنا جیسا کہ شیر خوار بچہ اپنی ماں کی طرف جھکتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ تمام دنیا پر نظر ڈال کر ہر ایک طرف سے گواہی ملتی ہے کہ نیست سے ہست ہوتا ہے پس اسی طرح خدامہ اور عورت کے لطف سے روح کو پیدا کر دیتا ہے بچا فلسفہ یہی ہے اور سچا علم یہی ہے جس پر ہزار تجارتی گواہی دے رہے ہیں۔ پس دید جو اس کے مخالفت تعلیم دیتا ہے اسی بات سے سمجھ لینا چاہئے کہ وہ سرچشمہ علوم ہرگز نہیں ہے بلکہ گمراہیوں اور غلطیوں کا سرچشمہ ہے۔ عجیب بات ہے کہ دید نے ہر ایک پہلو سے راہ راست کو چھوڑ دیا ہے چنانچہ ظاہر ہے کہ خدائے عز و جل کی عبادت و وقسم کی ہے۔ (۱) ایک تو بہر استغفار یعنی اس کے آستانہ پر جھک کر اپنے گناہوں کا اقرار کرنا اور نہایت تذلل اور انکسار اور فنا کی حالت بنا کر اس سے اپنے گناہوں کی معافی چاہنا اور طہارت و تقویٰ کے حصول کے لئے اس کی مدد کی درخواست کرنا اور سچے دل سے اس کی جناب میں عہد کرنا کہ پھر ایسا گناہ نہ کریں گے (۲) دوسری قسم کی عبادت یہ ہے کہ اس کی تمام خوبیوں اور کمالات کا ذکر کرے اس کو یاد کرنا اور اس کی صفات ذاتیہ اور اضافیہ کا اقرار کرے اس کی حمد و ثناء میں مشغول رہنا۔ صفات ذاتیہ یہ کہ وہ اپنے کمال ذات اور اہدیت اور ازلیت اور تمام قدروں اور طاقتوں اور علم میں واحد لا شریک

ہے اور صفات اضافیہ کہ اُس نے ہر ایک چیز کو پیدا کیا ہے تا اپنی خالقیت ثابت کرے اور اس نے بغیر کسی کے عمل کے زمین و آسمان کی ہزاروں نعمتیں انسانوں کے لئے مہیا کی ہیں تا اپنی راز قیامت ثابت کرے اور وہ اسی دنیا میں عبادت اور مجاہدہ کرنے والوں کو ایک خاص عزت بخشتا اور خاص تائید کے ساتھ اُن میں اور اُن کے غیروں میں فرق کر کے دکھلا دیتا ہے اور اپنے قرب اور مکالمہ مخفی طبع کا شرف اُن کو بخشتا ہے تا اپنی رحیمیت ثابت کرے اور قیامت کو ہر ایک فرمانبردار اور نافرمان کو اپنی مرضی کے موافق جزا و سزا دلگا تا اپنا مالک جہاد سزا دہونا ثابت کرے۔ یہ ہیں دونوں قسم عبادت کے جو اہل حقیقت پرستش ہے اور ظاہر ہے کہ دید دونوں قسموں کا مخالف اور منکر ہے چنانچہ اس کے نزدیک تو بہ کرنا محض فضول اور بے فائدہ ہے اور استغفار سراسر بے سود اور بے کار ہے ایسا ہی دوسری قسم کی عبادت کا حال ہے کیونکہ بموجب آریہ سملج کے اصول کے اُن کا پریشراپنی ازلیت ابدیت میں واحد لا شریک نہیں اور اس صفت میں تمام رُوحیں اُس کی شریک ہیں اور نیز وہ پیدا کرنے والا اور ارج و ذرات عالم کا نہیں اور اس میں نہ عنانیت کی صفت ہے اور نہ رحیمیت کی صفت۔ اور نہ وہ مالکوں کی طرح جزا سزا دینے پر قادر ہے لہذا وہ کسی قسم کی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور نہ کوئی اُس میں خوبی ہے ایسا ہی دید نے خدا کی معرفت کا کوئی طریقہ نہیں بتلایا۔ اور دید کی رُوسے ثابت نہیں ہوتا کہ پریشرا موجود بھی ہے کیونکہ جب کہ وہ پیدا کرنے والا ہی نہیں تو کس دلیل سے اُس کا موجود ہونا شناخت کیا جاوے غرض دید کے ذریعہ سے نہ خدا تعالیٰ کی شناخت ممکن ہے اور نہ اسکی عبادت ہو سکتی ہے پھر نہ معلوم کہ دید کو سرچشمہ علوم کن معنوں سے کہتے ہیں اور اس کی تعلیم کو عالم گیر کیوں کہا جاتا ہے شاید ان معنوں سے کہتے ہوں کہ چونکہ دید آگ اور پانی اور چاند اور سورج اور دوسرے عناصر کی پرستش کی تعلیم دیتا ہے اور یہ چیزیں ہر ایک حصہ ملک میں بکثرت پائی جاتی ہیں اور عالم گیر ہیں اس لئے ماننا پڑا کہ دید کی تعلیم عالم گیر ہے۔

پھر معنوں پڑھنے والے نے الہامی کتاب کی یہ شرط بھی پیش کی کہ علمیں کی زندگی پورے ہو

یعنی پاک ہو۔ اس سے اس کا یہ مطلب تھا کہ نعوذ باللہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پوتر نہیں تھی جیسا کہ آگے چل کر اُس نے اپنے اس دلی گند کو کھلے کھلے طور پر ظاہر کر دیا ہے مگر اصل بات یہ ہے کہ کسی کی پاک اور پوتر زندگی کو کوئی نہیں جانتا مگر خدا جو عالم الغیب ہے جن لوگوں نے خدا کے پاک غیوں کو مغتری اور شریر قرار دیا اور طرح طرح کے گناہوں سے اُن کو آلودہ بھادہ اُس دن تک اپنی غلطیوں کو پرج سمجھتے رہے جب تک کہ خدا کے ہاتھ نے اُن کو ہلاک نہ کیا۔ موسیٰ نبی کے زمانہ میں فرعون کے دل میں ہی خیال سما گیا تھا کہ موسیٰ جھوٹا اور مغتری ہے آخر خدا نے اس کو مع اس کی فوج کے دریاٹے نیل میں غرق کر کے یہ ثابت کر دیا کہ فرعون جھوٹا اور موسیٰ سچا ہے۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وقت میں یہودیوں نے حضرت عیسیٰ کو جھوٹا قرار دیا اور ناپاک تہمتیں اُن پر اور اُن کی ماں پر لگائیں آخر خدا نے اُن کے منصوبوں سے حضرت عیسیٰ کو بچالیا اور اُن کو انواع و اقسام کے عذاب سے ہلاک کیا۔ اور پھر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے اور اس زمانہ کے ظریر اور حرامکار لوگ انتخاب کے دشمن ہو گئے اور مغتری اور کذاب سمجھنے لگے یہاں تک کہ بدر کی لڑائی کے وقت میں ایک شخص مسیٰ عمر بن ہشام نے جس کا نام پیچھے سے ابو جہل مشہور ہوا جو کفار قریش کا سردار اور مرفقہ تھا ان الفاظ سے دعا کی کہ اللّٰهُمَّ مَنْ كَانَ مِنَّا أَقْسَدَ فِي الْقَوْمِ وَقَطَعَ لِلرَّحِمِ فَلْيَحْنُ الْيَوْمَ یعنی اے خدا جو شخص ہم دونوں میں سے [اس لفظ سے مراد اپنے نفس اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لیا] تیری نگہ میں ایک منسہ آدمی ہے اور قوم میں بھڑوٹ ڈال رہا ہے اور باہمی تعلقات اور حقوق قومی کو کاٹ کر قطع رحم کا موجب ہو رہا ہے آج انکو تو ہلاک کر دے اور ان کلمات سے ابو جہل کا یہ منشاء تھا کہ نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک منسہ آدمی ہیں اور قوم میں بھڑوٹ ڈال کر ناحق قریش کے مذہب میں ایک تفرقہ پیدا کر رہے ہیں اور نیز انہوں نے تمام حقوق قومی تلف کر دئے ہیں اور قطع رحم کا موجب ہو گئے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ ابو جہل کو یہی یقین تھا کہ گویا نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی

پو تو اور پاک نہیں ہے تبھی تو اس نے دردِ دل سے دُعا کی۔ لیکن اس دُعا کے بعد شاید ایک گھنٹہ بھی زندہ نہ رہ سکا اور خدا کے قہر نے اسی مقام میں اس کا سر کاٹ کر پھینک دیا اور جہنم کی پاک زندگی پر وہ داغ لگاتا تھا وہ اس میدان سے فتح اور نصرت کے ساتھ واپس آئے تھے پس کسی بد ذات دہریہ کا یہ کام ہے کہ باوجودیکہ خود خدا نے اس نبی کی پوٹر اور پاک زندگی پر شہادت دی مگر کچھ بھی وہ خدا کی گواہی کو قبول نہ کرے یہ بات ہر ایک عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ انسان کی پاکی یا پلیدی ہزاروں ہزاروں کے اند ہوتی ہے اور اس کو کوئی نہیں جانتا مگر محض خدا اور جیسا کہ ایک ناپاک طبع آدمی اپنی ناپاکی کو پوشیدہ رکھتا ہے تا ایسا نہ ہو کہ کوئی اُس پر اطلاع پاوے ایسا ہی وہ آدمی جو پاک سرشت ہے اور خدا کے ساتھ ایک گہرا تعلق رکھتا ہے وہ اپنے ان مخفی تعلقات کو ظاہر نہیں کرتا جو خدا کے ساتھ ہیں اور ایسا چھپاتا ہے جیسا کہ گنہگار اپنے گنہ کو اور اگر کوئی اُس کے ان پوشیدہ سرا پر اطلاع پاوے جو خدا کے ساتھ وہ رکھتا ہے تو وہ ایسا شرمندہ ہوتا ہے کہ جیسا کہ ایک بدکاری میں کمر باندھے خالص محبت الہی اور خالص عشق الہی انہما کو چاہتا ہے اس لئے پاک لوگوں کے اندر وہی سرا پر کوئی واقف نہیں ہو سکتا۔ ہاں خدا نہیں چاہتا کہ وہ مخفی رہیں اور وہ اپنے دوستوں کے لئے اس قدر غیرت مند ہے کہ کوئی دنیا میں ایسا غیرت مند

۱۔ حاشیہ: اسی پاک زندگی کے ثبوت کے لئے ایک اور تاریخی واقعہ ہے جو مسلمانوں کی کتابوں میں مستحکات سے ہو اور وہ یہ کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ کے بادشاہوں کی طرف خط لکھے کہ میں خدا کا رسول ہوں تم مجھے پرہیزگار لاؤ تو تمہارا بادشاہوں کے سر پر وزیر بھی تھا جو اپنے تئیں عجم اور عرب کا بادشاہ سمجھتا تھا وہ اس خط کو سن کر بہت ناخوش ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کاؤب خیال کر کے گرفتاری کا حکم دیا لیکن عرب کا ملک بھی اس کی حکومت کے متعلق تھا جو مین کے موبہ کے ماتحت تھا جب اس کے سپاہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گرفتار کرنے کے لئے گئے تو آپ نے فرمایا کہ میں جواب دوں گا جب وہ صبح کے وقت حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ تم کس کے پاس مجھے لیا جا رہے ہو ان حالات میں وہ خداوند نے تمہارے خداوند کو قتل کر دیا ہے اور قتل کیے تھے اُسی کے بیٹے شہزادہ کو اُس پر مسلہ کیا پس پاک زندگی اس کو کہتے ہیں جس کے لئے خدا دشمنوں کو ہلاک کرتا ہے کیا دیدہ کے ذریعہ اس کا گناہ ٹوٹتا ہے۔ منہ

نہیں ہو گا وہ اُن کے لئے بڑے بڑے کام دکھاتا ہے اور اُن کی عزت کو تمام دنیا میں شہرت دیتا ہے نادان دشمن چاہتا ہے کہ وہ معدوم ہو جائیں اُن کا نام و نشان نہ رہے وہ ذلیل اور بدنام ہو جائیں اور اُن کی زندگی نالاک اور طوٹ ثابت ہو اور ہزاروں تہمتوں کا انبار لوگوں کے سامنے رکھ دیتا ہے مگر وہ جو اُن کے دل کو دیکھتا ہے اور اُن کے پاک تعلق پر اطلاع رکھتا ہے وہ اس شریر دشمن کے مقابل پر آپ کھڑا ہو جاتا ہے اور اس کی غیبت اپنے اس پیارے کے لئے جوش مارتی ہے تب وہ لاکھوں تہمتوں کو ایک ہی کرشمہ قدرت سے کالعدم کر دیتا ہے۔

اور اگر کہو کہ ابوجہل کے مارے جلنے کا معاملہ دور دراز کا معاملہ ہے جس پر تیرہ سو چوبیس گزر گئے ہم کیونکر یقینی طور پر سمجھ لیں کہ ابوجہل نے درحقیقت ایسی بددعا مباہلہ کے رنگ میں کی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ اسی دن وہ خود ہی قتل کیا گیا تھا شاید یہ قسم ہی غلط ہو جو مسلمانوں نے آپ بنا لیا ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ درحقیقت یہ قصہ صحیح ہے اور بہت پرانی کتابوں میں اس کا تذکرہ ہے اور کسی مخالفت نے اس سے انکار نہیں کیا اور بہت سے طریقوں سے یہ قصہ ثابت ہے یہاں تک کہ سلسلہ العرب میں بھی جو اسلام کی ایک پرانے زمانہ کی فحش کتاب ہے اس میں بھی یہ قصہ لکھا ہے پھر ایسی متواترات سے کیونکر انکار ہو سکتا ہے۔

اور اگر کسی نادان دشمن کی اب بھی تسلی نہ ہو تو ہم ایک تازہ ثبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پوتہ اور پاک ہونے کا لکھتے ہیں جس پر لیکچر ام آر بی نے اپنے مارے جانے سے غر لگادی ہے واضح ہو کہ مضمون پڑھنے والے نے جس قدر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر حملے کئے ہیں وہ صرف آنکھیں بند کر کے لیکچر ام کی کتابوں میں سے لکھے ہیں اور یہ لیکچر ام کا بھی دعویٰ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پوتہ اور پاک نہیں تھی۔ اور اُس کے نزدیک ویدوں کے کشمیری کی زندگی پاک تھی۔ اسی نفسانی خیال کی وجہ سے وہ قادیان میں آیا میر نے اُس کو بہت بھائیہ خدا کے پاک نبی پر حملہ کرنا اچھا نہیں مگر وہ خدا کی عظمت اور قدرت کا منکر تھا اس کو اس بات کی کچھ بھی پروا نہیں



تھی کہ خدا سے ڈرے اور راہِ راست کو انصاف کے ساتھ دیکھے اور اُس کی شوخی حد سے بڑھ گئی تھی اور بجز ٹھٹھے اور منہسی اور گالی کے کوئی اس کا شیوہ نہ تھا آخر میں نے اُس کو مباہلہ کے لئے بلایا لیکن اس بات کے لئے کہ وہ بجائے خود اور میں بجائے خود دعا کر دوں کہ خدا بھولے کو ہلاک کرے اور اس طرح پر مجھ میں اور اُس میں فیصلہ کر دے پس بد دعا کے وقت مجھ کو خدا نے اس کی نسبت بشارت دیدی کہ وہ پتھر برس کے اندر قتل کے ذریعہ سے جو انان مرگ مرے گا اور عید کے بعد جودن آئے گا اس میں یہ پیٹنگوٹی پوری ہوگی۔ ایسا ہی لیکھرام نے میرے مقابل پر اپنا مباہلہ بچھو دیا یعنی یہ دعا کہ سچے کے حق میں خدا فیصلہ کرے اور بھولے پر اپنا قہر نازل کرے یہ دعا اُس نے اپنی کتاب میں ابو جہل کی طرح بڑے درد دل سے لکھی ہے اور خدا سے فیصلہ چاہا ہے پس خدا نے اُس کے قتل کئے جانے سے یہ فیصلہ کر دیا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب میں بھڑا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم درحقیقت پوتر اور پاک اور صادق ہیں اندہ نیز یہ کہ موجودہ ویڈیو کی تعلیم صحیح نہیں ہے پھر نہ معلوم کہ اس خدائی فیصلہ کے بعد مضمون پڑھنے والے نے دوبارہ اعتراض کیوں پیش کر دیا کیا اس کو خدائی فیصلہ سے تسلی نہ ہوئی اور اگرچہ ہم لیکھرام کا یہ مباہلہ اپنی کتاب حقیقۃ الوحی میں درج کر چکے ہیں مگر پھر بھی اویہ صاحبوں کی خاطر سے اس جگہ بھی درج کر دیتے ہیں اور ہم اُن کو متنبہ کرتے ہیں کہ پوتر اور پاک کی یہ نشانی ہے جو خدا کی گواہی سے اُس کا پاک ہونا ثابت ہو نہ صرف دعویٰ۔ جیسا کہ دید کے رشیوں کے بارے میں کیا جاتا ہے بھلا بتلاؤ کہ اس بات کا ثبوت کیا ہے؟ کہ دید کے رشی پوتر تھے کوئی خدا نے گواہی اُن کے پوتر ہونے کے بارے میں دی ہے اُن کی گندی تعلیمیں نیوگ وغیرہ صاف بتلا رہی ہیں کہ انہوں نے پاک راہ کی طرف ہدایت نہیں کی پھر وہ آپ کیونکر پاک اور پوتر ٹھہر سکتے ہیں۔ اب ہم ذیل میں لیکھرام کا مباہلہ درج کرتے ہیں۔

### مضمون مباہلہ

میں نیلا التیام لیکھرام ولد پنڈت تارا سنگھ صاحب شرم مصنف تکذیب براہمن احمدیہ دو سالہ ہذا

اقرار صحیح بدستی ہوش و حواس کر کے کہتا ہوں کہ میں نے اول سے آخر تک رسالہ سرمرستہم آریہ کو پڑھ لیا اور ایک بار نہیں بلکہ کئی بار اس کے دلائل کو بخوبی سمجھ لیا بلکہ اُن کے بطلان کو بڑے ست و دم رسالہ ذرا میں شائع کیا۔ میرے جی میں مرزا جی کی دلیلوں نے کچھ بھی اثر نہ کیا اور نہ وہ راستی کے متعلق ہیں۔ میں اپنے جگت پتا پر میٹر کو ساکھی جلاں کر اقرار کرتا ہوں کہ جیسا کہ ہر چار وید مقدس میں ارشاد ہدایت بنیاد ہے اُس پر میں پختہ یقین رکھتا ہوں کہ میری رُوح اور تمام ادواح کو کبھی نیستی یعنی قطعی ناکش نہیں ہے اور نہ کبھی ہوا اور نہ ہوگا۔ میری رُوح کو کسی نے نیست نہ ہست نہیں کیا (یعنی میری رُوح کا کوئی پیدا کر نہ پلا نہیں بلکہ خود بخود قدیم سے ہے) بلکہ ہمیشہ سے پر ماتما کی نادہی قدرت میں رہا اور رہے گا۔ ویسا ہی میرا جی مادہ یعنی پر کرٹی یا پرفلوجی قدیمی یا نادہی پر ماتما کے قبضہ قدرت میں موجود ہیں کبھی مفقود نہیں ہوں گے اور تمام جگت کا سرچر ہلا

۱۷۹

حاشیہ۔ یہ کیا فضول فقو ہے کہ ہمیشہ سے پر ماتما کی نادہی قدرت میں رہا اور رہے گا ظاہر ہے کہ جبکہ ادواح بقول آریہ سماج کے اپنی تمام طاقتوں اور قوتوں کے ساتھ قدیم سے خود بخود ہیں تو پھر اُن کو پر میٹر کی قدرت کے ساتھ تعلق ہی کیا ہے اُن قوتوں کو نہ پر میٹر بڑھا سکتا ہے نہ گٹھا سکتا ہے اور نہ اُن میں کسی طرح کا تصرف کر سکتا ہے وہ تمام ادواح تو بقول آریہوں کے اپنے اپنے وجود کے آپ ہی پر میٹر ہیں اور ایک ذرہ پر میٹر کا اُن پر احسان نہیں پس یاد رہے کہ یہ مقولہ لکھنا ادا اس کے دوسرے ہم نہ بولنا کا کہ ادواح پر ماتما کی نادہی قدرت میں رہتے ہیں اور رہیں گے یہ صرف اپنے غلط مذہب کی پر پوٹشی کے ثمر بولاجاتا ہے کیونکہ انسان کا کائنات اس کو ہر وقت ایسے ہی ہودہ عقاید پر لازم کرتا ہے اگر خدا موصول ادا اُن کی قوتوں اور ذرات عالم اور اُن کی قوتوں کا پیدا کرنے والا نہیں تو پھر وہ ان کا خدا بھی نہیں ہو سکتا اور یہ کہنا کہ گھر پر ہم ادواح کو اُن کے تجرد کی حالت میں خدا کے بندے اور مخلوق نہیں کہہ سکتے کیونکہ اس نے اُن کو نہیں بنایا لیکن جب پر میٹر ادواح کو اجسام میں ڈالتا ہے تو اس قدر اپنی کامدائی سے اُن کا پر میٹر بن جاتا ہے یہ خیال بھی غلط ہے کہ چونکہ میں پر میٹر نے ادواح اور پرانا تو کو مود اُن کی تمام قوتوں کے پیدا نہیں کیا کوئی دلیل اس بات پر قائم نہیں ہو سکتی ہے کہ وہ اُن کے جوڑنے پر قائم ہے اور محض بعض کا بعض

۱۷۱

ایک ہی کرتا رہے دوسرا کوئی نہیں۔ میں پر میشر کی طرح تمام دنیا کا مالک یا صانع نہیں ہوں اور نہ سرب بیاپک ہوں اور نہ انتر یا محی بلکہ اس مہاں شکتی ان کا ایک ادنیٰ سیوک ہوں مگر اُس کے گلیان اور شکتی میں ہمیشہ سے ہوں معدوم کبھی نہیں ہوا اور نہ کوئی عدم خانہ کہیں ہے بلکہ کسی چیز کو عدم نہیں ساس لئے دید کی اس انصافانہ تعلیم کو بھی میں تسلیم کرتا ہوں کہ شکتی یعنی نجات کرموں کے مطابق مہا کلب تک ملتی ہے (یعنی دائمی نجات نہیں صرف ایک محرو

۱۷۲

بقیہ حاشیہ سے جو زمانہ اس کو پر میشر بننے کا حق نہیں بخش دے گا۔ بلکہ اس صورت میں تو وہ اس نامبائی کی طرح ہے جس نے آج ہمارا دے لیا اور کلڑی کسی کلڑی فروش سے اور آگ ہمسایہ سے اور پھر روٹی پکائی اور اس صورت میں پر میشر کے وجود پر کوئی بھی ثبوت نہیں کیونکہ اگر اوداع مع اپنی تمام قوتوں کے قدیم سے خود بخود ہیں تو پھر اس پر کیا دلیل ہے کہ اوداع اور پرہاتوؤں کا افعال اور انفصال بھی قدیم سے خود بخود نہیں جیسا کہ دہریوں کا خیال ہے اس لئے آریہ سماج والے اپنے پر میشر کے وجود پر کوئی دلیل نہیں پیش کر سکتے اور نہ ان کے پاس کوئی دلیل ہے۔ یہ ہے خلاصہ دید کے گلیان کا جس پر غور کیا جاتا ہے یہ بات ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کی ہستی پر دو قسم کے دلائل قائم ہو سکتے ہیں اول اس حالت میں دلیل قائم جوتی ہے کہ جب اس کی ذات کو سرچرہ تمام فیوض کا مان لیا جائے اور اسی کو ہر ایک ہستی کا پیدا کنندہ تسلیم کر لیا جائے تو اس صورت میں خواہ ذکاوت عالم پر نظر کریں یا اوداع پر یا اجسام پر فردی طور پر ماننا پڑے گا کہ ان تمام مصنوعات کا ایک صانع ہے۔

۱۷۳

دوسرا طریق خدا تعالیٰ کی شناخت کا اُس کے تازہ بتازہ نشانات ہیں جو انبیاء اور اولیاء کی معرفت ظاہر ہوتے ہیں۔ سو آریہ سماج والے ان سے بھی منکر ہیں اس لئے ان کے پاس اپنے پر میشر کے وجود پر کوئی بھی دلیل نہیں عجیب بات ہے کہ آریہ لوگ ایلی تو بات میں اپنے پر میشر کو پتا چتا کہ کسے پکارتے ہیں جیسا کہ ابھی لیکھ ہم نے اپنے مضمون مباہلہ میں لکھا ہے مگر معلوم نہیں کردہ کس طور کا پتا ہے کیا اس طور کا پتا جیسا کہ ایک متقی ایک اجنبی شخص کو اپنا باپ کہہ دیتا ہے یا ایسا پتا جو نوگ کے ذریعے سے فرضی طور پر بنایا جاتا ہے اور ایک آریہ کی عورت اپنی پاکدامنی کو خاک میں ملا کر دوسرے سے اپنا مزہ کالا

مدت تک ہے) بعد اس کے پر ماتما کی نیلے کے مطابق پھر جسم انسانی لینا پڑتا ہے محدود کمروں کا بے حد پھیل نہیں (کرم تو محدود ہیں مگر دفا دار پرستار کی نیت محدود نہیں ہوتی اور نیز کرم کا محدود ہونا اس کی مرضی سے نہیں) میں دیدوں کی ان سب قطیصوں کو دلی یقین سے مانتا ہوں..... اور میں یہ بھی مانتا ہوں کہ پر میٹر گن ہوں کو بالکل نہیں بخشتا۔ (مجیب پر میٹر ہے) میرا کسی شفاعت یا سفارش پر بھروسہ نہیں (یعنی کسی کی دعا کسی کے حق میں قبول

بدیہ کش ہے) کراتی ہے اور اس طرح ہر اس وحدت کا خداوند اس بچ کا پتا بن جاتا ہے جو نیوگ کے ذریعہ سے حاصل کیا جاتا ہے پس اگر پر میٹر آریوں کا ایسا ہی پتا ہے تب تو ہمیں کلام کرنے کی گنجائش نہیں لیکن اگر اس طرح کا پتا ہے کہ روح اور ذرات عالم معارف اپنی تمام قوتوں کے اس کے ہاتھ سے نکلے ہیں لہذا کسی سے وجود پذیر ہیں تو یہ بات آریوں کے اصول کے برخلاف ہے مگر پوچھو کہ کیوں ان کے اصول کے برخلاف ہے؟ تو واضح ہو کہ آریوں کے اصول کے مطابق تمام ارواح پر میٹر کے قدیمی شریک ہیں جو اس سے جو پڑیر نہیں ہوئیں تو پھر ہم پر میٹر کو ان کا پتا کیونکر کر سکتے ہیں وہ تو خود بخود ہیں جیسے کہ پر میٹر خود بخود گریہ ہوں غلط ہے معرفت کی آنکھ سے دیکھنے والے معلوم کر سکتے ہیں کہ میسباپ میں قوتیں اور خاصیتیں خود غصتیں ہوتی ہیں ویسی ہی بیٹے میں بھی ہوتی ہیں۔ پس اسی طرح چونکہ ارواح خدا تعالیٰ کے ہاتھ سے نکلی ہیں ان میں غلی طور پر وہ رنگ پایا جاتا ہے جو خدا کی ذات میں موجود ہے اور جیسے جیسے خدا کے حصے اس کی محبت اور پرستش کے ذریعہ سے صفوت اور پاکیزگی میں ترقی کرتے ہیں وہ رنگ ظہور پاتا جاتا ہے یہاں تک کہ غلی طور پر ایسے انسانوں میں خدا کے انوار ظاہر ہونے شروع ہو جاتے ہیں صاف طور پر ہمیں دکھائی دیتا ہے کہ انسانی فطرت میں خدا کے پاک غفلت خلق ہوتے ہیں جو ترکیب نفس سے ظاہر ہوتے ہیں مثلاً خدا رحم ہے ایسا ہی انسان بھی ترکیب نفس کے بعد حکم کی صفت سے حصہ لیتا ہے خدا خود ہے ایسا ہی انسان بھی ترکیب نفس کے بعد خود کی صفت سے حصہ لیتا ہے ایسا ہی خدا مستعد ہے خدا کریم ہے خدا غفور ہے اور انسان بھی ترکیب نفس کے بعد ان تمام صفات سے حصہ لیتا ہے پس کس نے یہ صفت ناقص انسان کی روح میں رکھ دی ہیں اگر خدا نے رکھے ہیں تو اس سے ثابت ہے کہ وہ ارواح کا خالق ہے اور اگر کوئی یہ کہے کہ خود بخود ہیں تو اس کا جواب یہی کافی ہے کہ لعنہ اللہ علی الکاذبین۔ منہ

نہیں ہوتی) میں خدا کو ماشی یا ظالم نہیں جانتا (لفظ مرتشی ہے جس کے معنے ہیں رشوت لینے والا۔  
 راشی لفظ نہیں ہے لیکن عام کی علمیت کا یہ نمونہ ہے کہ بجائے مرتشی کے راشی لکھا ہے) اور میں  
 دید کی دوسری اس بات پر کامل و صحیح یقین رکھتا ہوں کہ چاروں دید فردو الیہ کا لگان ہے  
 ان میں ذرا بھی غلطی یا جھوٹ یا کوئی قصہ کہانی نہیں۔ ان کو ہمیشہ ہر نئی دنیا میں پر ماتما جلالت کی  
 ہدایت عام کے لئے پرکاش کرتا ہے اس مرتشی کے آغاز میں جب انسانی خلقت شروع ہوئی پر ماتما  
 نے دید دل کو شری لکھی۔ شری دالوہ شری آدست۔ شری انگریز چارو شریوں کے آتماؤں میں الہام کیا  
 مگر جبریل یا کسی اور وحشی دسان کی معرفت نہیں بلکہ خود ہی کیونکہ وہ آسمان یا عرش پر نہیں بلکہ

حاشیہ: جہاں تمام پتھر لانے سے سلام ہوتا ہے کہ انسان ہوا کے ذریعے سے سنا ہے اور شروع کے ذریعے سے سمجھتا  
 ہے پھر جہاں تمام میوے و پھل رساں کیوں مقرر کئے گئے مگر خدا کا جہاں روحانی قانون یا ہم مطابق ہونا چاہئے  
 انوس وید کا لگان ہر جگہ صحیفہ قدرت کے مختلف پڑا ہوا ہے اور کون کہتا ہے کہ خدا ہر جگہ نہیں بلکہ وہ ہر جگہ  
 بھی ہے اور ذالہ مرتشی بھی ہے نادان اس معرفت کے نکتہ کو نہیں سمجھتا۔ یہ بات سوچنے کے لائق ہے کہ اگرچہ اس  
 عالم میں سب کچھ خدا تعالیٰ کے حکم سے ہوتا ہے مگر بھی اس نے اپنے تعداد و قدر کے نافر کرنے کے وسائل  
 رکھے ہیں مثلاً ایک زہر جو انسان کو جاک کرتی ہے اور ایک تریاق جو فائدہ بخشتا ہے کیا ہم گمان کر سکتے ہیں کہ یہ  
 دونوں خود بخود انسان کے بدن میں تاثیر کرتے ہیں؟ ہرگز نہیں بلکہ وہ خدا کے حکم سے تاثیر مخالفت یا موافق کرتے ہیں  
 جس وہ بھی خدا کے ایک قسم کے فرشتے ہیں بلکہ وہ ذرہ عالم کا جس سے الزام و اقسام کے تغیرات ہوتے رہتے  
 ہیں یہ سب خدا کے فرشتے ہیں اور توحید پوری نہیں ہوتی جب تک ہم ذرہ ذرہ کو خدا کے فرشتے مان نہ لیں کیونکہ  
 اگر ہم تمام مخلوقات کو جو دنیا میں پائی جاتی ہیں خدا کے فرشتے تسلیم نہ کر لیں تو پھر ہمیں انکار کرنا پڑے گا کہ یہ تمام مخلوقات  
 انسانی جسم اور تمام عالم میں بغیر خدا تعالیٰ کے علم اور ارادہ اندر مرضی کے خود بخود ہو رہے ہیں اور اس صورت  
 میں خدا تعالیٰ کو محض مصلحت اور بے خبر ماننا پڑے گا۔ پس فرشتوں پر ایمان لانے کا یہ لازم ہے کہ بغیر اس کے  
 توحید قائم نہیں رہ سکتی اور ہر ایک چیز کو اندہ ہر ایک تاثیر کو خدا تعالیٰ کے ارادہ سے باہر ماننا پڑے گا کہ فرشتے  
 کا مفہوم تو یہی ہے کہ فرشتے وہ چیزیں ہیں جو خدا کے حکم سے کام کر رہی ہیں پس ہر جب کہ یہ قانون فردوی اور  
 مسلم ہے تو جبریل اور میکائیل سے کیوں انکار کیا جائے؟ منہ

بلکہ سرب بیاپک ہے۔ میں یہ بھی مانتا ہوں کہ وید ہی سب سے کامل اور مقدس گئیاں کے ہونگ  
 ہیں۔ آریہ دور سے ہی تمام دنیا نے فضیلت سیکھی۔ آریہ لوگ ہی سب کے استاد اول ہیں۔  
 آریہ دور سے باہر جو بقول مسلمانوں کے ایک لاکھ چوبیس ہزار پچیسیر ۵-۶ ہزار سال سے آئے ہیں  
 اور توریت۔ زبور۔ انجیل۔ قرآن وغیرہ کتب لائے ہیں۔ میں دلی یقین سے ان لپٹکوں کو مطالعہ کرنے  
 سے اور سمجھنے سے..... ان کی تمام مذہبی ہدایتوں کو مبادئی اور حلی اصل الہام کے بنام کر نیوالی  
 تحریریں خیال کرتا ہوں..... ان کی سچائی کی دلیل سوائے طبع یا نادانی یا تلواری کے ان کے پاس کوئی  
 نہیں..... اور جس طرح میں اور ماستی کے برخلاف باتوں کو غلط سمجھتا ہوں ایسا ہی قرآن اور اس  
 کے اصول اور تعلیموں کو جو وید کے مخالف ہیں ان کو غلط اور جھوٹا جانتا ہوں (لعنة الله على  
 الكاذبين) لیکن میرا دوسرا فرق میرزا غلام احمد ہے وہ قرآن کو خدا کا کلام جانتا اور اس  
 کی سب تعلیموں کو درست اور صحیح سمجھتا ہے اور جس طرح میں قرآن وغیرہ کو پڑھ کر غلط سمجھتا ہوں ایسے  
 ہی وہ اسی شخص منکر ت اور ناگری سے محروم مطلق بنیر پڑھنے یا دیکھنے ویدوں کے ویدوں کو غلط سمجھتا ہے  
 اسے پر مشیر ہم دونوں فریقوں میں سچا فیصلہ کر کیونکہ کاذب صادق کی طرح کبھی  
 تیرے حضور میں عزت نہیں پاسکتا۔

راقم آپ کا ادنیٰ بندہ لکھنؤ شہر اسحاق آریہ مہلی پشاور

مال اڈمیر آریہ گورٹ فیروز پور پنجاب

حشیشہ اگر میں نے وید نہیں پڑھے بھلا یہ تو غیبت ہے کہ لکھنؤم نے چاندل وید کٹھ کر لئے تھے اس جگہ بھی پڑ  
 لعنة الله على الكاذبين کیا کہہ سکتے ہیں بحث ہولوں پر ہوتی ہے جب کہ آریہ علاقہ والوں نے اپنے ہاتھ سے  
 وید کے اصل شائع کرنے تو ان پر بحث کرنا ہر ایک عقیدہ کا حق ہے اور یہ سر اس غلط ہے کہ میں وید نہیں پڑھا میں نے  
 وید کے وہ تم مجھے جو کہ میں شائع ہوئے اس سے آخر تک دیکھے ہیں پندت دیانند کا وید عجائبی دیکھا ہے اور وہ  
 قریباً پچیس سال سچواریہ ایسے میرے ہر ہمتا ہوتے ہیں یہی پھر کہنا کہ وید کی مجھے کچھ بھی خبر نہیں کہ قند جھوٹ ہے اور اگر آریہ  
 صاحب کے پندت اب بھی لکھنؤم کو وید کا فاضل تسلیم کرے کہ میں تو اس میں شکست دیکھنے کا مشتاق ہوں بلکہ لکھنؤم کا تبریز  
 بھی اس سے بڑھ کر نہیں جو خود نے اس کے لئے فرمایا عجل عجل جلد لہ خوار۔ ومنہ

اب تمام ہلکی اس دعا کے جو پندرت لیکھرام نے اپنی کتاب خط احمدیہ کے صفحہ ۴۴۴ ۴۴۵ ۴۴۶  
 تک لکھی ہے جو کچھ خدا نے آسمان سے فیصلہ کیا ہے اور جس طرح اُس نے کاذب کی ذلت ظاہر کی  
 اور صادق کی عزت وہ یہ ہے جو ۶ مارچ ۱۸۹۶ء کو بروز شنبہ دن کے ہم پنجے کے بعد ظہور میں آیا۔

دیکھو یہ خدا کا فیصلہ ہر جس فیصلہ کو لیکھرام نے اپنے پریشر سے مانگا تھا۔ تا  
 صادق اور کاذب میں فرق ظاہر ہو جائے سو وہ فرق ظاہر ہو گیا

یہ بات یاد رہے کہ اس جگہ ایک نشان نہیں بلکہ دو نشان ہیں (۱) ایک یہ کہ لیکچرام کے مارے جلنے کی بذات خود ایک عظیم الشان پیشین گوئی ہے جس میں اس کے مارے جانے کا دن بتلایا گیا ہے موت کی قسم بتلائی گئی۔ مدت بتلائی گئی وقت بتلایا گیا (۲) دوسری یہ کہ ہر چند ہزار کوشش اور سعی کے قاتل کا کچھ بھی پتہ نہیں لگا کر یا وہ آسمان پر چڑھ گیا یا زمین کے اندر مخفی ہو گیا اگر قاتل پکڑا جاتا اور پچانسی مل جاتا تو پیش گوئی کی یہ وقعت نہ رہتی بلکہ اس وقت ہر ایک کہہ سکتا تھا کہ جیسے لیکچرام مارا گیا قاتل بھی مارا گیا مگر قاتل ایسا کم ہوا کہ نہیں معلوم کہ آیا وہ آدمی تھا یا فرشتہ تھا جو آسمان پر چڑھ گیا۔

مضمون پڑھنے والے نے ایک یہ نشانی الہامی کتاب کی پیش کی کہ اس میں اعلیٰ درجہ کے صفات پر مشتمل درجہ حوں۔ سو ہم اس نشانی کو قبول کرتے ہیں لیکن ہم اس بات کو قبول نہیں کرتے کہ وید کے پر مشتمل یہ نشانیاں موجود ہیں کیونکہ خدا تعالیٰ کی صفات و قسم کی ہیں ایک ذاتی و دوسری اضافی۔ ذاتی صفات اُن صفات کا نام ہے کہ جو بغیر حاجت و وجود مخلوق کے پائی جاتی ہیں جیسا کہ اُس کی وحدانیت اُس کا علم اُس کا تقدس (۲) اور اضافی صفات اُن صفات کا نام ہے جن کا تحقق اور وجود خارج میں پایا جانا مخلوق کے وجود کے بعد ہوتا ہے جیسے خدا تعالیٰ کی حقیقت۔ ذاتیت۔ رحمت اور اس کا ثواب ہونا اور اس کی صفت مکالمہ مخاطبہ و سودیدان دونوں قسم کی صفات کا منکر ہے۔ کیونکہ بموجب قول آریہ سماج والوں کے خدا اپنے اذلی ابدی ہونے میں واحد لاشریک نہیں ہے بلکہ ذرہ ذرہ مخلوق کا انادی ہونے اور ازلیت اور ابدیت میں اس کے ساتھ برابر ہے اور پر مشتمل کی طرح نہ حوں پر موت نہیں آتی اور ہمیشہ اس جہان میں دائیں آتی ہیں اور کبھی دوسرے جہان میں چلی جاتی ہیں مگر تعجب کہ اگر رُوح میں فنا کے تغیرات سے محفوظ ہیں جیسا کہ پر مشتمل محفوظ ہے اور نیز تمام صفات میں اذلی ابدی ہیں جیسا کہ پر مشتمل اذلی ابدی ہے تو پھر کیا وجہ کہ خواب کی حالت میں بھی اُن پر ایسا تغیر آ جاتا ہے کہ تمام کارخانہ اُن کی حالت کا الٹ پلٹ ہو جاتا ہے اور وہ جدید نظام سے اُن کو پیش آ جاتے ہیں کہ جن کا بیداری میں اُن کو کچھ



بھی خیال و گمان نہیں ہوتا ایسا ہی بموجب عقیدہ ادریوں کے جب روح آد اگولوں کے طور پر واپس آتی ہے تو تمام علوم و فنون اور دید کی تعلیم اور گمان کی فراموش کر کے غم لیتی ہے پس اگر فرض محال کے طور پر متنازع سچ ہے تو اس سے ماننا پڑتا ہے کہ روحوں کی زندگی جھوٹ ہے کیونکہ اگر پیش کی طرح اُن میں ابدی زندگی ہوتی تو اُن پر یہ پتھر کیوں پڑتے کیا پریشتر بھی اپنے علوم کو بھول جایا کرتا ہے؟ پس جو حادثہ روحوں کو اُن کے وہ علوم فراموش کرادیتا ہے جو تمام عمر میں انہوں نے حاصل کئے تھے اسی حادثہ کا نام موت ہے \* مگر اویہ کہتے ہیں کہ روحوں پر موت نہیں مگر تم تعجب کرتے ہیں کہ کیا موت کے سر پر سنگ ہوتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ جب اُن پر تغیر آتا ہے آتا ہے کہ تمام عمر کی کمائی اُن کی مالک دم میں کھو دیتا ہے تو کیا موت کا لفظ اب تک اُن پر صادق نہیں آتا یہ سچائی کس قدر ثابت ہے کہ آفتاب کی طرح چمکتی ہے مگر پھر بھی دید و ادراک کی زندگی میں روحوں کو پریشتر کے ساتھ برابر ٹھہراتا ہے۔ کیا یہ پریشتر کی باطنی درجہ کی صفت ہے کہ اُس کا فطرتی میں غیر بھی شریک ہے؟

اگرچہ اسلام بھی مخلوق کی نوعی قدامت کا قائل ہے مگر اسلام کا یہ عقیدہ ہے کہ ہر ایک چیز مخلوق ہے اور ہر ایک چیز خدا کے سہارے سے قائم اور موجود ہے اور نیز اسلام اس بات کا قائل ہے کہ ایک وہ زمانہ تھا جو خدا کے ساتھ کوئی نہ تھا اور صرف وحدت اپنا جلوہ دکھلا رہی تھی اور خدا

چاہے انسانی نوع نیکو کی حالت میں کثرت و حالتوں میں ہوتی ہے (۱) ایک تو اس پر ایسے بھاری تغیرات آتے ہیں کہ وہ بیاد کے علیحدہ واقعات کو بالکل فراموش کر دیتی ہے اور نئے نئے کام کے بواسطہ کے علاوہ اور اختیار سے باہر جھکتے ہیں اس کے سامنے آجاتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت وہ اپنی لادری حالتوں سے معطل ہو کر مردہ کی طرح ہو جاتی ہے۔ (۲) دوسری بعض مومنوں میں ایسی سخت سستی کی حالت اس پر وارد ہوتی ہے کہ اس کی ہستی کے صفات کی محو ہوتے ہیں حتیٰ اگر کسی کو کھانا کھانے سے سہاگمائی ہو کہ بیہوش کیا جائے تو اس قدر ندر ہما دہ اس کے اندر پرستی ہو جاتی ہے کہ اگر ایسے بیہوش کا کوئی شخص بھی کاٹ دیا جائے تو اس کو کچھ بھی خبر نہیں ہوتی یہ سب کہ ایسی تمام صورتوں میں اپنی تمام حالتوں میں اپنی صفات سے معطل ہو جاتی ہے اور قطعاً اپنی صفات کو چھوڑ دیتی ہے تو یہی صفت موت کی ہے۔ منہ

ایک پوشیدہ خزانہ کی طرح تھا۔ پھر خدا نے چاہا کہ میں شناخت کیا جاؤں تو اُس نے اپنی شناخت کیلئے انسان کو پیدا کیا مگر ہم نہیں جانتے کہ کتنی دفعہ وحدت الہی کا زمانہ آچکا ہے اس کا علم خدا کو ہے لیکن جیسا کہ دوسری صفات ہمیشہ کے لئے معطل نہیں رہ سکتیں ایسا ہی وحدت الہی کی صفت بھی ہمیشہ معطل نہیں رہتی اور کبھی کبھی اس کا دور آجاتا ہے اور کبھی ذات الہی دنیا کو ہلاک کرنا چاہتی ہے اور کبھی پیدا کرنا کیونکہ احوال اور امانت دونوں صفات اُس کے ہیں اس لئے ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ خدا ہر ایک جاندار کو ہلاک کرے گا یہاں تک کہ آسمان اور زمین کا بھی ایسے طور پر تختہ لپیٹ دے گا جیسا کہ ایک کاغذ لپیٹ دیا جاتا ہے اور اس صورت میں تعطل صفات کا لازم نہیں آتا کیونکہ بعض صفات کی جب قفل ہوتی ہے تو دوسری صفات جو اُن کے مقابل پر ہیں اور اُن کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتیں وہ کسی دوسرے وقت میں ظاہر ہوتی ہیں اور اس وقت کی منتظر رہتی ہیں اور یہ ایک سلسلہ قدرت کا واقعی ہے جس سے ہلاک کے بعد احیاء لازم پڑا ہوا ہے پس انہیں معنوں سے ہم کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی کوئی صفت معطل نہیں ہوتی وہ قدیم سے عجیب بھی ہے اور ثنویت بھی ہے اور کوئی صفت اُس کی ایسی نہیں ہے کہ پہلے تھی اور اب نہیں ہے یا اب ہے اور پہلے نہیں تھی۔ غرض ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ کوئی چیز خدا تعالیٰ کی وحدت کے ساتھ مزاحمت نہیں رکھتی محض اُسی کی ذات قائم بنفسہ اور ازلی اور ابدی ہے اور باقی سب چیزیں بالکۃ الذات اور باطلۃ الحقیقت ہیں۔ اور یہی خالص توحید ہے جس کے مخالف عقیدہ رکھنا سراسر شرک ہے۔ پس اسکی ظاہر ہے کہ دید کے پیر و پکے مشرک ہیں اور ذرہ ذرہ کو خدا تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہیں پھر عجیب تعجب آتا ہے کہ یہ لوگ خدا تعالیٰ کی اعلیٰ درجہ کی صفات کے منکر ہو کر اور مزین طرز پر اُن صفات کا انکار کر کے کیونکہ کہہ دیتے ہیں کہ الہامی کتاب کی یہ شرط ہے کہ اعلیٰ درجہ کے صفات پر بشر کے اُس میں درجہ ہوں۔ اسے نادانوں کی یہ صفت خدا تعالیٰ کی اعلیٰ درجہ کی نہیں ہے کہ اُس کی ازلیت ابدیت میں کوئی شریک نہ ہو پھر کیوں وید اُس کی ازلیت ابدیت میں دوسری چیزوں کو شریک کرتا ہے۔ اے افسوس تم کیوں نہیں سمجھتے کہ اس صفت کے نہ ماننے سے پریشانی ہاتھ سے

جاتا ہے اور کوئی دلیل اُس کے وجود پر قائم نہیں ہو سکتی کیونکہ اگر ہمیشہ درحقیقت صفت خالقیت سے معطل ہے اور کوئی چیز بجز جوڑنے اور پھوند دینے کے اُس نے پیدا ہی نہیں کی اور تمام چیزیں جیسے تمام رُوحیں اور تمام ذرات اجسام جن کو پرانا یا پر کرتی کچھ ہی خود بخود ہیں اور اپنی ذات سے بغیر پیدا ہونے کے انہی ابدی ہیں تو پھر ہمیشہ کے وجود پر کونسی دلیل قائم ہو سکتی ہے اور کیا صرف جوڑنا اور باہم پھوند دینا اس کے وجود پر ایک ایسی دلیل ہے جس پر دلی مطمئن ہو سکے؟ اور اگر رُوحیں اور ذرات عالم پر ہمیشہ کی طرح قدیم اور انادی اور غیر مخلوق ہیں تو کیوں نہ کہا جائے کہ ایسا ہی اُن کا اتصال اور انفصال بھی طبعی طور پر ان کی قدیمی صفت ہے جس میں ہمیشہ کے وجود کی اسی طرح ضرورت نہیں جیسا کہ اُن کے پیدا ہونے میں ہمیشہ کے وجود کی ضرورت نہیں پس اس کتاب سے زیادہ گمراہ کرنے والی کونسی کتاب ہے؟ کہ جو ایسی تعلیم دے جو خدا سے منکر بنانے کے لئے مدد دیتی ہے بلکہ منکر بنانے کے لئے خود افوا کرتی ہے۔

اور پھر دوسری طرف جیسا کہ دید خدا تعالیٰ کی صفت ذاتی سے برگشتہ اور منکر ہے یعنی وہ اعلیٰ صفت خدا تعالیٰ کی جو وحدت فی الازل والابد کی خصوصیت ہے اس سے انکاری ہے ایسا ہی دید خدا تعالیٰ کی خالقیت سے بھی انکاری ہے جیسا کہ ابھی ذکر ہو چکا ہے۔

اسی طرح دید خدا تعالیٰ کے رازق اور منعم اور رحمن ہونے سے بھی انکاری ہے کیونکہ ہر ایک نعمت جو انسان کو ملتی ہے اُن سب نعمتوں کو دید انسانوں کے لئے انہیں کے اعمال کا نتیجہ قرار دیتا ہے اور خدا کے فضل اور انعام اور رحمت کا کچھ ذکر نہیں کرتا پس جب کہ ہر ایک نعمت انسانوں کی دید کے رُوسے صرف اُن کے نیک اعمال کا نتیجہ ہے تو اس صورت میں ظاہر ہے کہ ہندوؤں کا ہمیشہ رازق اور منعم اور رحمن نہیں ہے بلکہ رازق اور منعم اور رحمن اُن کے اعمال ہیں اور ہمیشہ کچھ بھی نہیں اس صورت میں ظاہر ہے کہ بموجب تعلیم دید کے صفت رازق اور منعم اور رحمن ہونے کی بھی ہمیشہ میں نہیں ہے پس یہ عجیب بات ہے کہ پہلے تو دید نے خدا تعالیٰ کی اس صفت سے جو وحدت فی الازل والابد ہے انکار کیا اور پھر اس کے ساتھ ہی خدا تعالیٰ

کی صفت خالقیت سے خالقیت سے انکار کیا اور بعد اس کے خدا تعالیٰ کی صفت رزقیت اور ربانیت سے وید منکر ہو بیٹھا اس طرح پر وید نے خدا تعالیٰ کی تمام صفات کی صفائی کر دی اور اعلیٰ صفات کا تو ذکر کھیا کل تمام صفات سے ہی جواب دیا۔ اس لئے ہم زور دے رہے ہیں کہ وید کے رُود سے ہندوؤں کا پر میشر ہر ایک صفت سے معطل ہے نہ قادر ہے نہ خالق ہے نہ واحد لاشریک ہے نہ رازق ہے نہ رحمن ہے نہ منعم ہے بلکہ تمام مدار اپنے اپنے اعمال پر ہے پر میشر میں کوئی صفت نہیں پس خیال کرنا چاہئے کہ کہاں تو یہ دعویٰ کہ الہامی کتاب کی یہ نشانی ہے کہ جس میں اعلیٰ درجہ کے صفات پر میشر کے درج ہوں اور کہاں یہ حالت کہ ہندوؤں کے پر میشر کی ایک صفت بھی ثابت نہیں ہوتی۔

اللہ خدا تعالیٰ کی اعلیٰ درجہ کی صفات میں سے ایک صفت حکم بھی ہے کیونکہ وہی ذریعہ فیضانی اور ہدایتوں کا ہے لیکن بوجہ عقیدہ اُدیوں کے کہ دُرُوبس کی مدت گزرتی کہ وہ صفت بھی پر میشر میں سے مفقود ہو گئی ہے اور اب لغو و بالبد پر میشر ہمیشہ کے لئے گنگے کے طور پر ہو کر اس کلام کرنے پر قادر ہی نہیں اور اس صفت کے مسلوب ہونے سے دو نقصان ہوئے ہیں (۱) ایک یہ کہ پر میشر ہمیشہ کے لئے ناقص ٹھہر گیا گو یا اس کی صفات کے تضاد میں سے ایک عضو کٹ گیا (۲) دوسرے یہ کہ اُس کے فیضان الہامی سے ہمیشہ کے لئے اُریہ و دت کے لوگ محروم رہ گئے اور اُن کے مذہب کا تمام مدار صرف قصوں کہانیوں پر رہا۔ مگر اسلام کلام الہی کی صفت کو کبھی معطل نہیں کرتا اور اسلام کی رُود سے جیسا کہ پہلے زمانہ میں خدا تعالیٰ اپنے خاص

جو اگر بعض جہل اور نادانوں جو نام کے مسلمان ہیں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اسلام کا سلسلہ بند ہے تو یہ حق کی اپنی جہالت ہے کیونکہ قرآن شریف کا مخاطب اللہ کے سلسلہ کو بند نہیں کرتا جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے یٰلَیْقَ الْاِیْمَانُ مِنَ الْمَوْتِ مَا عَلٰی مَنْ اِیْشَارٌ مِّنْ عِبَادِیْ یعنی خدا جس پر چاہتا ہے اپنا کلام نازل کرے اور فرماتا ہے اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ فِیْ الْحَیْوَةِ الدُّنْیَا یعنی مومنوں کے لئے عیش الہام باقی رہ گئے ہیں گو شریعت ختم ہو گئی ہے کیونکہ عودِ نیا ختم ہونے کو ہے پس خدا کا کلام بشارتوں کے رنگ میں قیامت تک باقی ہے۔ منہ

بندوبستی سے مکالمہ مخاطب کرتا تھا اب بھی کرتا ہے اور ہم میں اور ہمارے مخالف مسلمانوں میں فقر  
 نقلی نزاع ہے اور وہ یہ کہ ہم خدا کے اُن کلمات کو جو نبوت یعنی پیش گوئیوں پر مشتمل ہوں  
 نبوت کے اسم سے موسوم کرتے ہیں اور ایسا شخص جس کو بکثرت ایسی پیشگوئیاں بذریعہ وحی دی  
 جاتیں یعنی اس قدر کہ اُس کے زمانہ میں اُس کی کوئی نظیر نہ ہو اس کا نام ہم نبی رکھتے ہیں کیونکہ نبی  
 اُس کو کہتے ہیں جو خدا کے الہام سے بہ کثرت آئندہ کی خبریں دے مگر ہمارے مخالف مسلمان  
 مکالمہ الہیہ کے قائل ہیں۔ لیکن اپنی نادانی سے ایسے مکالمات کو جو بکثرت پیشگوئیوں پر مشتمل ہوں  
 نبوت کے نام سے موسوم نہیں کرتے حالانکہ نبوت صرف آئندہ کی خبر دینے کو کہتے ہیں جو بذریعہ  
 وحی والہام جو اور ہم سب اس بات پر اتفاق رکھتے ہیں کہ شریعت قرآن شریف پر ختم ہو گئی  
 ہے صرف مبشرات یعنی پیش گوئیاں باقی ہیں۔

اور پھر خدا تعالیٰ کی اعلیٰ درجہ کی صفات میں سے ایک صفت تقدس بھی ہے۔ یعنی یہ  
 کہ وہ ہر ایک عیب اور نقصان سے پاک ہے لیکن ظاہر ہے کہ گونا گونا ایک عیب ہے۔ ایسا  
 ہی باوجود دعوائے قدرت کے ایک رُوح کو بھی پیدا نہ کر سکتا یہ بھی عیب ہے۔ ایسا ہی اپنا  
 وجود ثابت کرنے کے لئے کوئی نچتر اور محکم دلائل پیش نہ کرنا یہ بھی عیب ہے۔ ایسا ہمارے اُس کے  
 مقابل بہ اذلی اور ابدی طور پر کوئی اور وجود بھی ہو نہ یا بھی اُس کے لئے عیب ہے۔ پس باوجود  
 اس قدر عیبوں کے تقدس کہاں نہ سکتا ہے۔ سبحانہ و تعالیٰ عما یصفون ۛ

ایک اور ضروری صفت خدا تعالیٰ کی ہے جس کو وید اندر ہی اندر مہم کر گیا ہے اور وہ  
 اُس کا تو اب اور غفور ہونا ہے اور تو اب اور غفور کے یہ معنی ہیں کہ وہ توبہ قبول کرنے والا اور  
 گناہ بخشنے والا ہے ظاہر ہے کہ انسان اپنی فطرت میں نہایت کمزور ہے اور خدا تعالیٰ کے صلا  
 احکام کا اُس پر بوجھ ڈالا گیا ہے پس اس کی فطرت میں یہ داخل ہے کہ وہ اپنی کمزوری کی وجہ  
 سے بعض احکام کے ادا کرنے سے قاصر رہ سکتا ہے اور کبھی نفسِ آدمی کی بعض خواہشیں اس  
 پر غالب آجاتی ہیں پس وہ اپنی کمزور فطرت کی رُوسے حق رکھتا ہے کہ کسی لغزش کے وقت اگر

وہ توبہ اور استغفار کرے تو خدا کی رحمت اُس کو ہلاک ہونے سے بچائے اس لئے یہ یقینی امر ہے کہ اگر خدا توبہ قبول کرنے والا نہ ہوتا تو انسان پر یہ بوجھ صد احمکام کا ہرگز نہ ڈالا جاتا۔ اُس سے بلاشبہ ثابت ہوتا ہے کہ خدا توبہ اور غفور ہے اور توبہ کے یہ معنی ہیں کہ انسان ایک بدی کو اس اقرار کے ساتھ چھوڑ دے کہ بعد اس کے اگر وہ آگ میں بھی ڈالا جائے تب بھی وہ بدی ہرگز نہیں کرے گا۔ پس جب انسان اس صدق اور عزم محکم کے ساتھ خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے تو خدا جو اپنی ذات میں کریم و رحیم ہے وہ اس گناہ کی سزا معاف کر دیتا ہے اور یہ خدا کی اعلیٰ صفات میں سے ہے کہ توبہ قبول کر کے ہلاکت سے بچالیتا ہے اور اگر انسان کو توبہ قبول کرنے کی امید نہ ہو تو پھر وہ گناہ سے باز نہیں آئے گا۔ عیسائی مذہب بھی توبہ قبول کرنے کا قائل ہے مگر اس شرط سے کہ توبہ قبول کرنے والا عیسائی ہو لیکن اسلام میں توبہ کے لئے کسی مذہب کی شرط نہیں ہے ہر ایک مذہب کی پابندی کے ساتھ توبہ قبول ہو سکتی ہے اور صرت وہ گناہ باقی رہ جاتا ہے جو کوئی شخص خدا کی کتاب اور خدا کے رسول سے منکر رہے اور یہ بالکل غیر ممکن ہے کہ انسان محض اپنے عمل سے نجات پاسکے بلکہ یہ خدا کا احسان ہے کہ کسی کی وہ توبہ قبول کرتا ہے اور کسی کو اپنے فضل سے ایسی قوت عطا کرتا ہے کہ وہ گناہ کرنے سے محفوظ رہتا ہے۔

مضمون پڑھنے والے نے الہامی کتاب کی ایک یہ بھی نشانی بیان کی کہ اس میں اعلیٰ اخلاق سکھائے گئے ہوں۔ مگر مجھے تعجب ہے کہ اتنی جلدی کیوں یہ لوگ دید کی تعلیم کو

توبہ کرنے والے اپنا صدق ظاہر کرنے کے لئے حد و خیرات بھی کرتے ہیں اور اپنی طاقت سے نیا دھندل مال اور جانی بچا لیتے ہیں اور کجاہدہ اور اعمال صالحہ کی آگ سے اپنے تئیں جلا دیتے ہیں اور نہایت درجہ کی تبدیلی اپنے اند پیدا کرتے ہیں اور موت تک اپنے تئیں پہنچا دیتے ہیں اور پھر دیکھتا ہے کہ توبہ لئی کی قبول نہیں ہوتی گویا دید اپنے پر مشرک کو اُن سخت دل انسان کی طرح قرار دیتا ہے جس کو اپنے جانی نثار خادم کی کچھ بھی پروا نہیں مگر کیا انسانی فطرت قبول کر سکتی ہے کہ درحقیقت وہ خدا جس کے رحم کے سوا ایک دم بھی ہم جی نہیں سکتے ایسا ہی ہے ہرگز نہیں۔ منہ

بجھول جاتے ہیں۔ کیا ایسا ہمیشہ کر جو کسی کا گناہ بخش نہیں سکتا اور کسی کو محض جود اور سخا کے طور پر کچھ دے نہیں سکتا وہ دوسروں کو باوجود اپنے اس ذاتی نقص کے کب اعلیٰ اخلاق سکھلا سکتا ہے؟ جس حالت میں خود ہمیشہ میں صفت رحمت اور مغفرت کی موجودی نہیں ہے اور جود و سخا اُس کی عادت ہی نہیں ہے تو پھر وہ دوسروں کو یہ اخلاق فاضلہ کیسے سکھائے گا۔ اب اگر آریہ لوگ یہ جواب دیں کہ یہ صفات اعلیٰ اخلاق میں داخل نہیں ہیں اور یہ بُری صفات ہیں ابھی نہیں ہیں تو اس سے اُن کو ماننا پڑے گا کہ وہ خود ان اخلاق کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اُن کے پابند نہیں ہیں مگر ہم پرچھتے ہیں کہ کیا اُن کا کائنات اس بات کو مان پسند کرتا ہے کہ اگر اُن سے کوئی مجرم صادر ہو جائے اور کوئی راہ مخلصی کی نہ ہو تو وہ معافی کے لئے اپنے تئیں گورنمنٹ کے حوالہ کریں یا گورنمنٹ خود ہی اُن کو معاف کر دے اور کیا وہ درحقیقت نہیں چاہتے کہ کوئی ثابت شدہ مجرم اُن کا گورنمنٹ بخش دے پس جب کہ اُن کی فطرت میں درحقیقت یہ تقاضا موجود ہے جس کو ایسے وقتوں میں بے اختیار ظاہر کرتے ہیں کہ جب وہ گورنمنٹ کے کسی مواخذہ میں ہوتے ہیں پس اُن کو سوچنا چاہئے کہ یہ فطرتی تقاضا کس نے اُن کے اندر پیدا کیا ہے؟ اور اگر خدا تعالیٰ کا ارادہ یہ نہ ہوتا کہ توبہ کرنے والوں پر رحم کرے کہ اُن کو بخش دیا کرے تو انسانوں کی فطرت میں یہ تقاضا کیوں رکھتا؟ اور درحقیقت تمام اخلاق میں سے اعلیٰ خلق یہی ہے کہ انسان اپنے قصور و اذول کے قصور معاف کرے اور اپنے گنہگار کرنے والوں کے گناہ بخش دے۔ پس اگر ہمیشہ میں یہ خلق نہیں ہے تو اُس سے کیا توقع ہو سکتی ہے اور جس حالت میں انسان کے لئے یہ امر محال ہے کہ اس کے تمام حقوق ادا کر کے اور تمام خطاؤں سے بچ کر بکلی نیک اور پاک ہونے کا دعویٰ کرے تو اس صورت میں یہ کہنا کہ نجات اسی امر پر موقوف ہے کہ انسان بکلی گناہوں سے بذریعہ مزا کے صاف ہو کر ایسے جنم میں وجود پذیر ہو کہ تمام عمر کوئی گناہ نہ کرے۔ یہ قول محض ایک ایسے پاگل اور دیوانہ کا قول ہو سکتا ہے کہ جو انسانی فطرت کی کمزوری سے بے خبر ہے کیا یہ سچ نہیں کہ انسانی

کمزوری و حقیقت ایک سچا اور واقعی ذہن ہے؛ اور درحقیقت خدا کا نام تو اس یعنی توبہ قبول کرنے والا اسی انسانی کمزوری کے تقاضے ظہور پذیر ہے اور معاف کرنا ایک ایسا فاضل ہے کہ وقت مناسب پر انسانی فطرت اس کو قبول کرتی ہے اس لئے عقل سلیم کے نزدیک ایک سخت گیر انسان جو کبھی اپنے لوگوں کے قصور معاف نہیں کرتا قابلِ ملامت ہوتا ہے تو پھر پریشیں کا یہ دعوئے ہے کہ وہ تمام اخلاق حسنة کا جامع ہے اور ہر ایک خلق میں کامل اور سب سے بڑھ کر ہے کس قدر اُس کی شان سے دُور ہے کہ وہ اپنے گناہوں کے مقابل پر معافی اور بخشش کا کبھی نام نہ لے اور ادنیٰ ادنیٰ باتوں میں سزا دینے کے لئے تیار ہو جائے اور نیز اس میں حمد و سبّ کی صفت نہ ہو اور انسان صرف ایک مزدور کی طرح جس قدر کمزوری کرے اسی قدر بدلے لے۔ ایسے پریشیں سے کہاں توقع ہو سکتی ہے کہ وہ کسی دقت احسان اور مروت سے پیش آدے اور کسی لغزش کے دقت قصور معاف فرمادے بلکہ انسانوں کے لئے اس کی حکومت خطرناک اور اپنی سخت بد قسمتی کا موجب ہے۔

۱۸۳

یاد رہے کہ توبہ اور مغفرت سے انکار کرنا درحقیقت انسانی ترقیات کے دروازہ کو بند کرنا ہے کیونکہ یہ بات تو ہر ایک کے نزدیک واضح اور بدیہیات سے ہے کہ انسان کامل بالذات نہیں بلکہ تکمیل کا محتاج ہے اور جیسا کہ وہ اپنی ظاہری حالت میں پیدا ہو کر آہستہ آہستہ اپنے معلومات وسیع کرتا ہے پہلے ہی عالم فاضل پیدا نہیں ہوتا۔ اسی طرح وہ پیدا ہو کر جب ہوش پکڑتا ہے تو اخلاقی حالت اس کی نہایت گری ہوئی ہوتی ہے چنانچہ جب کوئی نو عمر بچوں کے حالات پر غور کرے تو صاف طور پر اس کو معلوم ہو گا کہ اکثر بچے اس بات پر حیرتیں ہوتے ہیں کہ ادنیٰ ادنیٰ نزاع کے وقت دوسرے بچہ کو ماریں اور اکثر اُن سے بات بات میں جھوٹ بولنے اور دوسرے بچوں کو گالیاں دینے کی خصلت مترشح ہوتی ہے اور بعض کو چوری اور چغوری اور دوسرے اور بغل کی بھی عادت ہوتی ہے اور پھر جب جوانی کی مستی ہوش میں آتی ہے تو نفسِ امارہ اُن پر سوار ہو جاتا ہے اور اکثر ایسے نالائق اور ناگفتنی کام میں آتے ہیں جو



صریح فتن و فجور میں داخل ہوتے ہیں۔ خلاصہ کلام یہ کہ اکثر انسانوں کے لئے اذل مرحلہ گندی زندگی کا ہے اور پھر جب سعید انسان اذل عمر کے تند سیلاب سے باہر آجاتا ہے تو پھر وہ اپنے خدا کی طرف توجہ کرتا ہے اور سچی توبہ کر کے نکرہ دنیا باتوں سے کنارہ کش ہو جاتا ہے اور اپنے فطرت کے جامہ کو پاک کرنے کی فکر میں لگ جاتا ہے۔ یہ عام طور پر انسانی زندگی کے سوانح میں جو زنج انسان کو طے کرنے پڑتے ہیں۔ پس اس سے ظاہر ہے کہ مگر یہی بات سچ ہے کہ توبہ قبول نہیں ہوتی تو صفات ثابت ہوتا ہے کہ خدا کا اعادہ ہی نہیں کسی کو نجات دے پس جب کہ خداوندی کا جواب دے چکا ہے اور کسی پلید جون میں ڈالنے کا اُس کا پختہ ارادہ ہے تو ایسی حالت میں جس کو یہ خواہش ہو کہ وہ گندی زندگی سے رستگار ہو کر اسی زندگی میں داخلانِ الہی میں سے ہو جاوے وہ کیونکر بر خلاف خدا کے ارادہ کے اس خواہش کو پوری کر سکتا ہے؟ اور کیونکر وہ خدا کی راہ میں کوئی معاہدہ کر سکتا ہے جب کہ وہ جانتا ہے کہ میرے لئے خدا کے فضل کا دروازہ قطعاً بند ہے اور یقین رکھتا ہے کہ اب بہر حال میرے لئے کوئی کتا یا بلا یا سور بننا ضروری ہے۔

مضمون پڑھنے والے نے الہامی کتاب کی ایک یہ بھی نشانی پیش کی کہ وہ کتاب اپنے آپ میں مکمل ہو یعنی اپنے بعد کسی دوسری کتاب کی اُس کو حاجت نہ ہو۔ اب اس چلا کی کی طرف خیال کرو کہ یہ کس قسم کی نشانی لکھی ہے۔ چونکہ ادیلوں کا یہ عقیدہ ہے کہ دید ایک ایسی کتاب ہے کہ اُس کے بعد کوئی کتاب نازل نہیں ہوئی اس لئے اُس نے اپنی غرض پوری کرنے کے لئے اس عقیدہ کو الہامی کتاب کی نشانیوں میں داخل کر دیا۔ تنقح طلب توبہ امر ہے کہ کیا حقیقت دید ایک ایسی کامل مکمل کتاب ہے کہ اس کے بعد کسی دوسری کتاب کو قدم رکھنے کی جگہ نہیں سوجب ہم غور سے دیکھتے ہیں تو صریح معلوم ہوتا ہے کہ دید کو ایسی صفت سے موصوم کرنا سراسر اس پر تممت ہے دید کے ذریعے جو کچھ آریہ دولت میں ظاہر ہوا ہے وہ یہی عناصر پرستی اور مخلوق پرستی اور سُورج اور چاند کی پوجا ہے یا نیوگ ہے اور کئی مرتبہ ہم لکھ چکے ہیں

کو یہ توحید اور معرفت الہی کا سخت مخالف اور دشمن ہے اور ایک گمراہ کرنے والی کتاب ہے۔  
 پس جس کتاب نے ایسی گندی تعلیم پھیلائی ہے کہ نہ توحید کو باقی چھوڑا اور نہ عمل صالح کی ترغیب  
 دی اور نہ ایک ذرہ بھروسے میں کوئی خوبی ہے اس کی ایسی تعریف کرنا کہ گویا اس کے بعد کسی  
 الہامی کتاب کی حاجت نہیں یہ سراسر بے حیائی ہے اور خواہ نخواہ خدا کی کتابوں پر بے جا حملہ  
 ہے۔ ہم پہلے اس سے لکھ چکے ہیں کہ چونکہ انسانی حالت ایک طور پر نہیں رہی اور نوری انسان پر  
 بڑے بڑے انقلاب آئے ہیں پس مصلحت اور حکمت الہی کا یہی تقاضا تھا کہ ہر ایک تغیر کے  
 مناسب حال کتاب نازل ہو۔ جیسا کہ بہت آسانی سے یہ بات سمجھ آ سکتی ہے کہ ابتدائے زمانہ میں  
 کسی کامل کتاب کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ ابتدائے زمانہ میں نگناہوں کا زور ہوتا ہے نہ بدعتیگی  
 کا طوفان برپا ہوتا ہے اور لوگ سیدھے سادے ہوتے ہیں اور یہ بات ظاہر ہے کہ جسمانی طور  
 پر بھی صماں تندرست اور صحیح سالم لوگ موجود ہوں وہاں چنداں طبیب کی حاجت نہیں ہوتی  
 کیونکہ جہاں بیمار ہیں طبیب بھی دہیں جاتا ہے پس عند الحقیقہ زمانہ تین قسم پر تقسیم ہو سکتا ہے۔  
 (۱) ایک صلاحیت کا زمانہ جو ابتدائی زمانہ تھا۔

(۲) دوسرا نیک و بد کی برابری کا زمانہ جس کو درمیانی زمانہ کہہ سکتے ہیں۔

(۳) تیسرا معاصی اور مفاسد کا زمانہ جس کی کلچرنگ کہتے ہیں سو وہ نہ ہر طائر زمانہ طوفان  
 معاصی کا اس لائق تھا کہ کامل کتاب اس میں بھی جادے سو وہ قرآن شریف ہے۔

دید نے جو کچھ کمال ظاہر کیا ہے وہ کسی پر پوشیدہ نہیں (۱) اس نے اپنے پر مشیر کو خالق  
 ہونے سے جواب دے دیا (۲) اس نے رُوحوں کو اُن کی تمام طاقتوں اور قوتوں کے ساتھ  
 خود بخود سمجھ لیا (۳) اُس نے تمام ذوات عالم کو مع اُن کے خواص اور طاقتوں کے پر مشیر کی  
 طرح اپنے وجود کے آپ ہی خدا مان لیا (۴) اُس نے خدا کی صفت وحی اور الہام کو ہمیشہ  
 کے لئے معطل قرار دیا (۵) اُس نے اُن تمام دلائل سے انکار کیا جن سے خدا کے وجود کا پتہ  
 لگتا ہے (۶) اُس نے پر مشیر کو ایک تخیل اور کپش پات اور طر فداوی کرنے والا ٹھہرایا کہ جو

ہمیشہ آدیہ دست سے ہی تعلق رکھتا ہے اور انہیں پر الہام نازل کرتا ہے دوسروں پر بے وجہ  
 نالافض ہے گویا اُنسی قوم سے اُس کا رشتہ اور قربت ہے اور گویا دوسرے ملکوں کے لوگ  
 اس کے بندے ہی نہیں یا اُن کے وجود سے ہی بے خبر ہے۔ (۷) اُس نے نیوگ کے ناپاک  
 طریق کے لئے تاکید کی مگر دے کر ہزاروں حوروں کی محنت میں غفل ڈالا۔ (۸) اُس نے تناسخ  
 کا عقیدہ پیش کر کے آریوں کو کوئی ایسا قاعدہ نہ بتلایا جس سے سمجھا جاتا کہ مثلاً دوبارہ آنیوالی  
 کوئی لڑکی اُسی شخص کی ماں یا دادی تو نہیں جس سے وہ نکاح کرنا چاہتا ہے (۹) اُس نے یہ  
 عقیدہ ظاہر کیا کہ گویا ہمیشہ کو ایک ایسا بد مکر کرنے کی عادت ہے جو مکتی دینے کے وقت  
 پوشیدہ طور پر مکتی یاب کے ذمہ ایک گناہ رکھ لیتا ہے اور پھر اُسی گناہ کا الزام دے کر مکتی  
 خانہ سے اُس کو باہر نکالتا ہے (۱۰) اُس نے اپنے پرمیشتر پر یہ نہایت قابل شرم وجہ لگایا  
 کہ وہ جادوئی مکتی دینے پر قادر نہیں ہے اور پھر جھوٹ یہ بولا کہ اعمال محمد وہیں اس لئے جزا  
 بھی محمد وہی چاہتے حالانکہ یہ بیان خلاف واقعہ ہے کیونکہ موجب اصول آریوں کے ہمیشہ  
 اسی لئے مکتی خانہ سے ہر ایک رُوح کو باہر نہیں کرتا کہ اعمال محمد وہیں بلکہ اس لئے کرتا ہے کہ  
 اُس کو یہ قدرت ہی نہیں ہے کہ کسی کو دائمی مکتی دے سکے۔ وجہ یہ کہ اگر دائمی مکتی سب رُوحوں  
 کو دیدے تو پھر آئندہ اپنا کام کیونکر چلا دے اور پھر نئی پیدائش ظاہر کرنے کے لئے کہاں سے  
 نئی رُوحیں لاوے۔ حالانکہ موجب عقیدہ دید کے یہ ضروری امر ہے کہ ہمیشہ سلسلہ جنموں کا  
 جاری رہے مگر جو لوگ ہمیشہ کے لئے آواگون سے نجات پا چکے وہ کیونکر دوبارہ جنموں کے  
 چکر میں آسکتے ہیں؟ پس پرمیشتر پر یہ مصیبت پڑی کہ ہمیشہ کی مکتی دینے سے اُس کا تمام  
 کاروبار بند ہو جاتا ہے کیونکہ نئی رُوحوں کے پیدا کرنے پر تو وہ قادر ہی نہیں اس صورت میں  
 وہ کہاں سے نئی رُوحیں لاتا ناچار میعاد کی مکتی قزلہ دی گئی تا کسی طرح اُس کی راج اور حکومت  
 میں فرق نہ آوے۔ یہ ہے ہندوؤں کا ہمیشہ اور یہ ہیں دید کی کامل ہلاکتیں جن کی بسناہ پر  
 مغضوب پڑھنے والے نے کہا کہ دید کے بعد کسی اور کتاب کی ضرورت نہیں۔ پس درحقیقت

دیدنے اپنے قابل شرم اصولوں کے ساتھ نہ پر میشر کی عزت کا پاس کیلئے آریوں کی آمد کا خیال رکھا نیوگ کے عقیدہ کے ساتھ آریوں کی پگڑی اتادی اور پر میشر کی سلب قدرت اور سلب خالقیت کے عقیدہ کے ساتھ اُس نے اپنے پر میشر کو بے عزت کیا۔ پس جس دید نے اپنے پر میشر اور اپنے پیروں کرنے والوں کے ساتھ یہ سلوک کیا اُس سے دوسروں کو کیا توقع ہے؟ وہ تو در حقیقت اس شعر کا مصداق ہے۔

تو بخوشی چکر دی کہ بمانی طہیری • • • • •  
مضمون پڑھنے والے نے ایک اور نشانی الہامی کتاب کی یہ پیش کی کہ اس میں اختلاف نہ ہو۔ ہم اس بات کو قبول کرتے ہیں کہ واقعی یہ نشانی الہامی کتاب کے لئے ضروری ہے کیونکہ اگر بیان میں تناقض پایا جادے اور قواعد مقررہ منطق کے رُوسے در حقیقت وہ تناقض ہو تو ایسا بیان اس عالم الغیب کی طرف شوب نہیں ہو سکتا جس کی ذات غلطی اور نقص اور خطا سے پاک ہے کیونکہ تناقض سے لازم آتا ہے کہ دو متناقض باتوں میں سے ایک بھڑی ہو یا غلط ہو اور اس دونوں قسم کی منقصت سے خدا تعالیٰ کی شان بلند و برتر ہے لیکن بعض نادان اپنی کوتاہ اندیشی اور حماقت سے ایسے امور میں بھی تناقض سمجھ لیتے ہیں جن کو در حقیقت تناقض سے کچھ بھی تعلق نہیں۔ مثلاً یہ کہنا کہ زید مردہ ہے یعنی باعتبار زید روحانی حیات کے اور یہ کہنا کہ زید زندہ ہے یعنی باعتبار جسمانی حیات کے۔ ان دونوں فقروں میں کچھ اختلاف اور تناقض نہیں کیونکہ اعتبار الگ الگ ہیں۔ ایسا ہی یہ کہنا کہ زید جو خالد کا بیٹا ہے بہت ثمر پر آدمی ہے اور یہ کہنا کہ زید جو ولید کا بیٹا ہے بہت نیک اور بھلا مانس آدمی ہے اس میں بھی کچھ تناقض اور اختلاف نہیں۔ کیونکہ موضوع یعنی وہ لوگ جن کے حالات کا بیان ہے وہ الگ الگ ہیں اور ایسا ہی یہ کہنا کہ زید صبح کے وقت جنگل میں تھا اور یہ کہنا کہ زید شام کے وقت گھر میں تھا ان دونوں فقروں میں بھی کچھ تناقض اور اختلاف نہیں کیونکہ اوقات الگ الگ ہیں اور ایسا ہی یہ کہنا کہ زید بغداد میں کبھی نہیں گیا اور یہ کہنا کہ زید دمشق میں گیا تھا ان دونوں فقروں

میں بھی کوئی تناقض اور اختلاف نہیں کیونکہ مکان الگ الگ ہیں اور یہ کہنا کہ زید کو میں دو روپیہ اجرت دوں گا بشرطیکہ وہ سارا دن میرا کام کرے اور یہ کہنا کہ زید کو میں صرف اٹھ آنہ اجرت دوں گا بشرطیکہ وہ صرف ایک پہر میرا کام کرے۔ ان دونوں فقرہوں میں بھی کوئی تناقض اور اختلاف نہیں کیونکہ شرطیں علیحدہ علیحدہ ہیں غرض جب تک ان تمام امور متذکرہ بالا میں وحدت نہ پائی جائے اور ہر ایک قسم کی زمانی مکانی وغیرہ تفریق سے دوسریاں خالی نہ ہوں تب تک نہیں کہا جائے گا کہ وہ دو بیان متناقض ہیں۔

لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اس تناقض سے دید بھرا ہوا ہے جیسا کہ ایک طرف تو دید خدا تعالیٰ کو قہر و مطلق مانتا ہے اور اُس کو سب شکتی مان جانتا ہے اور دوسری طرف اُسکی قدرت کے تمام کاموں سے انکاری ہے اسکے خالق اذواج اور اجسام ہونے سے منکر ہے اور نہ صرف اسی قدر بلکہ وہ کھلے کھلے طور پر یہ عقیدہ سکھاتا ہے کہ کیا اذواج اور کیا اُن کی تمام طاقتیں اور قوتیں اور اُن کے عجیب خواص سب خود بخود ہیں اور پریشتر نے اُن کو پیدا نہیں کیا ایسا ہی اجسام کے ذرات اور اُن کی تمام طاقتیں اور قوتیں خود بخود ہیں۔

اب ظاہر ہے کہ یہ کس قدر متناقض ہے کہ ایک طرف تو پریشتر کی کامل قدرت کو ماننا اور دوسری طرف سرے سے تمام قدرتی کاموں سے اُس کو جواب دے دینا؟

ایسا ہی ایک طرف تو دید اقراری ہے کہ پریشتر تمام فیضوں کا منبع اور سرچشمہ ہے اور دوسری طرف قطعاً اس بات سے انکاری ہے کہ کوئی فیض پریشتر کا جباری ہے کیونکہ جس حالت میں رُوحوں کی تمام طاقتیں اور قوتیں اور اجسام کی تمام طاقتیں اور قوتیں قدیم سے خود بخود ہیں اور انہیں طاقتوں کے ذریعہ سے وہ علوم و فنون حاصل کرتی ہیں۔ تو کیا اس کے ثابت نہ ہوا کہ پریشتر کا اُن پر ذرہ فیض نہیں؟ اور اگر کہو کہ اگرچہ وہ قوتیں تو خود بخود ہیں لیکن علوم اور معارف کا فیض تو پریشتر کی طرف سے ہوتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ بموجب اصولِ کلامیہ سماج کے پریشتر اپنی طرف سے کوئی نیکی اور خیر اور فیض انسان کو نہیں پہنچا سکتا اور جو

کچھ انسان کو کوئی بہتری اور خیر اور فیض پہنچتا ہے وہ تمام اس کے اعمال کا نتیجہ ہوتا ہے۔ بس صورت میں ظاہر ہے کہ جو کچھ دید کے کشیوں پر لہام ہوا ہے وہ پریشیر کا کچھ بھی احسان اور فیضان نہیں بلکہ خود ان کشیوں کے اعمال کا نتیجہ ہے۔ پس یہ عجیب پریشیر ہے کہ نہ دعوں کو اُس نے پیدا کیا اور نہ اُن کو کوئی فیض پہنچا سکتا ہے اور پھر یہ بھی دعویٰ ہے کہ وہ تمام فیوض کا منبع ہے۔ کیا یہ مزج تناقض اور اختلاف بیانی دید میں موجود ہے یا نہیں؟

ایسا ہی دید کی طرف سے یہ دعویٰ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ توحید کی دعوت کرتا ہے حالانکہ دوسری طرف دید کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ خدا اپنی ازلیت و ابدیت میں واحد نہیں بلکہ ذہ ذہ اس عالم کا اور نیز تمام رُوحیں ازلیت و ابدیت میں اس کی شریک ہیں اور نیز ایک طرف تو دید کی طرف توحید کو منسوب کیا جاتا ہے اور دوسری طرف کھلے کھلے طور پر وہ مخلوق پرستی کی تعلیم دیتا ہے اور الگ الگ دلیلوں کی پرستش سے سارا دید بھرا پڑا ہے۔

پس جس حالت میں دید کی اختلاف بیانی اور تناقض کا یہ حال ہے تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دید نے اس شرط کو پورا نہیں کیا اور نہ اس نے ایسا دعویٰ کیا کہ اس میں اختلاف بمیان نہیں لیکن قرآن شریف یہ دعویٰ کرتا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔ اَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْفُتٰنَانِ ذٰ كُوٰلَانٍ مِّنْ عِندِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوْ جَعَدَا فِيْهِ اِخْتِلَافًا كَثِيْرًا یعنی کیا یہ لوگ قرآن میں تدبر نہیں کرتے اور اگر وہ خدا کے سوا کسی اور کا کلام ہوتا تو اس میں بہت سا اختلاف پایا جاتا۔ اور ظاہر ہے کہ جس زمانہ میں قرآن شریف کی نسبت خدا تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ اس میں اختلاف نہیں تو اس زمانہ کے لوگوں کا حق تھا کہ اگر اُن کے نزدیک کوئی اختلاف تھا تو وہ پیش کرتے مگر سب ساکت ہو گئے اور کسی نے دم نہ ملا۔ اور اختلاف کیونکر اور کہاں سے ممکن ہے جس حالت میں تمام احکام ایک ہی مرکز کے گرد محکم ہوئے ہیں یعنی علی اور علی رنگ میں اور درستی اور نرمی کے پیرایہ میں خدا کی توحید پر قائم کرنا اور ہوا دہوس چھوڑ کر خدا کی توحید کی طرف کھینچنا۔ یہی قرآن کا مطالبہ ہے۔

مضمون پڑھنے والے نے ایک اور نشانی الہامی کتاب کی یہ پیش کی کہ اس میں کسی کی

طرف داری نہ ہو اس تحریر سے مجھے یقین ہو گیا کہ یہ شخص ہوش و حواس کی قائمی سے بات نہیں کرتا کیونکہ جس قدر دید و پیکش پات اور طرف داری سے بھرا ہوا ہے اس کا فہم دوسری جگہ ملتا ناممکن ہے مثلاً اس سے بڑھ کر طرف داری کیا ہوگی کہ باوجودیکہ کروڑوں اربوں بلکہ بے شمار ملکوں سے دنیا چلی آتی ہے لیکن اب تک پریشانی نے اس طرف داری اور پیکش پات کو نہیں چھوڑا کہ ہمیشہ آریہ ورت میں ہی دید کو نازل کرتا رہا ہے اور سنسکرت زبان میں ہی نازل کرتا ہے اور ہمیشہ اس کی پارلیمنٹ میں ٹیبلٹ بننے کے لئے آگئی۔ دالو۔ آدت۔ انگریزی انتخاب کئے جاتے ہیں پس کیا اس طرف داری سے بڑھ کر کوئی اور بھی طرف داری ہوگی کہ جو دید میں پائی جاتی ہے کہ ہمیشہ الہامی کتاب کے لئے آریہ ورت کو ہی اختیار کرتا ہے اور قدیم سے سنسکرت زبان میں ہی الہام کرتا چلا آیا ہے ایسا ہی اُس کو الہام دینے کے لئے آگئی۔ دالو۔ انگریزی۔ آدت ہی پسند آئے ہیں اور ہمیشہ ایسی اعلیٰ جڑوں اُن کو دیتا ہے کہ جو لائق الہام پانے کے ہوتی ہے اور یہ معاملہ نہ ایک دفعہ نہ دو دفعہ نہ تین دفعہ ظہور میں آتا ہے بلکہ بیشتر اربوں تک اس پر گزرتا ہے کہ وہ ایسا ہی کرتا ہے اور جس طرح گورنمنٹ برطانیہ کے افسر دل کو گرمی کے دنوں میں شہد پسند آیا ہوا ہے پریشانی کو آریہ ورت پسند آگیا ہے۔ دوسرے ملکوں کے باشندوں سے بے وجہ ناراض ہے یا اب تک اس کو اُن کے وجود کا علم ہی نہیں۔ اب کوئی آریہ صاحب انصاف سے فرماوے کہ کیا یہ طریق پریشانی کا طرف داری اور پیکش پات ہے یا کوئی اور بات ہے؟ اور ملکر کوئی اور بات ہے تو مع دلائل اُس کو بیان کر دیں۔

مضمون پڑھنے والے نے الہامی کتاب کی ایک یہ نشانی بتائی کہ اس میں ایسی باتیں نہ ہوں کہ خدائے تعالیٰ کام میں مکاری کی۔ اس کا جواب ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ کرائی باریک بینی سے اور تصرفات کو کہتے ہیں کہ وہ ایسے مخفی اندر مستور ہوں کہ جس شخص کے لئے وہ تدابیر عمل میں لائی گئی ہیں وہ اُن تدبیروں کو شناخت نہ کر سکے اور دھوکا کھا جائے پس کر دو قسم کے ہوتے ہیں۔

(۱) اول وہ کہ جن کے عمل و آمد سے ارادہ خیر اور بستی کا کیا گیا ہے اور کسی کو نقصان پہنچانا

منظور نہیں ہے جیسا کہ ماں اپنے بچے کو اس مکر سے دوپلا دیتی ہے کہ وہ ایک شربت شیریں ہے اور میں نے بھی پیسا ہے بڑا میٹھا ہے اور اس مکر سے بچے کے دل میں ایک خواہش پیدا ہو جاتی ہے اور وہ دو کو پی لیتا ہے اور جیسا کہ پولس کے بعض لوگوں کو یہ خدمت سپرد ہے کہ وہ پولس کی وردی نہیں رکھتے اور عام لوگوں کی طرح سفید پوش رہتے ہیں اور پردہ میں بد معاشوں کو تاڑتے رہتے ہیں پس یہ بھی ایک قسم کا مکر ہے مگر نیک مکر۔ ایسا ہی طالب علم یا دکنیہ یا ڈاکٹر دل کا امتحان لینے والے یا کسی اور صیغہ میں جو محقق ہوتے ہیں وہ بھی نیک نیتی سے سوال بنانے کے وقت ایک حد تک مکر کرتے ہیں۔ پس اسی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ وہ مکر جو خدا کی شان کے مناسب حال ہیں وہ اس قسم کے ہیں جو کے ذریعہ سے وہ نیکوں کو آزماتا ہے اور بدوں کو جو اپنی شرارت کے مکر نہیں چھوڑتے سزا دیتا ہے اور اُس کے قانون قدرت پر نظر ڈال کر ہر ایک شخص سمجھ سکتا ہے کہ ایسی مخفی رحمتیں یا مخفی غضب اُس کے قانون قدرت میں پائے جاتے ہیں۔ بعض اوقات ایک مکار شریر آدمی جو اپنے بد مکروں سے باز نہیں آتا بعض اسباب کے پیدا ہونے سے خوش ہوتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ ان اسباب کے ذریعہ سے جو میرے لئے قیصر آگئے ہیں ایک مظلوم کو اتنا درد جب کے ظلم کے ساتھ ہیں ڈالوں گا مگر انہیں اسباب خدا اسی کو ہلاک کر دیتا ہے اور یہ خدا کا مکر ہوتا ہے جو شریر آدمی کو ان کاموں کے بد نتیجے سے بے خبر رکھتا ہے اور اس کے دل میں یہ خیال پیدا کرتا ہے کہ اس مکر میں اُس کی کامیابی ہے اس بات سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ ایسے کام خدا تعالیٰ کے دنیا میں ہزار ہا پائے جاتے ہیں کہ وہ ایسے شریر آدمی کو جو بد مکروں سے بے گناہوں کو دکھ دیتا ہے اپنے نیک اور عدل کے مکر سے سزا دیتا ہے۔

اب ہم عام فائدہ کے لئے کتاب لسان العرب سے جو ایک پُرانی اور معتبر کتاب نعت کی ہے مکر کے معنی لکھتے ہیں اور وہ یہ ہے المکر احتیال فی خفیۃ۔ وان الحکید فی الحروب حلال۔ والمکر فی کل حلال حرام۔ قال اللہ تعالیٰ و مکروا مکراً و مکروا مکراً



وہم لا یشعرون۔ قال اهل العلم بالتاویل المکر من اللہ تعالیٰ جزاء سعی باسم مکر المجازی۔ ترجمہ۔ مکر اس حیل کو کہتے ہیں جو پوشیدہ دکھا جائے۔ جنگوں میں اس قسم کے حیلے حلال ہیں۔ اور ہر ایک حلال امر کو حیلہ کر کے ٹالنا یہ حرام ہے اور قرآن شریف میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ کافروں نے اپنی دانست میں ایک بڑا مکر کیا اور ہم نے بھی مکر کیا اور وہ ہمارے مکر سے بے خبر تھے اور اہل علم کہتے ہیں کہ خدا کا مکر یہ ہے کہ مگاد کو مکر کی سزا دینا۔ اور قرآن شریف میں پوری ہدایت یہ ہے۔

وكان في المدينة تسعة رهط يفسدون في الارض ولا يصلحون۔ قالوا تقاسموا بالله ان لنبئتنه واهله ثم لنقولن لوليته ما شهدنا مهلك اهله وانا لصادقون و مكرنا مكرًا و مكرنا مكرًا و هم لا يشعرون فافطر كيف كان عاقبة مكرهم انا ذو قرآنهم و قومهم اجمعين فتلك سيرة خلقه بما ظلموا ان في ذلك لاية لقوم يعلمون۔ و انجينا الذين امنوا و كانوا يتقون۔ المجن و ۱۹ سورة النمل ص ۱۹ (ترجمہ اور غہر میں تو شخص ایسے

تھے جن کا پیشہ ہی فساد تھا اور اصلاح کے رد و ادارہ نہ تھے انہوں نے باہم قسمیں کھائیں کہ رات کو پوشیدہ طور پر شیخوں مار کر اس شخص کو اور اس کے گھر والوں کو قتل کر دو اور پھر ہم اس کے وارث کو جو خون کا دعویٰ دار ہو گا یہ کہیں گے کہ ہم تو ان لوگوں کے قتل کرنے کے وقت اس موقع حاضر نہ تھے اور ہم سچ سچ کہتے ہیں۔ یعنی یہ بھانہ بنائیں گے کہ ہم تو قتل کرنے کے وقت فسطاں ففلں جگہ گئے ہوئے تھے جیسا کہ اب بھی مجرم لوگ ایسے ہی بھانے بنایا کرتے ہیں تا مقدمہ نہ چلے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تو دیکھ کہ اُن کے مکر کا انجام کیا ہوا ہم نے اُن کو اور اُن کی تمام قوم کو ہلاک کر دیا۔ اور یہ گھر جو دیوان پڑھے ہوئے ہیں یہ انہیں کے گھر ہیں ہم نے اس لئے اُن کو یہ سزا دی کہ یہ ہم سے برگزیدہ بندہ دل پر ظلم کرتے تھے اور باز نہیں آتے تھے۔ پس ہمالایہ عذاب ان لوگوں کے لئے ایک نشان ہے جو جانتے ہیں۔ اور ہم نے اُن ظالم لوگوں کے ہاتھ سے

اُن ایمانداروں کو نجات دے دی جو متقی اور پرہیزگار تھے۔ سو خدا کا مکر یہ تھا کہ جب شریر آدمی شرارت میں بڑھتے گئے تو ایک مدت تک خدا نے اپنے ارادہ عذاب کو مخفی رکھا اور جب اُن کی شرارت نہایت درجہ تک پہنچ گئی بلکہ انہوں نے ایک بڑا مکر کر کے خدا کے برگزیدوں کو قتل کرنا چاہا۔ تب وہ پوشیدہ عذاب خدا نے اُن پر ڈال دیا جس کی اُن کو کچھ بھی خبر نہ تھی اور اُن کے وہم گمان میں نہ تھا کہ اس طرح ہم نیست و نابود کئے جائیں گے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ خدا کے برگزیدہ بندوں کو ستانا اچھا نہیں آخر خدا کیلئے کچھ مدت تک تو خدا اپنے ارادہ کو مخفی رکھتا ہے اور وہی اُس کا ایک مکر ہے مگر جب شریر آدمی اپنی شرارت کو انتہا تک پہنچا دیتا ہے تب خدا اپنے ارادہ کو ظاہر کر دیتا ہے۔ پس نہایت بد قسمت وہ لوگ ہوتے ہیں جو خدا کے برگزیدہ بندوں کے مقابل پر محض شرارت کے جوش سے کھڑے ہو جاتے ہیں اور اُن کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں آخر خدا اُن کو ہی ہلاک کر تا ہے۔ اس کے بارے میں ردی صاحب کا یہ شعر نہایت عمدہ ہے۔

تا دلی مرد خدا تا بدرد  
ہیچ قوسے را خدا و سوانہ کرد

پھر مضمون پڑھنے والے نے الہامی کتاب کی یہ نشانی پریش کی کہ اُس میں کسی کا مال لُٹنے کے لئے حکم نہ دیا گیا ہو ہم اس سے بھی یہی بات نکالتے ہیں کہ یا تو یہ شخص دیسے سے ناواقف ہے اور یا وہ کہ دشمنوں کا پکا دشمن ہے۔ کیونکہ بار بار وہی باتیں بیان کرتا ہے جو دید کی تعلیم کے مخالف ہیں۔ اس جگہ ہم بطور نمونہ ناظرین کے لئے رگوید کی چند شریکیں لُٹ کے بارے میں لکھ دیتے ہیں اور وہ یہ ہیں:-

اگنی کے آگے ایک دعا کر کے آخری فقرہ شرتی کا یہ ہے۔ ایسا ہو کہ ہم لڑائیوں میں اپنے دشمنوں سے لُٹ حاصل کریں اسے اندھ گورہ مستحق نہ ہوں یہ تو ہمیں خدا کا گواہی اور گھوڑے دے کر ملا مال کر۔ اسے خوبصورت اور طاقتور اندھ خوراک کے مالک تیری شفقت ہمیشہ قائم رہتی ہے ہزاروں عمدہ گھوڑے اور گورہ ہمیں دے ہر ایک کو جو ہمیں مالی دیس ہے غارت کر لینے اُن کا مال گورہ وغیرہ ہمیں دیدے۔

اے اندر اور گنتی بچر گھمانے والو شہروں کے غارت کرنے والو ہمیں دولت عطا کرو۔  
 لڑائیوں میں ہماری مدد کرو یعنی بہت سالوٹ کا مال ہمیں دو۔ اے اندر جو سب دیوتاؤں میں  
 اول درجہ کا دیوتا ہے ہم تجھے بلاتے ہیں تو نے لڑائیوں میں بہت سالوٹ کا مال حاصل کیا ہے  
 اے اچیت اندر ایسی لڑائیوں میں ہماری حفاظت کر جہاں سے بہت لوٹ ہماری ہاتھ آئے  
 ہم اندر کو جو ہمارے دشمنوں کے مقابل پر بچر گھماتا ہے اور جو ہمارا مددگار ہے بے شمار دولت  
 حاصل کرنے کے لئے بلاتے ہیں۔ (وید کی تعلیم کی دُور سے لوٹ کا مال اکثر اندر ہی دیا کرتا ہے) اے  
 گنتی ہم نے تجھے کبھی کا ہوم کر کے بلایا ہے ہمارے دشمنوں کو جلا دے۔

اب کوئی آدیہ صاحب بتلا دیں کہ یہ شرتیاں وید میں ہیں یا قرآن شریف میں۔ قرآن شریف  
 میں تو کہیں نہیں لکھا کہ اپنے دشمنوں کو آگ سے جلا دو اور اُن کا مال لوٹ لو۔ یہ ایک سخت بُرائی  
 ہے جو خدا تعالیٰ کی پاک کلام پر ناحق تہمت لگائی جاتی ہے۔ قرآن شریف میں صرف یہ حکم دیا گیا  
 ہے کہ جن لوگوں نے مسلمانوں کو قتل کیا اور اُن کا مال لوٹا اور اُن کو وطن سے نکالا تم بھی یہی  
 اس نقصان کے اُن کا مال لوٹ لو۔ اور جب سے دُنیا پیدا ہوئی ہے ہمیشہ لڑائیوں کی وضع اسی  
 طرح چلی آئی ہے کہ فتح کرنے والے مغلوب فریق کا مال لوٹ لیتے ہیں بلکہ اُن کے ملک پر بھی  
 قبضہ کر لیتے ہیں۔ آج کل بھی فتح پانے والے بادشاہوں میں یہی رسم جاری ہے مگر قرآن شریف نے  
 ظلم اور زیادتی کی تعلیم نہیں دی اور صرف مغلوبوں کی نسبت لڑائی کرنا جائز رکھا ہے اور نیز یہ  
 کہ جس طرح دشمن نے اُن کا مال لوٹ لیا ہے وہ بھی لوٹ لیں زیادتی نہ کریں پس کس قدر یہ بھائی  
 بے شرمی۔ بے ایمانی ہے کہ ناحق قرآن شریف پر یہ تہمت تھاپ دی جاتی ہے کہ گویا اُس نے  
 آتے ہی بغیر اس کے کہ فریقِ ثانی سے مجرمانہ حرکتیں صادر ہوں لوٹ اور قتل کرنے کا حکم دیدیا تھا  
 ہمیں ایسی کوئی آیت سلسلے قرآن شریف میں نہیں ملتی اگر اُدیوں نے کوئی ایسی آیت دیکھی ہے  
 جس سے یہ پایا جاتا ہو کہ بغیر فریقِ ثانی کے ظلم اور مجرمانہ حرکات کے اُن کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم ہو  
 تو ان پر کھانا حرام ہے جب تک وہ آیت پیش نہ کریں۔ یوں ہی کسی آیت کا سر پریر کاٹ کر اور

اپنے مطلب کے موافق بنا کر پیش کر دینا یہ تو ان لوگوں کا کام ہے جو سخت شریر اور بدعاش اور گندے کہلاتے ہیں۔ خدا تو قرآن شریف میں یہ فرماتا ہے اذن للذین یقاتلون بانہم ظالمون وان اللہ علیٰ نصرہم لقد یؤیذ یعنی جن مسلمانوں پر ناحق قتل کرنے کے لئے چڑھائی کی جاتی ہے۔ خدا نے دیکھا کہ وہ مظلوم ہیں اس لئے خدا بھی ان کو مقابلہ کرنے کے لئے اجازت دیتا ہے۔

مضمون پڑھنے والے نے ایک نشانی الہامی کتاب کی یہ بیان کی کہ پیدائش اور فنا کے بارے میں اس میں صحیح صحیح حالات درج ہوں۔ واضح ہو کہ اس نشانی کی حقیقت بیان کرنے کے بارے میں ہم چنداں ضرورت نہیں دیکھتے کیونکہ پہلے بھی وضاحت کے ساتھ ہم لکھ چکے ہیں کہ ان دونوں نشانیوں میں وید نے بڑی بھاری غلطی کھائی ہے کیونکہ بموجب قول اُد یہ سماج کے وید کی تعلیم ہے کہ ادواح اور ذوات اجسام نامادی اور غیر مخلوق اور قدیم سے پریش کی طرح خود بخود ہیں اور ان کی تمام طاقتیں اور قوتیں بھی خود بخود ہیں۔ اور انسان کے مرنے کے وقت میں اُس کی روح آسمان کی فضا میں چلی جاتی ہے اور پھر شبنم کی طرح رات کے وقت کسی گھاس پات پر پڑتی ہے اور وہ گھاس کوئی کھالیتا ہے اور اس طرح پر نطفہ کے اندر ہو کر وہ روح کسی عورت کے پیٹ میں چلی جاتی ہے۔ یہ ہے وید کی فلاسفی جو پیدائش اور فنا کے متعلق ہے اور ہم اسی رسالہ میں ثابت کر چکے ہیں کہ یہ ایسا بدیہی البطلان عقیدہ ہے کہ ایک بچہ بھی اُس پر ہنسے گا اگر رُوحیں خود بخود ہیں اور ان کی طاقتیں خود بخود ہیں تو پھر پریش پریش نہیں رہ سکتا اور نہ پرستش کرانے کے لئے اس کا کوئی حق ٹھہرتا ہے اور اس کا ردحوں پر حکومت کو نامہر قبیضہ جابرانہ ہو گا اور ہم کوئی دوسرا نام اس قبیضہ کا نہیں رکھ سکتے۔ ایسا ہی اس عقیدہ سے اس کی توحید تمام درہم برہم ہو جاتی ہے اور قدامت میں ذرہ ذرہ اُس کے وجود کے ساتھ برابر ہو جاتا ہے۔ اور نیز بڑی خرابی یہ ہے کہ اس صورت میں وہ منبع فیوض نہیں ٹھہر سکتا کیونکہ جب کہ رُوحیں خود بخود ہیں اور ان کی طاقتیں خود بخود ہیں تو صاف ظاہر ہے کہ اُن کے اور الگ جمہولات

کی قوت بھی خود بخود ہوگی۔ اس صورت میں اُن کو ادراک مجہولات کے لئے پریشی کی کچھ بھی حاجت نہ رہی اور اسکی ماننا پڑے گا کہ جیسا کہ رُوحیں قدیم سے خود بخود ہیں ایسا ہی جسم ضروریہ کے تمام دھواڑے بھی قدیم سے اُن پر کھلے پڑے ہیں پس اس صورت میں پریشی کی کچھ بھی ضرورت نہیں رہے گی۔ اور اگر یہ کہو کہ رُوحیں تو خود بخود ہیں مگر اُن کے صفات خود بخود نہیں تو یہ خیال خود غلط ہے کیونکہ کسی چیز کا تحقق وجود بغیر تحقق صفات کے ممکن نہیں غرض اس عقیدہ سے پریشی حشرِ چشمہ فیض نہ رہا۔ اور اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہو گیا اور نیز اُس کے وجود پر کوئی دلیل نہیں رہی جس سے سمجھا جائے کہ وہ موجود بھی ہے اور نیز اس عقیدہ سے پریشی تمام تعریفوں کا مستحق نہ رہا کیونکہ جب رُوحیں مع اپنی طاقتوں کے اور ایسا ہی ذرات اجسام مع اپنی طاقتوں کے قدیم سے خود بخود ہیں اند پریشی کا اُن میں دخل نہیں تو پھر پریشی تمام تعریفوں کا کیونکر مستحق ہو سکتا ہے؟ اور جن اپنی قدیم قوتوں کے ذریعہ سے کوئی شخص اعمال بجا لاتا ہے اُن اعمال کی بجا آوری میں بھی پریشی کا کچھ دخل قرار نہیں پاسکتا کیونکہ پریشی کے فیض کا اُن میں ایک ذرہ دخل نہیں اور یہ خود آریوں کے نزدیک مسلم امر ہے کہ پریشی اپنی طرف سے عطیہ کے طور پر کچھ نہیں دے سکتا بلکہ سب کچھ جو انسان کو ملتا ہے وہ محض اعمال کا نتیجہ ہے پس کسی آریہ کو یہ توہین نہیں مل سکتی کہ وہ الحمد للہ کہہ سکے یعنی یہ کہ تمام محامد اور تمام تعریفیں خدا سے خاص ہیں کیونکہ اُن کے نزدیک جیسا کہ پریشی میں خوبیاں ہیں ایسا ہی رُوحوں اور ذرات اجسام میں بھی خوبیاں ہیں کیونکہ وہ پریشی کی طرح قدیم سے خود بخود ہیں اند جن طاقتوں کو وہ اپنے اند رکھتے ہیں وہ بھی پریشی کی طاقتوں اور صفات کی طرح خود بخود ہیں اور انسانی محض اپنی ذاتی طاقت سے اچھے اعمال بجا لاتا ہے نہ پریشی کی کسی مدد سے کیونکہ اول تو پریشی کو مدد دینے کے لئے قدم رکھنے کی جگہ نہیں کیونکہ پریشی کی مدد کی ضرورت ہی نہیں۔ خود بخود سب کچھ حاصل ہے۔ ماسوا اس کے اگر وہ انسانوں کو نیک اعمال کے بجالانے پر کچھ مدد دے تو اس سے آریہ سماج کا اصول ٹوٹتا ہے اور وہ یہ کہ پریشی بغیر عوض اعمال کے کچھ

نہیں دے سکتا۔ اس کے مقابل پر وہ عقیدہ دیکھو کہ قرآن شریف نے ہمیں سکھایا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔ الحمد للہ رب العالمین الرحمن الرحیم طلت یوم الدین۔ آیاتک نصبہ و آیاتک نستعین۔ اھدنا الصراط المستقیم۔ صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین۔ (تو جو) تمام تعریفیں اور تمام مدح اور تمام استت اور مہما خدا کے لئے مسلم اور مخصوص ہے جو تمام چیزوں کا پیدا کرنے والا اور پرورش کرنے والا ہے کوئی چیز بھی ایسی نہیں کہ جو اس کی پیدا کردہ نہیں اور اس کی پرورش کردہ نہیں وہ رکھتی ہے یعنی وہ بغیر عوض اعمال کے اپنے تمام بندوں کو خواہ کافر ہیں خواہ مومن اپنی نعمتیں دیتا ہے اور ان کی آسائش اور آرام کے لئے بے شمار نعمتیں ان کو عطا کر رکھی ہیں اور وہ بیم ہے یعنی پہلے تو وہ اپنی رحمانیت سے جس میں انسان کی کوشش کا دخل نہیں ایسے قوی اور طاقتور اپنے بندوں کو عطا کرتا ہے جس سے نیک اعمال بجا لاسکیں اور تکمیل اعمال کے لئے ہر ایک قسم کے اسباب مہیا کر دیتا ہے اور پھر جب اس کی رحمانیت سے انسان اس لائق ہو جاتا ہے کہ اعمال نیک بجا لاسکے تو ان اعمال کی جزا کے لئے خدا تعالیٰ کا نام رحیم ہے اور جب انسان خدا تعالیٰ کی رحمت سے فیضیاب ہو کر اس لائق ہو جاتا ہے کہ اس کی طرف سے ابدی انعام و اکرام پاوے تو اس ابدی انعام و اکرام کے دینے کے لئے خدا تعالیٰ کا نام مالک یوم الدین ہے پھر بعد اس کے فرمایا کہ اے وہ خدا جو ان صفات کا تو جامع ہے ہم تیری ہی پکشتش کرتے ہیں اور پکشتش وغیرہ نیک امور میں تیری ہی مدد چاہتے ہیں۔ ہمیں سیدھی راہ دکھا۔ ان لوگوں کی راہ جن پر تیرا انعام و اکرام ہے۔ اور ان لوگوں کی راہ سے بچا جو تیرے غضب کے نیچے ہیں (یعنی ایسی شوخی اور شرارت کے کام کرتے ہیں جو اسی دنیا میں مورد غضب ہو جاتے ہیں) اور ہمیں ان لوگوں کی راہ سے بچا جو تیری راہ کو بھول

۱۹۸

۱۰ مگر ہمیشہ خود بخود کچھ دے سکتا تو پھر آدمیوں کی کتنی حدود کیوں ٹھہرتی؟ پریشانی یہ مفت ہی نہیں تھی کہ اپنی طرف سے بلور فیاضی کچھ عطا کر سکتا تھی تو کتنی بھی حدود رکھنی پڑی کیسے بد قسمت وہ لوگ ہیں جو کچھ ہمیشہ لیا کرتے اور بد قسمت جو بد بخت سے محروم ہے۔ منہ

گئے ہیں اور وہ راہیں اختیار کرتے ہیں جو تیری مرضی کے موافق نہیں۔ لیکن اب دیکھو کہ قرآن شریف کی یہ سورہ جس کا نام سورہ فاتحہ ہے کہی تو حید سے پڑھے جو کسی جگہ انسان کی طرف سے یہ دعویٰ نہیں کہ میں خود بخود ہوں اور خدا کا پیدا کردہ نہیں اور نہ یہ دعویٰ ہے کہ میرے اعمال اپنی قوت اور طاقت سے ہیں اور دید کی طرح اُس میں یہ دعائیں کہ اُسے پر ہمیشہ ہمیں بہت سی گونیں دے اور بہت سے گھوڑے دے اور بہت سا لوٹ کا مال دے۔ بلکہ یہ دعا ہے کہ ہمیں وہ راہ دکھا جس راہ سے انسان تجھے پالیتا ہے اور تیرا روحانی انعام و اکرام اسے نصیب ہوتا ہے اور تیرے غضب سے بچتا ہے اور گمراہی کی راہوں سے محفوظ رہتا ہے۔

۱۹۹

اسی طرح قرآن شریف میں یہ تعلیم نہیں ہے کہ جب ایک انسان مر جاتا ہے تو اس کی نفع و دو ٹکڑے ہو کر شبنم کی طرح رات کے وقت کسی گھاس پات پر پڑتی ہے اور ہم پہلے اس سے بہت تفصیل کے ساتھ بیان کر چکے ہیں کہ دید کی یہ تعلیم سراسر غلط ہے بلکہ رُوح اور اُس کی تمام طاقتیں خدا کی پیدائش ہے اور کوئی رُوح واپس نہیں آتی۔ اس سے ظاہر ہے کہ دید نے رُوح کی پیدائش اور فنا کے بارے میں دونوں پہلو سے سخت غلطی کی ہے چاہے کہ اس بارے میں ہم اسے گزشتہ بیان کو غور سے پڑھیں۔

پھر مضمون پڑھنے والے نے بیان کیا کہ الہامی کتاب کی ایک نشانی یہ ہے کہ اُس میں راجا پر جادو والہین اور اولاد کے سب حقوق انصاف سے درج ہوں مگر مجھے تعجب ہے کہ یہ شخص اس قدر جلدی دیا نہ کہ اس تعلیم کو کیوں قبول کیا جو دیدوں کی رُوح سے ستیا تھ پرکاش میں درج ہے جس میں لکھا ہے کہ اُسی راجا کو ماننا چاہئے جو دیدوں کی تعلیم کے موافق چلتا ہو اس تعلیم میں اس نے صاف اشارہ کیا ہے کہ جو بادشاہ آریہ مذہب کا پابند نہ ہو گودہ کیسا ہی عادل ہو کیسا ہی دھم کرنے والا ہو کیسا ہی شرائط رعیت پر ردی پورا کرنے والا ہو اُس کو ہرگز قبول نہیں کرنا چاہئے۔ اور یہی تعلیم تھی جس نے انہیں ایام میں بڑے عقلمند اور سمجھ دار اور تعلیم یافتہ

آریوں کو باغیانہ حرکت کا ترغیب کیا۔ ہم قبول کرتے ہیں کہ بعض وحشی مسلمان جو قرآنی تعلیم سے بالکل بے خبر ہیں باوجود رعیت کہلانے کے باغیانہ حرکت کر بیٹھتے ہیں مگر ہم ایک تعلیم یافتہ قوم کو جاہلوں کے ساتھ برابر نہیں کر سکتے۔ جاہلوں کی نسبت یہ مقولہ امیر عبدالرحمن خان کا بہت صحیح ہے کہ افغان پر نصف قرآن عمل مسکینہ قرآن شریفیت میں صاف اور صریح طور پر فرمایا گیا ہے کہ عادل بادشاہوں کی فرمانبرداری کرو اور بغاوت سے پرہیز کرو۔ اور جس بادشاہ یا جس کسی سے احسان دیکھو اس کا شکر کرو اور سب سے بھلائی کرو۔ مگر وید کی ہدایت اس کے برخلاف ہے اگرچہ ہر تو ستیا رتھ پر کاش میں دیکھ لو۔

اس نشانی کا دوسرا فقرہ مضمون پڑھنے والے نے یہ لکھا ہے کہ الہامی کتاب کی ایک یہ بھی نشانی ہے کہ والدین اور اولاد کے سب حقوق انصاف سے اُس میں درج ہوں سبحان اللہ ان لوگوں کی حالت تعصب کی وجہ سے کہاں تک پہنچ گئی ہے کہ محض اس غرض سے الہامی کتاب کی نشانیاں اپنی طرف سے تراشتے ہیں کہ تا قرآن شریف پر کوئی زد پیدا ہو جائے مگر ضلکی کلام پر کمزور زد پیدا ہو اس لئے اُن کی وہ زدالٹ کر دیدی پر پڑتی ہے۔ قرآن شریف نے جس قدر والدین اور اولاد اور دیگر اقارب اور مساکین کے حقوق بیان کئے ہیں۔ میں نہیں خیال کرتا کہ وہ حقوق کسی اور کتاب میں لکھے گئے ہوں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَالْأَلْوَالِدِينَ إِحْسَانًا وَيَذِى الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَالْحَارِثِينَ وَالْعَجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّالِحِ بِالْجَنُوبِ وَأَبْنِ السَّبِيلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَلًا فِخُوفًا۔ (البقرہ ص ۸۷ سورۃ النساء ترجمہ) تم خدا کی پرستش کرو۔ اور اُس کے ساتھ کسی کو مت شریک ٹھہراؤ۔ اور اپنے ماں باپ سے احسان کرو اور اُن سے بھی احسان کرو جو تمہارے قریبی ہیں (اس فقرہ میں اولاد اور بھائی اور قریب اور دور کے تمام رشتہ دار آگئے) اور پھر فرمایا کہ یتیموں کے ساتھ بھی احسان کرو اور مسکینوں کے ساتھ بھی اور جو ایسے ہمسایہ ہوں جو قربت والے بھی ہوں اور ایسے ہمسایہ ہوں جو محض اجنبی ہوں اور ایسے



رفیق بھی جو کسی کام میں شریک ہوں یا کسی سفر میں شریک ہوں یا غلام میں شریک ہوں یا غلام دین محال کرنے میں شریک ہوں اور وہ لوگ جو مسافر ہیں اور وہ تمام جاندار جو تمہارے قبضہ میں ہیں سب کے ساتھ احسان کرو۔ خدا ایسے شخص کو دوست نہیں رکھتا جو تکبر کرنے والا اور شیخی مارنے والا ہو جو درود مردوں پر رحم نہیں کرتا مگر افسوس! کہ ایک آدمی بجز حوض معاد وغیرہ کے کسی پر رحم نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یہ صفت اس کے پر میسر نہیں بھی موجود نہیں کیونکہ وہ بھی صرف اعمال کی جزا سے لیتا ہے اس سے زیادہ نہیں اور اسی وجہ سے گنتی محمد دے نہ دائمی \*۔

اور پھر والدین کے حقوق کی بجا آوری کے لئے قرآن شریف میں ایک اور حکم فرمایا ہے اور وہ یہ ہے وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا يَٰهُوَ وَالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا هَٰذَا بَيْنُكَ وَبَيْنَهُمَا قُلُّ عِنْدَكَ الْكِبَرُ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا آيُتْ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ۖ وَخَفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذَّلِيلِ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا

[illegible]

حَمَّانُ شَيْبَانِي صَغِيرًا الْبَزْدُ سَوْدَةُ بَنِي إِسْرَائِيلَ (ترجمہ) تیرے رب نے یہ حکم کیا ہے کہ تم فقط میری ہی پرستش کرو اور وہاں باپ کے ساتھ احسان کرو اور اگر تیرے سامنے ان میں سے ایک یا دونوں بڑھ چلے کو پہنچ جائیں پس تو ان کی نسبت کوئی بیزاری کا لفظ نہ پرست لا اور ان کو مت جھڑک اور سخت لفظ مت بول اور جب تو ان سے بات کرے تو تعظیم اور ادب سے کر اور ہربانی کی راہ سے ان دونوں کے آگے اپنے بازو جھکا دے اور دعا کرتا رہ کر اسے میرے پردہ دار ان دونوں پر رحم کر جیسا کہ انہوں نے بچپن کے زمانہ میں رحم کر کے میری پرورش کی۔ اور پھر ایک جگہ فرماتا ہے کَتَبَ عَلَيْكَ إِذَا حَضَرَ أَحَدُكُمْ الْمَوْتُ أَنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةَ لِلَّذِينَ قَالُوا قَرَّبَيْنَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ وَمَنْ بَدَّلَهُ بَعْدَ مَا سَمِعَهُ فَإِنَّمَا أَثْمُ عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ وَمَنْ خَالَفَ مِنْ مَوْتِهِمْ جَنَاقًا وَإِثْمًا فَأَصْلَحْهُم بَيْنَهُمْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ الْبَزْدُ سَوْدَةُ الْبَقَرَةُ ترجمہ تم پر فرض کیا گیا ہے کہ جس وقت تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجائے تو اگر تم نے کچھ مال چھوڑا ہے تو چاہئے کہ مال باپ کے لئے اس مال میں سے کچھ وصیت کرے ایسا ہی غریبوں کے لئے بھی معروف طور پر جو شرع اور عقل کے دوسے پسندیدہ ہے اور مستحسن سمجھا جاتا ہے وصیت کرنی چاہئے یہ خدا نے پرہیز گاروں کے ذمہ ایک حق ٹھہرا دیا جس کو ہر حال ادا کرنا چاہئے یعنی خدا نے سب حقوق پر وصیت کو مقدم رکھا ہے اور سب پہلے مرنے والے کے لئے ہی حکم دیا ہے کہ وہ وصیت لکھے۔ اور پھر فرمایا کہ جو شخص سننے کے بعد وصیت کو بدل ڈالے تو یہ گناہ ان لوگوں پر ہے جو جرم تبدیل وصیت کے عہد امر مکتب ہوں۔ تحقیق اللہ شہداء جانتا ہے یعنی ایسے مشورے اس پر مخفی نہیں رہ سکتے اور یہ نہیں کہ اس کا علم ان باتوں کے جاننے سے قاصر ہے اور پھر فرمایا کہ جس شخص کو یہ خوف دامنگیر ہو کہ وصیت کرنے والے نے کچھ کج اختیار کیا ہے یعنی بغیر سرچنے سمجھنے کے کچھ غلطی کر بیٹھا ہے یا کسی گناہ کا مرتکب ہو اسے یعنی عہد کو فی ظلم کیا ہے اور اس نے اس بات پر اطلاع پا کر جب تک

۲۲

لئے وصیت کی گئی ہے اس میں کچھ مناسب اصلاح کرنے تو اس پر کوئی گناہ نہیں تحقیق اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

اور پھر حقوق اولاد کے بارہ میں ایک جگہ فرمایا۔ وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ إِرَادَ أَنْ يَتِمَّ الرِّضَاعَةَ طَوَّ عَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ سَرْزُقُهُنَّ وَكَسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ۔ (الحجرات سورۃ البقرہ ترجمہ) یعنی ماؤں کو چاہئے کہ اپنے بچوں کو دو برس کامل تک دودھ پلا دیں اگر وہ مدت رضاعت کو پورا کرنا چاہتی ہیں۔ اور ماں کی خواہش پوشاک اس مرد کے ذمہ ہے جس کے وہ بچے ہیں۔

اور پھر ایک دوسرے مقام میں فرماتا ہے۔ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا وَأَخْضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالسَّائِلِينَ فَازِدُوهُمْ مِنْهُ۔ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا۔ لِيُخَشَّ الَّذِينَ تَلَوْا تَرَكَوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَةً يُعَاقَبُونَ عَلَيْهَا فَلْيَقْضُوا اللَّهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا يَوْمَ يُكَلِّمُ اللَّهُ ذَاكُمُ الَّذِي كُنْتُمْ تُحِبُّونَ أَتَشْتَبِهُونَ فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ وَلَا يُؤْنِسُ لَكُنَّ وَاحِدَةً مِّمَّاهُمَا الشُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَرِثَتْهُ أَبَوَاهُ فَلِلْمِثْلِثِ فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِلْأَخِ الشُّدُسُ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دِينَارِ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَعْمًا فَكِرْبُضَةٍ مِنَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا وَ لَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَرْوَاحُكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلِكُمُ الرِّبْعُ مِمَّا تَرَكَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دِينَارِ وَلَهُنَّ الرِّبْعُ

مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَكَذَلِكَ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَكَذَلِكَ فَلَهُنَّ الثَّمَنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ  
 مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ ذَيْنَ وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورِثُ كَلَّاهُ أَوْ مَرَأَةً  
 وَكَاهُ أَخًا أَوْ أُخْتًا فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا الشُّدُوسُ فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ  
 فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثَّلَاثِ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَى بِهَا أَوْ ذَيْنَ غَيْرَ مُضَارٍّ وَصِيَّةُ  
 مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ ۝ الجود ۱۵ سورة النساء - ترجمہ - مردوں کے لئے اس جائیداد  
 میں سے ایک حصہ ہے جو ماں باپ اور قرابتی چھوڑ گئے ہوں۔ ایسا ہی عورتوں کے لئے اس  
 جائیداد میں سے ایک حصہ ہے جو ماں باپ اور قرابتی چھوڑ گئے ہوں۔ اس میں سے کسی کا حصہ  
 تھوڑا ہو یا بہت ہو بہر حال ہر ایک کے لئے ایک حصہ مقرر کیا گیا ہے۔ اور جب ترکہ کے تقسیم  
 کے وقت ایسے قرابتی لوگ حاضر آئیں جن کو حصہ نہیں پہنچتا۔ ایسا ہی اگر تھیم اور مکین بھی تقسیم  
 کے موقع پر آباد ہیں تو کچھ کچھ اس مال میں سے ان کو دے دو اور ان سے حصول طوع پر پیش  
 آؤ یعنی نرمی اور خلوت کے ساتھ پیش آؤ اور سخت جواب نہ دو۔ اور دار ثمان حقدار کو ڈرنا چاہئے  
 کہ اگر وہ خود چھوڑے چھوڑے بچے چھوڑ مرتے تو ان کے حال پر ان کو کیسا کچھ ترس نہ آتا اور کیسی  
 دہ ان کی کزوری کی حالت کو دیکھ کر خوف سے بھر جاتے پس چاہئے کہ وہ کمزرجوں کے ساتھ  
 سختی کرنے میں اللہ سے ڈریں اور ان کے ساتھ یہ گھڑ بات کریں یعنی کسی قسم کے ظلم اور حق تلفی  
 کا ارادہ نہ کریں۔ جو لوگ یتیموں کا مال ناحق خورد برد کرتے ہیں وہ مال نہیں کھاتے بلکہ آگ کھاتے  
 ہیں۔ تمہاری اولاد کے حصوں کے بارے میں خدا کی یہ وصیت ہے کہ لڑکے کو دو دلا کیوں کے  
 برابر حصہ دیا کرو۔ پھر اگر لڑکیاں دو یا دو سے بڑھ کر ہوں تو جو کچھ مرنے والے نے چھوڑا ہے اس  
 مال میں سے ان کا حصہ تہائی ہے اور اگر لڑکی ایک ہو تو وہ مال متروکہ میں سے نصف کی متحق ہے  
 اور وصیت کے مال باپ کو یعنی دونوں میں سے ہر ایک کو اس مال میں سے جو وصیت نے چھوڑا

ہو یہ اس لئے ہے کہ لڑکی شہرل میں جگر ایک حصہ ملتی ہے پس اس طرح سے ایک حصہ ماں باپ کے کمر سے  
 پا کر ایک حصہ شہرل سے پا کر اس کا حصہ لڑکے کے برابر ہو جاتا ہے۔ مز

ہے چھٹا حصہ ہے اور یہ اس حالت میں کہ مرنے والا کچھ اولاد چھوڑ گیا ہو۔ اور اگر مرنے والا اولاد مر جائے اور اس کے وارث صرف مال باپ ہوں تو مال کا حصہ صرف ایک تہائی ہے۔ باقی سب باپ کا۔ اگر مال باپ کے علاوہ وصیت کے ایک سے زیادہ بھائی یا بہنیں ہوں تو اس صورت میں مال کا چھٹا حصہ ہوگا۔ لیکن یہ حصہ وصیت یا قرض کے ادا کرنے کے بعد دینا ہوگا۔ تمہارے باپ ہوں یا بیٹے تمہیں معلوم نہیں کہ ان میں سے باعتبار نفع رسانی کے کونسا تم سے زیادہ قریب ہے پس جو حصے خدا نے قرار دے دئے ہیں ان پر کاربند ہو جاؤ کیونکہ یہ وہ صرف خدا ہی ہے جس کا علم غلطی اور خطا سے پاک ہے اور جو حکمت سے کام کرتا اور ہر ایک مصلحت سے واقف ہے اور جو ترکہ تمہاری بیبیاں چھوڑیں پس اگر وہ اولاد مر جائے تو ان کے ترکہ میں سے تمہارا ادا حصہ ہے اور اگر تمہاری بیبیوں کی اولاد ہے تو اس حالت میں ان کے ترکہ میں سے تمہارا حصہ چوتھا ہی ہے مگر وصیت یا قرض کے ادا کرنے کے بعد۔ اور اگر تم مر جاؤ اور تمہاری کچھ اولاد نہ ہو تو تمہاری بیبیوں کا حصہ تمہارے مال میں سے چوتھا ہی ہے اور اگر تمہاری اولاد ہو تو ان کا حصہ تمہارے ترکہ میں سے اٹھواں ہے مگر اس امر کے بعد کہ پہلے ان کی وصیت کی تعمیل کی جائے یا جو کچھ ان کے سر پر قرض ہے وہ ادا کیا جائے۔

اور اگر کسی مرد یا عورت کی میراث ہو اور وہ ایسا ہو کہ اس کا نہ باپ ہو نہ بیٹا اور اس کی بھائی یا بہنیں ہو تو ان بھائی یا بہنوں میں سے ہر ایک کے لئے چھٹا حصہ ہے اور اگر وہ ایک سے زیادہ ہوں تو اس صورت میں ایک تہائی میں سب شریک ہوں گے مگر فردی ہوگا کہ پہلے وصیت کی تعمیل کی جائے یا اگر مرنے والے کے ذمہ قرض ہو تو وہ ادا کیا جائے لیکن اس وصیت اور اس قرض میں ایک شرط ہے اور وہ یہ ہے کہ اس وصیت یا اس قرض کے ذریعہ سے مرنے والے نے کسی کو نقصان پہنچانا نہ چاہا ہو۔ اس طرح ہر کہ ایک ثلث سے زیادہ کی وصیت کر دی ہو یا ایک فرضی قرضہ ظاہر کیا ہو۔ یہ خدا کا حکم ہے وہ خدا جس کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں اور وہ علیم ہے اس لئے وہ باوجود علم کے نافرمان کو جلدی سزا نہیں دیتا یعنی

وہ سزا دینے میں دھیما ہے۔ پس اگر کسی ظلم اور خیانت کے وقت کوئی شخص اپنے کیے کو دار کو نہ پہنچے تو اس کو یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ خدا کو اس کی اس مجرمانہ حرکت کی خبر نہیں بلکہ سمجھنا چاہئے کہ بپا عث خدا کے حکم کے یہ تاخیر واقع ہوئی ہے اور آخر شریر آدمی کو وہ سزا دیتا ہے جس کے وہ لائق ہوتا ہے۔

ہاں مشو معذور برہم خدا دیر گیر و سخت گیر دم ترا

لب ان تمام آیات سے صاف ظاہر ہے کہ کیسے خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں والدین کے حق کو تاکید کے ساتھ ظاہر فرمایا ہے اور ایسا ہی اولاد کے حقوق بلکہ تمام اقارب کے حقوق ذکر فرمائے ہیں اور مساکین اور یتیموں کو بھی فراموش نہیں کیا بلکہ ان حیوانات کا حق بھی انسانی مال میں ٹھہرا رہا ہے جو کسی انسان کے قبضہ میں ہوں۔ اس کے مقابل پر وید نے اہل حقوق کی بہت حق تلفی کی ہے یہاں تک کہ ایک ناجائز ولادت کا بچہ جو بذریعہ نیوگ پیدا کیا جاتا ہے وہ بھی وید کے دوسرے کسی شخص کا ایسا ہی وارث ٹھہرتا ہے جیسا کہ اس کا شیلی بچہ۔ یہ کس قدر انصافی ہے اور پھر کسی کی موت کے بعد اس کے بعض وارثوں کی وید کے حکم سے حق تلفی کی جاتی ہے اور ان کو صاف جواب دیا جاتا ہے مگر قرآن شریف کی دوسرے حصہ کسی کے وقت ایک ہی مجلس میں سب کے حقوق دئے جاتے ہیں کوئی محروم نہیں رکھا جاتا۔

پھر مضمون پڑھنے والے نے العامی کتاب کی یہ نشانی پیش کی کہ اس میں مرمیم تنبیخ نہ ہو اور نہ ہونے کی ضرورت ہو۔ اب ہم اس کے جواب میں کیا کہیں اور کیا لکھیں یہ شخص نا حق وید کی پردہ دری کرنا جاتا ہے۔ ابھی تک اس کو یہ بھی خبر نہیں کہ انسانی فطرت معرض تبدل اور تغیر میں پڑی ہوئی ہے پس خدا کی طرف سے وہی کتاب ٹھہر سکتی ہے جو ان تغیرات کا لحاظ رکھے جو شخص طبیب کہلا کر ایک شیر خوار بچہ کو اسی قدر اور اسی درجہ کی دوا دیتا ہے جو ایک جوان کو دینے کے لائق ہے وہ ایک نادان آدمی ہے طبیب نہیں ہے اور جیسا کہ ایک طبیب کو مریضوں کے لحاظ سے ایک دوا کی کمی بیشی کرنی پڑتی ہے یا ایک دوا ترک کر کے دوسری دوا اختیار

کرتی پڑتی ہے۔ یہی قاعدہ طبِ روحانی میں ہے یعنی خدا کی شریعت میں ایک مریض جب علاج کوانے کے لئے طبیب کے پاس حاضر ہوتا ہے تو اگر وہ حادثِ طبیب ہے تو مرض کے تمام درجوں پر ایک ہی دوا نہیں دیتا۔ بلکہ ابتدائی حالت میں کچھ تجویز کرتا ہے اور جب مرض ابتدا سے ترقی کر کے تزانڈ کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے یعنی زیادہ ہوتا شروع کرتی ہے تو اسی درجہ کے مناسب حال نسخہ کو بدل دیتا ہے اور جب مرض تزانڈ سے انتہا کے درجہ پر پہنچتی ہے یعنی اس کا زور و شور کمال تک پہنچ جاتا ہے تب طبیب حادثِ اسی شدت مرض کے مطابق نسخہ تجویز کرتا ہے اور پھر جب مرض کے انحطاط کا وقت آتا ہے یعنی مرض گھٹتی شروع ہوتی ہے تو طبیب بھی اپنے نسخہ کو نرم کر لیتا ہے اور جب کسی مرض میں بغیر اپریشن یعنی جراحی کے چلہ نہیں ہوتا اور اندیشہ موت ہوتا ہے تو طبیب کا یہ فرض ہوتا ہے کہ فوراً اپریشن پر کمر بستہ ہو اور اس بات کا لحاظ نہ رکھے کہ بیمار کو کچھ تکلیف ہوگی بعض اوقات طبیب کو جان بچانے کے لئے مریض کا پیٹ چیرنا پڑتا ہے یا سر یا جگر کی کوئی ہڈی نکالنی پڑتی ہے تو ان تمام حجابینہ میں طبیب کو قالم نہیں کہہ سکتے کیونکہ وہ ان تدابیر میں ہلاک کرتا نہیں چاہتا بلکہ جان کو بچانا چاہتا ہے۔

۲۱۵

ایسا ہی لگزم سوچ کر دیکھو تو ظاہر ہوگا کہ انسان کی زندگی ہر ایک پہلو سے تغیرات سے بھری ہوئی ہے اور جیسا کہ انسان جسمانی طور پر تختہ مشق تغیرات ہے ایسا ہی روحانی طور پر بھی اس کو تغیرات سے چارہ نہیں ہم اپنے ملک میں دیکھتے ہیں کہ اکتوبر مہینہ کے شروع ہوتے ہی ہمیں اپنے لباس میں کچھ تغیر کرنا پڑتا ہے اور پھر دسمبر کے مہینہ میں ہم پورے طور پر اس ہلکے لباس کو چھوڑ دیتے ہیں جو پہلے رکھتے تھے۔ اور چلے آئے اس کے پشم وغیرہ کے موٹے موٹے کپڑے پہننے شروع کرتے ہیں جو دفع سردی کے لئے کافی ہوں۔ اور پھر جب اپریل کا مہینہ آتا ہے تو پھر ہم بائیک کپڑے پہننے شروع کرتے ہیں اور جوں جوں مئی میں چلے اور ٹھنڈے پانیوں کی شدید حاجت ہوتی ہے۔ سو جانتا چاہئے کہ یہی تغیرات انسان کی روحانی زندگی میں بھی

واقع ہیں۔ ایک متعصب اور جاہل آدمی تو اعتراض کے طور پر جلدی کے ساتھ منہ سے ایک بات نکال لیتا ہے گو یا وہ اس کا منہ نہیں ہوتا بلکہ وہ ایسی بے اختیاری کی حالت میں ہوتی ہے جیسا کہ زخمیر کے بیمار کو پچیش کے ساتھ بے اختیار دست آجاتا ہے۔ غرض تعصب نہایت سخت بلا ہے اور پھر جب یہی تعصب نادانی اور حماقت کے ساتھ مرکب ہو جاتا ہے تو ایک ایسی ذہریلی تاثیر اس میں پیدا ہو جاتی ہے کہ اکثر وہ ایسے انسان کو جو متعصب ہو ہلاک بھی کر دیتی ہے۔

ہندوؤں میں سے ایک شخص یعنی باواناٹک صاحب بے تعصب انسان پیدا ہوئے ہیں۔ چونکہ وہ شخص دل کا پاک تھا اس لئے خدا نے اُس کو دکھایا کہ اسلام صحیح ہے اُس کے شعروں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسلام پر فدا شدہ ہے میں نے ذریعہ ٹانگ میں خود جا کر باوا صاحب کے چولا صاحب کو دیکھا ہے انہوں نے اس چولہ میں قرآن شریف کی آیتیں لکھی ہیں اور جا بجا صلوات اقرار کیا ہے کہ لا اِلهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اور ہر ایک موقع پر لکھا ہے کہ بحجر اسلام کے کوئی مذہب قبول کرنے کے لائق نہیں۔ اور میں نے ملتان میں وہ مسجد دیکھی ہے جہاں باوا صاحب نماز پڑھا کرتے تھے اور اُن کے ہاتھ سے یہ لفظ ملتان کی خانقاہ پر میں نے لکھا ہوا دیکھا ہے کہ یَا اللّٰہ۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ باوا صاحب پاک دل تھے اور انہوں نے اسلام کی سچائی کے بارے میں بار بار گواہی دی۔ سو کروڑ ہاشمونیوں میں سے ایک یہی شخص پیدا ہوا جس کو خدا نے آسمان کا نور بخشا اور دل کو صاف کیا اور اپنی محبت عطا کی۔ مگر افسوس کہ پیٹت و دانت نے اُن کی شان میں بہت کچھ نا لائیم اور توہین کے الفاظ اپنی کتاب ستیارتھ پر کاش میں لکھے ہیں جن کا نقل کرنا بھی میرے نزدیک بے ادبی ہے۔

مضمون پڑھنے والے نے ایک الہامی کتاب کی بی نشان پیمیش کی کہ وہ خاص ایچور کی ہی زبان ہو مگر افسوس کہ وہ یہ نہیں سمجھتا کہ جس حالت میں بموجب اصول آریہ کے نسخہ فرسٹا قدیم سے ہے تو پھر اس سے لازم آتا ہے کہ اُن کی زبانیں بھی قدیم ہیں تو پھر قدامت کی وجہ سے



اُن زبانوں میں فرق کیا ہوا۔ اور ویدک کی سنسکرت میں کوئی خاص علامت ہے جس سے وہ ایشور کی زبان بھی جاوے ہاں چونکہ اب وہ اس زمانہ میں مردہ زبان ہے اور کوئی قوم اس کو بولتی نہیں اس لئے ایک نادان خیال کر سکتا ہے کہ وہ زبان چونکہ انسانی استعمال سے الگ ہے اس لئے وہ ایشور کی زبان ہوگی۔ مگر متروک الاستعمال ہونا یہ امر سنسکرت سے ہی خاص نہیں بلکہ اور کئی زبانیں ہیں جو اول بولی جاتی تھیں اب متروک الاستعمال ہیں تو کیا اس وجہ سے وہ تمام زبانیں ایشور کی زبان بن جائیں گی۔ اور اگر ویدک سنسکرت کسی اور دلیل سے ایشور کی زبان کہلاتی ہے اور ایشور کسی خاص اپنی کچھری میں وہ زبان بولا کرتا ہے تو اس پر کوئی دلیل پیش کرنی چاہئے در نہ جو کچھ عبری زبانوں اور فارسی زبانوں اور دوسرے ممالک کی زبانوں میں انواع اقسام کے تغیرات آکر بعض زبانیں تو بالکل مردہ ہو گئیں اور بعض میں اس قدر تغیر آئے کہ پہلے الفاظ بہت ہی تھوڑے اُن میں باقی رہ گئے اور نئے الفاظ اور نئے محاورے اُن میں داخل ہو گئے اگر اس قسم کے نمونوں کا شوق ہو تو ہم اس بارے میں ایک بڑی لمبی فہرست پیش کر سکتے ہیں پس اگر کوئی زبان متروک الاستعمال ہونے کی وجہ سے ایشور کی زبان ہو سکتی ہے تو پھر ان تمام دوسری زبانوں نے کیا گناہ کیا ہے جو متروک الاستعمال ہیں کہ اُن کو ایشور کی زبانیں نہ کہا جائے۔ آریوں کو یہ مانتا پڑتا ہے کہ دوسری زبانیں بھی قدیم ہیں کیونکہ جب کہ یہ دنیا کا سلسلہ قدیم ہے تو کیا وجہ کہ نوح انسان کی آبادی کو دژم اربابوں سے صرف آریہ ورت تک ہی محدود رہی اور اُن کی ایک ہی زبان رہی اس بات کو تو کوئی عقلمند نہیں مانے گا کیونکہ یہ قانون قدرت کے برخلاف ہے اور جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ دو تین سو برس گزرنے تک ایک زبان میں کچھ تغیر پیدا ہو جاتا اور ایسا ہی جب ایک جگہ سے مثلاً سوکوس کے قصبہ پر آگے نکل جائیں تو مزید زبان کا تغیر محسوس ہوتا ہے تو اس سے صاف ثابت ہے کہ اختلاف اُنہی ایک قدیمی امر ہے جس پر موجودہ حالت گواہی دے رہی ہے پس مانتا پڑتا ہے کہ میں نے انسان کو بتایا اسی نے اُن کی زبانوں کو بنایا ہے اور وقتاً فوقتاً وہی اُن

میں تفسیر و تالفا ہے اور یہ بالکل غیر معقول اور بیہودہ امر ہے کہ انسان کی اصل زبان کو کوئی  
 ہو اور الہام اس کو کسی اور زبان میں ہو جس کو وہ سمجھ بھی نہیں سکتا کیونکہ اس میں تکلیف والا  
 یطابق ہے اور ایسے الہام سے فائدہ کیا ہوا جو انسانی سمجھ سے بالاتر ہے پس جب کہ بموجب  
 اصول آریہ سماج کے دید کے کشیوں کی زبان و دیدک سنسکرت نہیں تھی اور نہ وہ اُس کے  
 بولنے اور سمجھنے پر قادر تھے اور پھر خدا کا ایسی بیگانہ زبان میں اُن کو الہام کرنا گویا دیدہ دانستہ  
 اُن کو اپنی تعلیم سے محروم رکھنا تھا۔ اور اگر کہہ کہ خدا اُن کو اُن کی زبان میں سمجھا دیتا تھا کہ ان  
 عبارتوں کے یہ معنی ہیں تو اس صورت میں پر بیشتر کا یہ عہد بحال نہیں رہے گا کہ انسانی زبان  
 میں اُس کو بولنا حرام ہے۔ مجھے تعجب ہے کہ ان نہایت کچی اور خام باتوں کے پیش کرنے  
 سے آدمیوں کو فائدہ کیا ہے کیا جو کچھ انسان کا ہے وہ سب کچھ پر بیشتر کا نہیں ہے تو پھر کوئی  
 پر بیشتر کی ہتک عزت ہے کہ انسان کو اُسی کی زبان میں سمجھا دے کیا ہمارا خدا ہماری بھائی  
 ہماری زبان میں ہی نہیں سُنتا۔ پس سب کہ ہماری زبان میں ہی ہماری دعا سننے سے اُس  
 کی شان میں کچھ فرق نہیں آتا تو پھر ہماری زبان میں ہی ہمیں کوئی راہ راست سمجھانے سے کیوں  
 اُس کی شان میں فرق آئے گا۔

پس یاد رکھنا چاہئے کہ قدیم سنت اللہ کے موافق تو یہی عادت الہی ہے کہ وہ ہر ایک  
 قوم کے لئے اُسی زبان میں ہدایت کرتا ہے لیکن اگر کوئی زبان ایسی ہو کہ ظہم کو خوب یاد ہو اور  
 گویا اُس کی زبان کے حکم میں ہو تو بسا اوقات ظہم کو اس زبان میں الہام ہو جاتا ہے جیسا کہ  
 قرآن شریف کے بعض الفاظ سے پسند ملتی ہے کیونکہ ازل قرآن شریف قریش کی زبان میں ہی  
 نازل ہوتا شروع ہوا تھا کیونکہ ازل مخاطب قریش ہی تھے مگر بعد اس کے قرآن شریف میں  
 عرب کی اور آدھ زبانوں کے بھی الفاظ آگئے ہیں اور ہم لوگ جو قرآن شریف کے پیرو ہیں  
 اور ہماری شریعت کی کتاب خدا تعالیٰ کی طرف سے قرآن شریف ہے۔ اس لئے ہم خدا تعالیٰ  
 سے اکثر عربی میں الہام پاتے ہیں تا وہ اس بات کا نشان ہو کہ جو کچھ ہمیں ملتا ہے وہ اس حضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے ملتا ہے اور ہم ہر ایک امر میں اُسی ذریعہ سے فیضیاب ہیں اور چونکہ اس زمانہ میں خدا تعالیٰ کا ارادہ ہے کہ تمام انسانوں کو ایک ہی قوم بنا دے اس لئے ہم کبھی دوسری زبانوں میں الہام پاتے ہیں مگر اکثر خدا تعالیٰ کا مکالمہ مخاطبہ عربی میں ہی ہوتا ہے بلکہ بہت حصہ خدا تعالیٰ کے مکالمہ مخاطبہ کا قرآن شریف کی آیتوں کے ساتھ ہوتا ہے جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے کہ قرآن شریف خدا کا کلام ہے اور اس طور پر ایک نئے طریق سے ملہم کو یقین دلایا جاتا ہے کہ جس رسول پر وہ ایمان رکھتا ہے وہ سچا رسول ہے اور جس کتاب کو وہ مانتا ہے یعنی قرآن شریف کو وہ خدا کی کتاب ہے غرض جب کہ اب بھی مختلف زبانوں میں الہام ہوتا ہے اور صد ہا پیش گوئیاں اس الہام کے ذریعہ سے پوری ہوتی ہیں تو کیا اب تک ثابت نہ ہوا کہ خدا ہر ایک زبان میں الہام کرتا ہے کیا سچی خواہیں خدا کی طرف سے نہیں ہونیں کیا ان میں بھی دیدک سنسکرت لازمی امر ہے۔

اب ہم مضمون پڑھنے والے کی پیش کردہ نشانیوں کو اختصار کے ساتھ بیان کر چکے اور اس کے بعد ہم ان اعتراضات کا جواب دیں گے جو اُس نے اپنی تجویز کردہ نشانیوں کی بنا پر قرآن شریف پر کئے ہیں۔

اول یہ اعتراض کیا ہے کہ قرآن شریف آغاز دنیا میں ہونے کا دعویٰ نہیں کر تا ہم پہلے بھی اس اعتراض کا جواب لکھ آئے ہیں کہ چونکہ قرآن شریف امر معروف اور نہی منکر میں کامل ہے اور خدا نے اُس میں یہی ارادہ کیا ہے کہ جو کچھ انسانی فطرت میں اتنا تک بگاڑ ہو سکتا ہے اور جس قدر مگر ہی اور بد عملی کے میدانوں میں وہ اُگے سے اُگے بڑھ سکتے ہیں ان تمام خرابیوں کی قرآن شریف کے ذریعہ سے اصلاح کی جائے اس لئے ایسے وقت میں اُس نے قرآن شریف کو نازل کیا کہ جب کہ نوع انسان میں یہ تمام خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں اور رفتہ رفتہ انسانی حالت نے ہر ایک بد عقیدہ اور بد عمل سے اُلودگی اختیار کر لی تھی اور یہی حکمت الہیہ کا تقاضا تھا کہ ایسے وقت میں اُس کا کامل کلام نازل ہو کیونکہ خرابیوں کے پیدا ہونے پہلے

ایسے لوگوں کو ان جرائم اور بد عقاید کی اطلاع دینا کہ وہ اُن سے بچی بے خبر ہیں یہ گویا اُن کو ان گناہوں کی طرف بخود میلان دینا ہے۔ سو خدا کی وحی حضرت آدم سے تخم ریزی کی طرح شروع ہوئی اور وہ تخم خدا کی شریعت کا قرآن شریف کے زمانہ میں اپنے کمال کو پہنچ کر ایک بڑے درخت کی طرح ہو گیا اور ہم لکھ چکے ہیں کہ دید پر یہ سہا سر تہمت ہے کہ وہ ابتدائے زمانہ کی کتاب ہے۔ بلکہ وہ متفرق وقتوں کا ایک مجموعہ ہے جیسا کہ محققین اس کی نسبت رائے ظاہر چکے ہیں۔ اور ابتدائے زمانہ کا دعویٰ جو کیا جاتا ہے اُس کے رد کرنے کے لئے دید ہی کافی ہے۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ دید کے ذریعہ سے جو کچھ آریوں کو فیض پہنچا۔ وہ تو یہی ہے کہ اس ملک کے کڑا ہندو لوگ مخلوق پرستی کی بلا میں گرفتار ہو گئے۔ ان لوگوں نے عقیدت پرستی میں حد ہی کر دی کہ نہ پانی چھوڑا نہ آگ۔ نہ سورج نہ چاند۔ نہ پتھر نہ انسان نہ درخت بلکہ ہر ایک عجیب چیز کو خدا سمجھ لیا۔ آخر جب قرآن شریف کا اس ملک میں مبارک قدم پڑا تو کڑا ہندوؤں کو اُس نے مخلوق پرستی کی بلا سے نجات دی اور دے رہا ہے مگر پھر یہ لوگ ناشکر گذر ہیں اور ناحق دید دید کر رہے ہیں۔ شاید دید کے پہلے ہاتھ جو ان کو لگ چکے ہیں وہ بھول گئے۔

پھر مضمون پڑھنے والے نے قرآن شریف پر ایک یہ اعتراض کیا کہ اُس میں سینکڑوں باتیں قانونِ قدرت کے برخلاف ہیں جب تک مسلمان لوگ اُن کی مطابقت قانونِ قدرت سے نہ کر دکھائیں تب تک ایمان لانے کے لئے ہم لوگوں کو مدعو نہ کریں۔ اس یہودہ اعتراض کا ہم پہلے ہی جواب دے آئے ہیں کہ خدا کے قانونِ قدرت کی وہ شخص حدیثت کر سکتا ہے جو خدا سے بھی بڑھ کر ہو ورنہ یہ خیال نہایت بے ادبی اور بے ایمانی ہے کہ وہ خدا جس کے اسرار و راز الودار ہیں اور جس کی قدرتیں اُس کی ذات کی طرح ناپیدا کناہ ہیں اُس کے عجائبات قدرت کو کسی حد تک محدود کر دیا جائے کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ جب کہ خدا تعالیٰ کی ذات غیر محدود ہے تو پھر اُس کی صفات کیونکر محدود ہو جائیں گی اہل جو امر اُس کے ثابت

شدہ صفات کے برخلاف ہو یا اس کے ذکر کردہ عہد کے معانی ہو وہی اُس کے قانونِ قدرت کے برخلاف سمجھا جائے گا۔ مثلاً اُس کی صفات ثابت شدہ سے یہ امر ہے کہ اُس کا کوئی ثانی نہیں اور یہ امر ہے کہ اس پر موت وارد نہیں ہو سکتی اور نیز یہ امر ہے کہ اپنی صفات کے مطابق وہ کسی بات کے کرنے سے عاجز نہیں اور یا مثلاً اس کا یہ عہد ہے کہ جو شخص مر جائے پھر اُس کو دنیا میں آباد کرنے کے لئے واپس نہیں لاتا۔ سو جو بات ان ثابت شدہ صفات اور عہد کے برخلاف ہو اس کی طرف وہ توجہ نہیں کرتا۔ وہ اپنا ثانی کسی کو نہیں بناتا وہ خود کشی نہیں کرتا اور کسی پر موت وارد کر کے پھر اُس کو دنیا میں لا کر آباد نہیں کرتا۔ اللہ ان امور کے سوا وہ سب کچھ کر سکتا ہے کس کی یہ مجال ہے کہ وہ یہ کہے کہ معرفتِ ظلالِ حد تک اُس کی قدرتیں ہیں آگے نہیں یا فلالِ ظلالِ امور اُس کے احاطہ اقتدار سے باہر ہیں اور وہ اُن کے کرنے سے عاجز ہے۔ ہاں اُس کی عجائبِ قدرتیں ہر ایک کے ساتھ یکساں نہیں جیسے جیسے انسانی اس سے تعلقِ محبت اور اخلاص پیدا کرتا ہے اسی قدر اُس پر قدرتیں ظاہر ہوتی ہیں اور جو اُس کے کامِ عوام کے لئے محال ہیں اور ظاہر نہیں ہوتے وہ خواص کے لئے باعثِ اُن کے تعلق کے ظاہر کئے جاتے ہیں۔ غرض اُس کی ذات میں بے شمار عجائبِ قدرتیں ہیں مگر اسی پر ظاہر ہوتی ہیں جو اُس کی محبت میں گم ہو جاتا ہے وہ اُن کے لئے وہ کام دکھاتا ہے جو ایک اندھا فلسفی اُس کام کو محال سمجھتا ہے وہ اپنے صادقِ محبتوں کے لئے وہ عجائبات ظاہر کرتا ہے جو دنیا کے عقل مند اُس کو فوقِ طاعت سمجھتے ہیں اُس کے آگے کوئی بات انہونی نہیں اور معرفتِ ایسی بات وہ نہیں کرتا جو اس کا عہد یا اُس کے صفات روکتے ہوں۔ مبارک وہ جو اُس کی قدرتوں کی نسبت اپنے ایمان کو ترقی دیں۔ درز بے ایمان کی دعا بھی قبول نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ اپنی شیطانی فحیرت کی وجہ سے اُس کو قادر نہیں جانتا۔

پھر مضمون بڑھنے والے نے قرآنِ شریف پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس میں لکھا ہے کہ

گن سے سب کچھ پیدا کر لیا اور چھ دن میں زمین و آسمان بنایا اور ساتویں دن آرام کیا حالانکہ علم سب کو ہی سے ثابت ہے کہ لاکھوں برسوں میں زمین بنی۔ سو ہم اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اس میں کیا شک ہے کہ سب کچھ گن سے یعنی حکم سے ہی پیدا کیا گیا ہے خواہ لاکھوں برسوں میں ایک چیز بنے اور خواہ کروڑوں برسوں میں مگر اہل خدا کا حکم ہونا ضروری ہے ہر ایک شخص جو خدا تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے وہ اس سے انکار نہیں کر سکتا جو ہر ایک محو و اشبات حکم الہی سے وابستہ ہے ہاں جو شخص دہریہ اور خدا تعالیٰ سے منکر ہے اس کا یہ قول ہوگا کہ ہر ایک چیز بغیر قدرت حکم کے خود بخود بن جاتی ہے مگر جب کہ خدا تعالیٰ کی ہستی ثابت ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ کوئی چیز بغیر اس کے ارادہ کے ظہور پذیر نہیں ہو سکتی تو اس سے ہر ایک ایماندار کو ماننا پڑتا ہے کہ کوئی چیز بغیر اس کے حکم کے ظہور پذیر نہیں ہو سکتی کسی طاقت کی مجال نہیں ہے کہ بغیر خدا تعالیٰ کے حکم کے کچھ کام کر سکے اور جس آیت میں گن کا لفظ ہے وہ آیت یہ ہے۔ **إِذَا أَمَرَهُ إِذَا الْآرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ** یعنی خدا کا حکم اس طرح ہوتا ہے کہ جب وہ کسی چیز کو کہتا ہے کہ ہو تو وہ ہو جاتی ہے اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ فی الفور بلا توقف ہو جاتی ہے کیونکہ آیت میں فی الفور کا لفظ نہیں ہے بلکہ آیت اطلاق پر دلالت کرتی ہے جس سے یہ مطلب ہے کہ چاہے تو خدا تعالیٰ اس امر کو جلدی سے کر دے اور چاہے تو اس میں دیر ڈال دے جیسا کہ خدا تعالیٰ کے قانون قدرت میں بھی یہی مشہود و محسوس ہے کہ بعض امور جلدی سے ہو جاتے ہیں اور بعض دیر سے ظہور میں آتے ہیں۔ پس یہ کوئی نامحل اعتراض ہے اور اگر انسان کے دل میں کچھ شرم اور حیا ہو تو ایسے اعتراض کی حقیقت سوچ کر شرمندگی سے مری رہے گا مگر ان لوگوں کو کچھ شرم بھی تو نہیں ہے۔

دہریہ بات کہ خدا نے چھ دن میں زمین و آسمان پیدا کیا اور ساتویں دن آرام کیا۔ سو اول تو واضح ہو کہ آرام کا لفظ قرآن شریف میں کہیں نہیں لکھا۔ ہاں تو دیت میں یہ لفظ ہے۔ سوہ کوئی استعاذہ ہوگا۔ لیکن اس دھوکا کے دور کرنے کے لئے اس موقع پر قرآن شریف نے ایک

اور لفظ اختیار کیا ہے اور وہ یہ ہے وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُغُوبٍ۔ یعنی ہم نے چھ دن میں زمین  
 آسمان کو پیدا کیا اور ہم اس سے تھکے نہیں۔ یہ لفظ گویا اُس لفظ کا رد ہے کہ خدا نے ساتویں دن  
 آرام کیا۔ کیونکہ ظاہری معنی اگر لئے جائیں تو اس سے خدا کا تھکنا ہی پایا جاتا ہے و مجربہ کہ تمام  
 وہی کرتا ہے جو تھکتا ہے لیکن خدا تعالیٰ تھکنے سے پاک ہے۔ کوئی نقص اُس کی طرف منسوب  
 نہیں ہو سکتا۔ رہی یہ بات کہ خدا تعالیٰ نے چھ دن میں زمین و آسمان پیدا کیا۔ سو قرآن سے  
 ہی ہمیں معلوم ہوا ہے کہ خدا کے دن انسان کے دنوں کے برابر نہیں۔ ایک جگہ قرآن شریف  
 میں لکھا ہے کہ خدا کا دن ایسا ہے جیسا کہ تہا ہزار برس ایک جگہ خدا کا دن پچاس ہزار برس کا  
 لکھا ہے۔ پس ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کہ ان چھ دنوں سے کتنی مدت مراد ہے ہاں ہم یقیناً کہتے ہیں  
 کہ ان چھ دنوں سے مراد وہ دن نہیں ہیں جو انسان کے دن ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب مخلوق  
 اور چاند اور زمین اور آسمان کا ہی کچھ وجود نہ تھا تو ان انسانی دنوں کا کیونکر اور کہاں سے وجود  
 تھا۔ اور پھر جب کہ خدا تعالیٰ نے خود تو ضیع سے فرمادیا کہ انسانی دن اور ہوتے ہیں اور خدا کے  
 دن اور تو پھر اعتراض محض شرارت یا حماقت ہے۔

پھر ماسوا اس کے جیالوجی کی تحقیقات پر کوئی سچائی کی مہر چمکتی ہوئی نظر آتی ہے یہ تمام  
 خیالات خلقی بلکہ محض شکی اور وہمی ہیں اور آئندہ دن ان میں تغیر تبدیل ہوتا رہتا ہے جیسے حکماء  
 یونانیوں نے ان تمام امور میں جو تحقیقاتیں کی تھیں وہ تو سائنس وغیرہ علوم جدیدہ نے جو بعد  
 میں ظاہر ہوئے خاک میں ملا دیں اور ان کا نام و نشان نہ رہا ایسا ہی جو حال کی تحقیقاتیں ہیں  
 وہ بھی کسی آئندہ زمانہ میں کسی اور جدید تحقیقات سے خاک میں مل جائیں گی۔ اب تک جو  
 حکماء کی رائیں ظاہر ہوئی ہیں ان میں کبھی آسمان کو گردش دی گئی اور کبھی زمین کو اور شاید  
 آئندہ کوئی عسکر مذہب نکل آدے جو آسمان و زمین دونوں کو طاق میں رکھ دے اور کوئی  
 اور ہی بات بتلا دے۔

پھر مضمون پڑھنے والے نے یہ اعتراض قرآن شریف پر سنایا کہ آدم کی پسلی سے عورت

پیدا کی گئی۔ مخلوقوں سے مرد پیدا ہوا کرتے ہیں اور یہاں مرد سے عورت پیدا ہوئی اور وہ بھی صرف ایک پہلی سے۔ خون سے گوشت اور پھر ہڈی بنتی ہے یہاں ہڈی سے گوشت بنا۔ یہ قانون قدرت کے خلاف ہے۔

جانتا چاہئے کہ اس بارے میں قرآن شریف میں یہ آیت ہے خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ..... يَخْلُقُكُمْ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ خَلَقًا مِّنْ بَعْدِ خَلْقٍ فِي ظُلُمَاتٍ ثَلَاثٍ۔ البقرہ ۲۳۲ سورۃ الزمر (ترجمہ) خدا نے تم لوگوں کو ایک وجود سے پیدا کیا پھر اسی وجود سے اُس کا جوڑا بنایا..... وہی تم کو تین اندھیروں میں تہلکی مائل کے پیٹ میں پیدا کرتا ہے۔ ایک قسم کی پیدائش کے بعد دوسری پیدائش سو اس آیت میں تو کہیں پہلی اور ہڈی وغیرہ کا ذکر نہیں صرف اسی قدر لکھا ہے کہ ایک انسان سے دوسرے انسان کو پیدا کیا۔ ہاں یہ ذکر پایا جاتا ہے کہ خدا نے اپنا پہلا قانون بدلا دیا کیونکہ پہلے انسان نطفہ سے پیدا نہیں ہوا تھا بلکہ ایک وجود سے دوسرا وجود پیدا کیا گیا تھا تاو حیت میں فرق نہ آوے اور پھر بعد میں یہ دوسرا قانون قدرت شروع ہوا کہ انسان نطفہ سے پیدا ہونے لگے اور یہ عمل اعتراض نہیں کہ خدا نے پہلا قانون قدرت کیوں منسوخ کر دیا۔ کیونکہ خدا اپنے قانون کو اس لئے منسوخ کرتا ہے کہ تا اُس کے انواع و اقسام کی قدرتی ظاہر ہوں۔

ممدوحہ بالا آیت کے ایک یہ بھی معنی ہیں کہ کسی قسم کے پیدائش کے بعد رحم کے اندر پورا انسان بنتا ہے اور تین اندھیروں میں اس کی پیدائش ہوتی ہے (۱) پیٹ (۲) رحم (۳) جلی جکے اندر پھر پیدا ہوتا ہے۔

اور یاد رہے کہ پہلی اور ہڈی سے خدا کی کتابوں میں قریبی رشتہ بھی مراد لئے گئے ہیں

۱۔ اس جگہ یہ ثبوت ملتا ہے کہ خدا کا یہ قانون قدرت ہے کہ بعض امور کو منسوخ کر کے دوسرے امور پیدا کرتا ہے پس جو لوگ تسبیح کے منکر ہیں ان کو خود کرنی چاہئے۔ منہ



جس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ آدم اور حوا کا رشتہ نہایت قریب تھا مگر چونکہ ہم خدا تعالیٰ کو ہر ایک چیز پر قادر سمجھتے ہیں اس لئے ہم اس امر کو بھی کچھ بعید نہیں سمجھتے کہ حوا آدم کی پسلی سے یا آدم حوا کی پسلی سے پیدا ہو گیا ہو۔ خدا کا کلام اس جگہ نہایت وسیع معنوں پر مشتمل ہے آیت کے معنی وسیع طور پر یہ ہیں کہ ایک سے ہم نے دوسرے کو پیدا کیا۔ اگر کسی کو یہ اعتراض ہو کہ پسلی سے پیدا کرنا قانون قدرت کے خلاف ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ نطفہ سے پیدا ہونا بھی اُس قانون قدرت کے خلاف ہے جو بموجب اصولِ آریہ کے پہلے ظہور میں آیا۔ پس جس نے ایک قانون قدرت بدل کر دوسرا قانون قدرت پیدا کرنا شروع کیا تو پھر کیا اُس کی شان سے کچھ تعجب کی جگہ ہے کہ جس طرح اُس نے بموجب اصولِ آریہ کے پہلی پیدا کرنا شروع کی، اُن کے بعد اسی طرح انسانوں کو پیدا کیا۔ ایسا ہی اُس نے بموجب اصولِ اسلام کے پہلی پیدا کرنا شروع کیا۔ انسان کی پسلی سے دوسرا انسان پیدا کر دیا کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

پھر مضمون پڑھنے والے نے یہ بیان کیا کہ نوح کے طوفان کے وقت ایسی کشتی میں جو صرف میں ہاتھ چوڑی اور تین ہاتھ اونچی تھی تمام دنیا کے چرند پرند کے جوڑے کیونکر سما گئے۔ اس کے جواب میں صرف اس قدر کہنا کافی ہے کہ قرآنِ شریف میں اس کشتی کا کوئی مقدار نہیں لکھا کہ اتنی چوڑی اور اتنی لمبی اور اس قدر اونچی تھی اور نہ یہ لکھا ہے کہ وہ تمام دنیا کے لئے عام طوفان تھا بلکہ اسی ملک میں طوفان تھا جس ملک کے لوگوں کے لئے حضرت نوحؑ بھیجے گئے تھے اور جو کچھ اس بارے میں تواریخ میں ہے وہ تحریفِ تبدیل سے خالی نہیں اور خدا تعالیٰ نے قرآنِ شریف میں خبر دی ہے کہ وہ کتاب میں محرف مبتدل ہو گئی ہیں اس لئے یہ اعتراض محض لغو اور سراسر بے اصل ہے۔

پھر مضمون پڑھنے والے نے ایک یہ اعتراض پیش کیا کہ مریم کیونکر روح القدس سے حاملہ ہو گئی اور کیونکر صرف مریم سے یسوع پیدا ہو گیا۔ اس کا یہی جواب ہے کہ اُسی خدا نے

اُس کو پیدا کیا جو بموجب قول آریہ سماج کے ہر ایک ابتدا دنیا میں لاکھوں انسان کو یوں ہی مولی گا جو کی طرح زمین میں سے نکالتا ہے جب کہ دید کے بیان کی دوسرے کہ ڈر ہا مرتبہ بلکہ بے شمار مرتبہ خدا نے اسی طرح دنیا کو پیدا کیا ہے اور اس بات کا محتاج نہیں رہا کہ مردودت باہم ملیں تا پھر پیدا ہو۔ تو پھر اسی طرح اگر یسوع بھی پیدا ہو گیا تو اس میں حرج کیا ہے اس اعتراض کی جڑ تو صرف اسی قدر ہے کہ بغیر مرداد و مردودت کے ملنے کے کیونکر انسان پیدا ہو گیا۔ مگر جو شخص اپنا یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اس سے پہلے کہ ڈر ہا بلکہ بے شمار مرتبہ ایسا اتفاق ہو چکا ہے کہ اسی دنیا میں یہی انسان جو اب موجود ہیں بغیر مرداد و مردودت کے ملنے کے پیدا ہوتے رہے ہیں وہ کس مرتبہ سے کہہ سکتا ہے اور اس کا کیونکر یہ حق ہو سکتا ہے کہ وہ کچھ اعتراض کرے کہ یسوع کی پیدائش خلافت قانون قدرت ہے۔ بڑے بڑے محقق طبیبوں نے جو ہم سے پہلے گند چکے ہیں اس قسم کی پیدائش کی مثالیں لکھی ہیں اور نظریں دی ہیں اور ان کی تحقیق کے دوسرے بعض اس قسم کی بھی عودتیں ہوتی ہیں کہ قوت رجولیت اور انشیت دونوں ان میں جمع ہوتی ہیں اور کسی تحریک سے جب ان کی مٹی جو ش ماسے تو حمل ہو سکتا ہے۔ اور ہندوؤں کی کتابوں میں بھی ایسی قصے پائے جاتے ہیں جیسا کہ خود دید میں یہ شرتی موجود ہے کہ اسے اندر کو سیکار شتی کے پوتر جس کو ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔ پس جب کہ اس قسم کا قصہ دید میں بھی موجود ہے اور سیانا بجا شیکار نے وضاحت سے اس قصہ کو لکھا ہے تو پھر اعتراض کو ناحیا سے دود ہے۔ نہایت کا رقم یہ جواب دو گے کہ ہم اس شرتی کے اس طرح پر مبنی نہیں کرتے تو یہ جواب درست نہیں ہے کیونکہ جب کہ ایک پُرانا بجا شیکار یعنی سیانا ہی معنی کر چکا ہے تو تمہاری کیا مجال کہ اُس سے روگردانی کر دے کیا سیانا بجا شیکار کے مقابل پُرانہ کی کچھ حقیقت ہے؟ کوئی دانا سیانا بجا شیکار کے مقابل پر دیا نند کو طفل کتب بھی نہیں کہہ سکتا اور پھر وہ بجا شیکار پرانے زمانہ کا ہے اور پھر بطریق تنزل کہتے ہیں کہ جب کہ دید کی مذکورہ بالا شرتی کے سیانا بجا شیکار یہ معنی کر چکا ہے خواہ تم اب ان معنوں کو قبول کرو یا نہ کرو تو ہر حال

وہ معنی تم پر ایک حجت ہے کیونکہ اس زمانہ سے پہلے وہ معنی شائع ہو چکے ہیں اور یہ بات کہ کوشیکادشی کی بیوی کے پیٹ میں خود اندر داخل ہو گیا۔ یہ صرف اس بات کے ظاہر کرنے کے لئے استعارہ ہے کہ بغیر اس کے کہ کوشیکا اپنی بیوی کے پاس جاتا خود بیوی کی منی سے بچ پیدا ہو گیا تھا اور یہ خود تعجب کی جگہ نہیں کیونکہ جس حالت میں برسات کے ایام میں ہزار ہا کیڑے مکوڑے خود بخود مٹی سے ہی پیدا ہو جاتے ہیں تو اگر خدا نے کوئی ایسا نمونہ نوع انسان میں بھی پیدا کیا تو کیوں اس کو انکار کی نظر سے دیکھا جائے اور کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ یہ امر خدا کے قانون قدرت کے برخلاف ہے حالانکہ جس قانون قدرت پر زور دے کر اعتراض کیا جاتا ہے وہ تو بقول آریہ سماج کے اول دفعہ ہی ٹوٹ چکا ہے اور کروڑ ہا دفعہ خدا نے ابتدائے دنیا میں اس موجودہ قانون کی پابندی چھوڑ دی ہے پس ایسا قادر خدا جو ابتداء دنیا میں صرف مٹی سے انسان کو پیدا کر دیتا ہے پھر اگر وہ کسی انسان کو صرف عورت کے لطف سے ہی پیدا کرے تو یہ کونسی تعجب کی جگہ ہے۔ ظاہر ہے کہ لطف بہ نسبت مٹی کے بچ پیدا ہونے کے لئے بہت قریب استعداد رکھتا ہے اور مٹی کی استعداد ایک استعداد بعیدہ ہے پس جب کہ تمہارا یہ اقرار ہے کہ جو چیز استعداد بعیدہ رکھتی ہے اس سے انسان پیدا ہو سکتا ہے تو پھر یہ کہنا کہ جو چیز بہ نسبت مٹی کے بچ پیدا ہونے کے لئے استعداد قریب رکھتی ہے اس سے بچ پیدا نہیں ہو سکتا اگر یہ حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔ اسی وجہ سے خدا تعالیٰ نے یسوع کی پیدائش کی مثال بیان کرنے کے وقت آدم کو ہی پیش کیا ہے جیسکہ وہ فرماتا ہے **إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ** یعنی عیسیٰ کی مثال خدا تعالیٰ کے نزدیک آدم کی ہے کیونکہ خدا نے آدم کو مٹی سے بنا کر پھر کہا کہ تو زندہ ہو جا پس وہ زندہ ہو گیا۔

پھر مضمون پڑھنے والے نے قرآن شریف پر یہ اعتراض کیا کہ اُس میں لکھا ہے کہ عیسیٰ مسیح مع گوشت پوست اسمان پر چڑھ گیا تھا۔ ہماری طرف سے یہ جواب ہی کافی ہے کہ اول تو

خدا تعالیٰ کی قدرت سے کچھ بعید نہیں کہ انسان مع جسم عنقری آسمان پر چڑھ جائے ماسوا  
اس کے یہ خیال ہر اس غلط ہے کہ گو یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر چڑھ گئے تھے۔ قرآن  
شریف میں کسی جگہ صاف فرمادیا ہے کہ کوئی شخص مع جسم عنقری آسمان پر نہیں جائے گا۔ بلکہ  
تمام زندگی زمین پر بسر کریں گے یہ خدا کا وعدہ ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے **فِيهَا تَحْيَوْنَ وَ**  
**فِيهَا تَمُوتُونَ وَ فِيهَا تُخْرَجُونَ**۔ یعنی زمین پر ہی تم زندہ رہو گے اور زمین پر ہی تم مر گے  
اور زمین میں سے ہی تم نکالے جاؤ گے۔ پس اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ انسان کا مع جسم  
عنقری آسمان پر جانا اس وعدہ کے برخلاف ہے اور خدا پر تحلف دعدہ جائز نہیں اور اس  
وعدہ میں کوئی استثناء نہیں۔ اور پھر دوسری جگہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے **اِنَّهُ**  
**يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ** یعنی کیا ہم نے زمین کو ایسے طور سے پیدا نہیں کیا  
جو اپنے تمام باشندوں کو اپنی طرف کھینچ رہی ہے خواہ وہ زندہ ہیں سے ہوں اور خواہ  
مردہ ہیں سے ہوں۔ اور یہ بھی خدا کا وعدہ ہے۔ اور پھر ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **وَلَكُمْ**  
**فِي الدُّنْيَا حَيٰوةٌ وَمَوْتٌ** یعنی تمہارا زمین پر ہی قسار ہوگا اور تم زمین پر ہی اپنی موت  
تک زندگی بسر کرو گے۔ یہ بھی خدا کا وعدہ ہے اور پھر ایک موقع پر قرآن شریف میں یہ ذکر  
ہے کہ کفار قریش نے ہمارے سید و مولے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے معجزہ طلب  
کیا کہ ان کے روبرو آسمان پر چڑھ جائیں تو آپ کو خدا تعالیٰ نے ان الفاظ کے ساتھ جواب  
دیا کہ **قُلْ سُبْحٰنَ رَبِّيْٓ هَلْ كُنْتُ اِلٰهًا بَشَرًا مَّرْسُوْلًا** یعنی ان لوگوں کو یہ جواب دے کہ  
خدا تعالیٰ اس بات سے پاک ہے کہ اپنے وعدہ میں تخلف کرے (وعدہ کا الہی ذکر ہو چکا ہے)  
اور میں تو صرف ایک انسان ہوں جو تمہاری طرف بھیجا گیا۔

اب ان تمام آیات سے ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر یہ تہمت ہے کہ گویا وہ مع  
جسم عنقری آسمان پر چلے گئے تھے یہ عقیدہ اسلام میں صرف ان عیسائیوں کے ذریعہ سے آیا  
ہے جو ابتدائے اسلام میں مسلمان ہو گئے تھے وہ قرآن شریف میں اس کا کہیں ذکر نہیں اور

کسی صحیح حدیث میں بھی یہ ذکر نہیں کہ حضرت عیسیٰ مع جسم آسمان پر چلے گئے تھے ہاں یہ ذکر ہے کہ مسیح کے نام پر ایک شخص آنے والا ہے جو اسی اُمت میں سے ہوگا مگر یہ کہیں ذکر نہیں کہ وہ آسمان پر گیا تھا اور پھر آسمان سے واپس آئے گا۔ نزول کا لفظ جو مسیح موجود کی نسبت حدیثوں میں موجود ہے وہ اعزاز کے طور پر ہے اگر کوئی شخص آسمان سے واپس آنے والا ہو تا تو اس موقع پر رجوع کا لفظ ہونا چاہیے تھا نہ نزول کا لفظ اکثر نادان اس سے دھوکا کھاتے ہیں کہ نزول اترنے کو کہتے ہیں اور پھر اس فقرہ کے ساتھ آسمان کا لفظ اپنی طرف سے جوڑ لیتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ آنے والا آسمان سے اترے گا۔ حالانکہ تمام حدیثیں پڑھ کر دیکھ لو کسی صحیح حدیث میں آسمان کا لفظ نہیں پاؤ گے اور جیسا کہ ابھی میں نے بیان کیا ہے ہر ایک زبان کا یہ محاورہ ہے کہ ایک شخص کی آمد کو جب بطور اکرام و اعزاز بیان کیا جاتا ہے تو یہی کہتے ہیں کہ وہ فلاں جگہ اتر رہا ہے۔ جیسا کہ ہم معزز انسان کو کہہ سکتے ہیں کہ آپ کہاں اترے ہیں۔ پس اس سے یہ مطلب نہیں ہوتا کہ آپ آسمان سے اترے ہیں ساسی وجہ سے عربی زبان میں نزول مسافر کو کہتے ہیں اور جو راہ میں مسافروں کے اترنے کی جگہ ہوتی ہے اس کو منزل کہتے ہیں اور واپس آنے والے کے لئے رجوع کا لفظ بولا جاتا ہے نہ نزول کا۔

اسوا اس کے قرآن شریف میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت صاف فرمادیا ہے کہ وہ فوت ہو چکے جیسا کہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ سے بطور حکایت ذکر کر کے فرماتا ہے فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتُ أَنْتَ الرَّقِيبُ عَلَيْهِمْ قِيَامَتِ کو خدا تعالیٰ عیسیٰ سے پوچھے گا کہ کیا تو نے اپنی قوم کو یہ تعلیم دی تھی کہ مجھے اور میری ماں کو خدا کر کے مانا کر دو تو وہ جواب دیں گے کہ جب تک میں اپنی قوم میں تھا میں ان کو یہی تعلیم دیتا رہا کہ خدا ایک ہے اور میں اس کا رسول ہوں اور پھر جب تو نے مجھ کو وفات دے دی تو بعد اُس کے مجھے اُن کے عقائد کا کچھ علم نہیں رہا اس آیت میں حضرت عیسیٰ اپنی وفات کا صاف اقرار کرتے ہیں اور اس میں یہ بھی اقرار ہے کہ میں دنیا میں واپس نہیں گیا کیونکہ اگر وہ دنیا میں واپس آئے ہوتے تو پھر اس صورت میں قیامت کے

دن یہ کہنا جھوٹ تھا کہ مجھے اپنی اُمت کی کچھ بھی خبر نہیں کہ میرے بعد انہوں نے کونسا طریق اختیار کیا۔ کیونکہ اگر یہ عقیدہ صحیح ہے کہ وہ قیامت سے پہلے دنیا میں واپس آئیں گے اور عیسائیوں سے لڑائیاں کریں گے تو پھر قیامت کے دن انکار کر کے یہ کہنا کہ عیسائیوں کے بگڑنے کی مجھ کو کچھ بھی خبر نہیں سراسر جھوٹ ہوگا۔ نعوذ باللہ منہ

پھر مضمون پڑھنے والے نے قرآن شریف پر یہ اعتراض کیا کہ شق القمر خلافت قانون قدرت ہے اور ایسا ہی پتھر سے پانی نکالنا جو قرآن شریف میں مذکور ہے وہ بھی خلافت قدرت ہے۔ سوال اہل ہم پتھر کی نسبت جواب دیتے ہیں کہ مضمون خواں کو پتھروں کے اقسام معلوم نہیں۔ صرف انکار کے جوش سے ایک نادان بچہ کی طرح باتیں کر رہا ہے۔ بعض ایسے پتھر اب تک پائے جاتے ہیں جن میں یہ خاصیت ہے کہ اگر ان پر کوئی شربت ڈال دیا جائے تو پانی پتھر کے اندر سے نیچے آجاتا ہے اور شیر مہنی کا حصہ اوپر رہ جاتا ہے بعض پتھر ایسے ہیں کہ ان میں پرندوں کی تصویریں جم جاتی ہیں۔ اور بعض پتھر لوہے کو اپنی طرف کھینچتے ہیں اور بعض پتھروں میں بیخاست دیکھی گئی ہے کہ سرکہ میں ڈالنے سے ایک زندہ چیز کی طرح جست کر کے باہر آجاتے ہیں اور بعض پتھر تریاق اور بعض ذہر ہوتے ہیں اور وہ بھی پتھر ہی ہوتے ہیں جو اعلیٰ درجہ کا میرا بن کر ان میں سے روشنی کی شعاع نکلتی ہے اور باقوت نیلم وغیرہ سب پتھر ہی ہیں جو بقدرت قادر مطلق عجیب و غریب خواص اپنے اندر رکھتے ہیں۔ حکیموں کا پرانا مقولہ مشہور ہے کہ خواص الاشیاء بحق یعنی یہ حق بات ہے کہ ہر ایک چیز میں ایک خاصیت ہوتی ہے اور انہیں خواص پر اطلاع پاکر انسانوں نے ایجادیں کی ہیں اور کر رہے ہیں اور خدا کی مخلوق میں اس قدر خواص پائے جاتے ہیں کہ جو کچھ اب تک دریافت ہوا ہے گویا وہ ایک دریا میں سے ایک قطرہ ہے۔ پھر میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ کونسی عقلمندی ہے کہ مضمون خواں نے خواص اشیاء سے انکار کر دیا۔ کیا یہ تعجب کی جگہ ہے کہ ایک پتھر ہو جس کے نیچے بہت پانی ہو اور پتھر کے پھٹنے سے پانی نکل آوے پتھر کو پانی سے ایسا تعلق ہے جیسا کہ مچھلی کو دریا سے۔

پھر ماسوا اس کے اگر اس وجہ سے انکار کیا جاتا ہے کہ یہ امر خارق عادت ہے تو کیا بموجب اصول آدمیوں کے دید کے بعد الہام الہی جو نایہ خارق عادت امر نہیں ہے پس جبکہ لیکھرام کی موت نے اس بات کو ثابت کر دیا کہ وہ قادر خدا اس زمانہ میں بھی برخلات وید کے مقرر کردہ قانون قدرت کے الہام کرتا ہے تو وید کا سارا قانون قدرت دریا بُرد ہو گیا اس صورت میں وید کی بات کا کوئی بھی اعتبار نہ رہا۔ ظاہر ہے کہ جب ایک بات میں کوئی جھوٹا ثابت ہو جائے تو پھر دوسری باتوں میں بھی اُس پر اعتبار نہیں رہتا اور لیکھرام والی پیش گوئی سے تسلی نہیں ہوئی تو پھر درخواست کرنے سے اور کوئی ذریعہ تسلی کا پیدا ہو سکتا ہے اور خدا تعالیٰ کی صمد الہامی پیشگوئیاں جو پوری ہو چکی ہیں تسلی دے سکتی ہیں غرض وید کا قانون قدرت ایسا جھوٹا ثابت ہوا کہ ساتھ ہی وید کو بھی لے ڈوبا۔ پھر اسی بنام پر اعتراض کرنا حیا سے بعید ہے۔ ظاہر ہے کہ وید نے دعویٰ کیا تھا کہ اس کے بعد خدا کی قوتِ حکم ہمیشہ کے لئے مسلوب رہے گی مگر ہم نے چمکتے ہوئے نشانوں کے ساتھ ثابت کر دیا کہ وید نے جو کچھ دعویٰ کیا ہے اور جو کچھ آئندہ کے لئے خدا کے الہام کے بارہ میں لکھا ہے کہ وہ محال ہو قانون قدرت کے برخلاف ہے وہ سراسر جھوٹ اور خلاف حق ہے بلکہ خدا ہمیشہ اپنے بندوں کو الہام کرتا ہے تو پھر بتلاؤ کہ اس کے بعد بار بار اُسی وید کو پیش کرنا جس کے قانون قدرت کا منہ نہ دیکھ چکے ہیں۔ کس قدر خلاف حیا و شرم ہے۔

غرض لیکھرام کی موت نے ثابت کر دیا کہ وید کی تعلیم سراسر غلط ہے کہ اس کے بعد الہام نہیں ہے تو پھر وید کے مقرر کردہ قانون قدرت پر اعتبار کیا رہا۔ خدا تعالیٰ کے کر وڑا قانون قدرت ابھی مخفی ہیں اور آہستہ آہستہ ظاہر ہو رہے ہیں مگر افسوس ان لوگوں پر کہ دانستہ آنکھ بند کر لیتے ہیں اگر یورپ کا کوئی شخص یہ بات ظاہر کرے کہ میں تیر میں سے پانی نکال سکتا ہوں یا تمام تیر کو پانی بنا سکتا ہوں تو اُس کے مقابل میرے لوگ دم بھی نہ مایں اور فی الفور آمنا و صدقہ کہنے لگیں مگر خدا کے کلام نے جو کچھ بیان کیا اُس کو نہیں مانتے۔

وہ اعتراض شق القمر تو ہم پہلے بھی لکھ آئے ہیں کہ یہ وہ معجزہ ہے کہ جو عرب کے ہزاروں کافروں کے رد برو بیان کیا گیا ہے پس اگر یہ ام خلاف واقعہ ہوتا تو یہ ان لوگوں کا حق تھا کہ وہ اعتراض پیش کرتے کہ یہ معجزہ ظہور میں نہیں آیا خاص کر اس حالت میں کہ شق القمر کی آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ کافروں نے یہ معجزہ دیکھا اور کہا کہ یہ بچا جادو ہے جو آسمان تک پہنچ گیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ وَانْ يَرُوا آيَةً يَنْفُتُوا وَيَقُولُوا سِحْرٌ مُّشْتَبِهٌ** یعنی قیامت نزدیک آئی اور چاند پھٹ گیا اور جب یہ لوگ خدا کا کوئی نشان دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ایک بچا جادو ہے۔ اب ظاہر ہے کہ اگر شق القمر ظہور میں نہ آیا ہوتا تو ان کا حق تھا کہ وہ کہتے کہ ہم نے تو کوئی نشان نہیں دیکھا اور نہ اس کو جادو کہا۔ اس سے ظاہر ہے کہ کوئی امر ضرور ظہور میں آیا تھا جس کا نام شق القمر رکھا گیا۔ بعض نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ ایک عجیب قسم کا خسوف تھا جس کی قرآن شریف نے پہلے خبر دی تھی اور یہ آیتیں بطور پیش گوئیوں کے ہیں اس صورت میں شق کا لفظ محض استعارہ کے رنگ میں ہو گا کیونکہ خسوف کسوف میں جو حصہ پوشیدہ ہوتا ہے گویا وہ پھٹ کر علیحدہ ہو جاتا ہے ایک استعارہ ہے۔

مفسمون پڑھنے والے نے ایک یہ اعتراض پیش کیا کہ قرآن شریف میں لوگوں کو زبردستی مسلمان بنانے کا حکم ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کو نہ اپنی ذاتی کچھ عقل ہے اور نہ علم صرف پادریوں کا کاسہ لمیس ہے چونکہ پادریوں نے اپنے نہایت کینہ اور بغض سے جیسا کہ ان کی عادت ہے محض افتراء کے طور پر اپنی کتابوں میں یہ لکھ دیا ہے کہ اسلام میں جو مسلمان بنانے کا حکم ہے۔ سو اس نے اور اس کے دوسرے بھائیوں نے بغیر تحقیق اور تفتیش کے وہی پادریوں کے معتزبانہ الزام کو پیش کر دیا۔ قرآن شریف میں تو کھلے کھلے طور پر یہ آیت موجود ہے **لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ** یعنی دین میں کوئی جبر نہیں ہے تحقیق ہدایت اور گمراہی میں کھلا کھلا فرق ظاہر ہو گیا ہے پھر جبر کی کیا حاجت ہے تعجب کہ جادو کے



قرآن شریف میں اس قدر تصریح سے بیان فرمایا ہے کہ دین کے بارے میں جبر نہیں کرنا چاہئے پھر بھی جن کے دل بغض اور دشمنی سے سیاہ ہو رہے ہیں ناحق خدا کے کلام پر جبر کا الزام دیتے ہیں۔ اب ہم ایک اور آیت لکھ کر منصفین سے انصاف چاہتے ہیں کہ وہ خدا سے ڈر کر ہمیں بتلا دیں کہ کیا اس آیت سے جبر کی تعلیم ثابت ہوتی ہے یا بر خلاف اس کے ممانعت جبر کا حکم بیا یہ ثبوت پہنچتا ہے اور وہ یہ آیت ہے۔ **وَاِنْ أَحَدُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّى يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْلَمُونَ**۔ البقرة سورۃ التوبة (ترجمہ) اگر تجھ سے اسے رسول کوئی شخص مشرکوں میں سے پناہ کا خواہشمند ہو تو اس کو پناہ دے دو اور اس وقت تک اس کو اپنی پناہ میں رکھو کہ وہ اطمینان سے خدا کے کلام کو سن کچھ لے اور پھر اُس کو اُس کے امن کی جگہ پر واپس پہنچا دو۔ یہ دعا بیت ان لوگوں کے حق میں اس وجہ سے کہ فی فرد رہے کہ یہ لوگ اسلام کی حقیقت سے واقف نہیں ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ اگر قرآن شریف جبر کی تعلیم کرتا تو یہ حکم نہ دیتا کہ جو کافر قرآن شریف کو سننا چاہے تو جب وہ محض چلے اور مسلمان نہ ہو تو اُس کو اُس کے امن کی جگہ پر پہنچا دینا چاہئے بلکہ یہ حکم دیتا کہ جب ایسا کافر قابو میں آجائے تو وہیں اُس کو مسلمان کر لو۔

اب ہم ایک اور بات ان جاہلوں کو سناتے ہیں کہ جو خواہ مخواہ جبر کا الزام خدا کے کلام پر دیتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ کئے کے رہنے والے کل کفار اور نیز دیہاتی اور گردنوں کے لوگ ایسے تھے کہ جنہوں نے اس زمانہ میں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں تھے اور کوئی جنگ شرع نہ تھا کسی مسلمان ناحق قتل کر دئے تھے اور ان مظلوموں کا خون اُن کی گردن پر تھا اور درحقیقت وہ سب اس گناہ میں شریک تھے کیونکہ بعض قاتل اور بعض ہمارا اور بعض اُن کے معادل تھے اس وجہ سے وہ لوگ خدا کے نزدیک قتل کے لائق تھے کیونکہ اُن کی اس قسم کی شرارتیں حد سے گند گئی تھیں۔ علاوہ اس کے سب سے بڑا گناہ اُن کا یہ تھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقدام قتل کے مرتکب تھے اور انہوں نے پختہ ارادہ کیا تھا کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیں۔ پس ان گناہوں کی وجہ سے وہ خدا کی نظر میں واجب القتل ٹھہر چکے تھے اور ان کا قتل کرنا عین انصاف تھا کیونکہ وہ جرم قتل اور اقدام قتل کے مرتکب ہو چکے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو برابر تیرہ برس ان میں رہ کر وعظ کرتے رہے اور نیز آسمانی نشان دکھلاتے رہے اس صورت میں خدا کی محبت ان پر پوری ہو چکی تھی اس وجہ سے خدا نے جو رحیم و کریم ہے ان کی نسبت یہ حکم دیا تھا کہ وہ اگرچہ اپنے جرائم کی وجہ سے بہر حال قتل کرنے کے لائق ہیں لیکن اگر کوئی ان میں سے خدا کی کلام کو سن کر اسلام قبول کرے تو یہ قصاص اس کو معاف کیا جاوے ورنہ اپنے گناہوں کی مزا میں جو قتل اور اقدام قتل ہے وہ بھی قتل کے جائیں گے اب بتلاؤ کہ اس میں کونسا جبر ہے؟ جس حالت میں وہ لوگ جرم قتل اور اقدام قتل کی وجہ سے بہر حال قتل کے لائق تھے اور یہ رعایت قرآن شریف نے ان کو دی کہ اسلام لانے کی حالت میں وہ قصاص دُور ہو سکتا ہے تو اس میں جبر کیا ہوا؟ اور اگر یہ رعایت نہ دی جاتی تو ان کا قتل کرنا بہر حال ضروری تھا کیونکہ وہ قاتل اور اقدام قتل کے مرتکب تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اُوْذِنَ الَّذِیْنَ یُبْعَثُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظَلَمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِہِمْ لَظَہِیْرٌ یعنی ہم ان لوگوں کو جو ماضی قتل کئے جاتے ہیں اجازت دیتے ہیں کہ اب وہ بھی قاتلوں کا مقابلہ کریں یعنی ایک مدت تک تو مومنوں کو مقابلہ کی اجازت نہیں دی گئی تھی اور وہ مدت تیرہ برس تھی اور جب ہمت سے مومن قتل ہو چکے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقدام قتل کے بھی کافر لوگ مرتکب ہوئے تب تیرہ برس کے مصائب اٹھانے کے بعد مقابلہ کی اجازت دی گئی۔ اور پھر دوسری آیت یہ ہے وَاِذْ یُحَکِّمُکَ الْکَلْبِیْنِ لَکُمْ فَا یُثَبِّتُکَ اَوْ یَقْسِرُکَ اَوْ یُخْرِجُکَ اَوْ یُکَلِّمُکَ وَیُکَلِّمُکَ وَاِنَّ اللّٰهَ خَیْرُ الْمَکْرِمِیْنَ (الجزء نمبر ۱ سورۃ الانفال ترجمہ) اور اس کے بغیر وہ وقت یاد کر جب کافر لوگ تجھ پر داؤ چلانا چاہتے

۶ دیکھو مکتب سوانح عمری حضرت محمد مصباح صفحہ ۲۵ جس کو ایک برہمنو صاحب نے انصاف کی راہ سے حل ہی میں تالیف کر کے شائع کیا ہے۔

تھے تاکہ تجھے گرفتار کر رکھیں یا تجھے مار ڈالیں اور یا تجھے جلا وطن کر دیں اور حال یہ تھا کہ کافر قتل کے لئے اپنا داؤ کر رہے تھے اور خدا اُن کو مغلوب کرنے کے لئے اپنا داؤ کر رہا تھا اور خدا سب داؤ کرنے والوں سے بہتر داؤ کرنے والا ہے جس کے داؤ میں سراسر مخلوق کی بھلائی ہے۔

اسی طرح جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کر لیا تو تمام کفار گرفتار کر کے آپ کے سامنے پیش کئے گئے تو کفار نے خود اپنے منہ سے اس وقت اقرار کیا کہ ہم باعشائے سخت جرائم کے واجب القتل ہیں اور اپنے تئیں آپ کے رحم کے سپرد کرتے ہیں تو آپ نے سب کو بخش دیا اور اس موقع پر معافی کے لئے اسلام کی بھی شرط نہ لگائی لیکن یہ لوگ یہ اخلاق کریمانہ دیکھ کر خود بخود مسلمان ہو گئے اور تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ مکہ معظمہ میں کئی مرتبہ کفار قریش آنحضرت کے اقدام قتل کے مرتکب ہوئے تھے اور ہر ایک مرتبہ میں ناکام رہے پس اُن کے یہ جرائم تھے جس کی وجہ سے وہ خدا تعالیٰ کی نظر میں واجب القتل تھے اور اُن کو یہ رعایت دی گئی تھی کہ اگر وہ بُت پرستی سے باز آجائیں اور خدا کی کتاب کو قبول کر لیں تو منزلتے موت سے اُن کو معافی دی جائے گی۔ ایسا ہی اُن جرائم میں عرب کے تمام بُت پرست اُن کے مددگار اور معاون تھے اور اُن کے ہاتھ سے ہمداموں میں بے گناہ قتل ہو چکے تھے سو اُن غور نیلیوں کے جرائم کے پاداش میں اُن پر قتل کا حکم تھا پر خدا کریم نے جو سزا دینے میں دھیما ہے اُن سے نرمی کی اور فرمایا کہ اگر اطاعت کر لیں اور بغاوت چھوڑ دیں تو اُن کے گناہ معاف کئے جائیں گے سو اول اول تو بہتوں نے اُن میں سے اطاعت اختیار نہ کی لیکن جب اسلام کا ستارہ چمکاؤ خدا کی نصرت اور مدد روز روشن کی طرح ظاہر ہو گئی تب ان لوگوں نے بھی اطاعت اختیار کی چنانچہ خدا تعالیٰ اُن کے حق میں قرآن شریف میں یہ فرماتا ہے فَالَّذِينَ آمَنُوا وَآلَهُمْ اَمَانَةٌ اَقْلَ لَمْ يَتُوبُوا وَلَكِنْ قَوْلًا اَسْلَمْنَا وَكَمَا يَدْخُلُ الْاِيْمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ الْاِيْمَانُ وَسُورَةُ الْاَنْجَامِ (ترجمہ) عرب کے دیہاتی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ان کو کہہ دے کہ تم ایمان نہیں لائے ایمان تو اور ہی چیز ہے سو تم یہ کہو کہ ہم نے اطاعت کے لئے گردن ڈال دی اور

ایمان کا تو ہمنواز تمہارے دلوں میں گزر تک نہیں ہوا۔ سو خدا نے یہ معافی محض اطاعت کے لئے دی تھی تا ملک میں سے بغاوت دور ہو اور اس طرح پر ان کو سوچنے سمجھنے کا زیادہ موقع ملے اور درحقیقت اس معافی سے کفار کو بڑا فائدہ ہوا پہلے تو انہوں نے اطاعت کر لی اور مقابلہ چھوڑ دیا اور پھر خدا تعالیٰ کے کلام پر غور کر کے اور خدا کی نصرت اور فضل کے تازہ نشان دیکھ کر ان کے دلوں میں ایمان رہ گیا اور وہ لوگ ایسے کامل الایمان ہو گئے کہ فرشتوں کے ساتھ ہاتھ جاملاتے۔

ہمارے مخالف جو خواہ مخواہ اسلام پر جبر کا الزام لگاتے ہیں ان کو یہ دو باتیں ضرور سمجھنی چاہئیں (۱) اول یہ کہ جس قدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے صحابہ کے دلوں میں تبدیلی پیدا ہوئی اور جس قدر وہ بت پرستی اور ہر ایک مشرکانہ رسم سے متنفر ہو گئے کیا ایسی تبدیلی اور ایسی شرک سے بیزاری اس شخص کے دل میں پیدا ہو سکتی ہے کہ جو جانتا ہے کہ مجھے جبراً مسلمان کیا گیا ہے۔ (۲) دوسری وہ تائید احکام جو انہوں نے اپنی جانوں کو تبدیل پر رکھ کر دکھائی یہاں تک کہ پچاس برس کی مدت ابھی نہیں گزری تھی کہ اسلام ایک عالمگیر مذہب ہو گیا اور مختلف ممالک میں پھیل گیا اور انہوں نے اسلام کی تائید میں وہ کام حیرت انگیز دکھائے کہ جب تک انسان کا دل کسی اپنے ہادی کی راہ میں فدا شدہ نہ ہو ایسے کام ہرگز نہیں دکھلا سکتا۔ تاہم پڑھنے

یہاں شام میں جگہ آئیہ صاحبوں کو چاہئے کہ اپنے ایک ہندو بھائی برہم کی کتب یعنی سوانح عمری حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالعہ کریں۔

محققین اور پرمی اس بات کے قائل ہیں کہ جس حدیث دل اور دلی جوش سے عربوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قبول کیا وہ ایک فوق العادت امر ہے اور اسی سے ایمانی اور اخلاص کا نتیجہ تھا کہ تھوڑی ہی مدت میں ان کو دنیا میں وہ فتوحات حاصل ہوئیں جو آج تک کسی قوم کو حاصل نہیں ہوئیں اور ایک حیرت انگیز امر یہ ان سے ظہور میں آیا کہ بالقرہ لوگ اُچی اور ناخواندہ تھے اور یا علوم و فنون میں وہ فوقیت حاصل کی جو قسیم علموں کو زندہ کیا۔ اور ہمت سے نئے علوم ایجاد کئے۔ عراق اور شام اسپین اور دیگر ممالک اسلامیہ کی بنیادیں پڑھیں۔

(باقی دیکھئے صفحہ ۲۳۷)

سے ہر ایک کو معلوم ہو گا کہ انہوں نے کیا کیا مصیبتیں اسلام کی راہ میں اٹھائیں اور کبھی استقامت دکھلائی اور باوجود بھوکے اور فاقہ کش ہونے کے کیسے دشمنوں سے مقابلے کئے یہاں تک کہ بت پرستی کی تاریکی کو اپنے خوفِ حق سے دنیا کے کئی حصوں میں سے اٹھا دیا اور خدا کے دین کی خدمت میں چین کے ملک تک پہنچے اور کروڑ ہا انسانوں کو بت پرستی سے تائب کر کے توحید کے نور سے منور کیا اور ہر ایک میدان میں اور ہر ایک موقع میں آزمائش میں ایسا اپنا صدق دکھلایا کہ اس کے تصور سے رونما آتا ہے تو کیا اُن کی نسبت کوئی عقلمند کہہ سکتا ہے کہ وہ جبراً مسلمان کئے گئے تھے۔ فی الواقع ایمانی خرابی میں انہوں نے وہ ترقی کی تھی کہ اُن کا نمونہ ملنا مشکل ہے ان کے صدق اور اخلاص نے تمام ممالک کو فتح کر کے دکھلادیا اور جس جلدی سے انہوں نے دنیا میں اسلام کو پھیلایا وہ بھی درحقیقت ایک معجزہ ہی تھا جس کی نظیر دنیا میں نہیں پائی جاتی۔ دید کے خادم جو برہمن اور ہندو کھاتے ہیں مگر ان پاک لوگوں کے مقابل پر دیکھے جائیں تو فرد ہمیں کمنا پڑے گا کہ یہ لوگ محض دنیا پرست اور نفسانی انسان تھے بھی تو وہ کسی دل کو فتح نہ کر سکے اور دنیا میں نہایت بد نمونہ مخلوق پرستی وغیرہ کا چھوڑ گئے اور آریہ دور کی نسل کو آتش پرستی اور بت پرستی اور آب پرستی اور آفتاب پرستی سے نہ روک سکے اگر وہ لوگ رُوحانی آدمی ہوتے تو فرد اُن کا اثر آریہ دور پر پڑتا۔ مگر جو کچھ آریہ دور کی حالت مذہبی اعتقاد کی رو سے اب تک دکھی جاتی ہے وہ صاف بتلارہی ہے کہ یہ تمام لوگ خدا کی محبت سے بے بہرہ تھے انسان کی عملی حالت سے بڑھ کر کوئی امر اُس کے خالص ایمان پر گواہ نہیں ہو سکتا۔ عملی حالت انسان کی اس کے ایمان پر ایک مستحکم شہادت ہے۔ آج جو بیس کروڑ کے قریب یا اس سے زیادہ دنیا میں مسلمان پائے جاتے ہیں یہ انہیں لوگوں

بجائے کشمیر ۲۳۶ یورپ کے علماء صدق دل سے اقرار کرتے ہیں کہ اُن کے بزرگوں کو عرب کی شامی کاغذ پر پس کیا یہ ترقیات وہ قوم کر سکتی ہے جو جبراً غلامی سے مسلمان کئے گئے اور ابتداء میں تو آخرت میں اللہ علیہ السلام محض اکیلے تھے تو پھر مگر کرنے والی فوج کہاں سے نکل آئی۔ منہ

کی پاک کوششوں کا نتیجہ ہے جن کی نسبت سیاہ دل دشمن کہتے ہیں کہ وہ جبراً مسلمان کئے گئے تھے۔ اے اندھو! جن لوگوں نے اپنے غلوں سے مہریں لگا دیں کہ اسلام بچا ہے کیا وہ جبراً مسلمان کئے گئے تھے؟ حیف تہمدی زندگی پر خدا تعالیٰ نے اُن کی تعریفیں قرآن شریف میں کی ہیں اور اُن کا نام غلص اور صادق اور وفادار رکھا ہے اور اُن کی جاں نشاری کی گواہی دی ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے: **مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا** (ترجمہ) یہ لوگ جو ایمان لائے دو قسم کے ہیں پہلے تو وہ ہیں جو جاں نشاری کے عہد کو پورا کر چکے اور خدا کی راہ میں شہید ہو گئے اور دوسرے وہ لوگ ہیں جو شہادت کے منتظر ہیں اور چاہتے ہیں کہ خدا کی راہ میں جانیں دیں اور انہوں نے اپنی بات میں ذرا بھی رد و بدل نہیں کی اور اپنے عہد پر قائم رہے۔

۲۳۹

پھر مضمون پڑھنے والے نے یہ بیان کیا کہ قرآن شریف میں لکھا ہے کہ جو مسلمان نہیں ہوتا اُن کے ساتھ جنگ کرو مگر ابھی ہم قرآن شریف کی یہ آیت لکھ چکے ہیں کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ دین میں جبر نہیں ہے اہل بعض آیات قرآن شریف میں ایسی ہیں کہ جاہل اور متعصب مخالف اُن کے معنوں کو بگاڑ کر اعتراض کے طور پر پیش کر دیتے ہیں جیسا کہ یہ آیت ہے: **قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّىٰ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ** (ترجمہ) وہ اہل کتاب کہ جو نہ خدا کو مانتے ہیں اور نہ روزِ آخرت پر ایمان لاتے ہیں اور نہ خدا اور اُس کے رسول کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں اور نہ دیانت اور سچائی کی راہ کو اختیار کرتے ہیں اُن سے تم لڑو یہاں تک کہ وہ تم کو اپنے ہاتھوں سے جزیہ دیں۔

یہ آیات ہیں جن سے نادان لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ جنگ کا حکم مسلمان کرنے کے لئے ہے لیکن ان آیات کو اخیر تک پڑھ کر دیکھ لو ان آیات میں مسلمان کرنے کا کہیں بھی حکم نہیں بلکہ اگر تم ان آیات کو آیت ان حدیث الشہور تک پڑھو گے تو تمہیں معلوم ہوگا کہ یہ ان اہل کتاب کا

ذکر ہے کہ جو کھلے کھلے طور پر جرائم پیشہ ہو گئے تھے اور عیسائیت اور یہودیت صرف نام کے لئے تھی وہ ان کو خدا پر بھی ایمان نہیں رہا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے  
 وَتَرَى كَثِيرًا مِّنْهُمْ يَتَّبِعُونَ عُثُونَ فِي الْأَثَرِ وَالْعُذْرَانِ وَأَخْلَاهُمُ السُّخْتُ لَيْشَسَ مَا  
 كَانُوا يَفْعَلُونَ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ أَنَّ الْكُفْرَانَ عَنِ قَوْلِهِمْ الْأَثَرُ وَالْعُذْرَانِ لَيْشَسَ مَا  
 كَانُوا يَفْعَلُونَ..... قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَسْتُمْ عَلَى شَيْءٍ حَتَّى تَقِيمُوا  
 التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا نَزَلَ إِلَيْكُم مِّن تَرْجُمَةٍ (ترجمہ) اور اکثر اہل کتاب کو تو دیکھے گا کہ  
 گناہ کے کاموں کی طرف دوڑتے ہیں اور حرام کھاتے ہیں کیا ہی بُرے یہ کام اور بد اعمالیاں  
 ہیں کہ یہ لوگ کر رہے ہیں ان کے مشائخ اور علماء کیوں ان بُرے کاموں سے ان کو منع نہیں  
 کرتے اور دیکھتے ہیں کہ وہ جھوٹ بولتے اور جھوٹی گواہیاں دیتے ہیں اور حرام کھاتے ہیں پھر  
 بھی چپ رہتے ہیں ایسے یہ ان کے علماء بھی بُرے کام کر رہے ہیں کہ خاموش رہ کر ان کی بدی میں  
 آپ بھی شریک ہیں۔ اسے پیغمبرؐ اور یہود اور نصاریٰ کو کہہ دے کہ جب تک تم تورات اور انجیل  
 کے احکام پر نہ چلو اور ایسا ہی ان دوسری تمام کتابوں پر قائم نہ ہو جاؤ جو خدا کی طرف سے تمہیں  
 دی گئی ہیں تب تک تمہارا کچھ بھی مذہب نہیں محض لاد مذہب ہو کر اپنے نفسوں کی پیروی کر لے رہے  
 ہو پس ان تمام آیات سے ظاہر ہے کہ عرب کے یہود اور عیسائی ایسے بگڑ گئے تھے اور اس دور  
 پر وہ بد چلن ہو گئے تھے کہ جو کچھ خدا نے ان کی کتابوں میں حرام کیا تھا یعنی یہ کہ چوری نہ کریں  
 لوگوں کا ناحق مال نہ کھاویں۔ ناحق کا خون نہ کریں جھوٹی گواہی نہ دیں۔ خدا کے ساتھ کسی کو  
 شریک نہ کریں۔ یہ تمام ناجائز کام ایسی دلی رغبت سے کرتے تھے کہ گویا ان بُرے کاموں کو  
 انہوں نے اپنا مذہب قرار دیدیا تھا جیسا کہ پادری فنتل صاحب نے بھی اپنی کتاب میں اہل الحق  
 میں جو اس ملک میں مدت تیس سال سے شائع ہو چکا ہے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ وہ حقیقت  
 ملک عرب میں جو عیسائی اور یہودی تھے وہ سخت بد چلن ہو گئے تھے اور ملک کے لئے ان کا  
 وجود خطرناک تھا اور ان کے مفاسد حد سے بڑھ گئے تھے بعد اس کے وہ پادری اپنی شرارت

سے لکھا ہے کہ نعوذ باللہ اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبی تو نہیں تھے مگر خدا نے اس ملک کے بد چلن یہودیوں اور عیسائیوں کو سزا دینے کے لئے آپ کو غلبہ بخشا اور خدا نے بطور تنبیہ کے یہ قرین مصلحت قرار دیا کہ اس طرح پر ان بد چلن فرقوں کو آئندہ بد چلنیوں اور بد اعمالیوں سے روکا جائے۔ یہ وہ گواہی ہے جو ایک سخت دشمن اسلام کا یعنی یادری فندیل اپنی کتاب میزان الحق میں دیتا ہے اور باوجود سخت متعصب ہونے کے اس قدر پر اس کے منہ سے نکل گیا کہ اس وقت کے عیسائی اور یہودی سخت بد چلن اور بد اعمال اور جرائم پیشہ تھے پس ایک عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ امن عام قائم کرنے کے لئے ایسے جرائم پیشہ لوگوں کا تدارک ضروری تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف پیغمبری کا عہدہ رکھتے تھے بلکہ وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک بادشاہ با اختیار کی طرح مکی مصالح قائم رکھنے کے ذمہ دار ٹھہرائے گئے تھے اس صورت میں آپ کا فرض تھا کہ بحیثیت ایک بادشاہ اور والی ملک کے شریروں اور بد معاشوں کا قرار واقعی بند و بست کریں اور مظلوموں کو جو ان کی شرارتوں سے تباہ ہو گئے تھے ان کے پنجے سے چڑھا دیں۔ پس یوں سمجھنا چاہئے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے آپ کے دو عہدے تھے ایک عہدہ رسالت کہ جو کچھ خدا تعالیٰ کی طرف سے حکم ملتا تھا وہ لوگوں کو پہنچا دیتے تھے اور دوسرا عہدہ بادشاہت اور خلافت کا جس عہدہ کی رد سے وہ ہر ایک مفسد اور مغلّ ہامن کو نرا دے کر امن عام کو ملک میں قائم کر دیتے تھے اور ملک عرب کا ان دنوں میں یہ حال تھا کہ ایک طرف تو خود عرب کے لوگ اکثر لٹیرے اور قزاق اور طرح طرح کے جرائم کرنے والے تھے اور دوسری طرف جو اہل کتاب کہلاتے تھے وہ بھی سخت بد چلن تھے اور ناجائز طریقوں سے لوگوں کا مال کھاتے تھے اگر عرب رات کو کوٹتے تھے تو یہ لوگ دن کو ہی غریب لوگوں کی گردن پر پھیری پھیرتے تھے پس جب کہ خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ملک عرب کی بادشاہی دی تو بلاشبہ انجناب کا یہ فرض تھا کہ بد معاشوں اور مجرموں اور چوروں اور ڈاکوؤں اور مفسدوں کا بند و بست کریں اور جو لوگ جرائم سے باز نہیں آتے ان کو سزا دیں



اور ہر ایک شخص بچہ سکتا ہے کہ بادشاہ کے لئے ایسا کرنا ضروری ہے کہ مثلاً اگر کسی بادشاہ کی رعایا پر لوگ ڈاکہ ماریں اور ان کا مال لوٹ کر لے جا دیں یا قنب لگا کر مال لے جا دیں یا طبع انسانی سے لوگوں کو قتل کریں تو کیا اس بادشاہ کا فرض نہیں ہوگا کہ ایسے مفسد لوگوں پر چڑھائی کرے اور ایسے مفسد لوگوں کو قرار واقعی سزا دے کہ ملک میں امن قائم کر دے۔ سو یہ لڑائی اہل کتاب سے اس وجہ سے نہیں تھی کہ ان کو مسلمان کیا جائے بلکہ اس وجہ سے تھی کہ ان کی شرارتوں سے ملک کو بچایا جائے۔ اس بات کا قرآن شریف میں تصریح ذکر ہے کہ ان کی بدچلنی نہایت درجہ تک پہنچ گئی تھی۔ چنانچہ ان بدچلنیوں کے بارے میں قرآن شریف میں یہ آیات موجود ہیں۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَخْبَارِ وَالرَّهْبَانِ لَيَكُونُونَ أَمْوَالًا لِلْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ يَكْنُزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يَفْقَهُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ** (سورۃ التوبہ) (ترجمہ) مسلمانو! اہل کتاب کے اکثر عالم اور مشائخ لوگوں کے مال ناحق کھاتے ہیں یعنی ناجائز طور پر ان کا رویہ یہ اپنے قبضہ میں کر لیتے ہیں اور خدا کی راہ سے لوگوں کو روکتے رہتے ہیں اور اس طرح پر ناجائز طور پر لوگوں کے مال لے کر سونا اور چاندی جمع کر لیتے ہیں اور خدا کی راہ میں کچھ بھی خرچ نہیں کرتے سو ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دو۔

پھر ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ اہل کتاب کی بدچلنی کی نسبت خوب وضاحت سے فرماتا ہے اور وہ آیات یہ ہیں۔ **وَمِنَ الْأَعْلَى الْكِتَابِ مَنْ أَن تَأْمَنَهُ يَفْضُلُ عَلَى ذِيكَ وَمِنْهُمْ مَنْ أَن تَأْمَنَهُ يَدِينُكَ لَا يُؤَدُّ إِلَيْكَ إِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَائِمًا ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأَخْيَارِ سَبِيلٌ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ** (الجزوۃ سورۃ آل عمران) (ترجمہ) اور اہل کتاب میں سے بعض ایسے ہیں کہ اگر ان کے پاس زرقہ کا ایک ڈھیر بھی امانت رکھنی جائے تو جب تو مانگے وہ سب مال تیرے حوالہ کریں گے اور بعض اہل کتاب ایسے ہیں کہ اگر ایک اشرفی بھی تو ان کے حوالہ بطور

امانت کرتے تو وہ کبھی حوالہ نہ کریں گے۔ مگر صرف اُس وقت کہ تو اُن کے سر پر کھڑا ہوگا۔ یہ بد معاملی اس لئے کرتے ہیں کہ وہ کھلے کھلے طور پر کہتے ہیں کہ عرب کے ان پٹھ لوگوں کا حق ماریٹنے میں ہم سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی اور دیدہ دانستہ خدا پر ٹھوٹ بولتے ہیں۔

غرض عرب کے مشرکوں کی طرح اس ملک کے اہل کتاب بھی جرائم پیشہ ہو گئے تھے عیسائیوں نے تو کفارہ کے مسئلہ پر زور دے کر اور اس پر بھروسہ کر کے یہ سمجھ لیا تھا کہ ہم پر سب جرائم حلال ہیں اور یہودی کہتے تھے کہ ہم اور کتاب جرائم کی وجہ سے صرف چند روز دوزخ میں پڑیں گے اس سے زیادہ نہیں جیسا کہ اس بارہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ذَالِکَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَنْ نَسْأَلَ النَّاسَ أَشْیًا مَّا تَعْدُو دَامَتْ وَغَرَّهُمْ فِی دِینِهِمْ تَحَاكُّوْا یَعْتَوُوْنَ۔ المجزومۃ سورۃ آل عمران (ترجمہ) یہ دلیری اور جرأت اس سے اُن کو پیدا ہوئی کہ اُن کا یہ قول ہے کہ دوزخ کی آگ ہمیں ٹھیسے گی بھی تو صرف چند روز تک ہے گی اور جو آخر ۳ ہر دایاں دہ کرتے ہیں انہیں پر مغرور ہو کر اُن کے یہ خیالات ہیں۔

پس جب کہ اہل کتاب اور مشرکین عرب نہایت درجہ بد چلن ہو چکے تھے اور بدی کر کے سمجھتے تھے کہ ہم نے نیکی کا کام کیا ہے اور جرائم سے باز نہیں آتے تھے اور امن عامہ میں خلل ڈالتے تھے تو خدا تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کے ہاتھ میں عنان حکومت دے کر اُن کے ہاتھ سے غریبوں کو بچایا چاہا اور چونکہ عرب کا ملک مطلق العنان تھا اور وہ لوگ کسی بادشاہ کی حکومت کے ماتحت نہیں تھے اس لئے ہر ایک فرقہ نہایت بے قیدی یاد دلیری سے زندگی بسر کرتا تھا اور چونکہ اُن کے لئے کوئی سزا کا قانون نہ تھا اس لئے وہ لوگ روز بروز جرائم میں بڑھتے جاتے تھے پس خدا نے اس ملک پر رحم کر کے ..... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس ملک کے لئے نہ صرف رسول کر کے بھیجا بلکہ اس ملک کا بادشاہ بھی بنا دیا اور قرآن شریف کو ایک ایسے قانون کی طرح مکمل کیا جس میں دیوانی و جہادری مللی سب دہستیں ہیں سو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت ایک بادشاہ ہونے کے تمام فرقوں کے حاکم تھے اور ہر ایک مذہب

کے لوگ اپنے مقدمات آپ سے فیصلہ کرتے تھے۔ قرآن شریف سے ثابت ہے کہ ایک دفعہ ایک مسلمان اور ایک یہودی کا آنجناب کی عدالت میں مقدمہ آیا تو آنجناب نے تحقیقات کے بعد یہودی کو سچا کیا اور مسلمان پر اس کے دعوے کی ڈگری کی پس بعض نادان مخالفت جو غور سے قرآن شریف نہیں پڑھتے وہ ہر ایک مقام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے نیچے لے آتے ہیں حالانکہ ایسی سزائیں خلافت یعنی بادشاہت کی حیثیت سے دی جاتی تھیں۔

بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰؑ کے بعد نبی جدا ہوتے تھے اور بادشاہ جدا ہوتے تھے جو امور سیاست کے ذریعہ سے امن قائم رکھتے تھے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں یہ دونوں عہدے خدا تعالیٰ نے آنجناب ہی کو عطا کئے اور جرائم پیشہ لوگوں کو الگ الگ کر کے باقی لوگوں کے ساتھ جو برتاؤ تھا وہ آیت مندرجہ ذیل سے ظاہر ہوتا ہے اور وہ یہ ہے وَقُلْ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَتَوْا آلَ الْكِتَابِ وَالْأُمِّيِّينَ ؕ أَسْلَمْتُمْ ؕ فَإِنْ أَسْلَمْتُمْ فَأَعْتَدُوا ۖ وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاءُ ۚ ؕ الْيَوْمَ سُورَةُ آلِ عِمْرَانَ۔ اور اسے پیغمبر اہل کتاب اور عرب کے جاہلوں کو کہو کہ کیا تم دین اسلام میں داخل ہوتے ہو پس اگر اسلام قبول کر لیں تو ہدایت پا گئے اور اگر منہ موڑیں تو تمہارا تو صرف یہی کام ہے کہ حکم الہی پہنچا دو۔ اس آیت میں نہیں لکھا کہ تمہارا یہ بھی کام ہے کہ تم ان سے جنگ کرو۔ اس سے ظاہر ہے کہ جنگ صرف جرائم پیشہ لوگوں کے لئے تھا کہ مسلمانوں کو قتل کرتے تھے یا امن عامہ میں خلل ڈالتے تھے اور چوری و ڈاکہ میں مشغول رہتے تھے اور یہ جنگ بحیثیت بادشاہ ہونے کے تھا نہ بحیثیت رسالت۔ جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الْكَافِرِينَ ؕ يَفْعَلُ اللَّهُ وَنَحْنُ لَا نَعْتَدُ وَإِنَّ دَلِيلَ لَآيِحِيَّتِ الْمُعْتَدِينَ ۚ ؕ الْيَوْمَ سُورَةُ الْبَقَرَةِ (ترجمہ تم خدا کے لای میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں یعنی دوسروں سے کچھ غرض نہ رکھو اور زیادتی مست کرو و خدا نیا دینی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

پھر مضمون پڑھنے والے نے قرآن شریف کا ذکر کر کے تعدد ازواج پر اعتراض کیا اس کے

حساب میں اس قدر ہم لکھنا کافی سمجھتے ہیں کہ اگرچہ آریہ سماج والے تعدد ازدواج کو نظر نفرت سے دیکھتے ہیں مگر بلاشبہ وہ اس ضرورت کو تسلیم کرتے ہیں جس کے لئے اکثر انسان تعدد ازدواج کے لئے مجبور ہوتا ہے اور وہ یہ کہ انسان جو اشرف المخلوقات ہے۔ اس کے لئے یہ ضروری امر ہے کہ اپنی نسل باقی رہنے کے لئے کوئی احسن طریق اختیار کرے اور لا ولد رہنے سے اپنے تئیں بچا کرے اور یہ ظاہر ہے کہ بسا اوقات ایک بیوی سے اولاد نہیں ہوتی اور یا ہوتی ہے اور بیاہٹ لاحق ہونے کی بیماری کے مرمر جاتی ہے اور یا لڑکیاں ہی پیدا ہوتی ہیں اور ایسی ضرورت میں مرد کو دوسری بیوی کی نکاح کے لئے ضرورت پیش آتی ہے خاص کر ایسے مرد جن کی نسل کا مفقود ہونا قابل افسوس ہوتا ہے اور ان کی ملکیت اور ریاست کو بہت حرج اور نقصان پہنچتا ہے۔ ایسا ہی اور بہت سے وجوہ تعدد نکاح کے لئے پیش آتے ہیں مگر بالغہ ہم صرف یہ ایک ہی وجہ بیان کر کے قرآن شریف کی اس تعلیم کا جو تعدد ازدواج کی ضرورت پیش کرتی ہے دید کی اس تعلیم سے مقابلہ کرتے ہیں جو ضرورت مند جو بلا کے پورا کرنے کے لئے دیدنے پیش کی ہے۔

سنو! جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں قرآن شریف میں انسانی ضرورتوں کے پورا کرنے کیلئے تعدد ازدواج کو رد ادا کھاتا ہے اور محمد ان ضرورتوں کے ایک یہ بھی ہے کہ تا بعض ضرورتوں میں تعدد ازدواج نسل قائم رہ جانے کا موجب ہو جائے کیونکہ جس طرح قطرے قطرے سے دریا بنتا ہے اسی طرح نسل سے بھی قومیں بنتی ہیں اور اس میں کچھ شک نہیں کہ کثرت نسل کیلئے نہایت عمدہ طریق تعدد ازدواج ہے پس وہ برکت جس کا دوسرے لفظوں میں نام کثرت نسل ہے اس کا بڑا بھاری ذریعہ تعدد ازدواج ہی ہے یہ تو وہ ذریعہ کثرت نسل کا ہے جو قرآن شریف نے پیش کیا ہے اور اس کے برخلاف جو دیدنے ذریعہ پیش کیا ہے جس کو وہ نہایت ضروری سمجھتا ہے وہ نیوگ ہے یعنی یہ کہ اگر کسی کے گھر میں پہلی بیوی سے اولاد نہ ہو تو اولاد حاصل کرنے کے لئے دو طریق ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ اُس کی اپنی بیوی کسی دوسرے مرد سے منہ کالا کرادے۔ نہ ایک دن نہ دو دن بلکہ قریباً چودہ سال تک کسی دوسرے مرد سے ناجائز تعلیق رکھے یا کم و بیش۔ اور جو اُس غیر مرد سے اولاد ہو وہ مرغیوں کے بچوں کی طرح نقصان نصف تقسیم ہو جائے گی۔ یعنی نصف بچے تو اُس پاکدامن کے خاوند کو ملیں گے اور نصف دیگر اُس کو ملیں گے جس کے ساتھ یا راند اولاد کے لئے لگایا گیا۔ اب اگرچہ آریہ صاحبان اس کام سے کچھ بھی نفرت نہیں کرتے مگر میں جانتا ہوں کہ اب بھی کئی کوڑھندو اسی آریہ روت میں ایسے ہونگے کہ وید کی اس تعلیم کو اُن کا دل ہرگز منظور نہیں کرتا ہو گا اور مسلمانوں کی طرح ضرورت کے وقت دوسری شادی کرتے ہوں گے اس سے ظاہر ہے کہ شریعت ہندوؤں کی فطرت نے بھی ضرورت کے وقت نکاح ثانی کو پسند کیا ہے اگر تم پنجاب میں ہی تلاش کرو تو ہزار بادولت مند اور امیر ہندو ایسے نکلیں گے کہ وہ دو دو تین تین بیویاں رکھتے ہوں گے گز بجز اس قلیل کردہ آریوں کے کوئی شریعت باعزت ہندو اس بات کو منظور نہیں کرے گا کہ اپنی جوان خوب صورت بیوی کو رات کو دوسرے کے ساتھ ہمبستر کرادے۔ مگر یہ بے غیرتی نہیں تو پھر بے غیرتی اور بے شرمی کس چیز کا نام ہے؟ مگر کئی بیویاں کو نے کا طریق مسلمانوں کی طرح ہندوؤں میں بھی ہمیشہ سے چلا آیا ہے اور اس وقت کے ہندو راجے بھی برابر اس کے کاربند ہیں اور ہم بڑے دعوے سے کہتے ہیں کہ کئی بیویاں کرنے کا طریق فقط اسی زمانہ میں ہندوؤں میں پیدا نہیں ہوا بلکہ ہندوؤں کے وہ بزرگ جو اوتلہ کہلاتے تھے اُن کا تعدد و ازدواج بھی ثابت ہے۔ چنانچہ کوشن جی کی ہزاروں بیویاں بیان کی جاتی ہیں اور اگر ہم اس بیان کو مبالغہ خیال کریں تو اس میں شک نہیں کہ دس بیس تو ضرور ہوں گی۔ راجہ بلچندر کے باپ کی بھی دو بیویاں تھیں اور جہاں تک ہمیں معلوم ہے وید میں کہیں تعدد و ازدواج کی ممانعت نہیں پائی جاتی۔ ورنہ یہ بزرگ لوگ ایسا کام کیوں کرتے جو وید کے برخلاف تھا۔ ایسا ہی باوانا تک صاحب جو ہندو قوم میں ایک بڑے مقدس آدمی شمار کئے گئے ہیں اُن کی بھی وہ بیویاں تھیں۔

اس جگہ مخالفوں کی طرف سے یہ اعتراض ہوا کرتا ہے کہ تعدد ازواج میں یہ ظلم ہے کہ اعتدال نہیں رہتا۔ اعتدال اسی میں ہے کہ ایک مرد کے لئے ایک ہی بیوی ہو مگر مجھے تعجب ہے کہ وہ دوسروں کے حالات میں کیوں خواہ مخواہ مداخلت کرتے ہیں جب کہ یہ مسئلہ اسلام میں شائع متعارف ہے کہ چار تک بیویاں کرنا جائز ہے مگر جبر کسی پر نہیں اور ہر ایک مرد اور عورت کو اس مسئلہ کی بخوبی خبر ہے تو یہ اُن عورتوں کا حق ہے کہ جب کسی مسلمان سے نکاح کرنا چاہیں تو اول شرط کہ الیں کہ اُن کا خاوند کسی حالت میں دوسری بیوی نہیں کرے گا اور اگر نکاح سے پہلے ایسی شرط لکھی جائے تو بیشک ایسی بیوی کا خاوند اگر دوسری بیوی کرے تو حرم نقض عہد کا مرتکب ہوگا۔ لیکن اگر کوئی عورت ایسی شرط نہ لکھا دے اور حکم شرع پر راضی ہو دے تو اس حالت میں دوسرے کا دخل دینا بے جا ہوگا اور اس جگہ یہ مثل صادق آئے گی کہ میاں بیوی راضی ہو گیا کرے گا قاضی۔ ہر ایک عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ خدا نے تو تعدد ازواج فرض واجب نہیں کیا ہے خدا کے حکم کی نڈ سے صرف جائز ہے پس اگر کوئی مرد اپنی کسی ضرورت کی وجہ سے اس جائز حکم سے فائدہ اٹھانا چاہے جو خدا کے جاری کردہ قانون کی نڈ سے ہے اور اُس کی پہلی بیوی اُس پر راضی نہ ہو تو اس بیوی کے لئے یہ راہ کشادہ ہے کہ وہ طلاق لے لے اور اس غم سے نجات پاوے اور اگر دوسری عورت جس سے نکاح کرنے کا ارادہ ہے اُس نکاح پر راضی نہ ہو تو اُس کے لئے بھی یہ سہل طریق ہے کہ ایسی درخواست کر نیوالے کہ انکار ہی جواب دیدے۔ کسی پر جبر تو نہیں۔ لیکن اگر وہ دونوں عورتیں اس نکاح پر راضی ہو جاویں تو اس صورت میں کسی آریہ کو خواہ مخواہ دخل دینے اور اعتراض کرنے کا کیا حق ہے؟ کیا اُس مرد نے اُن عورتوں سے نکاح کرنا ہے یا اس آریہ سے جس حالت میں خدا نے تعدد ازواج کو کسی موقع پر انسانی ضرورتوں میں جائز رکھا ہے اور ایک عورت اپنے خاوند کے دوسرے نکاح میں رضامندی ظاہر کرتی ہے اور دوسری عورت بھی اس نکاح پر خوش ہے تو کسی کا حق نہیں ہے کہ اُن کے اس باہمی فیصلہ کو منسوخ کر دے اور اس جگہ یہ بحث پیش کرنا کہ ایک سے زیادہ بیوی کرنا پہلی بیوی کے حق میں

ظلم ہے اور طریق اعتدال کے برخلاف ہے یہ اُن لوگوں کا کام ہے جن کی تعصب سے عقل ماری گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ مسئلہ حقوق عباد کے متعلق ہے اور جو شخص دو بیویاں کرتا ہے اس میں خدا تعالیٰ کا حرج نہیں اگر حرج ہے تو اس بیوی کا جو پہلی بیوی ہے یا دوسری بیوی کا۔ پس اگر پہلی بیوی اس نکاح میں اپنی حق تلفی سمجھتی ہے تو وہ طلاق لے کر اس جھگڑے سے خلاصی پاسکتی ہے اور اگر خاوند طلاق نہ دے تو بذریعہ حاکم وقت وہ خلع کرا سکتی ہے اور اگر دوسری بیوی اپنا کچھ حرج سمجھتی ہے تو وہ اپنے نفع نقصان کو خود سمجھتی ہے پس یہ اعتراض کرنا کہ اس طور سے اعتدال ہاتھ سے جاتا ہے خواہ مخواہ کا دخل ہے اور بایں ہمہ خدا تعالیٰ نے مردوں کو وصیت فرمائی ہے کہ اگر اُن کی چند بیویاں ہوں تو اُن میں اعتدال رکھیں ورنہ ایک ہی بیوی پر قناعت کریں۔

اور یہ کہنا کہ تعدد ازواج شہوت پرستی سے جھٹکا ہے یہ بھی سراسر جاہلانہ اور متعصبانہ خیال ہے ہم نے تو اپنی آنکھوں کے تجربہ سے دیکھا ہے کہ جن لوگوں پر شہوت پرستی غالب ہے اگر وہ تعدد ازواج کی مبارک رسم کے پابند ہو جائیں تب تو وہ فسق و فجور اور زنا کاری اور بدکاری سے نکل جاتے ہیں اور یہ طریق اُن کو متقی اور پرہیزگار بنا دیتا ہے۔ ورنہ نفسانی شہوات کا تند اور تیز سیلاب بازاری عورتوں کے دروازہ تک اُن کو پہنچا دیتا ہے آخر آتشک اور سوزناک خریدتے یا اگر کسی خطرناک مرض میں مبتلا ہوتے ہیں اور وہ کام فسق و فجور کے چھپے چھپے اور کھلے کھلے اُن سے صادر ہوتے ہیں جن کی نظیر اُن لوگوں میں ہرگز نہیں پائی جاتی جن کی دو دو تین تین دل پسند بیویاں ہوتی ہیں۔ یہ لوگ تھوڑی مدت تک تو اپنے تئیں روکتے ہیں آخر اس قدر ایک دفعہ اُن کی ناجائز شہوات جو ش میں آتی ہیں کہ جیسے ایک دریا کا بند ٹوٹ کر وہ دریا دن کو یا رات کو تمام ارد گرد کے دیہات کو تباہ کر دیتا ہے پھر تو یہ ہے کہ تمام کام نیت پر موقوف ہیں جو لوگ اپنے اندر یہ غموس کرتے ہیں کہ دوسری بیوی کر لے سے اُن کے تقویٰ کا سامان پورا ہو جائے گا اور وہ فسق و فجور سے بچ جائیں گے

یاد رکھو کہ وہ اس ذریعہ سے اپنی صالح اولاد بچھوڑ جائیں گے تو ان کا یہ فرض ہے کہ وہ ضرور اس بابرکت کام سے حصہ لیں خدا کی جناب میں بدکاری اور بد نظری ایسے ناپاک گناہ ہیں جن سے نیکیاں باطل ہو جاتی ہیں اور آخر اسی دنیا میں جسمانی عذاب نازل ہو جاتے ہیں پس اگر کوئی تقویٰ کے محکم قلعہ میں داخل ہونے کی نیت سے ایک سے زیادہ بیویاں کرنا ہے اس کے لئے صرف جائز ہی نہیں بلکہ یہ عمل اس کے لئے موجب ثواب ہے جو شخص اپنے تئیں بدکاری سے روکنے کے لئے تعدد ازواج کا پابند ہو گیا ہے وہ گویا اپنے تئیں فرشتوں کی طرح بنانا چاہتا ہے۔ میں خوب جانتا ہوں کہ یہ اندھی دنیا صرف بھولٹی منطوق اور جھوٹی شیخیوں میں گرفتار ہے وہ لوگ جو تقویٰ کی تلاش میں لگے نہیں رہتے کہ کیونکر حاصل ہو اور تقویٰ کے حصول کیلئے کوئی تدبیر نہیں کرتے اور نہ دعا کرتے ہیں ان کی حالتیں اس پھوڑے کی مانند ہیں جو اوپر سے بہت چمکتا ہے مگر اس کے اندر بھر پیپ کے اور کچھ نہیں۔ اور خدا کی طرف جھکنے والے جو کسی نلامت گم کی نلامت کی پروا نہیں کرتے وہ تقویٰ کی راہوں کو یوں ڈھونڈتے پھرتے ہیں جیسا کہ ایک گدا روٹی کو۔ اور جو لوگ خدا کی راہ میں مصیبتوں کی آگ میں پڑتے ہیں۔ جن کا دل ہر وقت مغموم رہتا ہے اور خدا کی راہ میں بڑے مقاصد مگر دشوار گزار ان کی مدد کو تحلیل کرتے اور کم کو توڑتے رہتے ہیں ان کے لئے خدا خود تجویز کرتا ہے کہ وہ اپنے دن یا رات میں سے چند منٹ اپنی مانوس بیویوں کے ساتھ بسر کریں اور اس طرح پر اپنے کو فتنہ اور شکستہ نفس کو آرام پہنچادیں اور پھر سرگرمی سے اپنے دینی کام میں مشغول ہو جادیں۔ ان باتوں کو کوئی نہیں سمجھتا مگر وہ جو اس راہ میں مذاق رکھتے ہیں۔ میں نے ہندوؤں کی ہی اپستک میں یہ ایک حکایت پڑھی ہے کہ ایک شخص کسی بہت ضروری کام کے لئے کسی طرف جانا تھا اور راہ میں اس کے ایک غوجوا دریا تھا اور کوئی کشتی نہیں تھی اور جانا ضروری تھا جب وہ دریا کے کنارہ پر پہنچا تو ایک فقیر کو اس نے دیکھا جس کی تنو بیوی تھی تب اس نے اس کی خدمت میں عرض کی کہ آپ دعا کریں کہ میں کسی طرح اس دریا سے پار ہو جاؤں۔ اس فقیر نے کہا کہ تو دریا کے کنارہ



پر جا اور اس دریا کو کہہ دے کہ میں تیرے آگے اُس فقیر مجرّد کا واسطہ ڈالتا ہوں جو تیرے کنارہ پر بیٹھا ہے جس نے ساری عمر میں کسی عورت کو بھڑا بھی نہیں پس لگ کر یہ بات سچ ہے تو مجھے راہ دیدے۔ جب اس شخص نے یہ پیغام اس دریا کو پہنچایا تو یہ سنتے ہی دریا نے راہ دیدی اور وہ دریا سے پار ہو گیا۔ اور آتے وقت پھر وہی مشکل تھی اور دوسرے کنارہ پر اور فقیر بیٹھا ہوا تھا جو ہر روز ایک دیگ پلاڈ کی کھاتا تھا یہ شخص اُس کے پاس گیا اور اپنی مشکل بیان کی اُس نے کہا کہ دریا کو میری طرف سے جا کر کہہ دے کہ میں تیرے آگے اس فقیر کا واسطہ ڈالتا ہوں جو تیرے کنارہ پر بیٹھا ہے جس نے کبھی ایک دانہ اناج کا بھی نہیں کھایا اگر یہ بات سچ ہے تو مجھے راہ دیدے تب فی الفور دریا نے راہ دیدی۔

تو مردان آں راہ چوں بنگری کہ از کینہ و بغض کور دگری  
چہ دانی کہ ایشاں سپاں میز بند ز دنیا نہاں در نہاں میز بند  
فدا گشتہ در راہ آں جاں پناہ ز کف دل ز سر او فتادہ کلاہ  
ولے ریش رفتہ بکونے دگر ز تحسین دلعن جہاں بے خبر  
چو بیت المقدس در دل پر ز تاب رہا کردہ دیوار بیرون خراب

اور مضمون پڑھنے والے نے ایک یہ اعتراض پیش کیا کہ قرآن شریف کی تعلیم کی کوشش قریبی رشتہ داروں میں شادی ہوتی ہے مگر میں نہیں جانتا کہ ایسا خواہر اصراف کیوں کیا گیا ہے یوں تو نوع انسان سب آپس میں قریبی ہیں اسی وجہ سے ایک دوسرے پر حق رکھتے ہیں باقی یہ بحث کہ نہایت قریبی کون کون ہیں جن کا باہم نکاح حرام ہے سو خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں تفصیل سے بتا دیا ہے اور وہ آیات یہ ہیں وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَحْنُ آبَاءُكُمْ ثَمَّ إِنَّ اللَّهَ لَعَلَّكُمْ مَآقِدُ سَلَفٍ إِنَّكُمْ كُنْتُمْ فَاحِشَةً وَمُقْتَنَاءَ سَاءَ سَبِيلٍ۔ حَرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَرِجَالُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَرِجَالُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَرِجَالُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَرِجَالُ الْأُخْتِ

الَّتِي فِي الْخُجُرِ كَمْ مِنْ نِسَاءٍ كَمَ الَّذِي دَخَلَ مِنْ بَيْتٍ نَزَلَ لَمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بَيْتًا فَلَا  
 مَحْجَاةَ عَلَيْكُمْ وَحَلَّائِلُ آبَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْاِخْتَيْنِ  
 إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا  
 مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ فِي كِتَابِ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَأُحِلَّ لَكُمْ تَوَارِكُكُمْ أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ  
 مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ ۝ الْجُودُ ۝ سُورَةُ النَّسَاءِ (ترجمہ) اور جن عورتوں کے ساتھ تہہ  
 بالوں نے نکاح کیا ہو تم ان کے ساتھ نکاح مت کرو اور جو ہو چکا اس پر کچھ مواخذہ نہیں یعنی  
 جاہلیت کے زمانہ کی خطا معاف کی گئی) اور پھر فرماتا ہے کہ باپ کی منکوحہ عورت کو گناہ نبوی  
 بے حیائی اور غضب کی بات تھی اور بہت ہی بڑا دستور تعاقب پر یہ سب رشتے حرام کہے  
 گئے ہیں جیسے تمہاری مائیں اور بیٹیاں اور بہنیں اور چھو بھیاں اور خالائیں اور بھتیجیاں اور  
 بھانجیاں اور دانیاں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا اور دودھ شریک بہنیں اور تمہاری عورتوں  
 کی وہ لڑکیاں جو تمہاری گودوں میں پرورش پائیں اور تمہارے گھر دل میں رہیں مگر عورتوں  
 سے وہ عورتیں مراد ہیں جو تم سے ہمبستر ہو چکی ہوں اور اگر تم نے ان عورتوں سے صحبت واری  
 نہ کی ہو تو اس صورت میں تمہیں نکاح کرنے میں مضائقہ نہیں اور ایسا ہی تمہارے بیٹوں کی  
 بیویاں تم پر حرام ہیں مگر وہ بیٹے جو تمہارے صلبی بیٹے ہیں متجسس نہیں ہیں اور یہ حرام ہے کہ  
 تم دو بہنوں کو ایک ساتھ نکاح کرو اور دونوں تمہارے نکاح میں ہوں مگر جو پہلے اس سے  
 گزر گیا اس پر کچھ مواخذہ نہیں بیشک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا مہربان ہے۔ اور وہ  
 عورتیں بھی تم پر حرام ہیں جو دوسروں کے قید نکاح میں ہیں۔ مگر وہ عورتیں جو شرعی طور پر ظالم

و حاشیہ۔ افسوس کہ عید کا تعلیم ایسی عورتوں کو بھی حاصل کرتی ہے جو دوسروں کے نکاح میں ہوں مگر تمام آریہ دست  
 کی عورتیں لاطورہ جاتیں لڑکیاں جن کو تو دید کی مد سے جائز ہے کہ ایک ہی بات میں کہ وہ وہ عورتیں اپنے خاندان  
 کو چھوڑ کر دوسروں سے ہمبستر ہو جائیں افسوس جن کا یہ مذہب ہے وہ اسلام پر حملہ کرتے ہیں۔ اسلام نے کب جائز  
 رکھا ہے کہ نکاح دلی عورت دوسرے سے ہمبستر ہو جائے؟ اگر یہ مروج حرام کاری نہیں تو اور کیا ہے؟ حاشیہ۔

کافروں کی لڑائی میں قید ہو کر تمہارے قبضہ میں آئی ہوں۔ یہ خدا کا حکم تحریری ہے جو تم پر لازم کیا جاتا ہے۔ ان عورتوں کے سوا جو ذکر ہو چکیں باقی سب عورتیں تم پر حلال ہیں مگر اس شرط سے کہ وہ تعلق صرف شہوت رانی کا ناجائز تعلق نہ ہو بلکہ نیک اور پاک مقاصد کی بناء پر نکاح ہو۔

یہ ہیں وہ عورتیں جو خدا کے قانون نے مسلمانوں پر حرام کر دی ہیں اور یہ محض خدا کا حق ہے کہ جن چیزوں کو چاہے حلال کرے اور جن چیزوں کو چاہے حرام کرے اور وہی اپنے مصالح کو خوب جانتا ہے۔ اب آریوں کا خدائی قانون میں خواہ مخواہ بغیر کسی حجت اور روشن دلیل کے دخل دینا صرف شیخی اور کیسنگی ہے۔ اور ہمیں تو تعجب آتا ہے کہ جو لوگ حیوانات کا پیشاب اور گوبر بھی کھا جاتے ہیں اور حرام حلال کا یہ حال ہے کہ اپنی بیوی کو بنام نہاد نیوگ دوسروں سے ہمبستر کرتے ہیں وہ اسلام پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ قرہبی رشتہ داروں سے کیوں نکاح کیا جاتا ہے؟ اس کا یہی جواب ہے کہ وہ خدا کے نزدیک ایسے قرہبی نہیں ہیں جو تمہارے خیال غام میں قرہبی معلوم ہوتے ہیں۔ جن کو خدا نے قرہبی ٹھہرایا ہے اُن کا ذکر اپنی کتاب میں کر دیا ہے اور وہ نکاح حرام کئے گئے ہیں جیسا کہ ابھی ہم ذکر کرتے ہیں مگر اس کا کیا جواب ہے کہ وید کے پر میشر نے ایک بڑا اندھیرا دیا ہے جس کی وجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آریہ لوگ بسا اوقات ماؤں اور بہنوں سے بھی شادی کر لیتے ہیں اور وہ تنازع یعنی آدالوں کا دھوکہ دینے والا طریق ہے کیونکہ جس حالت میں دوبارہ آنیوالی رُوح کے ساتھ پر میشر کی طرف سے کوئی ایسی فرست پیٹ میں سے ساتھ نہیں نکلتی جس سے معلوم ہو کہ فلاں عورت سے پیدا ہونے والی درحقیقت فلاں شخص کی ماں ہے یا دادی ہے یا نانی ہے یا بیٹی ہے یا بہن ہے تو اس میں کیا شک ہے کہ بسا اوقات ایک آریہ شادی کر نیوالا اپنی ماں سے نکاح کر لیتا ہو گا؟ یا بیٹی سے یا بہن سے یا دادی سے۔ اگر کہو گے تو پر میشر کا قصور ہے ہمارا قصور نہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ پر تم ایسے پر میشر پر کیوں ایمان لاتے

ہو؟ جو تمہیں دیدہ دانستہ ایسی ایسی ناپاکی میں ڈالتا ہے اور اگر وہ ان رشتوں کو تمہارے لئے حلال سمجھتا ہے تو پھر تم کیوں اپنے پریش کی نافرمانی کرتے ہو اور کیوں شاکت مت کی طرح جو ہندوؤں کی ایک شاخ ہے ماؤں بہنوں کو اپنے پر حلال نہیں کر لیتے۔ یہ کمال نا بھگی اور کمزوری ہے کہ جن چیزوں کو پریش تمہارے لئے حلال ٹھہراتا ہے تم ان چیزوں کو حرام ٹھہراتے ہو۔

پھر مضمون پڑھنے والے نے یہ اعتراض پیش کیا کہ قرآن شریف میں لونڈیوں سے ہمبستر ہونا لکھا ہے مگر اس معترض کو اول یہ سوچنا چاہئے تھا کہ کیا یہ امر نیوگ کے برابر ہے؟ نیوگ کی تو یہ حقیقت ہے کہ ایک بے گناہ شریف نادہی جو کسی کے نکاح میں ہو وہ محض اس دھبے سے دوسرے سے ہمبستر کوئی جاتی ہے کہ تا اس غریب کے پیٹ سے کسی طرح لڑکا پیدا ہو جائے جب دیکھتے ہیں کہ اُن کی عورت کو لڑکا پیدا نہیں ہوتا یا صرف لڑکیاں پیدا ہوتی ہیں یا محض بانجھ ہوتی ہے تو ان تمام صورتوں میں اُس آر یہ عورت کا کسی دوسرے سے منکالا کر دیا جاتا ہے پس وہ عورت لڑکے کی خواہش سے کسی بیگانہ شخص سے حرام کاری کرتی ہے اور اُس کے خاندان کو لیک ذلہ غیرت نہیں آتی کہ اُس کے گھر میں ایک بے گناہ شخص اُس کی عورت سے حرام کاری کر رہا ہے بلکہ وہ خوش ہوتا ہے کہ اب شاید اس فعل شنیع سے محل ٹھہر جائے گا اور لڑکا پیدا ہو گا اور وہ لڑکا مفت میں اُس کا لڑکا بن جائے گا۔ افسوس جن لوگوں کو اپنی عورت کی نسبت غیرت نہیں وہ دوسروں کے ساتھ کس طرفی پر پرہیزگاری برت سکتے ہیں۔

لہذا یہ امر کہ کافروں کی عورتوں اور لڑکیوں کو جو لڑائیوں میں اُتھا دیں لونڈیاں بنا کر اُن سے ہمبستر ہوتا تو یہ ایک ایسا امر ہے جو شخص اصل حقیقت پر اطلاع پاوے وہ اس کو ہرگز محال سمجھیں نہیں ٹھہرائے گا۔

اور اصل حقیقت یہ ہے کہ اُس ابتدائی زمانہ میں اکثر چنڈال اور خبیث طبع لوگ ناحق اسلام کے دشمن ہو کر طرح طرح کے دکھ مسلمانوں کو دیتے تھے اگر کسی مسلمان کو قتل کریں تو اکثر اس میت کے ہاتھ پیر اور ناک کاٹ دیتے تھے اور بے رحمی سے بچوں کو بھی قتل کرتے تھے اور اگر کسی

غریب مظلوم کی عورت ہاتھ آئی تھی تو اس کو لونڈی بناتے تھے اور اپنی عورتوں میں (گولونڈی کی طرح) اس کو داخل کرتے تھے اور کوئی پہلو ظلم کا نہیں تھا جو انہوں نے اٹھا رکھا تھا۔ ایک مدت دواڑ تک مسلمانوں کو خدا تعالیٰ کی طرف سے ہی حکم ملتا رہا کہ ان لوگوں کی شرارتوں پر صبر کرو۔ مگر آخر کار جب ظلم حد سے بڑھ گیا تو خدا نے اجازت دیدی کہ اب ان شریر لوگوں سے لڑو اور جس قدر وہ زیادتی کرتے ہیں اس سے زیادہ نکرہ لیکیں پھر بھی مشد کرنے سے منع کیا یعنی منع فرما دیا کہ کافروں کے کسی مقتول کی ناک کان ہاتھ وغیرہ نہیں کاٹنے چاہئیں اور جس بے عزتی کو مسلمانوں

پر حاشیہ۔ یاد رہے کہ نواح کی اصل حقیقت یہ ہے کہ عورت اور اس کے ولی کی اور نیز مرد کی بھی رضامندی لی جاتی ہے لیکن جس حالت میں ایک عورت اپنی آزادی کے حقوق کو چھوڑتی ہے اور وہ آزاد نہیں ہے بلکہ وہ ان ظلم طبع جنگ جو لوگوں میں سے ہے جنہوں نے مسلمانوں کے مردوں اور عورتوں پر بے جا ظلم کئے ہیں تو ایسی عورت جب گرفتار ہو کر اپنے اقداب کے برائے نام کی پاداش میں لونڈی بنائی گئی تو اس کی آزادی کے حقوق سب تلف ہو گئے لہذا وہ اب فحیاب بادشاہ کی لونڈی ہے اور ایسی عورت کو حرم میں داخل کرنے کے لئے اس کی رضامندی کی ضرورت نہیں بلکہ اس کے جنگجو اقداب پر فحیاب ہو کر اس کو اپنے قبضہ میں لانا یہی اس کی رضامندی ہے۔ یہی حکم قرآن میں بھی موجود ہے اے قرآن شریف میں فَلَاقَ وَجِبۃٍ یعنی لونڈی غلام کو آزاد کرنا جسے اُوب کا کام بیان فرمایا ہے اور عام مسلمانوں کو رغبت دی ہے کہ اگر وہ ایسی لونڈیوں اور غلاموں کو آزاد کر دیں تو خدا کے نزدیک بڑا اجر حاصل کریں گے۔ اگرچہ مسلمان بادشاہ ایسے غمیٹ اور چنڈال لوگوں پر فحیاب ہو کر غلام اور لونڈی بنانے کا حق رکھتا ہے مگر پھر بھی بدی کے مقابل پر نیکی کرنا خدا نے پسند فرمایا ہے۔ یہ بہت خوشی کی بات ہے کہ جہاں زمانہ میں اسلام کے مقابل پر جو کافر کہلاتے ہیں انہوں نے یہ تعدی اور زیادتی کا طریق چھوڑ دیا ہے۔ اس لئے مسلمانوں کے لئے بھی درد انہیں کہ ان کے قیدیوں کو لونڈی غلام بنادیں کہ نہ خدا قرآن شریف میں فرماتا ہے جو تم جنگجو فرقہ کے مقابل پر عورتوں کی قدر زیادتی کرو جس میں پہلے انہوں نے سبقت کی ہو پس جب کہ اب وہ زمانہ نہیں ہے اور اب کافر لوگ جنگ کی حالت میں مسلمانوں کے ساتھ ایسی سختی اور زیادتی نہیں کرتے کہ ان کو خدا کے مردوں اور عورتوں کو بے نیل اور غلام بنادیں بلکہ وہ شاہی قیدی سمجھے جاتے ہیں اس لئے اب اس زمانہ میں مسلمانوں کو بھی ایسا کرنا ناجائز اور حرام ہے۔

کے لئے دھوکا بند کرتے تھے اس کا بدلہ لینے کے لئے حکم دیدیا۔ اسی بنا پر اسلام میں یہ رسم جاری ہوئی کہ کافروں کی عورتیں لونڈی کی طرح رکھی جائیں اور عورتوں کی طرح استعمال کی جائیں یہ تو انصاف اور طریق عدل سے بعید تھا کہ کافر تو جب کسی مسلمان عورت کو اپنے قبضہ میں لادیں تو اُس کو لونڈی بتائیں اور عورتوں کی طرح اُن کو استعمال کریں اور جب مسلمان اُن کی عورتوں اور اُن کی لڑکیوں کو اپنے قبضہ میں کریں تو ماں بہن کر کے رکھیں۔ خدا بے شک حلیم ہے مگر یہ سب زیادہ غیرت مند ہے اُس کی غیرت ہی تھی جو نوح کے طوفان کا باعث ہوئی۔ اُسی کی غیرت نے ہی انجاء کار فرعون اور اُس کے تمام لشکر کو دریا میں غرق کر دیا۔ اُسی کی غیرت نے لوط کی قوم پر زمین کا تختہ الٹا دیا۔ اور اُسی کی غیرت اب جا بجا ہیبت ناک زلزلے دکھا رہی ہے اور لاکھوں انسانوں کو طاعون سے ہلاک کر رہی ہے اور اُسی کی غیرت نے لیکھرام کو جو بد مذہبی سے کسی طرح باز نہیں آتا تھا اُس کی زبان کی چھری سے آخر لوہے کی چھری غیب سے پیدا کر دی اور جو اتنا مرگ مارا اور بڑے دُکھ سے اُس کو اُس کی قوم میں سے اٹھا لیا اور کوئی اس کو بچانہ سکا اور خدا نے اپنی پیش گوئی اُس میں پوری کر دی۔ پس اسی طرح جب عرب کے غنیمت فطرت اِذا اور دُکھ دینے سے باز نہ آئے اور نہایت بھائی اور غیرتی سے عورتوں پر بھی فاسقانہ حملے کرنے لگے تو خدا نے اُن کی تنبیہ کے لئے یہ قانون جاری کر دیا کہ اُن کی عورتیں بھی اگر لڑائیوں میں پکڑی جائیں تو اُن کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا جائے پس یہ تو بموجب مثل مشہور کہ عوف معاوضہ مکر ندارد کوئی محل اعتراض نہیں۔ جیسی ہندی میں بھی یہ مثل مشہور ہے کہ جیسی کرنی ویسی بھرنی مگر یہ دوسری بات درحقیقت نہایت بے رمی۔ دیوثی اور بیحیائی کا کام ہے کہ انسان اپنی عورت سے محض لڑکا پیدا ہونے کی خواہش سے زندہ کرادے یہ ایک ایسی ناپاکی کی راہ اور گندی نظیر ہے کہ تمام دنیا میں اگر تلاش کرو تو ہرگز ہرگز اُس کی نظیر نہیں ملے گی۔ پھر ماسوا اس کے اسلام اس بات کا حامی نہیں کہ کافروں کے قیدی غلام اور لونڈیاں بنائی جائیں بلکہ غلام آزاد کرنے کے بارہ میں اس قدر قرآن شریف میں تاکید ہے کہ جس سے بڑھ کر متصور نہیں۔ غرض ابتدا غلام لونڈی بنانے کی

کا فرد سے شروع ہوئی اور اسلام میں بطور سزا کے یہ حکم جاری ہوا اور اُس میں بھی آزاد کرنے کی ترمیم دی گئی۔ اب ہم اس جگہ مذکورہ بالا بیان کی شہادت کے لئے ایک برہمہ صاحب کی کتاب سے ذیل میں چند عبارتیں اختصار کے ساتھ نقل کرتے ہیں۔ برہمہ صاحب کا نام پیرکاش دیو جی ہے جو برہمہ دھرم لاہور کے پرباکر ہیں اور کتاب کا نام سوانحری حضرت محمد صاحب ہے اور اس پر آشوب زمانہ میں کہ ہر ایک فرقہ خواہ آریہ ہیں خواہ پارسی صاحبان دیدہ و دانستہ کسی طور کے انفرار کر کے ہمارے سید دمولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین اور اسلام کی تحقیر کو بڑا ثواب کا کام سمجھ رہے ہیں ایسے وقت میں آریہ قوم میں سے ایسا منصف مزاج پیدا ہونا جو برہمہ مذہب رکھتے ہیں نہایت عجیب بات ہے جنوٹ کتاب نے اپنی دیانت داری اور انصاف پسندی اور حق گوئی اور بے تعصبی کا عمدہ نمونہ دکھلایا ہے۔ میرے نزدیک مناسب ہے کہ ہماری جماعت کے لوگ ایک ایک نسخہ اس کتاب کا خرید لیں قیمت بھی بہت کم ہے اور وہ عبارتیں برہمہ صاحب کی کتاب کی خلاصہ کے طور پر یہاں لکھی جاتی ہیں اور وہ یہ ہیں۔

اہل عرب آنحضرت کے ظہور کے وقت میں بہت ہی بد رسوم کے مروج تھے چنانچہ فسق و فجور رہتی قرآنی وغیرہ اس درجہ تک اُن میں بڑھی ہوئی تھی کہ اُن کے حالات پڑھ کر انسان کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ تسمیوں کا مال کھا لیتے اور لڑکیوں کو زندہ دگر کر کے تھے۔ شراب خوردی کی یہ کثرت تھی کہ بچہ نے دودھ چھوڑا اور شراب پینی شروع کی۔ مرد جس قدر چاہتا تھا عورتیں کر لیتا تھا جب چاہتا تھا بلا غور چھوڑ دیتا تھا۔ کینہ و حسد بغض بہت بڑھا ہوا تھا۔ بُت پرستی سے کوئی گھر خالی نہ تھا اور مکہ گویا ایک بت پرستی کا تیرتھ بنا ہوا تھا اور جتنے اُن لوگوں کے چلن تھے سب وحشیانہ تھے اور لوط و لوطیوں کا یہاں قتل

و حاشیہ۔ برہمہ صاحب کی کتاب میں ایک دو جگہ تعقیب غلطی پائی گئی ہے۔ یہ بشریت ہے مگر یہ تو ممکن نہیں تھا کہ ایک مسلمان کی طرح اُن کی تقریر ہوئی۔ ایسی صورت میں شبہات پیدا ہوتے اور کچھ فرقہ ہوتا۔

اور غارت میں درندوں سے بڑھ کر تھے اور عیاشی اور غفلت کا کوئی حساب نہ تھا اور ہر ایک حرام کو حلال سمجھ رکھا تھا۔ غرض جس وقت عرب کی یہ حالت تھی جو اوپر مذکور ہوئی تب حضرت محمدؐ صاحب عرب کے ایک مشہور اور معروف قبیلہ قریش کی شارع بنی ہاشم میں پیدا ہوئے اور چونکہ آپ کے والدین بچپن میں ہی فوت ہو چکے تھے اس لئے آپ کو اس قدر تعلیم پانے کا بھی موقع نہ ملکہ وہ ماں باپ کے زیر سایہ اپنی مادری زبان کو سیکھ سکتے بلکہ پیدا ہوتے ہی دودھ پلانے کے لئے ایک دیہاتی اور گنوار دیہ کے سپرد کئے گئے اور دن رات ایک گنوازی زبان سے اُن کو واسطہ پڑا شاید اس میں ہی حکمت خدا تھی کہ جو شخص جو ان پر کرکلام کا مہر اندہ نمونہ پیش کرنے والا تھا وہ بچپن میں یوں گنواروں اور چرواہوں میں پلے تاحذا کی قدرت کا نمونہ ظاہر ہو۔ خدا نے جو اُن پر پیدا ہوتے ہی مصیبتیں ڈالیں تو شاید اس میں یہ حکمت تھی کہ تانوں کے مزاج میں اعلیٰ درجہ کا حلم اور صبر اور رحم پیدا ہو جائے اور تادہ ہمدردی بردباری اور غم خواری سے اپنے ہم وطنوں کو چاہے گمراہی سے باہر نکالیں۔ آپ نے سیتیس برس کی عمر میں ہمدردی نوع انسان کا یہ نمونہ دکھلایا کہ زید بن حارث کس لڑائی میں یکطرفہ گیا تھا اور وہ غلام بنا کر خدیجہؓ کے بھتیجے کے ہاتھ فروخت کر دیا گیا تھا اور خدیجہؓ کے بھتیجے نے اُس غلام کو اپنی پھوپھی کی نذر کیا تب آپ نے اُس غلام کو خدیجہ سے مانگ کر آزاد کر دیا۔ اور آپ کا دل اپنے ملک کو تاریکی اور جہالت میں ڈوبا ہوا دیکھ کر بہت درد مند رہتا تھا اور عورتوں کے حال ناز اور معصوم لڑکیوں کو زندہ درگور ہوتے ہی دیکھ کر جس گراں پاش ہوتا تھا۔ فی الواقع آنحضرتؐ کی ذات سے جو جو فیض دنیا کو پہنچے اُن کے لئے نہ صرف عرب بلکہ تمام دنیا کو اُن کا شکر گزار ہونا مناسب ہے۔ کون کونسی تخلیفیں ہیں جو اس بزرگ نے نسل انسان کے لئے اپنے اوپر برداشت نہیں کیں اور کیا کیا مصیبتیں ہیں جو اُن کو اس راہ میں اٹھانی تھیں پڑیں۔ عرب جیسے ایک وحشی اور کندنہ نائراش ملک کو توحید کی راہ دکھانا اور اُن بدلوں سے روکنا جو عادت میں داخل ہو گئی تھیں کچھ سہل کام نہ تھا۔ تنگ دل اور متعصب لوگ ایسے بزرگ



کی نسبت کچھ ہی کہیں لیکن جو لوگ انصاف پسند اور کشادہ دل ہیں وہ کبھی محمد مصباح کی این بے بہا خدمات کو جو وہ نسل انسان کے لئے بجا لائے بھلا کر احسان فراموش نہیں ہو سکتے وہ اپنی فضیلت کا ایسا بھنڈا کھڑا کر گئے ہیں جس کے نیچے اب تیرہ چو گڑھ کر ڈر دنیا کے آدمی پناہ گزین ہیں اور ان کے نام پر جان دینے کے لئے مستعد کھڑے ہیں قریش نے ایک مرتبہ یہ سوچا کہ محمد مصباح کو کوئی زبردست دنیاوی لالچ دے کر اس کام سے باز رکھیں چنانچہ پہلے ان کے وکیل نے آپ کے پاس آکر بہت سے مال اور دولت کے طمع دئے مگر آپ نے کچھ توجہ نہ کی اور پھر یہ بھی کہا کہ ہم آپ کو اپنا سردار اور میثوا مقرر کر لیتے ہیں اور آخر کو جب یہ بھی نہ مانا گیا تو یہ کہا کہ ہم آپ کو اپنا بادشاہ قبول کرتے ہیں مگر آپ نے اس کے جواب میں قرآن شریف کی چند آیتیں سنائیں جو خدا کی توحید پر مشتمل تھیں۔ آخر قریش کا مقصد ناکام واپس آیا۔

اور جب قریش اپنے اس حید میں کامیاب نہ ہوئے تو انہوں نے مسلمانوں کو بے اتہما اذیتیں اور تکلیفیں پہنچانی شروع کیں۔ عزیزوں کا ہوسفید ہو گیا۔ رگ چاچا ابولہب دشمنی جانی بن گیا۔ سگی چچی کا یہ حال تھا کہ وہ بہت سے کانٹے کو کھڑو سمیٹ لیتی اور بن جن راہوں سے آپ گذرتے وہاں وہ کو کھڑو اور کانٹے بکھیر دیتی اور آپ کے پاؤں زخمی ہو جاتے تب آپ بیٹھ جاتے اپنے پاؤں سے بھی کانٹے نکالتے اور راستہ میں سے بھی دور کرتے تا دوسرے چلتے والے بھی اُس اذیت سے بچیں۔ آپ جب وعظ کہنے کے لئے کھڑے ہوتے اور قرآن مجید پڑھتے تو لوگ غل مچاتے تاکہ کوئی شخص ان کی بات کو نہ سُن سکے۔ آپ کو کہیں کھڑا نہ ہونے دیتے اور جب آپ تنگ آکر چلے جاتے تو ان پر پتھر اور ڈھیلے پھینکے جاتے یہاں تک کہ آپ کے لٹخنے اور پنڈلیاں زخمی ہو جاتیں۔

ایک دفعہ چند دشمنوں نے آپ کو تھما پا کر پکڑ لیا اور آپ کے گلے میں پٹکا ڈال کر اُسے مردہ ٹاٹا شروع کیا۔ قریب تھا کہ آپ کی جان نکل جاتے کہ اتفاق سے ابو بکر آئے اور انہوں نے

مشکل سے چھڑایا۔ اس پر ابو بکر کو اس قدر مارا بیٹھا کہ وہ بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑے۔  
 حضرت کے اوپر جو ظلم ہوتا تھا اُسے جس طرح بن پڑتا تھا وہ برداشت کرتے تھے۔ مگر  
 اپنے رفیقوں کی مصیبت دیکھ کر اُن کا دل ہاتھ سے نکل جاتا تھا اور میتاب ہو جاتا تھا اُن  
 غریب مومنوں پر ظلم و ستم کا پھاڑ ٹوٹ پڑا تھا۔ لوگ اُن غریبوں کو کچھ کر جنگل میں لے جاتے  
 اور برہنہ کر کے حلقہ تپتی دیتے میں لٹا دیتے اور اُن کی چھاتیوں پر پتھر کی سلیں رکھ دیتے وہ  
 گرمی کی آگ سے تڑپتے۔ مارے بوجھ کے زبان باہر نکل پڑتی۔ ہنیردوں کی جانیں اس عذاب  
 سے نکل گئیں۔ انہیں مظلوموں میں سے ایک شخص عتار تھا جسے اس جوصلہ و مہر کی وجہ  
 سے جو اُس نے ظلموں کی برداشت میں ظاہر کیا حضرت عمار کہتا چاہئے اُنکی ٹھکیں  
 باندھ کر اُسی پتھر بی زمین پر لٹاتے تھے اور اُن کی چھاتی پر بھاری پتھر رکھ دیتے تھے  
 اور شکم دیتے تھے کہ محمد کو گالیاں دو۔ اور یہی حال اُن کے بڑھے باپ کا کیا گیا۔  
 اُن کی مظلوم بی بی سے جس کا نام سمیہ تھا یہ ظلم نہ دیکھا گیا اور وہ عاجز و آفریں  
 زبان پر لائی اس پر وہ بے گناہ ایماندار عورت جس کی آنکھوں کے دُورِ بڑ  
 اس کے شوہر اور جوان بچے پر ظلم کیا جاتا تھا برہنہ کی گئی اور اُسے سخت  
 بے حیائی سے ایسی تکلیف دی گئی جس کا بیان کرنا بھی داخل شرم ہے  
 آخر اس عذاب شدید میں تڑپ تڑپ کر اس ایماندار بی بی کی جان نکل گئی۔  
 (دیکھو صفحہ ۲۵۵ سوانح عمری حضرت محمد صاحب)

۱۰ حاشیہ: جو ظلم لوگ مسلمانوں پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ انہوں نے لڑائیوں میں کافروں کی عورتوں کو لوندیل بنا لیا تھا وہ  
 اس قصہ پر ہی غور کریں جو ایک منفعت مزاح پر مبنی کتاب میں سوانح عمری حضرت محمد میں لکھا ہے۔ یہ قصہ  
 کتاب کے صفحہ ۷۸ میں درج ہے جو اس جگہ منفعت کی عبادت میں محنت نکل کر دیا ہے اور اس قصہ پر (باقی صفحہ ۲۵۹ دیکھیں)

۲۴۹

ان ایمانداروں پر عذاب کا ایک باقاعدہ سلسلہ قائم کیا گیا اور عجیب مصیبت میں ان بچاروں کی جان بچنس گئی۔ محمد صاحب اپنی آنکھوں سے ان بچاروں پر یہ ظلم ہوتا دیکھ کر ان کا جگر مفلوموں کی ہمدردی میں پاش پاش ہوتا تھا مگر کچھ نہ کر سکتے تھے۔

مومنوں کی یہ حالت دردناک دیکھ کر آپ نے انہیں یہ صلاح دی کہ تم نے راہ خدا میں قدم رکھا ہے تم ان تکلیفوں سے نہ گھبراؤ۔ اور اللہ کا نام لے کر اے سینیا کی طرف ہجرت کر جاؤ چنانچہ ان کے کہنے کے بموجب چند قبیلوں کے لوگ جو اپنی جان سے بھی تنگ تھے صبح اپنے عیال و اطفال کے اپنا گھر بار چھوڑ کر اے سینیا کی طرف روانہ ہو گئے اور ان کے بعد اور بہت سے لوگوں نے ترک وطن اختیار کیا۔ جلا وطنی جس کو مسلمانوں نے ہجرت کے نام سے مروج کیا ہے پانچویں سال نبوت میں وقوع میں آئی۔

جب قریش کو یہ خبر پہنچی کہ مسلمان حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے تو انہوں نے وہاں تک تعاقب کیا۔ اور نجاشی شاہ اے سینیا کی خدمت میں پہنچے اور بعض کی نسبت یہ بیان کیا کہ

۲۴۵

بھیکو کشا بنہ منفر ۲۵۸۔ کیا سو قوت ہے جو شخص اسلامی تاریخ پڑھے گا اس کو معلوم ہو گا کہ مسلمانوں نے اسی طرح کی بے بسی کے ہیں علاوہ اس سختی کے جو مردوں سے کی گئی بلکہ اس عورتوں کے ذلیل کرنے اور بے عزت کرنے میں کوئی گسرت نہ رکھی۔ پس چونکہ خدا کا نام غور میں ہے لہذا اس نے تیرہ برس تک ہجر کے نصیبت کا فرد کو ان کے سخت کاہلہ چھوٹا یا ظالم طبع لوگوں کا کام ہے کہ وہ ایک طرہ قدرت نہ کر ایک احترام بنالیتے ہیں لیکن اگر انصاف کے پابند ہوتے تو ان کو یہ بھی دیکھنا چاہئے تھا کہ مسلمانوں پر کیا ظلم کیا گیا ہے۔ منہ

۲۴۶

اختیار یہ۔ یاد رہے کہ یہ عبارتیں ہم رسالہ مسیحی پر سوانح عمری حضرت محمد صاحب نقل کر رہے ہیں جو ایک مصنف مزاج برہمن نے (جو یہ چالاک براہم دھرم ہیں) لکھ کر شائع کیا ہے۔ یہ رسالہ راہ عالم سٹیٹ پریس لاہور میں چھاپا ہے جس کا ہیچا ہے منگو اور دیکھ لے اس سے ایک بے تعصب آدمی کچھ سکتا ہے کہ جو اس زمانہ میں انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جنگ اور اس کے دوسرے لوازم ظلم اور لوٹریاں یا ناظروں سے کتنی تلخ اور جلیں پلے کفار کی طرف سے سبقت تھی اور جب ان کی شرارت اور ظلم اتنا کو پہنچ گیا تب خدا نے جو موت (باقی صفحہ ۲۵۰ پر دیکھیں)

وہ ہمارے بھلے ہوئے غلام ہیں اور ہمیں اُن کی گرفتاری کا حق حاصل ہے۔

شاہ حبشہ نے ان جلاوطنوں کو اپنے روبرو طلب کیا اور اُن کے دشمنوں نے جو کچھ بیان کیا تھا وہ پیش کیا تب جعفر ابن ابی طالب جو حضرت علیؑ کے حقیقی بھائی تھے بادشاہ کی خدمت میں آگے بڑھے اور سب کی طرف سے اپنا حال یوں بیان کیا:-

اے بادشاہ! ہمارا یہ حال ہے کہ ہم جہالت اور گمراہی کے گڑھے میں گرے ہوئے تھے ہم بتوں کی پوجا کرتے تھے گندی بخش باتیں بکتے تھے۔ مَرَدار کھایا کرتے تھے۔ ہم میں کوئی انسانیت کی خوبی نہ تھی۔ خداوند تعالیٰ نے جس کا فضل تمام جہان پر چھایا ہوا ہے محمدؐ کو اُس پر اللہ کی رحمت اور سلامتی ہو ہمارے لئے رسول کر کے بھیجا۔ اُس کی شرافت، نسب اور راست گفتاری مفاہطی اور دیانت داری سے ہم خوب آگاہ ہیں۔ اُس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی مرضی ظاہر فرمائی اور وہ اللہ کا پیغام لیکر ہمارے پاس آیا کہ صرف ایک خدا پر ایمان رکھو۔ اُس کی ذات اور صفات میں اور کسی کو شریک مت کرو۔ اور بتوں کی پرستش مت کرو۔ راست گفتاری اپنا شعار ٹھہراؤ۔ امانت میں کبھی خیانت نہ کرو۔ اپنے تمام ابنائے جنس سے ہمدردی رکھو۔ یتیموں کے حقوق کی نگہداشت کرو۔ عورت و ذات کی عزت کرو۔ یتیموں کا مال نہ کھاؤ۔ پاکیزگی اور پرہیزگاری کی زندگی اختیار کرو۔ خدا کی عبادت کرو۔ اُس کی یاد میں کھانا پینا تک مجھول جاؤ۔ راہ خدا میں غریبوں کی مدد کے لئے خیرات کرو۔

اے بادشاہ! صرف اس ایمان لانے پر ہمیں وہ ایذائیں دی گئی ہیں کہ ہمیں جلاوطن ہوتا اور راہِ غربت اختیار کرنا پڑا ہے ہمیں اپنے دیس میں کہیں پناہ نہ ملی۔ تیرے انصاف

یقیناً شلیبہ صفحہ ۲۵۹ پر ہم نے بیان کیا ہے کہ انہوں نے جو کچھ بیان کیا بد زبان مخالفوں کی یہ بد ذاتی اور عناد نہیں کہ کافروں کو جو تکلیف دی گئی وہ تو یہ زور و زلفوں سے بیان کی جاتی ہے اور جو کافروں نے ظلم اور شرارت میں بسکت کی اور زندوں کی طرح بے گناہ مومنوں کو دکھ دیا اس کا نام بھی نہیں بلایا جاتا۔ گریے بے ایمانی نہیں تو اور کیا ہے؟ من موعود ہذا کتاب

اور دم سے ہمیں امید ہے کہ تو ہم غریبوں پر مسلم نہ ہونے دیگا۔

جعفر نے اس رقت بھرے دل سے اس تقریر کو ادا کیا کہ نجاشی پر اُس کا بہت اثر ہوا اور اُس کا دل اُس رسول عربی کی کچھ تعلیم سننے کا آرزو مند ہوا۔ اُس نے جعفر کو کہا کہ جو کلام تمہارا نبی پر اترا ہے اس میں سے بھی کچھ پڑھ کر سناؤ تب جعفر نے سورہ مریم کی چند ابتدائی آیتیں جو ولادت مسیح کے باب میں تھیں پڑھ کر سُنائیں۔

ان آیتوں کو سُن کر نیک دل شاہ حبش کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور دل سوزاں وہ بول اٹھا کہ یہ اُسی نور کی شاعریں ہیں جس کا جلوہ موسیٰ پر ہوا تھا یہ کہہ کر اس نے مظلوم مسلمانوں کو دشمنوں کے سپرد کرنے سے انکار کر دیا۔ وہ بار بار جعفر سے پوچھتا تھا کہ تم مسیح کی نسبت کیا عقیدہ رکھتے ہو۔ جعفر کہتے کہ وہ ایک برگزیدہ بندہ خدا تھا جسے اللہ نے اپنا نبی اور رسول بنا کر بنی اسرائیل کے لئے بھیجا تھا۔

حاشیہ۔ میں نے یہ بھی ایک روایت میں دیکھا ہے کہ کفار قریش نے شاہ حبش کو افریقہ کرنے کے لئے یہ بھی اس کے آگے کہہ دیا تھا کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰ کو گالیاں دیتے اور قویٰ بن کرتے ہیں اور ان کا وہ درجہ نہیں مانتے جو آپ کے نزدیک ستم ہے مگر نجاشی نے جس کو حق کی خوشبو آ رہی تھی ان لوگوں کی شکایت کی طرف کچھ توجہ نہ کی۔ مجھے تعجب ہے کہ وہی شکائتیں جو کفار قریش نے حضرت مسیح کا نام لے کر مسلمانوں کو گرفتار کرانے کے لئے نجاشی کے سامنے کی تھیں بعینہ وہ تہمتیں اس وقت کے مخالف مسلمان ہم پر کر رہے ہیں مگر ہم نے یہ کہا کہ حضرت عیسیٰ فوت ہو گئے ہیں تو اس میں عہد کیا گناہ ہے؟ ہمارے وجود سے صدایہیں پہلے خدا تعالیٰ ان کی موت قرآن شریف میں ظاہر کر چکا ہے۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی رات میں مَن کو فوت شدہ نبیوں میں دیکھ چکے ہیں۔ عجیب ترقویہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اصحاب ان کی موت کے قابل بھی ہو چکے ہیں اور کتاب تاریخ طبری کے صفحہ ۲۹ میں ایک جنگ کی روایت سے حضرت عیسیٰ کی قبر کا بھی حوالہ دیا ہے جو ایک جگہ دیکھی گئی تھی ایک قبر پر تعمیر کیا جس پر یہ لکھا ہوا تھا کہ یہ عیسیٰ کی قبر ہے۔ یہ قصہ ابن جریر نے اپنی کتاب میں لکھا ہے جو نہایت معتبر اور ائمہ حدیث میں سے ہے۔ مگر انوس کہ پھر بھی متعجب لوگ حق کو قبول نہیں کرتے۔ میں مولف ہذا کتاب

ان تمام تقریروں اور مباحثہ کے بعد تجاشی صداقت کا قائل ہو گیا تھا اور کہا کہ اگر مہمات شاہی مہلت دیتیں تو میں خود عرب کو جاتا اور اس شاہ عرب کا چاکر بنتا۔

اس طرف ابو طالب کے مرنے کے بعد قریش نے آپ کو بہت دُکھ دینا شروع کر دیا۔ تب آپ نے یہ ٹھانی کہ اُس شہر سے طائف کو چلیں اور وہاں کے لوگوں کو حفظ و نصیحت کریں چنانچہ آپ زید بن حارثہ کو اپنے ساتھ لے کر طائف کو چلے۔ تقدیر کی بات ہے وہاں کے لوگ آپ کی وعظ سے ایسے براہِ درختہ ہوئے کہ انہوں نے آپ کو وہاں ٹھہرنے تک کی اجازت نہ دی اور پتھر روٹھے اور اینٹیں مار مار کر اور لٹکے پیچھے لگا کر اسی وقت شہر سے نکال دیا۔ آپ کے پاؤں ٹخنے پنڈلیاں پتھروں سے زخمی ہو گئیں۔ پنڈلیوں کا خون پونچھتے جاتے تھے اور ابدیدہ ہو کر اپنے خدا کی درگاہ میں نہایت عاجزی سے دعا کرنے لگے۔

کہ اے خداوند! میں اپنے ضعف و ناتوانی اور مصیبت اور پریشانی کا حال تیرے سوا کس سے کہوں مجھ میں صبر کی طاقت اب تھوڑی رہ گئی ہے مجھے اپنی مشکل حل کرنے کی کوئی تدبیر نظر نہیں آتی۔ میں سب لوگوں میں ذلیل اور دُسا ہوا ہو گیا ہوں تیرا نام ارحم الراحمین ہے تو رحم فرما۔

غرض آنحضرت وہاں سے ناکام آئے اُس وقت قریش نے طیش میں آکر مکہ کے دارالندۃ میں جو ان کا کمیٹی گھر تھا ایک جلسہ کیا جس میں قریش مکہ اور اُس پاس کے قبیلوں کے کُل سردار جمع ہوئے اتنا جم غفیر اس سے پہلے اس مطلب کے لئے مکہ میں کبھی جمع نہیں ہوا تھا اب ہر ایک شخص اپنی اپنی رائے ظاہر کرتا تھا کہ محمد صاحب کو عمر بھر کے لئے قید کرنا چاہئے کوئی کہتا تھا کہ اسے جلا وطن کرنا چاہئے مگر فیصلہ اس پر ہوا کہ انہیں قتل کر کے ملک کو مصیبتوں سے نجات دینی چاہئے۔ اور ابو جہل نے یہ تجویز پیش کی کہ بہت سے آدمی مل کر ایک ہی دفعہ محمد صاحب کے سینہ میں بھجوا دیں تاکہ قتل کا الزام کسی شخص پر نہ

آنے پائے یہ تجویز سب نے پسند کی اور قریش رات ہوتے ہی محمد صاحب کے گھر کے آگے ڈٹ گئے کہ جس وقت وہ دروازہ سے نکلیں یہیں اُن کا ڈھیر کر دیا جائے مگر کسی جاں نثار خادم نے آپ کو دقت پر خبر کر دی۔ آپ پچھلی طرف سے کود کر ایلو بکر کے ہاں چلے گئے اور وہاں سے دونوں راتوں رات بھاگ کر ایک غار میں پناہ گزین ہوئے۔

علی العاص جب قریش نے دیکھا کہ محمد صاحب بھاگ گئے اور وہ اپنے ارادہ میں مستحکم رہے۔ بلا وجہ کہ پانچ موقعے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نہایت نازک پیش آئے تھے جن میں جلاں کا جناح موت سے مطمئن ہوتا تھا مگر آنجناب درحقیقت خدا کے پیچھے رسول نہ ہوتے تو مرد ہلاک کئے جلتے، ایک تو وہ موقع تھا جب کفار قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کا محاصرہ کیا اور قہیں کھلی تھیں کہ آج ہم منور قتل کریں گے۔ (۱) دوسرا وہ موقع تھا جب کہ کافر لوگ اس غار پر محاصرہ کر رہے تھے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مع حضرت ابوبکر کے چھپے ہوئے تھے (۲) تیسرا وہ نازک موقع تھا جب کہ اُحد کی لڑائی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے رہ گئے تھے اور کافروں نے آپ کے گرد محاصرہ کر لیا تھا اور آپ پر بہت سی تلواریں چلائیں مگر کوئی کارگر نہ ہوئی یہ ایک معجزہ تھا (۳) چوتھا وہ موقع تھا جب کہ ایک یہودیہ نے آنجناب کو گوشت میں ذہر دیدی تھی۔ اور وہ ذہر بہت تیز اور مسکام قسمی اور بہت وزن اس کا دیا گیا تھا (۵) پانچواں وہ نہایت خطرناک موقع تھا جب کہ خسرو پردین شاہ قلاس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے لئے مسموم ارادہ کیا تھا اور گرفتار کرنے کے لئے اپنے سپاہی روانہ کئے تھے۔ پس صفت ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ان تمام پرخطر موقعوں سے نجات پانا اور ان تمام دشمنوں پر آخر کار غالب ہونا ایک بڑی زبردست دلیل اس بات پر ہے کہ وہ حقیقت (باقی صفحہ ۲۶۴ پر دیکھیں)

مشابہہ وہ شکاریہ۔ یہ عجیب بات ہے کہ میرے لئے بھی پانچ موقعے ایسے پیش آئے تھے جن میں عزت اور جان نہایت خطرہ میں پڑ گئی تھی (۱) اول وہ موقع جب کہ میرے پر ڈاکٹر مارش کلاک نے خون کا مقدمہ کیا تھا (۲) دوسرے وہ موقع جب کہ پولیس نے ایک فوجداری مقدمہ میں شہر ذوقی صاحب ڈپٹی کمشنر گورداسپور کی کچیر میں میرے پر چلایا تھا (۳) تیسرے وہ فوجداری مقدمہ جو جلیک شخص کو مدین نام نے بمقام مسلم میرے پر کیا تھا (۴) وہ فوجداری مقدمہ جو اسی حکم دین نے گورداسپور میں میرے پر کیا تھا (۵) پانچویں جب لیکچر کے اسے جانے کے وقت میرے گھر کی کاشی لگائی اور دشمنوں نے بخول تک نظر لگایا تھا تا میں قاتل قرار دیا جاؤں مگر وہ تمام مقدمات میں نامراد رہے۔ من اللہ

ناکام رہے تو مارے غصہ کے دلیانہ ہو گئے اور ہر طرف اُن کی تلاش کرنے لگے انہوں نے یہ اشتہار دے دیا کہ جو شخص محمد صاحب کا سر کاٹ کر لائے گا اُس کو سزا و نمٹ انعام دیا جائے گا۔ چاروں طرف سے اُن کی جہان کے پیاسے تلاش میں پھرتے تھے۔ ایک فقہ شریعت اُس غار کے نزدیک بھی پہنچ گئے ابو بکر کا دل لوگوں کے پاؤں کی آہٹ سے بہت گھبرایا۔ انہوں نے کہا کہ ہم صرف دو آدمی ہیں اب ضرور مارے جائیں گے مگر محمد صاحب نے اُن کو قتل دی اور کہا نہیں ہم دونہیں ہیں بلکہ تین ہیں اور تیسرا ہمارے ساتھ وہ ہے جو سب سے زیادہ زور آور اور صاحب طاقت ہے حقیقت میں وہ تیسرا اُن کے ساتھ تھا۔

پھر مضمون پڑھنے والے نے بیان کیا کہ قرآن بائبل کی نقل ہے اس سے ظاہر ہے کہ ان لوگوں کی بیباکی اور دودغ گوئی میں کہاں تک ذہن گم ہے دنیا میں کوئی شخص اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ قرآن شریف ۲۳ برس برابر یہود و نصاریٰ کے زور و اثر کا روبرو کسی نے یہ اعتراف نہ کیا کہ قرآن شریف بائبل کی نقل ہے اور خود ظاہر ہے کہ

ہتھیار سنبھالے ہوئے آپ صادق تھے اور خدا آپ کے ساتھ تھا اور یہ قتل برہمنوں صاحب کا کہ جب گھر کا قتل کیلئے مامور کیا گیا تو کسی جہاں شاد خدام نے آپ کو اطلاع دیدی تھی یہ قول صحیح نہیں ہے بلکہ وہ خدا میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا تھا اُس نے خود اطلاع دیدی تھی۔ چونکہ براہِ مذہب اس معرفت کی منزل تک نہیں پہنچا کہ خدا کے نبیوں کو خدا کی طرف سے وحی ہر اکرتی ہے۔ لہذا انہوں نے ایسا ہی لکھ دیا۔ من مزلوف

حاشیہ: یہ خب سچ لکھا چاہئے کہ کس قدر ظالم ہیں کافروں کی شرارت بڑھ گئی تھی اور کیسے وہ ایک معصوم بے گناہ کے خون کے پیاسے ہو گئے تھے۔ یہ واقعہ برہمنوں صاحب کی کتاب سوانح عمری کے صفحہ ۵۷ میں لکھا ہے جس کو ہم نے اس جگہ انہیں کی کتاب کی حدیث میں نقل کر دیا ہے اور یہ تحریر صرف انہیں کی ہاتھ سے نہیں لگی بلکہ اُن سے پہلے بہت سے فاضل ائمہ نے جو پا دی نہ تھے ان تمام حدیث کو تفصیل بیان کیا ہے کہ کس تیرہ برس تک اہل اسلام کے مردوں اور عورتوں نے کافروں کے ہاتھ سے تکلیفیں اٹھائیں اور بہت سے لوگ بھڑوں بکریوں کی طرح ذبح کئے گئے۔ افسوس کہ اس زمانہ کے ظالم اہل دشمن اسلام ان واقعات کو چھپانا چاہتے ہیں۔ من مزلوف ہذا کتاب



آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُمتی تھے اور نہ لکھ سکتے تھے اور نہ پڑھ سکتے تھے اور نصاریٰ اور یہود کے علمد سخت دشمن تھے اس صورت میں کیونکر ممکن تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نصاریٰ اور یہود کی کتابوں میں سے کچھ نقل کر سکتے تھے چنانچہ اس باب سے قرآن شریف میں یہ آیات ہیں۔

وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ فَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يُدْرِسُونَ مِنْهُ وَيَعْلَمُونَ مِنْهُ وَمَنْ يُضِلَّهُ فَوَاقِسُ لِقَائِهِ يَوْمَ يَكْفُرُ لِمَنِ كُنْتُمْ تُشَلُّونَ مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخْطُؤْنَ بِهِمْ يَوْمَ تَلْقَوْنَهُمْ ۚ إِذَا لَرْتَابِ الْمُضِلُّونَ - بَلْ هُوَ آيَاتُ بَيِّنَاتٍ لِي فِي مَضْمُونِهِ ۚ أُولَٰئِكَ أُولُوا الْعِلْمِ وَمَا يَحْجِدُوا بِالْإِنشَاءِ إِلَّا الظَّالِمُونَ - المجزوءۃ ۱ سورۃ العنکبوت -

(ترجمہ) اور اسے پیغمبر جس طرح اگلے پیغمبروں پر ہم نے کتابیں اتاری تھیں اسی طرح تجھ پر یہ کتاب اتاری ہے۔ پس جن کو تجھ سے پہلے ہم نے کتاب دی ہے اُن کے سمجھ دار اور عید لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں اور ان مشرکین اہل مکہ سے بھی سوچنے والے لوگ ایمان لاتے ہیں اور ان دونوں فرقوں میں سے وہ لوگ ایمان نہیں لاتے جنہوں نے دبدبہ و دانستہ کفر کو اپنے لئے اختیار کر لیا ہے۔ اور اسے پیغمبر اقرآن سے پہلے نہ تو تم کوئی کتاب ہی پڑھتے تھے اور نہ تم اپنے ہاتھ سے کچھ لکھ سکتے تھے مگر ایسا ہوتا تو ان بے دین لوگوں کو شبہ کرنے کی کوئی گنجائش ہوتی مگر اب تو ان کا شبہ ہر اس مہمٹ و دھرمی سے یعنی جب کہ یہ امر ثابت شدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم محض ناخواندہ اور اُمتی تھے اور کوئی نہیں ثابت کر سکا کہ آپ لکھ سکتے یا پڑھ سکتے تھے تو پھر ایسے شبہات ایمانداری کے برخلاف ہیں اور پھر فرمایا کہ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ جن لوگوں کو قرآن شریف کے مخالفین اور معارف کا علم دیا گیا ہے اُن کے نزدیک تو قرآن شریف خدا کے کھلے کھلے نشان ہیں یعنی اعتراف دہی لوگ کرتے ہیں جو قرآن شریف میں کچھ تدبیر نہیں کرتے اور اس کے معجزانہ مرتبہ سے بے خبر ہیں اور تدبیر کھینے والے تو ایک ہی نظر سے شناخت کر جاتے ہیں کہ یہ کلام انسانی طاقتوں سے برتر ہے کیونکہ وہ اعجازی صفت اپنے اندر رکھتا ہے۔ علاوہ اس کے یہ کہ وہ عین ضرورت کے وقت

آیا ہے اور اس وقت آیا ہے جب کہ دنیا خدا کے راہ کو بھول چکی تھی اور جن بیماروں کیلئے آیا۔  
 اُن کو اُس نے چنگا کر کے دکھلا دیا اور نہ تورات اور نہ انجیل وہ اصلاح کر سکی جو قرآن شریف  
 نے کی۔ کیونکہ تورات کی تعلیم پر چلنے والے یعنی یہودی ہمیشہ بار بار بت پرستی میں پڑتے  
 رہے چنانچہ تاریخ جاننے والے اس پر گواہ ہیں اور وہ کتابیں کیا باعتبار علمی تعلیم کے اور کیا  
 باعتبار عملی تعلیم کے سراسر ناقص تھیں اس لئے اُن پر چلنے والے بہت جلد مگر ابھی میں بھنس  
 گئے۔ انجیل پر ابھی تیس برس بھی نہیں گزرے تھے کہ بجائے خدا کی پرستش کے ایک عاجز  
 انسان کی پرستش نے جگہ لے لی یعنی حضرت عیسیٰ خدا بنائے گئے اور تمام نیک اعمال کو  
 چھوڑ کر ذریعہ معافی گناہ یہ ٹھہرا دیا کہ اُن کے مصلوب ہونے اور خدا کا بیٹا ہونے پر ایمان  
 لایا جائے پس کیا یہی کتابیں تھیں جن کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نقل کی بلکہ سچ تو یہ ہے  
 کہ وہ کتابیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک رومی کی طرح ہو چکی تھیں اور بہت بھڑک  
 اُن میں ملائے گئے تھے جیسا کہ کسی جگہ قرآن شریف میں فرمایا گیا ہے کہ وہ کتابیں محرف مُبدل  
 ہیں اور اپنی اصلیت پر قائم نہیں رہیں چنانچہ اس واقعہ پر اس زمانہ میں بڑے بڑے محقق  
 انگریزوں نے بھی شہادت دی ہے۔ پس جب کہ بائبل محرف مُبدل ہو چکی تھی اور جو بائبل  
 کے حامی تھے وہ بقول بادی فندل اور دوسرے محقق عیسائیوں کے اس زمانہ میں نہایت  
 درجہ بد چلی ہو چکے تھے اور زمینِ پاپ اور گناہ سے بھر گئی تھی اور آسمان کے نیچے بجز  
 معصیت اور مخلوق پرستی کے اور کوئی عمل نہ تھا اس طرف آئیہ ورت بھی خراب ہو چکا  
 تھا۔ اس کے لئے پینڈت دیانند کی گواہی ستیا رتھ میں کافی ہے اور قرآن شریف نے  
 خود اپنے آنے کی ضرورت پیش کی ہے کہ اس زمانہ میں ہر ایک قسم کی بد چلی اور بد اعتقادی  
 اور بد کاری زمین کے رہنے والوں پر محیط ہو گئی تھی تو اب خدا کا خوف کر کے سوچنا چاہئے  
 کہ کیا باوجود جمع ہونے اتنی ضرورتوں کے پھر بھی خدا نے نہ چاہا کہ اپنے تازہ اور زندہ کلام سے

دنیا کو نئے سرے زندہ کرے کیا آپ لوگوں میں سے کوئی شریف اور بھلا مانس اس دلیل پر غور نہیں کرتا کہ قرآن شریف تو خود فرماتا ہے کہ **اعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ الْكَافِرِينَ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ** یعنی اے انسانو! تمہیں معلوم ہو کہ زمین مر جی تھی اور خدا نے سرے اب اس کو زندہ کر دیا ہے۔ پس قرآن شریف کا یہی ایک نور تھا جس کے آنے سے پھر دنیا نے توحید کی طرف پلٹا لکھایا اور تمام جزیرہ عرب توحید سے بھر گیا اور ممالک ایران کی آتش پرستی بھی دودھ ہو گئی پس اسے عزیز دیکھ تو خدا کا خوف کر دیا اور ایسے گنہگاروں اور شہدوں کی طرح آفتاب پرست تھو کو جن میں کوئی بھی شرم اور حیا کا مادہ نہیں رہتا۔ قرآن شریف نے تو توحیدیت انجیل کی اصلاح کی اور ان دونوں کتابوں کے نقصان کو لوٹا کیا تو پھر وہ ان کی نقس کیونکر ہو گیا؟ ظاہر ہے کہ توحیدیت کی تعلیم یہ تھی کہ دانت کے بدلہ دانت اور آنکھ کے بدلہ آنکھ اور ناک کے بدلہ ناک اور انجیل کی تعلیم تھی کہ شر کا ہرگز مقابلہ نہ کرو۔ لیکن قرآن شریف نے ان دونوں تعلیموں کو ناقص ٹھہرایا اور فرمایا کہ **بِجَزَائِهِمْ سَيَتَلَوْنَ سَيِّئَةً مِّمَّا كَانُوا يَفْعَلُونَ** اور اس آیت کے یہ معنی ہیں کہ دراصل بدی کی جزا اسی قدر بدی ہے لیکن اگر کوئی ایسے طور سے اپنے گنہگار کو معاف کرے کہ اس معافی سے اس کی کچھ اصلاح ہو جائے یعنی وہ معافی اس کے لئے مفید پڑے تو وہ اپنا بدلہ پائے گا۔

ایسا ہی ان دونوں کتابوں کے پیروؤں میں شراب اور قمار بازی کی کوئی حد نہیں رہی تھی کیونکہ ان کتابوں میں یہ نقص تھا کہ ان خمیشت چیزوں کو حرام نہیں ٹھہرایا اور عیاش لوگوں کو ان کے استعمال سے منع نہیں کیا تھا اسی وجہ سے یہ دونوں قومیں اس قدر شراب پیتی تھیں کہ جیسے پانی۔ اور قمار بازی بھی حد سے زیادہ ہو گئی تھی مگر قرآن شریف نے شراب کو جو اُم الخبائث ہے قطعاً حرام کر دیا اور یہ فخر خاص قرآن شریف کو ہی حاصل ہے کہ ایسی خمیشت چیز جس کی خباثت پر آج کل تمام یورپ کے لوگ فریاد کر اٹھے ہیں وہ قرآن شریف نے ہی قطعاً حرام کر دی ایسا ہی قمار بازی کو قطعاً حرام کیا۔

ایسا ہی تو ریت توحید کے بیان کرنے میں ناقص تھی اور انجیل بھی ناقص تھی جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ عیسائیوں نے ایک عاجز انسان کو خدا بنالیا۔ اگر تو ریت اور انجیل میں وہ تعلیم موجود ہوتی جو قرآن شریف میں موجود ہے تو ہرگز ممکن نہ تھا کہ اس طرح پر عیسائی گمراہ ہو جاتے مجھے تعجب ہے کہ وہ کامل اور پاک کتاب جس نے تو ریت اور انجیل کا ناقص ہونا مکمل صفائی ثابت کر دیا اور ان کے محرف اور متبدل ہونے پر مطلع کیا اور بدعتی اور شرک کو اس ملک سے اٹھا دیا اور ایک تازہ نور سے دنیا کو منور کیا اُسی کتاب کو یہ لوگ انجیل تو ریت کی نقل سمجھتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا نام ہم کیا رکھیں؟

حاشیہ: قرآن شریف کی اعجازی خبریوں میں سے ایک بلاغت فصاحت بھی ہے جو انسانی بلاغت فصاحت سے بالکل ممتاز اور الگ ہے۔ کیونکہ انسانی بلاغت فصاحت کا میدان نہایت تنگ ہے اور جب تنگ کی کھم میں مبالغہ یا بھڑک یا غیر ضروری باتیں نہ لائی جائیں تب تک کوئی انسان بلاغت فصاحت کے اعلیٰ درجہ پر قادر نہیں ہو سکتا۔ (۲) دوسرے قرآن شریف کی ایک معجزانہ خوبی یہ ہے کہ جس قدر اُس نے قے سے بیان کئے ہیں وہ حقیقت وہ تمام پیشگوئیاں ہیں جن کی طرف جا بجا اشارہ بھی کیا ہے۔ (۳) تیسرے قرآن شریف میں یہ معجزانہ خوبی ہے کہ اُس کی تعلیم انسانی فطرت کو اس کے کمال تک پہنچانے کے لئے پورا پورا سامان اپنے اندر رکھتی ہے اور تربیتی عمل کرنے کے لئے سب وسائل اور نشانوں کی انسان کو فراہم ہے سب اس میں موجود ہیں (۴) چوتھے ایک بڑی خوبی اس میں یہ ہے کہ وہ کامل پیر دی کہنے والے کو خدا سے ایسا نزدیک کر دیتا ہے کہ وہ سالک الہیہ کا شرف پالیتا ہے اور کھلے کھلے نشان اس سے ظاہر ہوتے ہیں اور ترکے نفس اور ایمانی استقامت اس کو حاصل ہوتی ہے اور قرآن شریف کا یہ نکتہ نہایت ہی یادداشت کے قابل ہے کہ مومن کامل پر جو فیضان آسمانی نشانوں کا ہوتا ہے وہ تو ایک خدا کا فضل ہے اس کی وجہ سے کوئی اپنی خوبی قرار نہیں دے سکتا۔ مومن کامل کی اپنی ذاتی خوبی تقویٰ اطاعت اور قوت ایمان اور استقامت ہے مثلاً جیسے لکھنؤ دیوار پر آفتاب کی روشنی پڑے تو وہ روشنی اس دیوار کی خوبیوں میں داخل نہیں ہو سکتا۔ جیسے لکھنؤ دیوار کی خوبی یہ ہے کہ اُس کی نیچا ایک مضبوط پتھر پر ہوا اور اسی پتھر اور دیوار کی عبادت ہوگا گو کہ یہ سیلاب آؤں اور تندہوائیں چلیں اور طوفان کی طرح حیرت بریں اس دیوار میں جنبش نہ آئے۔ منہ

توریت انجیل کو تو الگ رہتے دور۔ وید جس کی اشاعت کی نسبت کروڑوں برسوں کا دعوے  
 کیا جاتا ہے اُس نے اتنی مدت میں کیا بنایا اور خواہ مخواہ اگنی۔ والہ۔ پانی اور چاند سورج کی  
 عظمتیں بیان کر کے آریہ دور کے لوگوں کو عوام پرست اور آفتاب پرست بنا دیا بھلا کوئی  
 بتلاوے کہ اگر آریہ دور میں اس آتش پرستی اور آفتاب پرستی اور گنگا وغیرہ کی پوجا کی اصل  
 جڑ وہ وید نہیں ہے تو پھر وہ کونسی کتاب ہے جس نے یہ گند آریہ دور میں پھیلادیا؟ ہر  
 ایک دانشمند کو وید کا پہلا صفحہ ہی دیکھ کر بلکہ پہلی سطر ہی دیکھ کر مزبور اس بات کا اقرار کر گیا  
 کہ بلاشبہ یہ سب گند وید کے ذریعہ سے ہی پھیلا ہے وید نے ایک جگہ بھی یہ بیان  
 نہیں کیا کہ ان چیزوں کی پرستش نہ کرو۔ اگر فرض کے طور پر یہ سب پرستش کے نام تھے تو  
 وید نے اس تصریح سے کیوں اپنا منہ پھیر رکھا؟ اور کیوں خواہ مخواہ لوگوں کو ہلاک کیا۔  
 آخر قرآن شریف ہی تھا جس نے وید کی تعلیم پر عمل کر کے بلند آواز سے کہا لا تشعبدوا  
 للشمس ولا للقمر واسجدوا لله الذی خلقکم۔ ترجمہ یعنی تم نہ سورج کی پوجا  
 کرو اور نہ چاند کی پوجا کرو بلکہ اس ذات کی پوجا کرو جس نے ان سب چیزوں کو پیدا کیا۔  
 ایسا ہی دوسری طرف قرآن شریف نے بار بار عیسائیوں کو سمجھایا کہ مسیح ابن مریم صرف  
 خدا کا رسول ہے تم خواہ مخواہ اُس کو خدا مت بناؤ۔ پھر مجوسیوں کو ان کے مشرک اور  
 آتش پرستی سے روکا اور سب کو خدا سے واحد کی طرف بتلایا اور اپنا کام کر کے دکھایا  
 اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک انتقال فرمانہ ہوئے جب تک ہر ایک قسم  
 کے شرک اور بت پرستی سے عرب کے جزیرہ نما کو صاف نہ کر دیا اور باقی ماندہ ممالک  
 کو اپنے خلفاء کے ذریعہ سے مخلوق پرستی سے نجات دی اور یہ کامیابی کسی کو حاصل  
 نہیں ہوئی اور آریہ دور پر بھی قرآن شریف کا ہی احسان ہے کہ یہ ملک جو مخلوق پرستی  
 سے پُر ہو چکا تھا اور اُس کی حالت ایک متعفن مردار کی طرح ہو گئی تھی اُس نے اسی قوم میں  
 سے کئی کروڑ مومنین پیدا کر لئے پھر بھی کفران احسان کرتے ہیں یہ اُن کا خاصہ فطرت ہے۔

قرآن شریف وہ کتاب ہے جو عین ضرورت کے وقت آئی اور ہر ایک تاریخی کو دُور کیا اور ہر ایک فساد کی اصلاح کی اور توریت و انجیل کے غلط اور محرف بیانات کو رد کیا اور علاوہ معجزات کے توحید باری پر عقلی دلائل قائم کیں۔ تو اب یہ لوگ ہمیں بتلا دیں کہ قرآن شریف نے کس بات میں توریت و انجیل کی نقل کی؟ کیا قرآن شریف کی تعلیم وہی ہے جو توریت کی تعلیم ہے؟ کیا توریت کی طرح قرآن شریف کا یہ حکم ہے کہ ضرور دانت کے بدلے دانت نکال دیا آنکھ کے بدلے آنکھ نکال دو یا کیا قرآن شریف میں یہ حکم ہے کہ شراب پی لیا کرو؟ یا یہ حکم ہے کہ بجز اپنی قوم کے دوسروں سے سود لے لیا کرو؟

اور کیا عیسائیوں کے عقیدہ کی طرح قرآن شریف بھی حضرت عیسیٰ کو خدا تعالیٰ کا بیٹا قرار دیتا ہے؟ یا شراب پینے کا فحش دیتا ہے یا یہ تعلیم دیتا ہے کہ ہر حال بدی کا مقابلہ نہ کرو؟ پس یہ کس قدر خباثت اور بد ذاتی ہے کہ قرآن شریف کو توریت اور انجیل کی نقل قرار دیا جائے؟ اگر قرآن شریف توریت و انجیل کی نقل ہے تو پھر اس قدر اسلام اعدائے فرقہ میں اختلاف کیوں پیدا ہوئے؟ اس صورت میں تو اسلام عین یہودیت اور عیسائیت ہونا چاہئے تھا (نقل جوہوئی) اور اگر یہی حالت تھی کہ قرآن شریف توریت اور انجیل کی تعلیم کی نقل ہے تو کیوں یہودیوں اور عیسائیوں نے اس قدر اسلام کو مغائرت کی نظر سے دیکھا اور اس قدر مقابلہ سے پیش آئے کہ خون کی ندیاں بہ گئیں؟ ہاں یہ سچ ہے کہ دنیا کے تمام مذاہب بعض باتوں اور بعض احکام میں مشترک ہوتے ہیں۔ مگر کیا ہم اس اشتراک کی وجہ سے کہہ سکتے ہیں کہ بعض بعض کی نقل ہیں۔ مثلاً ہر ایک مذہب کی یہی تعلیم ہے کہ جھوٹ نہ بولو۔ جھوٹی گواہی نہ دو۔ چمچدی نہ کرو۔ ناسحق کا خون نہ کرو۔ لوگوں سے ہمدردی کرو۔ پس اگر اس توارو کی وجہ سے کسی کتاب پر چوری کا الزام آ سکتا ہے تو پھر وہی اس الزام سے کہاں بڑی ٹھہر سکتا ہے جو سیوں کا اب تک یہ الزام چلا آتا ہے کہ دیدان کی پاک کتابوں کے مضافین چور کر لکھا گیا ہے اور بیاس کا ایران پنچا اور ان بزرگوں کی شکر دی

اعتقاد کرنا اس پر ایک دلیل بھی ہے جس سے انکار نہیں ہو سکتا اور چونکہ وید میں کوئی ذاتی روشنی نہیں ہے اور نہ کوئی ذاتی معجزانہ طاقت ہے اور صرف ایسی باتیں ہیں جو دوسری کتابوں سے نقل ہو سکتی ہیں اس لئے وید کا اس الزام سے بری ہونا مشکل ہے خاص کر ہر ایک کہہ سکتا ہے کہ وید میں اگنی کی پوجا فارس کے گبروں سے لی گئی ہے اسی طرح رگ وید کی بہت سی تعلیمیں زند کی تعلیم کی سرورہ معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن قرآن شریف تو بجائے خود ایک عظیم الشان معجزہ ہے اور نہ صرف معجزانہ بلاغت و فصاحت رکھتا ہے بلکہ معجزات اور پیشگوئیوں سے بھرا ہوا ہے اور جس قوی دلائل سے وہ خدا تعالیٰ کے وجود کا ثبوت دیتا ہے وہ ثبوت نہ توریت کی رو سے مل سکتا ہے نہ انجیل کی رو سے حاصل ہو سکتا ہے اور جو کچھ عالم معاد کی نسبت قرآن شریف نے بیان کیا گوہ معارف و حقائق نہ توریت میں پائے جاتے ہیں نہ انجیل میں نہ کسی اور کتاب میں۔

اور جس قدر قرآن شریف میں قصے ہیں وہ بھی درحقیقت قصے نہیں بلکہ وہ پیشگوئیاں ہیں جو قصوں کے رنگ میں لکھی گئی ہیں ہاں وہ توریت میں تو ضرور صرف قصے پائے جاتے ہیں مگر قرآن شریف نے ہر ایک قصہ کو رسول کریم کے لئے اور اسلام کے لئے ایک پیشگوئی قرار دے دیا ہے اور یہ قصوں کی پیشگوئیاں بھی کمال صفائی سے پوری ہوئی ہیں غرض قرآن شریف معارف و حقائق کا ایک دریا ہے اور پیشگوئیوں کا ایک سمندر ہے اور ممکن نہیں کہ کوئی انسان بحر ذریعہ قرآن شریف کے پورے طور پر خدا تعالیٰ پر یقین لاسکے کیونکہ یہ خاصیت خاص طور پر قرآن شریف میں ہی ہے کہ اُس کی کامل پیروی سے وہ پورے جو خدا میں اور انسان میں حاصل ہیں سب دور ہو جاتے ہیں۔ ہر ایک مذمب والا محض

چھوٹا قرآن شریف کی معجزانہ تاثیرات سے ایک یہ بھی ہے کہ اس کی کامل پیروی کرنے والے درجہ قبولیت کا پاتے ہیں اور ان کی دعائیں قبول ہو کر خدا تعالیٰ اپنی کامل لذت اور پُرور کے ذریعہ سے اُن کو اطلاع دیتا ہے اور خاص طور پر خود ان کے مقابل پران کی مدد کرتا ہے اور تائید کے طور پر اپنے غیبی خاص پران کو مطلع فرماتا ہے۔ منہ

قصہ کے طور پر خدا کا نام لیتا ہے مگر قرآن شریف اس محبوب حقیقی کا چہرہ دکھلا دیتا ہے اور یقیناً کافور انسان کے دل میں داخل کر دیتا ہے اور وہ خدا جو تمام دنیا پر پوشیدہ ہے وہ محض قرآن شریف کے ذریعہ سے دکھائی دیتا ہے۔

پھر مضمون پڑھنے والے نے قرآن شریف پر یہ اعتراض کیا کہ اس میں لکھا ہے کہ خدا عرش پر کسی نشین ہے۔ اس لئے اعتراض کا جواب پہلے ہم مبسوط اور مفصل طور پر لکھ آئے ہیں۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے عاجز انسانوں کو اپنی کامل معرفت کا علم دینے کیلئے اپنی صفات کو قرآن شریف میں دو رنگ پر ظاہر کیا ہے۔ (۱) اول اس طور پر بیان کیا ہے جس سے اُس کی صفات استعارہ کے طریق پر مخلوق کی صفات کی ہم شکل میں جیسا کہ وہ کریم رحیم ہے محسن ہے اور وہ غضب بھی رکھتا ہے اور اُس میں محبت بھی ہے اور اُس کے ہاتھ بھی ہیں اور اُس کی آنکھیں بھی ہیں اور اس کی ساقیں بھی ہیں اور اُس کے کان بھی ہیں اور نیز یہ کہ قدیم سے سلسلہ مخلوق کا اُس کے ساتھ چلا آیا ہے مگر کسی چیز کو اُس کے مقابل پر قدامت شخصی نہیں ہاں قدامت نوعی ہے اور وہ بھی خدا کی صفت خلق کے لئے ایک لازمی امر نہیں کیونکہ جیسا کہ خلق یعنی پیدا کرنا اُس کی صفات میں سے ہے ایسا ہی کبھی اور کسی زمانہ میں تجسسی و وحدت اور تجرؤ اس کی صفات میں سے ہے اور کسی صفت کے لئے تعطل دائمی جائز نہیں ہاں تعطل میعادى جائز ہے۔

غرض چونکہ خدا نے انسان کو پیدا کر کے اپنی ان تشبیہی صفات کو اس پر ظاہر کیا جن صفات کے ساتھ انسان بظاہر شراکت رکھتا ہے جیسے خالق ہونا کیونکہ انسان بھی اپنی حد تک بعض چیزوں کا خالق یعنی موجد ہے۔ ایسا ہی انسان کو کریم بھی کہہ سکتے ہیں کیونکہ وہ اپنی حد تک کریم کی صفت بھی اپنے اندر رکھتا ہے اور اسی طرح انسان کو رحیم بھی کہہ سکتے ہیں کیونکہ وہ اپنی حد تک قوت رحیم بھی اپنے اندر رکھتا ہے اور قوت غضب بھی اُس میں ہے اور ایسا ہی آنکھ کان وغیرہ سب انسان میں موجود ہیں پس ان تشبیہی



صفات سے کسی کے دل میں شبہ پیدا ہو سکتا تھا کہ گویا انسان ان صفات میں خدا سے مشابہ ہے اور خدا انسان سے مشابہ ہے اس لئے خدا نے ان صفات کے مقابل پر قرآن شریف میں اپنی تنزیہی صفات کا بھی ذکر کر دیا یعنی ایسی صفات کا ذکر کیا جن سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا کو اپنی ذات اور صفات میں کچھ بھی شراکت انسان کے ساتھ نہیں اور نہ انسان کو اس کے ساتھ کچھ مشا رکت ہے۔ نہ اُس کا خَلْق یعنی پیدا کرنا انسان کی خَلْق کی طرح ہے نہ اُس کا دَم انسان کے دَم کی طرح ہے نہ اُس کا غضب انسان کے غضب کی طرح ہے نہ اُس کی محبت انسان کی محبت کی طرح ہے نہ وہ انسان کی طرح کسی مکان کا محتاج ہے۔

اور یہ ذکر یعنی خدا کا اپنی صفات میں انسان سے بالکل علیحدہ ہونا قرآن شریف کی کئی آیات میں تصریح کے ساتھ کیا گیا ہے جیسا کہ ایک یہ آیت ہے لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ یعنی کوئی چیز اپنی ذات اور صفات میں خدا کی شریک نہیں اور وہ سُنے والا اور دیکھنے والا ہے۔ اور پھر ایک جگہ فرمایا: اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ترجمہ حقیقی وجود اور حقیقی بقا اور تمام صفات حقیقیہ خاص خدا کے لئے ہیں کوئی اُن میں اُس کا شریک نہیں وہی بذاتہ زندہ ہے اور باقی تمام زندے اُس کے ذریعہ سے ہیں۔ اور وہی اپنی ذات سے آپ قائم ہے اور باقی تمام چیزوں کا قیام اُس کے سہارے سے ہے اور جیسا کہ موت اُس پر جائز نہیں ایسا ہی ادنیٰ درجہ کا تعطل حواس بھی جو نیند اور آدنگھ سے ہے وہ بھی اُس پر جائز نہیں مگر دوسروں پر جیسا کہ موت وارد ہوتی ہے نیند اور آدنگھ بھی وارد ہوتی ہے۔ جو کچھ تم زمین میں دیکھتے

ہو یا آسمان میں وہ سب اُسی کا ہے اور اُسی سے ظہور پذیر اور قیام پذیر ہے کون ہے جو بغیر اُس کے حکم کے اُس کے آگے شفاعت کر سکتا ہے وہ جانتا ہے جو لوگوں کے آگے ہے اور جو پیچھے ہے یعنی اُس کا علم حاضر اور غائب پر محیط ہے اور کوئی اُس کے علم کا کچھ بھی احاطہ نہیں کر سکتا لیکن جس قدر وہ چاہے۔ اُس کی قدرت اور علم کا تمام زمین و آسمان پر تسلط ہے۔ وہ سب کو اٹھائے ہوئے ہے۔ یہ نہیں کہ کسی چیز نے اُس کو اٹھا رکھا ہے اور وہ آسمان و زمین اور اُن کی تمام چیزوں کے اٹھانے سے تھکتا نہیں اور وہ اس بات سے بزرگ تر ہے کہ ضعف و ناتوانی اور کم قدرتی اُس کی طرف منسوب کی جائے۔

اور پھر ایک جگہ فرماتا ہے: **وَبَيْنَ يَدَيْهِ عِلِّيُّنَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ** (ترجمہ) تمہارا پروردگار وہ خدا ہے جس نے زمین و آسمان کو چھ دن میں پیدا کیا پھر اُس نے عرش پر قرار پکڑا یعنی اُس نے زمین و آسمان اور جو کچھ اُن میں ہے پیدا کر کے اور شبیہی صفات کا ظہور فرما کر پھر تنزیہی صفات کے ثابت کرنے کے لئے مقام تنزیہ اور تجرد کی طرف رُخ کیا جو راء الورد مقام اور مخلوق کے قرب و جوار سے دُور تو ہے مگر بلندی و مقام ہے جس کو عرش کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ تشریح اس کی یہ ہے کہ پہلے تو تمام مخلوق تیز عدم میں تھی اور خدا تعالیٰ ولاء الورد مقام میں اپنی تجلیات ظاہر کر رہا تھا جس کا نام عرش ہے یعنی وہ مقام جو ہر ایک عالم سے بلند تر اور برتر ہے اور اسی کا ظہور اور پر تو تھا اور اُس کی ذات کے سوا کچھ نہ تھا۔ پھر اُس نے زمین و آسمان اور جو کچھ اُن میں ہے پیدا کیا اور جب مخلوق ظاہر ہوئی تو پھر اُس نے اپنے تئیں مخفی کر لیا اور چاہا کہ وہ ان مصنوعات کے ذریعے سے شناخت کیا جائے۔ مگر یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ دائمی طور پر تعطل صفات الہیہ کبھی نہیں ہوتا اور مجزئہ خدا کے کسی چیز کے لئے قدامت شخصی تو نہیں مگر قدامت نوعی ضروری ہے اور خدا کی کسی صفت کے لئے تعطل دائمی تو نہیں مگر تعطل مبیہا

کا ہوتا ضروری ہے اور چونکہ صفت ایجاد اور صفت اقتضا باہم متضاد ہیں اس لئے جب  
 افتنا کی صفت کا ایک کامل دور آجاتا ہے تو صفت ایجاد ایک مبعاد تک معطل رہتی  
 ہے غرض ابتداء میں خدا کی صفت وحدت کا دور تھا اور ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس دور  
 نے کتنی دفعہ ظہور کیا بلکہ یہ دور قدیم اور غیر تنہا ہی ہے ہر حال صفت وحدت کا دور کو دوسری  
 صفات پر قدم زمانی ہے پس اسی بنیاد پر کہا جاتا ہے کہ ابتداء میں خدا اکیلا تھا اور اُس  
 کے ساتھ کوئی نہ تھا اور پھر خدا نے زمین و آسمان کو اور جو کچھ اُن میں ہے پیدا کیا اور  
 اسی تعلق کی وجہ سے اُس نے اپنے بہ اسماء ظاہر کئے کہ وہ کریم اور رحیم ہے اور غفور  
 اور توبہ قبول کرنے والا ہے مگر جو شخص گناہ پر اصرار کرے اور باز نہ آوے اُس کو وہ  
 بے سزا نہیں چھوڑتا اور اُس نے اپنا یہ اسم بھی ظاہر کیا کہ وہ توبہ کرنے والوں سے پیار کرتا  
 ہے اور اُس کا غضب صرف انہیں لوگوں پر بھڑکتا ہے جو ظلم اور شرارت اور معصیت سے  
 باز نہیں آتے اور اُس نے اپنی یہ صفات اپنی کتاب میں بیان فرمائیں کہ وہ دیکھتا ہے اور  
 سُنتا ہے اور محبت کرتا ہے اور غضب کرتا ہے اور اپنے ہاتھ اور پیر اور آنکھ اور  
 کان کا بھی ذکر کیا مگر ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اُس کا دیکھنا انسان کے دیکھنے کی طرح نہیں اور  
 اُس کا سُنا انسان کے سننے کی طرح نہیں اور اس کا محبت کرنا انسان کے محبت کرنے کی  
 طرح نہیں اور اُس کا غضب انسان کے غضب کی طرح نہیں اور اُس کے ہاتھ پیر اور آنکھ  
 کان مخلوق کے اعضاء کی طرح نہیں بلکہ وہ ہر ایک بات میں بے مش ہے اور بار بار صاف  
 فرمادیا کہ یہ اُس کی تمام صفات اُس کی ذات کے مناسب حال ہیں انسان کی صفات کا مانند  
 نہیں اور اُس کی آنکھ وغیرہ جسم اور جسمانی نہیں اور اُس کی کسی صفت کو انسان کی کسی صفت  
 سے مشابہت نہیں مثلاً انسان اپنے غضب کے وقت پہلے غضب کی تخلیف آپ  
 اُٹھاتا ہے اور جوش و غضب میں فوراً اُس کا سرود دود ہو کر ایک جلیبی ہی اُس کے دل میں  
 پیدا ہو جاتی ہے اور ایک مادہ سوداوی اُس کے دماغ میں چڑھ جاتا ہے اور ایک تغیر اسکی

حالت میں پیدا ہو جاتا ہے مگر خدا ان تغیرات سے پاک ہے اور اُس کا غضب ان معنوں سے ہے کہ وہ اس شخص سے جو شرارت سے باز نہ آوے اپنا سایہ حمایت اٹھا لیتا ہے اور اپنے قدیم قانون قدرت کے موافق اُس سے ایسا معاملہ کرتا ہے جیسا کہ ایک غضبناک انسان کرتا ہے لہذا استعارہ کے تنگ میں وہ معاملہ اُس کا غضب کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ایسا ہی اُس کی محبت انسان کی محبت کی طرح نہیں کیونکہ انسان غلیظ محبت میں بھی دکھ اٹھاتا ہے اور محبوب کے علیحدہ اور جدا ہونے سے اُس کی جان کو تکلیف پہنچتی ہے مگر خدا ان تکالیف سے پاک ہے ایسا ہی اُس کا قرب بھی انسان کے قرب کی طرح نہیں کیونکہ انسان جب ایک کے قریب ہوتا ہے تو اپنے پہلے مرکز کو چھوڑ دیتا ہے مگر وہ باوجود قریب ہونے کے دُور ہوتا ہے اور باوجود دُور ہونے کے قریب ہوتا ہے غرض خدا تعالیٰ کی ہر ایک صفت انسانی صفات سے الگ ہے اور صرف اشتراک لفظی ہے اس سے زیادہ نہیں اسی لئے خدا تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے کہ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ یعنی کوئی چیز اپنی ذات، یا صفات میں خدا تعالیٰ کے برابر نہیں۔

اب ناظرین بالانصاف پر ظاہر ہو کہ اسی مطلب کی طرف یہ آیت اشارہ کرتی ہے۔ کہ  
 اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتِّیْنَ اَیَّامًا ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ  
 یعنی خدا وہ ہے جس نے سب کچھ دن میں پیدا کر کے پھر اپنے مقامِ ولادہ اوراد کی طرف  
 توجہ کی اور عرش پر قرار پکڑا۔ ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ عرش سے مراد قرآن شریف میں وہ مقام  
 ہے جو شیبسی مرتبہ سے بالاتر اور ہر ایک عالم سے برتر اور نماں در نماں اور تقدس اور  
 تنزہ کا مقام ہے وہ کوئی ایسی جگہ نہیں کہ پتھر یا اینٹ یا کسی اور چیز سے بنائی گئی ہو اور خدا

تجلی ہے۔ یہی مرتبہ کہ چکے ہیں کہ اس آیت سے مطلب یہ ہے کہ خدا نے اپنی آشیسی مصلحت کا اظہار فرما کر جو اس مقام کی  
 طرف توجہ کی جو بے مثل و مانند ہے اس کا مقام ہے کہ زبانِ شرع میں عرش کہتے ہیں جو تمام عالموں سے برتر اور وہم و خیال سے  
 بلند ہے۔ خدا عرش کوئی مخلوق چیز نہیں ہے بلکہ محض ولادہ اوراد مقام کا نام عرش ہے جس سے مخلوق کو کوئی اشتراک نہیں۔ مزہ

اس پر بیٹھا ہوا ہے اسی لئے عرش کو غیر مخلوق کہتے ہیں اور خدا تعالیٰ جیسا کہ یہ فرماتا ہے کہ کبھی وہ مومن کے دل پر اپنی تجلی کرتا ہے۔ ایسا ہی وہ فرماتا ہے کہ عرش پر اُس کی تجلی ہوتی ہے اور صفات طہرہ پر فرماتا ہے کہ ہر ایک چیز کو میں نے اٹھایا ہوا ہے یہ کہیں نہیں کہہ سکتا کسی چیز نے مجھے بھی اٹھایا ہوا ہے۔ اور عرش جو ہر ایک عالم سے برتر مقام ہے وہ اُس کی تنزیہی صفت کا مظہر ہے اور ہم بار بار لکھ چکے ہیں کہ ازل سے اور قدیم سے خدا میں دو صفتیں ہیں ایک صفت تشبیہی دوسری صفت تنزیہی۔ اور چونکہ خدا کے کلام میں دونوں صفت کا بیان کرنا ضروری تھا یعنی ایک تشبیہی صفت اور دوسری تنزیہی صفت اس لئے خدا نے تشبیہی صفت کے اظہار کے لئے اپنے ہاتھ آنکھ محبت غضب وغیرہ صفت قرین شریف میں بیان فرمائے اور پھر جب کہ اسماء تشبیہ کا پیدا ہوا تو بعض جگہ کہیں کھینچا کہ دیا اور بعض جگہ شہادت استثنائی علیٰ الغرض کہ دیا جیسا کہ سورۃ رعد جزو نمبر ۱۱ میں بھی یہ آیت ہے اَلَّذِي رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرْقُبُ زُلْفًا شَتَوٰی عَلٰی الْغُرٰثِ (ترجمہ) تمہارا خدا وہ خدا ہے جس نے آسمانوں کو بغیر ستون کے بلند کیا جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو اور پھر اُس نے عرش پر قرار پکڑا۔ اس آیت کے ظاہری معنی کے رُوسے اس جگہ مشبہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا پیسے خدا کا عرش پر قرار نہ تھا۔ اس کا یہی جواب ہے کہ عرش کوئی جسمانی چیز نہیں ہے بلکہ دوزلہ اور ارمونے کی ایک حالت ہے جو اُس کی صفت ہے پس جب کہ خدا نے زمین و آسمان اور ہر ایک چیز کو پیدا کیا اور ظلی طور پر اپنے نور سے سورج چاند اور ستارہ دل کو نور بخشا اور انسان کو بھی استعارہ کے طور پر اپنی شکل پر پیدا کیا اور اپنے اخلاق کو میرا اس میں چھوڑ کر دئے تو اس طور سے خدا نے اپنے لئے ایک تشبیہ قائم کی مگر چونکہ وہ ہر ایک تشبیہ سے پاک ہے اس لئے عرش پر قرار پکڑنے سے اپنے منزہ کا فکر کر دیا۔ خلاصہ یہ کہ وہ سب کچھ پیدا کر کے پھر مخلوق کا عین نہیں ہے بلکہ سب سے الگ اور دوزلہ اور ارمونہ پر ہے اور پھر سورۃ طہ جزو نمبر ۱۱ میں یہ آیت ہے اَلَّذِي خَلَقَ عَلٰی الْغُرٰثِ شَتَوٰی (ترجمہ) خدا رحمن رحیم جس نے

عرش پر قرار پکڑا اس قرار پکڑنے سے یہ مطلب ہے کہ اگرچہ اُس نے انسان کو پیدا کر کے بہت سا قُرب اپنا اُس کو دیا مگر یہ تمام تجلیات محقق الزمان ہیں یعنی تمام شبیہیں تجلیات اُس کی کس خاص وقت میں ہیں جو پہلے نہیں تھیں مگر ازل طوَر پر قرار گاہ خدا تعالیٰ کی عرش ہے جو تنزیہ کا مقام ہے کیونکہ جو فانی چیزوں سے قلعق کر کے تشبیہ کا مقام پیدا ہوتا ہے وہ خدا کی قرار گاہ نہیں کہلا سکتا وجہ یہ کہ وہ معرض زوال میں ہے اور ہر ایک وقت میں زوال اُس کے سر پر ہے بلکہ خدا کی قرار گاہ وہ مقام ہے جو فنا اور زوال سے پاک ہے پس وہ مقام عرش ہے۔

اس جگہ ایک اور اعتراض مخالفت لوگ پیش کرتے ہیں اور وہ یہ کہ قرآن شریف کے بعض مقامات سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن عرش کو اٹھ فرشتے اٹھائیں گے جس سے اشارۃ النقص کے طور پر معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں چار فرشتے عرش کو اٹھاتے ہیں اور اب اس جگہ اعتراض یہ ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ تو اس بات سے پاک اور برتر ہے کہ کوئی اُس کے عرش کو اٹھا دے اس کا جواب یہ ہے کہ ابھی ہم سُن چکے ہو کہ عرش کوئی جسمانی چیز نہیں ہے جو اٹھائی جائے یا اٹھانے کے لائق ہو بلکہ صرف تنزہ اور تقدس کے مقام کا نام عرش ہے اسی لئے اس کو غیر مخلوق کہتے ہیں۔ درنہ ایک مجسم چیز خدا کی خالقیت سے کیونکر باہر رہ سکتی ہے اور عرش کی نسبت جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ سب استعارات ہیں پس اسی سے ایک عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ ایسا اعتراض محض حماقت ہے۔ اب ہم فرشتوں کے اٹھانے کا اصل نکتہ ناظرین کو سُنا رہے ہیں اور وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے تنزہ کے مقام میں یعنی اس مقام میں جب کہ اُس کی صفت تنزہ اُس کی تمام صفات کو دُور پوش کر کے اُس کو دور الوجود اور نسل دور نماں کر دیتی ہے جس مقام کا نام قرآن شریف کی اصطلاح میں عرش ہے تب خدا تعالیٰ انسان سے بالاتر ہو جاتا ہے اور عقل کو طاقت نہیں دیتی کہ اُس کو دریافت کر سکے تب اُس کی چار صفتیں جن کو چار فرشتوں کے نام سے موسوم کیا گیا ہے جو دنیا میں ظاہر ہو چکی ہیں اُس کے پوشیدہ وجود کو ظاہر کرتی ہیں (۱) اول ربوبیت جس کے ذریعہ سے وہ انسان

کی روحانی اور جسمانی تکمیل کرتا ہے چنانچہ روح اور جسم کا ظہور ربوبیت کے تقاضا سے ہے اور اسی طرح خدا کا کلام نازل ہونا اور اُس کے خالق عادت نشان ظہور میں آنا ربوبیت کے تقاضا سے ہے (۲) دوم خدا کی رحمانیت جو ظہور میں اسکی ہے یعنی جو کچھ اُس نے بغیر یا دانش اعمال بشمار نعمتیں انسان کے لئے میسر کی ہیں یہ صفت بھی اُس کے پوشیدہ وجود کو ظاہر کرتی ہے (۳) تیسری خدا کی رحیمیت ہے اور وہ یہ کہ نیک عمل کرنے والوں کو اول تو صفت رحمت کے تقاضا سے نیک اعمال کی طاقتیں بخشتا ہے اور پھر صفت رحیمیت کے تقاضا سے نیک اعمال اُن سے ظہور میں لاتا ہے اور اس طرح پر اُن کو آفات سے بچاتا ہے یہ صفت بھی اُس کے پوشیدہ وجود کو ظاہر کرتی ہے (۴) چوتھی صفت مالک یوم الدین ہے یہ بھی اُس کے پوشیدہ وجود کو ظاہر کرتی ہے کہ وہ نیکوں کو جزا اور بدوں کو سزا دیتا ہے۔ یہ چاروں صفتیں ہیں جو اُس کے عرش کو اٹھاتے ہوئے ہیں یعنی اُس کے پوشیدہ وجود کا ان صفات کے ذریعہ سے اس دنیا میں پتہ لگتا ہے اور یہ معرفت عالم آخرت میں دوچند ہو جائے گی کہ یا بجائے چار کے آٹھ فرشتے ہو جائیں گے۔

پھر مضمون پڑھنے والے نے یہ اعتراض پیش کیا کہ دنیا کی پیدائش کا طریقہ قرآن شریف میں غلط بیان کیا گیا ہے مگر اس اعتراض سے معترض کا یہ مطلب ہے کہ قرآن شریف میں یہ لکھا ہے کہ ہر ایک چیز خدا کے حکم سے پیدا ہوئی ہے اور کسی چیز کے وجود کو خدا کے حکم کے ساتھ وابستہ کرنا ظلم طبعی کے قواعد کے برخلاف ہے تو یہ پہنچ اور لغو اعتراض ہے کیونکہ جو شخص

دستخط صفحہ ۲۷۸۔ خدا تعالیٰ نے تمام اجسام سماوی و ارضی پیدا کر کے پھر اپنے وجود کو والد الوہد مقام میں مقرر کیا جس کا نام عرش ہے اور یہ ایسا نہایت بڑا مقام ہے کہ اگر خدا تعالیٰ کو چار صفت ظہور پذیر نہ ہوتیں جو سورۃ فاتحہ کی پہلی آیات میں مذکور ہیں تو اس کی وجود کا کچھ پتہ نہ لگتا یعنی ربوبیت، رحمانیت، رحیمیت، مالک یوم الدین ہوتا۔ سو یہ چار صفت استعارہ کے ہیں چار فرشتے خدا کی کام میں قرار دئے گئے ہیں جو اُس کے عرش کو اٹھاتے ہیں یعنی اس والد الوہد مقام میں جو خدا ہے اُس حقیقی مقام سے اس کو دکھاتا ہے ہیں ورنہ خدا کی شناخت کیلئے کوئی ذریعہ نہ تھا۔

خدا تعالیٰ کی ہستی کو ماننا ہے اور ہر ایک چیز کا وجود اُس کے ارادہ سے جانتا ہے اُس کو یہ ماننا پڑتا ہے کہ بغیر حکم خدا تعالیٰ کے کوئی چیز ظہور پذیر نہیں ہو سکتی اور اگر خدا کے وجود کو نہیں ماننا تو دلائل قویہ بدیہیہ اُس کو لازم کرتے ہیں اور اگر کوئی اعتراض یہ ہے کہ قرآن شریف سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایک دم میں خدا تعالیٰ نے سب کچھ پیدا کیا تو یہ جھوٹ ہے کیونکہ قرآن شریف سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ کچھ دن میں پیدا کیا اور پھر دن سے ملاوہ دن نہیں ہیں جو انسانوں کے دن ہیں بلکہ موجب تصریح قرآن شریف کے ہر ایک دن سے ہزار ہا برس مراد ہیں اور اگر کوئی کہ قرآن شریف سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ خدا تعالیٰ نے اجسام ارضی اور اجرام سماوی کو فلالی فلال مادہ سے پیدا کیا تو یہ خدا کی قدرتوں میں بے جا دخل ہے۔ یاد رکھو کہ انسان کی ہرگز یہ طاقت نہیں ہے کہ ان تمام دقیق در دقیق خدا کے کاموں کو دریافت کر سکے بلکہ خدا کے کام عقل اور فہم اور قیاس سے برتر ہیں اور انسان کو صرف اپنے اس قدر علم پر مغرور نہیں ہونا چاہیے کہ اُس کو کسی حد تک سلسلہ علل و معلولات کا معلوم ہو گیا ہے کیونکہ انسان کا وہ علم نہایت ہی محدود ہے جیسا کہ محمد کے ایک قطرہ میں سے کہ ورم حصہ قطرہ کا اور حق بات یہ ہے کہ جیسا کہ خدا تعالیٰ خود

عیاں ہے۔ یہ خیال ہی سوا سر حماقت ہے کہ جس قدر قانون قدرت ظاہر ہو چکا ہے اسی پر خدا کے مخفی ارادوں اور مخفی قدرتوں کا قیاس کیا جائے کیونکہ قیاس کرنے کے لئے کم سے کم نسبت مساوات تو ضرور چاہیے لیکن جس حالت میں انسان کا علم خدا کی قدرتوں کی نسبت اس قدر بھی نہیں جیسا کہ ایک سوئی کے ٹوک کی تری ایک بحر اظم کے پانی سے نسبت رکھتی ہے تو پھر اس قدر ظلم و ظلم انسان کا ان مخفی قدرتوں کے لئے معیار کیونکر ہو سکتا ہے جو غیر متناہی ہیں۔ اگر خدا کی اسی قدر قدرتیں ہوں انسان کے احاطہ علم میں ہو چکی ہیں اور اس کے سوا کچھ نہیں تو اسی صورت میں خدا محدود ہو جائے گا اور نیز اسی قدر قدرتیں ہوں انسان کے علم سے زیادہ نہیں ہوں گی لیکن انسان کا خدا کی قدرتوں پر محیط ہونا ایسا ہے جیسا کہ خمار پر محیط ہو جانا۔ وہ خدا جس نے انسان کو مولیٰ گا جس کی طرح زمین سے پیدا کیا۔ پھر اس پہلے قانون کو توڑ دیا۔ پس اگر وہ کسی زمانہ میں اس موجودہ قانون قدرت کو بھی توڑ دے تو اُس کو کوئی روک سکتا ہے اور کس دلیل سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ پہلے تو وہ تبدیل قانون قدرت پر قادر تھا مگر اب قادر نہیں۔ منہ



ناپیدائش کا رہا ہے ایسا ہی اُس کے کام بھی ناپیدائش کا رہا ہے اور اُس کے ہر ایک کام کی اصلیت تک پہنچنا انسانی طاقت سے برتر اور بلند تر ہے ہاں ہم اُس کی صفات قدیمہ پر نظر کر کے یہ کہہ سکتے ہیں کہ چونکہ خدا تعالیٰ کی صفات کبھی معطل نہیں رہتیں اس لئے خدا تعالیٰ کی مخلوق میں قدامت نوعی پائی جاتی ہے یعنی مخلوق کی انواع میں سے کوئی نہ کوئی نوع قدیم سے موجود چلی آئی ہے مگر شخصی قدامت باطل ہے اور باوجود اس کے خدا کی صفت اِفْناء اور اِبْهَک بھی ہمیشہ اپنا کام کرتی چلی آتی ہے وہ بھی کبھی معطل نہیں ہوتی اور اگرچہ نادانی فلاسفوں نے بہت ہی زور لگایا کہ زمین و آسمان کے اجرام و جسم کی پیدائش کو اپنے سائنس یعنی طبعی قواعد کے اندر داخل کر لیں اور ہر ایک پیدائش کے اسباب قائم کریں مگر یہ ہی ہے کہ وہ اس میں ناکام اور نامراد رہے ہیں اور جو کچھ ذخیرہ اپنی طبعی تحقیقات کا انہوں نے جمع کیا ہے وہ بالکل ناقص اور نامکمل ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ کبھی اپنے خیالات پر قائم نہیں رہ سکے اور ہمیشہ اُن کے خود تراشیدہ خیالات میں تغیر تبدیل ہوتا رہتا ہے اور معلوم نہیں کہ آگے کس قدر ہوگا اور چونکہ اُن کی تحقیقاتوں کی یہ حالت ہے کہ تمام مدار اُن کا صرف اپنی عقل اور قیاس پر ہے اور خدا سے کوئی مدد اُن کو نہیں ملتی اس لئے وہ تاریکی سے باہر نہیں آسکتے اور درحقیقت کوئی شخص خدا کو شناخت نہیں کر سکتا جب تک اس حد تک اُس کی معرفت نہ پہنچ جائے کہ وہ اس بات کو سمجھ لے کہ خدا کے بیشمار کام ایسے ہیں کہ جو انسانی طاقت اور عقل اور فہم سے بالاتر اور بلند تر ہیں اور اس مرتبہ معرفت سے پہلے یا تو انسان محض دہریہ ہوتا ہے اور خدا کے وجود پر ایمان ہی نہیں رکھتا اور یا اگر خدا کو ماننا ہے تو صرف اس خدا کو ماننا ہے کہ جو اُس کے خود تراشیدہ دلائل کا ایک نتیجہ ہے نہ اُس خدا کو جو اپنی تجلی سے اپنے تئیں آپ ظاہر کرتا ہے اور جس کی قدرتوں کے اصرار اس قدر ہیں کہ انسانی عقل اُن کا احاطہ نہیں کر سکتی جب سے خدا نے مجھے یہ علم دیا ہے کہ خدا کی قدرتیں عجیب در عجیب اور عمیق در عمیق اور دراز و دراز لایمیزگ ہیں تب سے میں ان لوگوں کو جو فلسفی کہلاتے ہیں کچھ کافر سمجھتا ہوں اور چھپے چھپے دہریہ خیال کرتا ہوں میرا خود ذاتی

مشاہدہ ہے کہ کئی عجائبِ قدرتیں خدا تعالیٰ کی ایسے طور پر میرے دیکھنے میں آئی ہیں کہ مجھ اس کے کہ ان کو نیستی سے ہستی کہیں اور کوئی نام اُن کا ہم رکھ نہیں سکتے جیسا کہ ان نشانوں کی بعض مثالیں بعض موقع پر میں نے لکھ دی ہیں جس نے یہ کرمِ قدرت نہیں دیکھا اُس نے کیا دیکھا؟ ہم ایسے خدا کو نہیں مانتے جس کی قدرتیں صرف ہماری عقل اور قیاس تک محدود ہیں اور اُن کے کچھ نہیں بلکہ ہم اُس خدا کو مانتے ہیں جس کی قدرتیں اُس کی ذات کی طرح غیر محدود اور نامیدہ اُنکا اور غیر متناہی ہیں۔ ایسا ہی اُس کی قدرت کا یہ راز ہے کہ وہ نیست سے ہست کرتا ہے جیسا کہ اس بات پر ہزار ہا نمونے ہماری نظر کے سامنے ہیں۔ بعض درخت ایسے ہیں کہ اُن کے پھل جیسے جیسے پکتے جاتے ہیں وہ پرواز کیڑوں کی طرح بننے جاتے ہیں اور بعض درخت ایسے ہیں کہ اُن کے پتوں میں سے بڑے بڑے پرندے پیدا ہو جاتے ہیں اُن میں سے ایک آگ کا درخت بھی ہے اور اُس کی نظیریں ہزار ہا ہیں نہ صرف ایک دو۔ پس اس جگہ مجھ اس کے کیا کہہ سکتے ہیں کہ وہ نیستی سے ہستی ہے اور یہ ایک ایسا مازِ قدرت ہے کہ ہم اس کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتے اور کیا یہ بھی ضروری ہے کہ ایک ناچیز انسان خدا کے تمام اسرار پر اطلاع بھی پا جائے اور اس کی تمام قدرتوں پر محیط ہو جائے۔ یہ ایک فیصلہ شدہ بات ہے کہ اگر علمِ سائنس یعنی طبعی خدا تعالیٰ کے تمام عمیق کاموں پر احاطہ کر لے تو پھر وہ خدا ہی نہیں جس قدر انسان اُس کی بارہیک حکمتوں پر اطلاع پاتا ہے وہ انسانی علم اس قدر بھی نہیں کہ جیسے ایک سوئی کو سمندر میں ڈبو یا جائے اور اُس میں کچھ سمندر کی پانی کی تری باقی رہ جائے اور یہ کہنا کہ اُس کی تمام بارہیک قدرتوں پر اطلاع پانے کے لئے ہمارے لئے راہ کشادہ ہے اس سے زیادہ کوئی حماقت نہیں باوجودیکہ ہزار ہا قرن اس دُنیا پر گزر چکے ہیں پھر بھی انسان نے صرف اس قدر خدا کی حکمتوں پر اطلاع پائی ہے جیسا کہ ایک عالمگیر بارش میں سے صرف اس قدر تری جو ایک بال کی لوک کو مشکل تر کر سکے۔ پس اس جگہ اپنی حکمت اور دانائی کا کام ملنا جھوٹی شیخی اور حماقت ہے۔ انسان باوجودیکہ ہزار ہا برسوں سے اپنے علومِ طبعیہ اور ریاضیہ کے

ذریعہ سے خدا کی قدرتوں کے دریافت کرنے کے لئے جان توڑ کر کوششیں کر رہا ہے مگر ابھی اس قدر اس کے معلومات میں کمی ہے کہ اس کو نادر اور ناکام ہی کہنا چاہئے۔ صدر الامر غیبیہ اہل کشف اور اہل مکالمہ اللہ پر کھلتے ہیں اور ہزار بار مستبازان کے گواہ ہیں مگر فلسفی لوگ اب تک ان کے منکر ہیں جیسا کہ فلسفی لوگ تمام مدار اولیٰ عقولیات اور تدبیر اور فکر کا دماغ پر رکھتے ہیں مگر اہل کشف نے اپنی صحیح رویت اور روحانی تجارب کے ساتھ معلوم کیا ہے کہ انسانی عقل اور معرفت کا سرچشمہ دل ہے جیسا کہ میں ہینتیس برس سے اس بات کا مشاہدہ کر رہا ہوں کہ خدا کا الہام جو معارف روحانیہ اور علوم غیبیہ کا ذخیرہ ہے دل پر ہی نازل ہوتا ہے بسا اوقات ایک ایسی آواز سے دل کا سرچشمہ معلوم ہونا کس جاتا ہے کہ وہ آواز دل پر اس طور سے شدت پڑتی ہے کہ جیسے ایک ڈول زور کے ساتھ ایک ایسے کنویں میں پھینکا جاتا ہے جو پانی سے بھرا ہوا ہے تب وہ دل کا پانی جو شش بادکر ایک فنج کی شکل میں سر بستہ اوپر کو آتا ہے اور دماغ کے قریب ہو کر پھول کی طرح کھل جاتا ہے اور اس میں سے ایک کلام پیدا ہوتا ہے وہی خدا کا کلام ہے۔ پس ان تجارب صحیحہ روحانیہ سے ثابت ہے کہ دماغ کو علوم اور معارف سے کچھ تعلق نہیں بلکہ دماغ صحیح واقعہ ہو اور اس میں کوئی آفت نہ ہو تو وہ دل کے علوم مخفیہ سے مستفیض ہوتا ہے اور دماغ چونکہ غیبت اعصاب ہے اس لئے وہ ایسی کل کی طرح ہے جو پانی کو کنوئیں سے کھینچ سکتی ہے اور دل وہ کنواں ہے جو علوم مخفیہ کا سرچشمہ ہے یہ وہ لازمہ جو اہل حق نے مکاشفات صحیحہ کے ذریعہ سے معلوم کیا جو جس میں خود صاحب تجربہ ہوں۔

ایسا ہی جدید سائنس یعنی طبعی کی تحقیقات میں یہ ایک غلطی ہے کہ قطعی طور پر یہ خیال کیا گیا ہے جو ہر ایک ادنیٰ چیزوں میں جو کیرے پڑ جاتے ہیں وہ ہوا سے آتے ہیں یعنی ہوا کے کیرے اس چیز میں داخل ہو جاتے ہیں حالانکہ یہ قاعدہ کئی جگہ ٹوٹ جاتا ہے مثلاً جو لطف سے

محتمل ہے کہ دماغ غیبت اعصاب سے اس لئے علوم قلیہ کا عروس کرنا اس کا کام ہے اور اگر دماغ میں کوئی آفت پیدا ہو تو وہ علوم پردہ میں آجاتے ہیں جیسا کہ گرڈل یا اس کی ری تمام ہوتی پانی کنوئیں میں سے نہیں آسکتا۔

مٹانہ کے اندر کھڑا ہوتا ہے وہ سائنس والوں کے اقرار کی رو سے ہوا سے نہیں بنتا اور ہوا کو اس میں کوئی دخل نہیں ایسا ہی جو گولر کے پھل میں چھوٹے چھوٹے کیرے پر دار بن جاتے ہیں جن سے گولر کا پھل بگڑتا نہیں بلکہ شیریں اور کھانے کے لائق ہو جاتا ہے اُن کو بھی ہوا سے کچھ تعلق نہیں کیونکہ خدا تعالیٰ کی قدرت سے گولر کا کچا پھل اُن کے لئے بطور نطفہ کے ہوتا ہے اور جب تک وہ کچا ہوتا ہے اس میں کوئی کیرا دکھائی نہیں دیتا اور لوگ بچا بچا کر اس کو کھاتے ہیں اور پھر جیسے جیسے آہستہ آہستہ وہ پکتا جاتا ہے تو اُن کے مغز میں سے چھوٹے چھوٹے جانور پیدا کر کے قدر سبز چمکدار بنتے جلتے ہیں اور لوگ مع کیرٹوں کے اُس پھل کو کھا جاتے ہیں یہ اب ظاہر ہے کہ ان جانداروں کا محض ایک پھل میں سے بن جانا ایک نر لاقانون قدرت ہے جس کو نیستی سے ہستی کتنا چاہئے کیونکہ یہ اُن کیرٹوں کی طرح نہیں ہوتے جو ایک متعفن چیز میں پائے جاتے ہیں جو ایک قسم کے زہریلے کیرے ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ جب دال یا دودھ یا گوشت وغیرہ میں اُس قسم کے کیرے پڑتے ہیں تو وہ چیز سخت متعفن ہو جاتی ہے اور اُس میں سے نہایت گندی بدبو آتی ہے اور اس میں ایک قسم کی زہر پڑ جاتی ہے اسی وجہ سے اس کا کھانا مضر صحت ہوتا ہے لیکن یہ کیرے گولر کے پھل کو مضر صحت نہیں کرتے بلکہ وہ پھل تبھی کھانے کے لائق ہوتا ہے جب وہ کیرے اس میں پیدا ہو جاتے ہیں ایسا ہی ہم اُس جگہ بہت سی ایسی مثالیں پیش کر سکتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ بہت سے کیرے ایسے پیدا ہوتے ہیں کہ ہوا کا اُن میں کچھ بھی تعلق نہیں یہ بات تو ہر ایک عقلمند سمجھ سکتا ہو کہ گندی ہوا سے گندی چیزیں ہی پیدا ہوتی ہیں نہ ایسی پاک اور مفید صحت چیزیں جو کھانے کے لائق ہوں۔ پس یہ عقیدہ کہ تمام کیرے جو پیدا ہوتے ہیں وہ دراصل ہوا کے کیرے ہیں یہ صحیح نہیں ہے بلکہ اس جگہ یہ سوال بھی پیش ہو سکتا ہے کہ دراصل ہوا کیرٹوں سے پاک ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ جیسے کسی اونچے پہاڑ کی بلندی پر چڑھیں جس کی سطح کھلی اور ہر ایک روک سے محفوظ ہو وہ ہوا کیرٹوں سے خالی ہوتی ہے یا یوں کہو کہ بہت ہی کم

اس میں کیرے ہوتے ہیں اسی وجہ سے ایسے پھاڑوں پر ریل کی بیماری والوں کو فائدہ ہوتا ہے اور اس سے اُدپر کے طبقہ کی ہوا ایسی ہوتی ہے جو بالکل کیروں سے خالی ہوتی ہے اور اس سے کسی کو اٹکار نہیں ہو سکتا کہ جو ہوا سطح زمین کے نزدیک ہے خاص کر جب وہ آفتاب کی حرارت سے پُورا حصہ نہیں لیتی یا روت کی شدید سردی سے متاثر نہیں ہوتی وہی ہو کیروں سے پُر ہوتی ہے کیونکہ وہ اپنی بساطت پر باقی نہیں رہتی پس اس سے ثابت ہے کہ دھل ہوا میں کوئی کیر نہیں ہے بلکہ جب تک غامضی غلاظت اور رطوبت اُس سے مل جاتی ہے تو اس سے وہ کیرے پیدا ہو جاتے ہیں اور چونکہ یہ ہوا تمام چیزوں پر محیط ہے اس لئے یہ گندی ہوا جب دوسری چیزوں پر اثر کرے گی تو ان میں بھی کیرے پیدا ہو جائیں گے اور عجیب تر یہ ہے کہ اگر مثلاً ایک جگہ بچاس سنگترہ یا اور قسم کے میوے دیر تک رکھے ہیں تو بعض پھل تو بگڑ جاتے ہیں اور بعض مدت تک نہیں بگڑتے حالانکہ وہ ایک ہی ہوا کے اثر کے تحت ہوتے ہیں اور پھر یہ بھی ہے کہ جس قدر ہوا لطیف ہوگی اُسی قدر کیرے کم پیدا ہوں گے اس سے ثابت ہے کہ کیرے دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جو گندی ہوا کی تاثیر سے پیدا نہیں ہوتے بلکہ خدا تعالیٰ کی قدرت اور حکمت سے محض کسی سرسبز پتے یا سرسبز پھل سے پیدا ہوتے ہیں جیسے گولہ مار پر دار کیر یا آک کا جالور جو تلخ کے برابر ہوتا ہے اور جیسے لطف کا کیر اور جیسے وہ کیرے جو زمین کے نہایت ہی عمیق طبقوں میں پائے جاتے ہیں اور دوسرے وہ کیرے ہیں جو گندی ہوا سے پیدا ہوتے ہیں اور ایسی ہوا جب کسی ایسی غذا پر اپنا اثر کرتی ہے جس میں کیرے پیدا ہو سکتے ہیں تو اس ہوا کے اثر سے ہزار ہا کیرے اس غذا میں پیدا ہو جاتے ہیں پس یہ سائنس والوں کی غلطی ہے کہ وہ ہر ایک پیدا ہونے والے کیرے کو گندی ہوا کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اب یہ بات بھی بحث طلب ہے کہ وہ کیرے جو دال وغیرہ چیزوں میں پیدا ہوتے ہیں وہ کہاں سے پیدا ہوتے ہیں؟ پس اصل بات تو یہ ہے کہ جب وہ گندی ہوا جس میں کیرے پیدا ہو چکے ہیں کسی کھانے والی یا کسی دوسری چیز پر اثر کرتی ہے

تو اس کے اثر سے اس چیز میں کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں اگر محض ہی بات ہوئی کہ اس ہو کے کیڑے اس کھانے کے اندر داخل ہو جاتے ہیں تو کوئی کھانا کثیروں سے بچ نہ سکتا ایک طرف ہم ایک کھانا تیار کر کے اپنے سامنے رکھتے ..... اور ایک طرف فی الفور ہزار ہا کیڑے بلا توقف اُس میں پڑ جاتے کیونکہ جب کیڑے پہلے سے ہوا میں موجود ہیں اور کھانا بھی کھلا پڑا ہے تو پھر توقف کی کوئی وجہ نہیں اور اگر کہو کہ اول حالت میں باریک ہوتے ہیں تو پھر تم غلامین کے ذریعہ سے ہمیں دکھلاؤ کہ اس تازہ کھانے میں کہاں کیڑے ہیں۔ غرض یہ بھی سائنس والوں کی ایک موٹی غلطی ہے وہ لوگ خدا کے اصرار کا معما کھولنا چاہتے ہیں آخر منہ کے بل گرتے ہیں۔ \*

مضمون پڑھنے والے نے ایک یہ اعتراض قرآن شریف پر پیش کیا کہ خاندن کی مرضی پر طلاق رکھی ہے اس سے شاید اس کا یہ مطلب معلوم ہوتا ہے کہ عقل کی رُو سے مرد اور عورت درجہ میں برابر ہیں تو پھر اس صورت میں طلاق کا اختیار محض مرد کے ہاتھ میں رکھنا بلاشبہ قابل اعتراض ہو گا۔ پس اس اعتراض کا یہی جواب ہے کہ مرد اور عورت دھرم میں ہرگز برابر نہیں۔ دنیا کے قدیم تجربہ نے ہی ثابت کیا ہے کہ مرد اپنی جسمانی اور علمی طاقتوں میں

حکمشاہدہ بنا رہے کہ بموجب اصول آریہ سماج کے وہ یہ ہر ایک جانور کو خواہ وہ کیڑا ہے یا اور جاندار انسان قرار دیا ہے یعنی یہ تسلیم ہی ہے کہ وہ دراصل انسانی رُوح ہے جو کسی اور جنوں میں دپس آئی ہے مگر یہ نہ جو داپس آئی کا طریق بیان کیا ہے وہ ایسا ہیودہ اور خلاف عقل ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ دید کے بندے فالے علم اور عقل سے محض بے نصیب تھے اس بات کا بار ثبوت دید کے ذمہ تھا کہ وہ رُوح جو بدن سے نکل گئی تھی وہ کیونکر اور کس طریق سے داپس آتی ہے اور کیونکر انسانی نقطہ سے اُس کا پیوند ہو جاتا ہے اور یہ خیال کہ وہ رُوح شبنم کی طرح گھاس پات پگرتی ہے اسکا زیادہ اور کوئی خیال یہ ہوتی کہ تیس ہو گا کیونکہ نقطہ صروت گھاس پات سے نہیں بلکہ صمد مختلف طریقوں سے تیار ہوتا ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ لوگ دلی کی طرف دیکھو جو اکثر اریوں کی غذا ہے اول وہ آگ پر گماڑ کی جاتی ہے اور کیڑے مر جاتے ہیں اور اگر باقی ہو جائے تو ہزار ہا کیڑے اس میں پڑ جاتے ہیں۔ تو کیا یہ خیال ہو سکتا ہے کہ وہ کیڑے بھی شبنم سے ہی غذا میں داخل ہوتے ہیں اور وہ سب انسان ہیں۔ منہ

عورتوں سے بڑھ کر ہیں اور شاذ و نادر حکم معدوم کا رکھتا ہے پس جب مرد کا درجہ باعتبار اپنے ظاہری اور باطنی قوتوں کے عورت سے بڑھ کر ہے تو پھر ہی قرین انصاف ہے کہ مرد اور عورت کے علیحدہ ہونے کی حالت میں عمارت اختیار مرد کے ہاتھ میں ہی رکھی جائے مگر تعجب ہے کہ یہ اعتراض ایک آدمی نے کیوں پیش کیا؟ کیونکہ آریوں کے اصول کی رُو سے تو مرد کا درجہ عورت سے اس قدر بڑھ کر ہے کہ بغیر لڑکا پیدا ہونے کے نجات ہی نہیں ہو سکتی۔ اسی بنا پر ایک آدمی کی عورت باوجود موجود ہونے خاندان کے دوسرے مرد سے منہ کالا کر لاتی ہے تاکسی طرح لڑکا پیدا ہو جائے۔ پس ظاہر ہے کہ اگر ان کے نزدیک مرد اور عورت کا درجہ برابر ہو تا تو اس رسوائی اور فضیحت کی ضرورت ہی کیا تھی؟ لیکن یہ بات ہر ایک کو معلوم ہے کہ اگر ایک آدمی کی چالیس لڑکیاں بھی ہوں یا فرض کر دو کہ تلو لڑکی ہر تب بھی وہ اپنی نجات کے لئے فرزند نرینہ کا خواہشمند ہوتا ہے اور اُس کے مذہب کی رُو سے سول لڑکیاں بھی ایک لڑکے کے برابر نہیں ہو سکتیں۔ پس اس سے ثابت ہے کہ آدمی مذہب کی رُو سے جس قدر لڑکے کو یعنی فرزند نرینہ کو دختر پر ترجیح دی گئی ہے وہ اس قدر ترجیح ہے کہ دختر کو اپنی قدر و منزلت میں فرزند نرینہ کا سواں حصہ بھی قرار نہیں دیا گیا ورنہ یہ صاف ظاہر ہے کہ اگر مذہب کی رُو سے لڑکی اور لڑکا ایک درجہ پر سمجھے جاتے تو پھر لڑکا ہونے کے لئے یہ بے غیرتی کیوں روا رکھی جاتی کہ اپنی منکوحہ عورت جس کے لئے غیرت مند لوگ مرنے مارنے پر طیار ہو جاتے ہیں وہ دوسروں سے ہمبستر کرائی جاتی؟ اور کیوں اس قدر لڑکا پیدا ہونے کے لئے حرص بڑھائی جاتی کہ یہ روا رکھا جاتا کہ گو اُس بد قسمت عورت کو تمام دُنیا کے مردوں سے ہمبستر کر لیا جائے مگر لڑکا ضرور پیدا ہونا چاہئے۔

اسوا اس کے منو شاستر کو پڑھ کر دیکھ لو کہ اس میں بھی صاف لکھا ہے کہ اگر عورت مرد کی دشمن ہو جائے یا نہر دینا چاہے یا اور کوئی ایسا سبب ہو تو مرد کو طلاق دینے کا اختیار ہے اور عملی طور پر تمام شریف ہندوؤں کا یہی طریق ہے کہ اگر عورت کو بدکار اور بد چلن پاؤں

تو اس کو طلاق دیدیتے ہیں اور تمام دنیا میں انسانی فطرت نے ہی پسند کیا ہے کہ مرد و عورت کے وقت میں مرد عورتوں کو طلاق دیتے ہیں اور مرد کا عورت پر ایک حق نازل بھی ہے کہ مرد عورت کی زندگی کے تمام اقسام آسائش کا متکفل ہو جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآنی شریف میں فرماتا ہے وَهِيَ الْمَوْلُودُ لَهُ فِي ذَرْوِهِمْ وَكَسُوْنَهُمْ يَعْنِي يَهْ بِات مردوں کے ذمہ ہے کہ جو عورتوں کو کھانے کے لئے ضرورت میں ہوں یا پہننے کے لئے ضرورت میں ہوں وہ سب اُن کے لئے مہیا کریں۔ اس سے ظاہر ہے کہ مرد عورت کا مربی اور محسن اور ذمہ دار آسائش کا ٹھہرایا گیا ہے اور وہ عورت کے لئے بطور آقا اور خدائے نعمت کے ہے اسی طرح مرد کو بہ نسبت عورت کے فطرتی قویٰ زبردست دئے گئے ہیں یہی وجہ ہے کہ جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے مرد عورت پر حکومت کرتا چلا آیا ہے اور مرد کی فطرت کو جس قدر باعتبار کمال قوتوں کے انعام عطا کیا گیا ہے وہ عورت کی قوتوں کو عطا نہیں کیا گیا۔ اور قرآن شریف میں یہ حکم ہے کہ اگر مرد اپنی عورت کو مردّت اور احسان کی زد سے ایک پہاڑ سمونے کا بھی دے تو طلاق کی حالت میں واپس نہ لے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اسلام میں عورتوں کی کس قدر عزت کی گئی ہے ایک طور سے تو مردوں کو عورتوں کا نوکر ٹھہرایا گیا ہے اور بہر حال مردوں کے لئے قرآن شریف میں یہ حکم ہے کہ عَائِشَةُ زُحْلَفَتْ بِالْمَعْصُومَةِ يَعْنِي تَمَّ اِنِی عورتوں سے ایسے حسین سلوک سے معاشرت کرو کہ ہر ایک عقلمند معلوم کر سکے کہ تم اپنی بیوی سے احسان اور مردّت سے پیش آتے ہو۔

علاوہ اس کے شریعت اسلام نے صرف مرد کے ہاتھ میں ہی یہ اختیار نہیں رکھا کہ جب کوئی خرابی دیکھے یا ناموافقت پادے تو عورت کو طلاق دیدے بلکہ عورت کو بھی یہ اختیار دیا ہے کہ وہ بذریعہ حاکم وقت کے طلاق لے لے۔ اور جب عورت بذریعہ حاکم کے طلاق لیتی ہے تو اسلامی اصطلاح میں اُس کا نام خُلع ہے جب عورت مرد کو ظالم پائے یا وہ اُس کو ناحق مارتا ہو یا اور طرح سے ناقابل برداشت بدسلوکی کرتا ہو یا کسی اور وجہ سے ناموافق



ہو یا وہ مرد و راصل نامزد ہو یا تبدیل مذہب کرے یا ایسا ہی کوئی اور سبب پیدا ہو جائے جس کی وجہ سے عورت کو اُس کے گھر میں آباد رہنا ناگوار ہو تو ان تمام حالتوں میں عورت یا اُس کے کسی ولی کو چاہئے کہ حاکم وقت کے پاس یہ شکایت کرے اور حاکم وقت پر یہ لازم ہو گا کہ اگر عورت کی شکایت واقعی درست سمجھے تو اس عورت کو اس مرد سے اپنے حکم سے علیحدہ کر دے اور نکاح کو توڑ دے لیکن اس حالت میں اس مرد کو بھی عدالت میں بلانا ضروری ہو گا کہ کیوں نہ اُس کی عورت کو اُس سے علیحدہ کیا جائے۔

اب دیکھو کہ یہ کس قدر انصاف کی بات ہے کہ جیسا کہ اسلام نے یہ پسند نہیں کیا کہ کوئی عورت بغیر ولی کے جو اُس کا باپ یا بھائی یا اور کوئی عزیز ہو خود بخود اپنا نکاح کسی سے کر لے ایسا ہی یہ بھی پسند نہیں کیا کہ عورت خود بخود مرد کی طرح اپنے شوہر سے علیحدہ ہو جائے بلکہ جدا ہونے کی حالت میں نکاح سے بھی زیادہ احتیاط کی ہے کہ حاکم وقت کا ذریعہ بھی فرض قرار دیا ہے تا عورت اپنے نقصان عقل کی وجہ سے اپنے تئیں کوئی ضرر نہ پہنچا سکے۔ مگر دید میں یہ منصفانہ طریق کہاں ہے؟ میں اس معترض کی حالت سے نہایت تعجب میں ہوں کہ کس قدر یہ شخص سچائی کا دشمن ہے جس سے مجبور ہی ہمیں کچھ وید کا حال بیان کرنا پڑتا ہے اگر یہ شخص ایسا ہی ہوتا اور خواہتر افس نہ کرتا تو ہمیں کیا ضرورت تھی کہ ہم وید کا ذکر کرتے؟ ان لوگوں کی عجیب حالت ہے کہ اپنے دید کی خرابیوں پر کچھ بھی اطلاع نہیں رکھتے اور چاند پر تھوک رہے ہیں۔ افسوس!!!

پھر مضمون پڑھنے والے نے بیان کیا کہ قرآنی تعلیم سُورج اور چاند کی ماہیت سے بے علم ہے۔ اس بات کا جواب مجھ اس کے کیا کہا جائے کہ اس بارے میں قرآنی تعلیم کو دید کی تعلیم کے ساتھ مقابلہ کر کے دیکھنا چاہئے۔ قرآن شریف نے سُورج اور چاند کو خدا کی مخلوق ٹھہرایا ہے مگر وید ان دونوں کو خدا قرار دیتا ہے اور اُن کی پرستش کا حکم کرتا ہے اور یہ بیان کرتا ہے کہ گویا وہ دونوں خدا تعالیٰ کی طرح عالم الغیب اور قادر ہیں اور ہر ایک جو اُن کی پوجا کرے

اُن کو مراد میں غلط کرتے ہیں جس کو اس بارے میں شک ہو وہ دیکھ دیں کی شرتبایں غور سے پڑھیں  
افسوس! جن لوگوں کا دید بجلائے خدا تعالیٰ کے سورج چاند کو خدا قرار دیتا ہے اُن کو ایسی  
باتوں سے کچھ حیا کرنی چاہئے تھی کہ وہ ایسی کتاب پر حملہ کریں جو سورج اور چاند کو خدا نہیں  
بناتی بلکہ خدا کی پیدائش قرار دیتی ہے۔ قرآن شریف میں ایک شاہزادی بلیقیس نام  
کا ایک عجیب قصہ لکھا ہے جو سورج کی پوجا کرتی تھی شاید وید کی پیر و بھی۔ حضرت  
سلیمانؑ نے اُس کو بلایا اور اُس کے آنے سے پہلے ایسا محل طیار کیا جس کا فرش شیشہ  
کا تھا اور شیشہ کے نیچے پانی بہہ رہا تھا جب بلیقیس نے حضرت سلیمانؑ کے پاس جانے  
کا قصد کیا تو اُس نے اُس شیشہ کو پانی بھرا اور اپنا پا جامہ پنڈلی سے اوپر اٹھا لیا حضرت  
سلیمانؑ نے کہا کہ دھوکا مت کھایہ پانی نہیں ہے بلکہ یہ شیشہ ہے پانی اس کے نیچے ہے  
تب وہ عقلمند عورت سمجھ گئی کہ اس پیرایہ میں میرے مذہب کی غلطی انہوں نے ظاہر کی ہو  
اور یہ ظاہر کیا ہے کہ سورج اور چاند اور دوسرے روشن اجرام شیشہ کی مانند ہیں اور ایک  
پوشیدہ طاقت ہے جو ان کے پردہ کے نیچے کام کر رہی ہے اور وہی خدا ہے۔ جیسا کہ  
قرآن شریف میں اس جگہ فرمایا صُحُّ مُمَسَّرِدٌ مِّنْ قَوَارِيرٍ ۖ سُوْدُ نِيَاكُ وَخُدَانِ شَيْشٍ مَّحَلٍّ  
سے مثال دی ہے جاہل ان شیشوں کی پرستش کرتے ہیں اور ناتا اس پوشیدہ طاقت کے  
پرستار ہیں مگر دید نے اس شیشہ محل کی طرف کچھ اشارہ نہیں کیا اور ان ظاہری شیشوں  
کو پرستار سمجھ لیا اور پوشیدہ طاقت سے بے خبر رہا۔

اور پھر ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے وَالشَّمْسُ وَضُحَاهَا  
وَالْقَمَرُ إِذَا تَلَّهَا یعنی قسم ہے سورج کی اور اُس کی روشنی کی اور قسم ہے چاند کی جب  
سورج کی پیروی کرے یعنی چاند بغیر پیروی کے کچھ بھی چیز نہیں اور اس کا نور سورج کے  
نور سے مستفاض ہے یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کو کیسا ہی اپنے اندر استعداد  
رکھتا ہے مگر جب تک وہ کامل طور پر خدا کی اطاعت نہ کرے اُس کو کوئی نور نہیں ملتا مگر افسوس!

ذہبی یہ ایک محل ہے جنہوں سے بنایا گیا۔ منہ

کہ دید کو یہ بھی خبر نہیں کہ چاند اپنی روشنی سورج سے لیتا ہے اور اسی وجہ سے اُس نے برابر طور پر دونوں سورج اور چاند کو معبود ٹھہرایا ہے۔

پھر عجیب تر یہ بات ہے کہ معترض تو تعصب کی دیوانگی کی وجہ سے سورج چاند تک پہنچ گیا ہے جو اسماعلی اجرام ہیں مگر اس کے دید نے تو زمین کی چیزوں میں بھی غلطی کھائی ہے اور وہ رُوح جس سے جاندار انسان زندہ ہوتے ہیں اُس کی کیفیت صحیح طور پر بیان نہیں کر سکا پس اس معترض پر تو یہ شعر صادق آتا ہے

تو کارِ زمین را نگو ساختی ؟ کہ با آسمان نیز پرداختی

کیا یہ دید کی فلاسفی درست ہے کہ رُوحیں مع اپنی تمام قوتوں اور طاقتوں کے نادادی اور غیر مخلوق ہیں اور وہی بار بار دنیا میں آتی ہیں اور کیا یہ بات عقل سلیم کے نزدیک سچ ٹھہر سکتی ہے کہ رُوح انسان کے مرنے کے وقت اکاش میں چلی جاتی ہے اور پھر رات کے وقت کسی گھاس پات پر گر جاتی ہے اور وہ گھاس پات کو ٹی مہر دکھاتا ہے تو لفظ کے ساتھ اندر چلی جاتی ہے۔ ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ اس سے لازم آتا ہے کہ رُوح دو ٹکڑے ہو کر گر جاتی ہو ایک ٹکڑا ایسی گھاس پر گر جاتا ہو جس کو مہر دکھاتا ہو اور دوسرا ٹکڑا ایسی گھاس پات پر پڑتا ہو جس کو عورت کھاتی ہو۔ کیونکہ پیدا ہونے والے بچہ میں رُوحانی اخلاق صرف مرد کی طرف سے نہیں ہوتے بلکہ عورت کی طرف سے بھی ہوتے ہیں۔ ماسوا اس کے وہ گھاس پات کچا تو نہیں کھایا جاتا بلکہ بخوبی آگ پر پکایا جاتا ہے اس صورت میں ظاہر ہے کہ جو کچھ شبنم کی طرح گھاس پات پر پڑتا تھا وہ آگ سے جل جاتا ہوگا اور اگر کیرا تھا تو مر جاتا ہوگا۔

اور پھر ماسوا اس کے جو گوشت کھانے والی قومیں ہیں جو صرف مچھلی یا مثلاً بکرا یا بھیڑ کا گوشت کھاتے ہیں کیا وہ رُوح جو شبنم کی طرح آسمان سے گر جاتی ہے وہ بکرے یا بھیڑ کی کھال پر پڑتی ہے۔ پس جس دید کی یہ فلاسفی ہے جو قدم قدم پر ٹھوکر کھاتا ہے اُس کے ساتھ فخر کرنا ایک بھارے نادان کا کام ہے۔

انفوس ایہ لوگ نہیں سوچتے کہ اگر گھاس پائت پر رُوحِ شبنم کی طرح پڑتی ہے تو اگر فحش کر لیں کہ وہ رُوح اس گھاس پائت میں ایک کیرے کی طرح پیدا ہو جاتی ہے لیکن بچانے کے بعد وہ کیرا مرنے جاتا ہے اور پھر اگر وہ ساگ در چار دن دکھا جائے اور مرنے والے اس میں کیرے پڑ جائیں تو وہ کیرے کس شبنم سے آتے ہیں اور کیا اُس گندے ساگ کے کھانے سے جس میں ہزارہا کیرے ہیں اتنے ہی بچے پیدا ہو جائیں گے۔ انفوس!!! دنیا میں خدا ایک دانہ سے صد ہا دانے پیدا کر دیتا ہے پھر بھی دیدگتا ہے کہ تیرستی سے ہستی نہیں ہوتی اسے نادان، اگر نیستی سے ہستی نہیں تو تم بھی ایسا کر کے دکھاؤ۔

پھر مضمون پڑھنے والے نے بیان کیا کہ قرآن میں لکھا ہے کہ عورتیں کھیتوں کی مانند صرف شہوت رانی کا ذریعہ ہیں۔ اب دیکھنا چاہئے کہ یہ ناپاک طبع ہندو افتر میں کہاں تک بڑھتا جاتا ہے اور کیسے اپنی طرف سے الفاظ تراش کر قرآن شریف کی طرف منسوب کرتا ہے ایسے مفتری کے مقابل پر بجز اس کے ہم کیا کہہ سکتے ہیں کہ لعنة اللہ علی الکاذبین۔ قرآن شریف میں صرف یہ آیت ہے۔ وَنَسَاؤُكُمْ خِرَافٌ تُكَلِّفَانِ خَلْقًا حَرَامًا لِّیْ شِئْنَمُ۔ یعنی تمہاری عورتیں تمہاری اولاد پیدا ہونے کے لئے ایک کھیتی ہیں پس تم اپنی کھیتی کی طرف جس طور سے چاہو آؤ۔ صرف کھیتی ہونے کا لحاظ رکھو یعنی اس طور سے صحبت نہ کرو جو اولاد کی مانع ہو بعض آدمی اسلام کے اوائل زمانہ میں صحبت کے وقت انزال کرنے سے پرہیز کرتے تھے اور باہر انزال کر دیتے تھے۔ اس آیت میں خدا نے اُن کو منع فرمایا اور عورتوں کا نام کھیتی رکھا یعنی ایسی زمین جس میں ہر قسم کا اناج اگتا ہے۔ پس اس آیت میں ظاہر فرمایا کہ چونکہ عورت درحقیقت کھیتی کی مانند ہے جس سے اناج کی طرح اولاد پیدا ہوتی ہے سو یہ جائز نہیں کہ اُس کھیتی کو اولاد پیدا ہونے سے روکا جاوے۔ ہاں اگر عورت بیمار ہو اور یقین ہو کہ حمل ہونے سے اُس کی موت کا خطرہ ہوگا ایسا ہی صحت نیت سے کوئی اور مانع ہو تو یہ صورتیں مستثنیٰ ہیں ورنہ عند الشرح ہرگز جائز نہیں کہ اولاد ہونے سے روکا جائے۔

غرض جب کہ خدا تعالیٰ نے عورت کا نام کھیتی رکھا تو ہر ایک عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ اسی واسطے اُس کا نام کھیتی رکھا کہ اولاد پیدا ہونے کی جگہ اُس کو قرار دیا اور نکاح کے اغراض میں سے ایک یہ بھی غرض رکھی کہ تا اس نکاح سے خدا کے بندے پیدا ہوں جو اُس کو یاد کریں۔ دوسری غرض اللہ تعالیٰ نے یہ بھی قرار دی ہے کہ تا مرد اپنی بیوی کے ذریعہ اور بیوی اپنے خاوند کے ذریعہ سے بد نظری اور بد عملی سے محفوظ رہے۔ تیسری غرض یہ بھی قرار دی ہے کہ تا باہم انس ہو کر تنہائی کے رنج سے محفوظ رہیں۔ یہ سب آیتیں قرآن شریف میں موجود ہیں ہم کہاں تک کتاب کو طول دیتے جائیں۔

پھر مضمون پڑھنے والے نے بیان کیا کہ خدا نے شیطان کو کیوں بنایا اُس کو سزا کیوں نہ دی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات ہر ایک کو ماننی پڑتی ہے کہ ہر ایک انسان کے لئے دو جاذب موجود ہیں یعنی کھینچنے والے۔ ایک جاذب خیر ہے جو نیکی کی طرف اُس کو کھینچتا ہے۔ دوسرا جاذب شر ہے جو بدی کی طرف کھینچتا ہے جیسا کہ یہ امر مشہور و محسوس ہے کہ بسا اوقات انسان کے دل میں بدی کے خیالات پڑتے ہیں اور اُس وقت وہ ایسا بدی کی طرف مائل ہوتا ہے کہ گویا اُس کو کوئی بدی کی طرف کھینچ رہا ہے۔ اور پھر بعض اوقات نیکی کے خیالات اس کے دل میں پڑتے ہیں اور اُس وقت وہ ایسا نیکی کی طرف مائل ہوتا ہے کہ گویا کوئی اُس کو نیکی کی طرف کھینچ رہا ہے۔ اور بسا اوقات ایک شخص بدی کر کے پھر نیکی کی طرف مائل ہوتا ہے اور نہایت شرمندہ ہوتا ہے کہ میں نے بُرا کام کیوں کیا اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص کسی کو گالیاں دیتا اور مارتا ہے اور پھر نادم ہوتا ہے اور دل میں کہتا ہے کہ یہ کام میں نے بہت ہی بے جا کیا اور اُس سے کوئی نیک سلوک کرتا ہے یا معافی چاہتا ہے سو یہ دونوں قسم کی قوتیں ہر ایک انسان میں پائی جاتی ہیں اور شریعت اسلام نے نیکی کی قوت کا نام طہ ملک رکھا ہے اور بدی کی قوت کو..... بلکہ شیطان سے موسوم کیا ہے۔ فلسفی لوگ تو معرفت اس حد تک ہی قائل ہیں کہ یہ دونوں قوتیں ہر ایک انسان میں ضرور موجود ہیں مگر خدا وجود اور الوداد

اسرار ظاہر کرتا ہے اور عین اور پویشیدہ باتوں کی خبر دیتا ہے اُس نے ان دونوں قوتوں کو مخلوق قرار دیا ہے جو نیکی کا القاد کرتا ہے اُس کا نام فرشتہ اور روح القدس رکھا ہے اور جو بدی کا القاد کرتا ہے اُس کا نام شیطان اور ابلیس قرار دیا ہے مگر قدیم عقلمندوں اور فلاسفوں نے مان لیا ہے کہ القاد کا مسئلہ یہود اور لغو نہیں ہے۔ بے شک انسان کے دل میں دو قسم کے القاد ہوتے ہیں۔ نیکی کا القاد اور بدی کا القاد۔ اب ظاہر ہے کہ یہ دونوں القاد انسان کی پیدائش کا جزو نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ وہ باہم متضاد ہیں اور نیز انسان اُن پر اختیار نہیں رکھتا اس لئے ثابت ہوتا ہے کہ یہ دونوں القاد باہر سے آتے ہیں اور انسان کی تکمیل اُن پر موقوف ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ ان دونوں قسم کے وجود یعنی فرشتہ اور شیطان کو ہندوؤں کی کتابیں بھی مانتی ہیں اور گہر بھی اس کے قائل ہیں۔ بلکہ جس قدر خدا کی طرف سے دُنیا میں کتابیں آئی ہیں۔ سب میں ان دونوں وجودوں کا اقرار ہے۔ پھر اعتراض کرنا محض جہالت اور تعصب ہے اور جواب میں اس قدر لکھنا بھی ضروری ہے کہ جو شخص بدی اور شرارت سے باز نہیں آتا وہ خود شیطان بن جاتا ہے جیسا کہ ایک جگہ خدا نے فرمایا ہے کہ انسان بھی شیطان بن جایا کرتے ہیں۔ اور یہ کہ خدا اُن کو کیوں سزا نہیں دیتا اس کا جواب یہی ہے کہ شیطان کو سزا دینے کے لئے قرآن شریف میں وعدہ کا دن مقرر ہے پس اس وعدہ کے دن کے منتظر رہنا چاہئے کئی شیطان خدا کے ہاتھ سے سزا پا چکے اور کئی پائیں گے۔

دوسرا حصہ۔ یہ دونوں قوتیں جو ہر ایک انسان میں موجود ہیں خود تم اُن کو یاد دہ قوتیں کہو اور یا روح القدس اور شیطان نام رکھو مگر یہ حال تم ان دونوں حالتوں کے وجود سے انکار نہیں کر سکتے اور اُن کے پیدا کرنے سے غرض یہ ہے کہ انسانی اپنے نیک اعمال سے بہرہ منے کا مستحق ٹھہر سکے کیونکہ اگر انسان کی فطرت ایسی واقع ہوتی کہ وہ بہر حال نیک کام کرنے کے لئے مجبور ہوتا اور بد کام کرنے سے طبعاً متغیر ہوتا تو پھر اس حالت میں نیک کام کا ایک ذرہ بھی اُس کو ثواب نہ ہوتا کیونکہ وہ اس کی فطرت کا خاصہ ہوتا لیکن اس حالت میں کہ اُس کی فطرت دو کشتیوں کے درمیان ہے اور وہ نیکی کی کشش کی اطاعت کرتا ہے اس کو اس عمل کا ثواب مل جاتا ہے۔ منہ

پھر مضمون پڑھنے والے نے یہ اعتراض پیش کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پوتر نہیں تھی یعنی پاک نہیں تھی اور حیلہ اور مکر اور فریب سے غار نہ تھی۔ اور حیوانی خواہشات کی طرف بہت مائل تھے۔ ہم قبل اس کے جو اس بہتان کا جواب دیں اس قدر کہنا ضروری سمجھتے ہیں کہ لعنة الله على الكاذبین۔ یہ شخص بد زبانی میں لیکھرام سے بھی کچھ بڑھا ہوا معلوم ہوتا ہے جس نے ہماری جماعت کے معزز آدمیوں کو جو چار تنکو کے قریب تھے اپنی بد زبانی سے دکھ دیا۔ یہ دراصل تمام آریلوں کی شرارت ہے جنہوں نے مکر اور فریب کی راہ سے یہ دعویٰ کر کے کہ تہذیب سے مضمون سُنائے جائیں گے پھر اپنے اقرار کے مخالف ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس شخص کے منہ سڑوہ گالیاں دلوائیں جن کے تصور سے بدن کا نپیتا ہے۔ سادہ طبع مسلمان ان منافق آریلوں کے دھوکہ میں اگر اس جلسہ میں حاضر ہوئے اور اس سفر میں ہزار مارو پیہ کا خرچ اٹھایا اور پھر ہر ایک نے فی کس چار آنہ کھجور سے جلسہ میں داخل ہونے کے لئے آریلوں کو فیس دی آخر کار ایسی سخت گالیاں سن کر آئے کہ اگر کوئی وحشی قوم ہوتی تو اس جگہ خون کی ندیاں بہ جاتیں۔ اس سے بڑھ کر اور کونسی گالی ہوگی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو ناپاک زندگی قرار دیا اور نعوذ باللہ آپ کو مکار اور فریبی اور نفسانی شہوات..... کی طرف مائل ٹھہرایا۔

اب مذکورہ بالا اعتراض کا جواب یہ ہے کہ پوتر یعنی پاک ہونا یا ناپاک ہونا یہ ایک پوشیدہ امر ہے اور بخیر خدا کی گواہی کے کسی کی نسبت ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ پاک ہے کیونکہ کسی انسان کے اندرونی حالات کا بخیر خدا کے کسی شخص کو علم نہیں وہ خدا کا ہی علم ہے جو پاک اور پلید میں فرق کر کے دکھاتا ہے۔ بہت لوگ ایسے دیکھے گئے ہیں کہ بڑی بڑی لمبی مالا ان کے ہاتھ میں ہوتی ہے اور سر سے پاؤں تک جھگوئے کپڑے ہوتے ہیں اور کسی تلاب پر آنکھیں بند کر کے بیٹھے رہتے ہیں مگر اول درجہ کے بد معاش اور غیبت اور چٹنڈال ہوتے ہیں لیکن خدا کے نبیوں کی زندگی سادہ ہوتی ہے وہ اس نیت سے کوئی کام نہیں کرتے کہ انکو

بزرگ سمجھا جائے۔ وہ خاص طور پر کوئی رنگ دار کپڑہ نہیں پہنتے۔ کوئی مالا اپنے ہاتھ میں نہیں رکھتے اور کوئی ایسی خاص وضع نہیں بناتے جس سے یہ مقصود ہو کہ لوگ اُن کو بزرگ سمجھیں اور اُن کو اس بات کی کچھ پروا ہوتی ہے کہ لوگ اُن کو خدا رسیدہ خیال کریں بلکہ وہ دنیا کے لوگوں کو ایک مرے ہوئے کپڑے کی طرح بھی تصور نہیں کرتے خدا کی محبت اُن کے دلوں پر ایسا کام کرتی ہے کہ اُن کے دل خدا کی عظمت قبول کرنے کے بعد کسی کی پروا نہیں رکھتے سب پر رحم کرتے ہیں مگر اس طور پر کسی کی عظمت نہیں مانتے کہ بعد خدا کے وہ بھی کچھ خیر ہے اور وہ نہیں چاہتے کہ اپنے تئیں لوگوں پر ظاہر کریں اور اپنی اندرونی پاکیزگی لوگوں کو دکھادیں۔ بلکہ وہ انگشت نما ہونے سے کراہت م کرتے ہیں۔ اُن کی فطرت ہی ایسی واقع ہوتی ہے کہ وہ شہرت سے ہزار کوس دور بھاگتے ہیں اور گناہ مہنا چاہتے ہیں مگر وہ خدا جو اُن کے دلوں کو دیکھتا ہے اور اُن کو اس کام کے لئے لائق سمجھتا ہے کہ وہ اپنے گوشوں اور نچروں سے باہر نکلیں اور خدا کے بندوں کو سیدھی راہ کی دعوت کریں وہ جبر اُن کو خلوت سے جلوت کی طرف لے آتا ہے اور زمین پر اپنے قائم مقام بنا کر اُن کے ذریعہ سے دلوں کو سچائی کی طرف کھینچتا ہے اور اُن کے لئے بڑے بڑے نشان دکھاتا ہے اور دنیا پر اُن کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے اُن کی تائید میں وہ قدرت کے نمونے ظاہر کرتا ہے کہ آخر ہر ایک عقلمند کو ماننا پڑتا ہے کہ وہ خدا کی طرف ہی ہیں اور چونکہ وہ زمین پر خدا کے قائم مقام ہوتے ہیں اس لئے ہر ایک مناسب وقت پر خدا کی صفات اُن سے ظاہر ہوتی ہیں اور کوئی امر اُن سے ایسا ظاہر نہیں ہوتا کہ وہ خدا کی صفات کے برخلاف ہو۔ بیشک یہ سچ بات ہے کہ جیسا کہ خدا عظیم حکیم ہے ایسا ہی حکم و کرم اُن سے بھی ظاہر ہوتا ہے اور جیسا کہ خدا قادر اور منتقم ہے ایسا ہی اُن سے وقت زمین پاپ اور گنہ سے بھر جاتی ہے تو خدا اُن کے ذریعہ سے بھی زمین والوں کو سزا دیتا ہے اور ہر ایک نرمی اور سختی جو خدا خود بخود کرتا رہتا ہے اُن کے ذریعہ سے بھی کرتا ہے کیونکہ وہ زمین پر خدا کے جانشین کی طرح ہوتے ہیں پس اگر ایسے کاموں سے خدا پر اعتراض نہیں ہو



سکتا تو اسی طرح اُن پر بھی کچھ اعتراض نہیں ہو سکتا۔ ۶

غرض خدا کے نبیوں اور رسولوں کی نسبت کسی کو جائز نہیں اور نہ کسی کا حق ہے کہ وہ محض اپنی محدود عقل کی روش سے فیصلہ کرے کہ وہ پاک ہیں یا پلید ہیں بلکہ جس کے قرب اور تعلق کے وہ مدعی ہیں اور جس کے فرستادہ وہ اپنے تئیں خیال کرتے ہیں اُسی کا یہ حق ہے کہ اگر وہ درحقیقت اُسی کی طرف سے ہیں تو اپنی خاص تائیدوں اور خاص فضلوں اور خاص اوصاف سے دنیا پر یہ ظاہر کر دے کہ وہ اُس کے برگزیدہ بندے ہیں اور جب خدا کی زبردست نصرتوں اور فوق العادت نشاںوں سے اُن کا برگزیدہ ہونا ثابت ہو جائے تو پھر سراسر خباثت اور بے ایمانی اور کمینگی ہوگی کہ ادنیٰ ادنیٰ کلمتہ چینیوں سے اُن کی عزت اور مرتبہ پر حمد کیا جائے کمینہ آدمی جیسا کہ اپنے اندر کمینگی رکھتا ہے ایسا ہی اس کے اعتراض بھی کمینگی پر مبنی ہوتے ہیں اس کو خبر نہیں ہوتی کہ کس حالت اور کن تعلقات کے ساتھ کوئی شخص خدا کا برگزیدہ بن جاتا ہے۔ کمینہ طبع آدمی کے ہاتھ میں صرف بدظنی کے طور پر چند اعتراض ہوتے ہیں مثلاً یہ کہ فلاں شخص کیونکر خدا کا نبی ہو سکتا ہے کیونکہ وہ ایک سے زیادہ بیویاں رکھتا ہے ۷ مگر وہ نادان نہیں جانتا کہ اس میں کیا حرج ہے بلکہ کثرت ازدواج کثرت اولاد کا موجب ہے جو ایک برکت ہے مگر ایک عورت کا سو خاوند ہو تو اُس کو سولہ کا پیدا نہیں ہو سکتا۔ لیکن اگر تنہا عورت کا ایک خاوند ہو تو سولہ کا پیدا ہونا کچھ بعید نہیں ہے پس جس طریق پر انسان کی نسل پھیلی ہے اور خدا کے بندوں کی تعداد بڑھتی اس طریق کو کیوں بُرا کہا جائے؟

۸ حشامیہ خدا تعالیٰ اپنے خاص اور پائے لوگوں کو جنہی لوگوں کی آنکھ سے پرشیدہ کئے گئے بعض حالات میں کے اس طور سے ظاہر کرتا ہے کہ وہ ایک متعصب خدا کی نظر میں قابل اعتراض ہوتے ہیں تاغیر اُن سے دُور ہے۔ منہ  
۹ حشامیہ جیسا کہ کتب کف کا ایک یہ اعتراض خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں لکھا ہے کہ **يَا كُلُّ الظَّالِمِينَ مَنِيَّتِي** اَلَا تَسْمَعُونَ یعنی یہ تو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں پھرتا ہے اُن کے نزدیک مولیٰ کھانا یا عمدہ کھانا استعمال کرنا شایع نبوت کے برخلاف تھا اور نیز یہ اعتراض تھا کہ نبی کو شرابی ہونا چاہئے نہ نیک بازاروں میں بھی پھرے۔ منہ

اگر کو کہ یہ اعتدال کے برخلاف ہے تو یہ خیال باطل ہے کیونکہ جب کہ خدا نے ایک کو مرد بنایا اور زیادہ بچہ پیدا کرانے کا اُس میں مادہ رکھا اور عورت کی نسبت اس کو بہت زبردست قوتیں دیں تو اس صورت میں اعتدال کو تو خدا نے اپنے ہاتھ سے توڑ دیا جن کو خدا نے برابر نہیں کیا وہ کیونکر برابر ہو جائیں ان کو برابر کھنا مزاج حماقت ہے۔ ماسوا اس کے ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ تعدد ازدواج میں کسی عورت پر ظلم نہیں مثلاً اگر کسی شخص کی پہلی بیوی موجود ہے تو اب دوسری عورت جو اس سے شادی کرنا چاہتی ہے وہ کیوں ایسے شخص سے شادی کرتی ہے جو پہلے بھی ایک بیوی رکھتا ہے ظاہر ہے کہ وہ تو بھی شادی کرے گی کہ جب تعدد ازدواج پر راضی ہو جائے گی۔ پھر جب میاں بیوی راضی ہو گئے تو پھر دوسرے کو اعتراض کا حق نہیں پہنچتا جب حق دار نے اپنا حق چھوڑ دیا تو پھر دوسرے کا اعتراض محض جھک مارنا ہے اور اگر پہلی بیوی ہے تو وہ خوب جانتی ہے کہ اسلام میں دوسری بیوی کر سکتے ہیں تو وہ کیوں نکاح کے وقت میں یہ شرط نہیں کر لیتی کہ اُس کا خاوند دوسری بیوی نہ کرے اس صورت میں وہ بھی اپنی خاموشی سے اپنا حق چھوڑتی ہے اور یہ بھی یاد رہے کہ کثرت ازدواج خدا کے تعلق کی کچھ حاجت نہیں اگر کسی کی دس ہزار بیوی بھی ہو تو اگر اُس کا خدا سے پاک اور مستحکم تعلق ہے تو دس ہزار بیوی سے اُس کا کچھ بھی حرج نہیں بلکہ اس سے اُس کا کمال ثابت ہوتا ہے کہ ان تمام تعلقات کے ساتھ وہ ایسا ہے کہ گویا اُس کو کسی کے ساتھ بھی تعلق نہیں۔ اگر ایک گھوڑا بوجھ کی حالت میں کچھ چل نہیں سکتا مگر بغیر سواری اور بوجھ خوب چال نکالتا ہے تو وہ گھوڑا کس کام کا ہے ؟ اسی طرح ہمارے وہی لوگ ہیں جو تعلقات کے ساتھ ایسے ہیں کہ گویا بے تعلق ہیں۔ پاک آدمیوں کی شہوات کو ناپا کوں کی شہوات پر قیاس نہیں کرنا چاہئے کیونکہ ناپاک لوگ شہوات کے اسیر ہوتے ہیں مگر پاکوں میں خدا اپنی حکمت اور مصلحت سے آپ شہوات پیدا کر دیتا ہے اور صرف صورت کا اشتراک ہے جیسا کہ مثلاً قیدی بھی جیل خانہ میں رہتے ہیں اور داروغہ جیل بھی۔ مگر دونوں کی حالت میں فرق ہے۔ دراصل ایک انسان کا خدا سے

کامل تعلق تھی ثابت ہو رہا ہے کہ بظاہر بہت سے تعلقات میں وہ گرفتار ہو بیویاں ہوں  
اولاد ہو تجارت ہو زناعت ہو اور کئی قسم کے اُس پر بوجھ پڑے ہوئے ہوں اور پھر وہ  
ایسا ہو کہ گویا خدا کے سوا کسی کے ساتھ بھی اُس کا تعلق نہیں۔ یہی کامل انسانوں کے علامات  
ہیں مگر ایک شخص ایک بن میں بیٹھا ہے نہ اُس کی کوئی جوڑ ہے نہ اولاد ہے نہ دوست  
ہیں اور نہ کوئی بوجھ کسی قسم کے تعلق کا اُس کے دامن گیر ہے تو ہم کیونکر سمجھ سکتے ہیں کہ اس  
نے تمام اہل و عیال اور ملکیت اور مال پر خدا کو مقدم کر لیا ہے اور بے امتحان ہم اُس کے  
کیونکر قائل ہو سکتے ہیں اگر ہمارے سید و مولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیویاں نہ کرتے  
تو ہمیں کیونکر سمجھ آ سکتا کہ خدا کی راہ میں جاں فشان کے موقع پر آپ ایسے بے تعلق تھے کہ  
گویا آپ کی کوئی بھی بیوی نہیں تھی مگر آپ نے بہت سی بیویاں اپنے نکل میں لاکر صدقہ  
امتحانوں کے موقع پر یہ ثابت کر دیا کہ آپ کو جسمانی لذات سے کچھ بھی غرض نہیں اور آپ  
کی ایسی فخر دانہ زندگی سہلہ کوئی چیز آپ کو خدا سے روک نہیں سکتی۔ تاریخ دان لوگ جانتے  
ہیں کہ آپ کے گھر میں گیارہ لڑکے پیدا ہوئے تھے اور سب کے سب فوت ہو گئے تھے اور  
آپ نے ہر ایک لڑکے کی وفات کے وقت یہی کہا کہ مجھے اس سے کچھ تعلق نہیں میں خدا کا ہوں  
اور خدا کی طرف جاؤں گا۔ ہر ایک دفعہ اولاد کے مرنے میں جو سخت جگر ہوتے ہیں یہی منہ سے  
نکلتا تھا کہ اے خدا ہر ایک چیز پر میں تجھے مقدم رکھتا ہوں مجھے اس اولاد سے کچھ تعلق نہیں  
کیا اس سے ثابت نہیں ہوتا کہ آپ بالکل دنیا کی خواہشوں اور شہوات سے بے تعلق تھے  
اور خدا کی راہ میں ہر ایک وقت اپنی جان، تنہلی پر رکھتے تھے ایک مرتبہ ایک جنگ کے موقع  
پر آپ کی انگلی پر تلوار لگی اور خون جاری ہو گیا تب آپ نے اپنی انگلی کو مخاطب کر کے کہا کہ اے  
انگلی تو کیا چیز ہے صرف ایک انگلی ہے جو خدا کی راہ میں زخمی ہو گئی۔

ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ کے گھر میں گئے اور دیکھا کہ گھر میں کچھ اسباب  
نہیں اور آپ ایک چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں اور چٹائی کے نشان بیٹھ پر لگے ہیں تب عمرؓ کو یہ

حال دیکھ کر رونا آیا۔ آپ نے فرمایا کہ اسے عمرہ تو کیوں روتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کی کہ آپ کی تکالیف کو دیکھ کر مجھے رونا آگیا۔ قیصر اور کبیر علی جو کا فر ہیں آرام کی زندگی بسر کر رہے اور آپ ان تکالیف میں بسر کرتے ہیں تب آنجناب نے فرمایا کہ مجھے اس دنیا سے کیا کام بھری مثال اس سواد کی ہے کہ جو شدت گرمی کے وقت ایک اونٹنی پر جا رہا ہے اور جب دوپہر کی شدت نے اُس کو سخت تکلیف دی تو وہ اسی سواری کی حالت میں دم لینے کے لئے ایک درخت کے سایہ کے نیچے ٹھیکر گیا اور پھر چند منٹ کے بعد اسی گرمی میں اپنی راہ لی۔ اور آپ کی بیویاں بھی بجز حضرت عائشہ کے سب سن رسیدہ تھیں بعض کی عمر ساٹھ برس تک پہنچ چکی تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا تعدد ازواج سے ہی اہم اور مقدم مقصود تھا کہ عورتوں میں مقاصد میں شائع کئے جائیں اور اپنی صحبت میں رکھ کر علم دین ان کو سکھایا جائے تا وہ دوسری عورتوں کو اپنے نمونہ اور تعلیم سے ہدایت دے سکیں۔ یہ آپ ہی کی سنت مسلمانوں میں اب تک جاری ہے کہ کسی عزیز کی موت کے وقت کہا جاتا ہے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ یعنی ہم خدا کے ہیں اور خدا کا مال ہیں اور اُسی کی طرف ہمارا رجوع ہے۔ سب سے پہلے یہ صدق و وفا کے کلمے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے نکلے تھے پھر دوسروں کے لئے اس نمونہ پر چلنے کا حکم ہو گیا۔ اگر آنجناب بیویاں نہ کرتے اور لڑکے پیدا نہ ہوتے تو ہمیں کیونکر معلوم ہوتا کہ آپ خدا کی راہ میں اس قدر فدا شدہ ہیں کہ اولاد کو خدا کے مقابل پر کچھ بھی چیز نہیں سمجھتے۔

اب تم مقابلہ کرو کہ ایک طرف تو وہ آرہے ہیں کہ جو اولاد حاصل کرنے کے لالچ سے اپنی بیویوں سے نیوگ کرتے ہیں جو ہر امر حرام کاری ہے اور ایک طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو ہر ایک فردِ عزیز کے مرنے پر یہ کہتے ہیں کہ مجھے کسی سے تعلق نہیں مجھے خدا تعالیٰ سے تعلق ہے پس یہ پورے شیعہ تعلق بجز ان امتحانوں کے کیونکر ثابت ہو سکتا تھا؟ اسی بناء پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ اِنْ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَعَاہِیْ لِلّٰہِ رَبِّیْ

الْعَالَمِينَ۔ یعنی اسے نبی لوگوں کو کہہ دے کہ میں صرف خدا کا پرستار ہوں دوسری کسی چیز سے میرا تعلق نہیں اور میرا زندہ رہنا اور میرا مرنا صرف اس خدا کیلئے ہے جو تمام عالموں کا پروردگار ہے۔ دیکھو اس آیت میں کیسی ماسوی اللہ کو بے تعلقی ظاہر کی گئی ہے۔

چنانچہ زندگی کن کہ با صمد عیال      نداری بدل غیر آن ذوالجلال

افسوس! ہمارے مخالفوں کو انہی باتوں نے ہلاک کیا ہے کہ وہ خوبیوں پر نظر نہیں ڈالتے اور ہر ایک امر جو ان کو اپنی نادانی سے سمجھ نہیں آتا اس کو اعتراض کی صورت میں پیش کرتے ہیں وہ اس بات پر خود نہیں کہتے کہ انسان کن اعمال سے خدا کا پیارا بن جاتا ہے کیا خدا تک پہنچنے کے لئے یہی راہ ہے کہ کوئی شخص بیوی نہ کرے اگر یہی بات ہے تو یہ نسخہ بہت سہل ہے اور اس سے لازم آتا ہے کہ جن کو بیوی میسر نہیں آتی یا ان امور پر قہر نہیں ہو سکتے وہ سب خدا کے دلی اور دوست سمجھے جائیں نہیں بلکہ وہ لہ بہت درد ہے

اور وہ مقام انہیں کو میسر آتا ہے جو خدا کی راہ میں کھوئے جاتے ہیں اور صدق اور وفا کے مرحلہ کو اس منزل تک طے کر لیتے ہیں جو پرچ اور درحقیقت خدا کے لئے اپنے وجود سے مری جلتے ہیں ان کو خدا سے کوئی چیز نہیں روکتی نہ وہ بیویاں جو ان کی پیاری اور عزیز ہوتی ہیں اور نہ وہ اولاد جو ان کے جگر گوشہ کہلاتے ہیں عجیب قسم کے یہ پاک دل لوگ ہیں جو باوجود ہزار ہا تعلقات کے پھر بھی کسی سے تعلق نہیں رکھتے۔ وہ ایسے ماسوی اللہ سے بے تعلق ہوتے ہیں کہ اگر ان کی ہزار ہا بیوی ہو اور ہزار لڑکا ہو پھر بھی ہم قسم کھا کر کہہ سکتے ہیں کہ ان کی ایک بھی بیوی نہیں اور نہ ان کا کوئی لڑکا ہے ان کو یہ اندھی دنیا نہیں چاہتی کہ وہ کس مقام پر ہیں اور کون ان کو جانتا ہے مگر وہی جس نے ان کو یہ پاک فطرت عطا کی ہے یا وہ جس کو اس کی طرف سے آنکھیں دی جائیں۔ دنیا میں کر دڑا ایسے پاک فطرت گذرے ہیں اور آگے بھی ہوں گے لیکن ہم نے سب سے بڑا سب سے اعلیٰ اور سب سے خوب تر اس مرد خدا کو پایا ہے جس کا نام ہے محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا  
 ان قوموں کے بزرگوں کا ذکر تو جانے دو جن کا حال قرآن شریف میں تفصیل سے بیان نہیں کیا گیا۔  
 صرف ہم ان نبیوں کی نسبت اپنی رائے ظاہر کرتے ہیں جن کا ذکر قرآن شریف میں ہے جیسے  
 حضرت موسیٰ حضرت داؤد حضرت عیسیٰ علیہم السلام اور دوسرے انبیاء سو ہم خدا کی قسم کھا کر  
 کہتے ہیں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں نہ آتے اور قرآن شریف نازل نہ ہوتا اور وہ  
 برکات ہم تک پہنچ نہ دیکھتے جو ہم نے دیکھ لئے تو ان تمام گذشتہ انبیاء کا صدق ہم پر مشتبہ  
 رہ جاتا کیونکہ صرف قصوں سے کوئی حقیقت حاصل نہیں ہو سکتی اور ممکن ہے کہ وہ قصے  
 صحیح نہ ہوں اور ممکن ہے کہ وہ تمام معجزات جو ان کی طرف منسوب کئے گئے ہیں وہ سب  
 مبالغات ہوں کیونکہ اب ان کا نام و نشان نہیں بلکہ ان گذشتہ کتابوں سے تو خدا کا پتہ بھی  
 نہیں لگتا اور یقیناً سمجھ نہیں سکتے کہ خدا بھی انسان سے ہمکلام ہوتا ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ  
 علیہ وسلم کے طور سے یہ سب قصے حقیقت کے رنگ میں آگئے۔ اب ہم نہ قال کے طور  
 پر بلکہ حال کے طور پر اس بات کو خوب سمجھتے ہیں کہ مکالمہ الہیہ کیا چیز ہوتا ہے اور خدا کے  
 نشان کس طرح ظاہر ہوتے ہیں اور کس طرح دعائیں قبول ہو جاتی ہیں اور یہ سب کچھ ہم نے  
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے پایا اور جو کچھ قصوں کے طور پر غیر قومیں بیان کرتی  
 ہیں وہ سب کچھ ہم نے دیکھ لیا۔ پس ہم نے ایک ایسے نبی کا دامن پکڑا ہے جو خدا نما ہے  
 کسی نے یہ شعر بہت ہی اچھا کہا ہے ۵

۲۶۹

محمد عربی بادشاہ ہر دوسرا کرے ہے لوح قدس جس کے دلی درباری  
 اُسے خدا تو نہیں کہ سکوں یہ کہتا ہوں کہ اُس کی مرتبہ دانی میں ہے خدا دانی  
 ہم کس زبان سے خدا کا شکر کریں جس نے ایسے نبی کی پیروی ہمیں نصیب کی جو سجدوں کی  
 ادوار کے لئے آفتاب ہے جیسے اجسام کے لئے سورج۔ وہ اندھیرے کے وقت ظاہر  
 ہوا اور دنیا کو اپنی روشنی سے روشن کر دیا وہ نہ تھکا نہ ماندہ ہوا جب تک کہ عرب کے

تمام حصہ کو شرک سے پاک نہ کر دیا۔ وہ اپنی سچائی کی آپ دلیل ہے کیونکہ اُس کا نور ہر ایک زمانہ میں موجود ہے اور اس کی سچی پیروی انسان کو یوں پاک کرتی ہے کہ جیسا ایک صاف اور شفاف دریا کا پانی میلے کپڑے کو۔ کون صدق دل سے ہمارے پاس آیا جس نے اس نور کا مشاہدہ نہ کیا اور کس نے صحت نیت سے اس دردناک کو کھٹکھٹایا جو اُس کے لئے کھولا نہ گیا لیکن افسوس! کہ اکثر انسانوں کی یہی عادت ہے کہ وہ سفلی زندگی کو پسند کر لیتے ہیں اور نہیں چاہتے کہ نور ان کے اندر داخل ہو۔ ایسا ہی اس سفلہ پن کی عادت نے بعض آریلوں کو کھا لیا ہے وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑائیوں میں مکر اور فریب سے کام لیا مگر وہ اپنے تعصب کی وجہ سے نہیں جانتے کہ جب دشمن لڑائی کے وقت میں مکر اور فریب استعمال میں لاتا ہے تو مکر کے ساتھ ہی اس کا جواب دینا کیوں حرام ہے۔ مکر اور فریب بجائے خود کوئی بُری چیز نہیں ہے بلکہ اس کی بد استعمالی بُری ہے۔ جو امر صحت نیت سے سچائی کی مدد میں اور مظلوموں کی امداد کی غرض سے کیا جاتا ہے وہ گناہ میں داخل نہیں ہے۔ خدا شہید ہو گا کہ مکر کے ذریعہ سے ہی سزا دیتا ہے اور خدا ہمیشہ راست باز آدمی کا حامی ہوتا ہے اور ضیعت اور چنڈال آدمی کو آخر کو وہ بکڑتا ہے اسی طرح وہ اپنے پاک نبیوں کی مدد کرتا آیا ہے۔ چنانچہ آریلوں کو بھی اُس نے اپنی اس مدد کے نمونے دکھائے ہیں اور ہیبت تک نشانوں کے ساتھ ان کو دکھلایا ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن کا دشمن ہے منجملہ ان نشانوں کے لیکھرام کی موت بھی ایک بڑا نمونہ ہے۔ یہ شخص محض ایک نادان تھا جس نے خواہ مخواہ خدا کے پاک نبی کو گالیاں دینا اپنا شیعہ اختیار کر لیا تھا میں نے بہت سمجھایا مگر وہ باز نہ آیا اور مجھ سے اُس نے نشان مانگا تب خدا نے اُس کے چہرہ سال کے اندر قتل کئے جانے کا اُس کو بطور پیش گوئی نشان دیا۔ اُس نے میرے ساتھ مباہلہ بھی کیا اور اپنی کتاب خطہ احمد میں دانت پیس پیس کر یہ دعا مانگی کہ ایک طرف یہ شخص ہے جو قرآن کو خدا کا کلام جانتا ہے اور ایک طرف میں ہوں جو وہ کو سچا جانتا ہوں اور قرآن کا

مکذّب ہوں۔ پس اسے الیٹور ہم دونوں میں سچا فیصلہ کر یعنی وہ جو جھوٹا ہے اُس کو جھوٹ کی سزا دے۔ پس خدا نے عادل نے یہ فیصلہ کیا کہ اُس کو میری زندگی میں ہی بُری طرح ہلاک کر دیا۔ مگر اس فیصلہ سے اُریہ قوم نے کچھ بھی فائدہ نہیں اٹھایا حالانکہ جھوٹ اور سچ کے پر کھنے کے لئے یہی نشان کافی تھا مگر اُریہ مذہب سچا تھا تو یہ کیا بلاناہل ہوئی جو خدا نے جھوٹے کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ اس جگہ صرف پیشگوئی نہیں تھی بلکہ باہمی مبالغہ بھی تھا اور پانچ برس سے لوگوں کی آنکھیں اس طرف لگی ہوئی تھیں کہ کس کے حق میں فیصلہ ہوتا ہے آخر ۶ مارچ ۱۸۹۶ء کے مبارک دن میں قریباً دن کے چار بجے کے وقت خدا نے یہ فیصلہ سنا دیا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کے لئے یہ خدا کی گواہی ہے۔ وہ دل مضتی ہے جو خدا کی گواہی سے بھی تسلی نہیں کپڑتا۔

اب ہم مضمون پڑھنے والے کے تمام اعتراضات کا جواب دے چکے ہیں اور ثابت کر چکے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن شریف پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا ہاں دید پر ایسے اعتراضات وارد ہوتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ موجودہ دید گراہ کرنے والی کتاب ہے اور جن لوگوں نے بنام نمد الہام کے ایسی کتاب اُریہ ورت کو دی ہے وہ لوگ ہرگز منجانب اللہ نہیں ہو سکتے بعد اس کے ہم اور چند مقاصد لکھیں گے چنانچہ بخیر اللہ کے ایک مقصد مندرجہ ذیل ہے۔



# الہامی کتابوں کی غرض اعلیٰ بیان میں

اور یہ کہ

## سب سے اہم قرآن شریف ہے

یہ تو ظاہر ہے کہ ہر ایک چیز کی بڑی خوبی ہی سمجھی جائے گی کہ جس غرض کے لیے لکھ کر کے لئے وہ وضع کی گئی ہے اس غرض کو بوجہ احسن پوری کر کے مثلاً اگر کسی بیل کو قلبہ دانی کے لئے خرید لیا گیا ہے تو اس بیل کی ہی خوبی دیکھی جائے گی کہ وہ بیل قلبہ دانی کے کام کو بوجہ احسن ادا کر سکے۔ اسی طرح ظاہر ہے کہ اعلیٰ غرض اسمانی کتاب کی ہی ہونی چاہئے کہ اپنے پیروی کرنے والے کو اپنی تعلیم اور تائید اور قوت اصلاح اور اپنی روحانی خاصیت سے ہر ایک گناہ اور گندی زندگی سے بچھڑا کر ایک پاک زندگی عطا فرما دے اور پھر پاک کرنے کے بعد خدا کی شناخت کے لئے ایک کامل بصیرت عطا کرے اور اس ذات بے مثل کے ساتھ جو تمام خوشیوں کا سرچشمہ ہے محبت اور عشق کا تعلق بخشنے کیونکہ درحقیقت یہی محبت نجات کی جڑ ہے اور یہی وہ بہشت ہے جس میں داخل ہونے کے بعد تمام کوفت اور تنگی اور رنج و غذاب دور ہو جاتا ہے اور بلاشبہ زندہ اور کامل کتاب الہامی وہی ہے جو طالب خدا کو اس مقصود تک پہنچا دے اور اس کو سفلی زندگی سے نجات دے کہ اس محبوب حقیقی سے ملا دے جس کا وصال ہمیں نجات ہے اور تمام شکوک و شبہات سے مخلص بخش کر ایسی کامل معرفت اس کو عطا کرے کہ گویا وہ اپنے خدا کو دیکھ لے اور خدا کے ساتھ ایسے مستحکم تعلقات اس کو بخش دے کہ وہ خدا کا قادر بندہ بن جائے اور خدا اس پر ایسا لطف و احسان کرے کہ اپنی انواع و اقسام کی نعمت اور مدد اور حمایت سے اس میں اور اس کے غیر میں فرق کر کے دکھائے اور اپنی معرفت کے دروازے اس پر کھول دے اور اگر کوئی کتب

اپنے اس فرض کو ادا نہ کرے جو اس کا اصل فرض ہے اور دوسرے یہود و مسیحیوں سے اپنی خوبی ثابت کرنی چاہیے تو اس کی یہی مثال ہے کہ ایک شخص مثلاً طبیب حاذق ہوئے گا دعوئی کرے اور جب کوئی بیمار اس کے سامنے پیش کیا جائے کہ اس کو اچھا کر کے دکھلاؤ تو وہ یہ جواب دے کہ میں اس کو اچھا تو نہیں کر سکتا لیکن میں کشتی کرنا خوب جانتا ہوں یا یہ کہجے کہ علم ہیئت اور فلسفہ میں مجھے بہت فضل ہے ظاہر ہے کہ ایسا آدمی معرہ کہلائے گا اور عقلمندوں کے نزدیک قابلِ سرزنش ہوگا۔ خدا کی کتاب اور خدا کے رسول جو دنیا میں آتے ہیں بڑی غرض ان کی ہی ہوتی ہے جو دنیا کو پاپ اور گناہ کی زندگی سے چھڑا دیں اور خدا سے پاک تعلقات قائم کریں ان کی یہ غرض تو نہیں ہوتی کہ دنیا کے علوم ان کو سکھادیں اور دنیا کی ایجادوں سے ان کو آگاہ کریں۔

غرض ایک عقلمند اور منصف مزاج آدمی کے نزدیک اس بات کا سمجھنا کچھ مشکل نہیں ہے کہ خدا کی کتاب کا فرض یہی ہے کہ وہ خدا کو ملاوے اور خدا کی ہستی کے بارہ میں یقین کے درجہ تک پہنچا دے اور خدا کی عظمت اور ہیبت دل میں بٹھا کر گناہ کے ارتکاب سے روک دے ورنہ ہم ایسی کتاب کو لیکر ہیں جو نہ دل کا گندہ دور کر سکتی ہے اور نہ ایسی پاک اور کامل معرفت بخش سکتی ہے جو گناہ سے نفرت کرنے کا موجب ہو سکے۔ یاد رہے کہ گناہ کی رغبت کا جذام نہایت خطرناک جذام ہے اور یہ جذام کسی طرح دور ہی نہیں ہو سکتا جب تک کہ خدا کی زندہ معرفت کی تجلیات اور اس کی ہیبت اور عظمت اور قدرت کے نشان بارش کی طرح وارد نہ ہوں اور جب تک کہ انسان خدا کو اس کی مہیبت و قوت کے ساتھ ایسا نزدیک نہ دیکھے جیسے وہ کبریٰ کہ جب شیر کو دیکھتی ہے کہ صرف وہ اس سے دو قدم کے فاصلہ پر ہے انسان کو یہ ضرورت ہے کہ وہ گناہ کے مہلک جذبات سے پاک ہو اور اس قدر خدا کی عظمت اس کے دل میں بٹھ جائے کہ وہ بے اختیار کرنے والی انسانی شہوات کی خواہش کہ جو بھلی کی طرح اس پر گرتی اور اس کے تقویٰ کے سرملیہ کو ایک دم میں جلا دیتی ہے وہ دور ہو جائے مگر کیا

وہ ناپاک جذبات کہ جو مرگی کی طرح بار بار پڑتے ہیں اور پرہیزگاری کے ہوش و حواس کو کھو دیتے ہیں وہ صرف اپنے ہی خود تراشیدہ پریشیر کے تصور سے دُرد ہو سکتے ہیں یا صرف اپنے ہی تجویز کردہ خیالات سے دب سکتے ہیں اور یا کسی ایسے کفارہ سے رُک سکتے ہیں جس کا دُکھ اپنے نفس کو چھوا بھی نہیں؟ ہرگز نہیں یہ بات معمولی نہیں بلکہ سب باتوں سے بڑھ کر عقلمند کے نزدیک غور کرنے کے لائق ہی بات ہے کہ وہ تباہی جو اس بے باکی اور بے تعلقی کی وجہ سے پیش آنی والی ہے جس کی اصلی جڑ گناہ اور معصیت ہے اُس سے کیونکر محفوظ رہے یہ تو ظاہر ہے کہ انسان یقین لذات کو محض طغی خیالات سے چھوڑ نہیں سکتا ہاں ایک یقین دوسرے یقینی امر سے دست بردار کر سکتا ہے مثلاً ایک ہی کے متعلق ایک یقین ہے کہ اس جگہ سے کئی ہرن ہم باسانی پکڑ سکتے ہیں اور ہم اس یقین کی تحریک پر قدم اٹھانے کے لئے مستعد ہیں مگر جب یہ دوسرا یقین ہو جائے گا کہ وہاں پچاس شیر بھی موجود ہیں اور ہزار ہا خور و خوار اڑ رہا بھی ہیں جو منہ کھولے بیٹھے ہیں تب ہم اس ارادہ سے دستکش ہو جائیں گے۔ اسی طرح بغیر اس درجہ یقین کے گناہ بھی دُور نہیں ہو سکتا۔ لوہا لوہے سے ہی ٹوٹتا ہے خدا کی عظمت اور ہیبت کا وہ یقین چاہئے جو غفلت کے پردوں کو پاش پاش کر دے اور دِل پر ایک لہرہ ڈال دے اور موت کو قریب کر کے دکھلا دے اور ایسا خوف دِل پر غالب کرے جس سے تمام تار و پود نفسِ مادہ کے ٹوٹ جائیں اور انسان ایک غیبی ہاتھ سے خدا کی طرف کھینچا جائے اور اُس کا دِل اس یقین سے بھر جائے کہ درحقیقت خدا موجود ہے جو بے باک مجرم کو بے سزا نہیں چھوڑتا۔ پس ایک حقیقی پاکیزگی کا طالب ایسی کتاب کو کیا کرے جس کے ذریعہ سے یہ ضرورت رفع نہ ہو سکے؟

اُس لئے میں ہر ایک پر یہ بات ظاہر کرتا ہوں کہ وہ کتاب جو ان ضرورتوں کو پورا کرتی ہے وہ قرآن شریف ہے اُس کے ذریعہ سے خدا کی طرف انسان کو ایک کشش پیدا ہو جاتی ہے اور دُنیا کی محبت سرد ہو جاتی ہے اور وہ خدا جو نہایت نمل در نہاں ہے اُسکی پیروی

سے آخر کار اپنے تئیں ظاہر کرتا ہے اور وہ قادر جس کی قدرتوں کو غیر قومیں نہیں جانتیں قرآن کی پیروی کرنے والے انسان کو خدا خود دکھا دیتا ہے اور عالم ملکوت کا اُس کو سیکھاتا ہے اور اپنے انا الموجد ہونے کی آواز سے آپ اپنی ہستی کی اُس کو خبر دیتا ہے مگر وید میں یہ ہنر نہیں ہے ہرگز نہیں ہے اور وید اُس بوسیدہ گٹھری کی مانند ہے جس کا مالک مرنے والے اور یا جس کی نسبت پتہ نہ لگے کہ یہ کس کی گٹھری ہے۔ جس پر ہمیشہ کی طرف وید بتاتا ہے اُس کا زندہ ہونا ثابت نہیں ہوتا بلکہ وید اس بات پر کوئی دلیل قائم نہیں کرتا کہ اُس کا پریشہ موجود بھی ہے اور وید کی گمراہ کنندہ تعلیم نے اس بات میں بھی رشتہ ڈال دیا ہے کہ مصنوعات سے صانع کا پتہ لگایا جائے کیونکہ اس کی تعلیم کی رُو سے ارواح اور پرالو یعنی ذرات سب قدیم اور غیر مخلوق ہیں۔ پس غیر مخلوق کے ذریعہ سے صانع کا کیونکر پتہ لگے۔ ایسا ہی وید کلام الہی کا دروازہ بند کرتا ہے اور خدا کے تازہ نشانوں کا منکر ہے اور وید کی رُو سے پریشہ اپنے خاص بندوں کی تائید کے لئے کوئی ایسا نشان ظاہر نہیں کر سکتا کہ جو معمولی انسانوں کے علم اور تجربہ سے بڑھ کر ہو پس اگر وید کی نسبت بہت ہی حسن ظن کیا جائے تو اس قدر کہیں گے کہ وہ صرف معمولی سمجھ کے انسانوں کی طرح خدا کے وجود کا اقرار کرتا ہے اور خدا کی ہستی پر کوئی یقینی دلیل پیش نہیں کرتا غرض وید وہ معرفت عطا نہیں کر سکتا جو تازہ طور پر خدا کی طرف سے آتی ہے اور انسان کو زمین سے اٹھا کر آسمان تک پہنچا دیتی ہے مگر ہمارا مشاہدہ اور تجربہ اور اُن سب کا جو ہم سے پہلے گزر چکے ہیں اس بات کا گواہ ہے کہ قرآن شریف اپنی روحانی خاصیت اور اپنی ذاتی روشنی سے اپنے سچے پیروں کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور اُس کے دل کو منور کرتا ہے اور پھر بڑے بڑے نشان دکھاتا کہ خدا سے ایسے تعلقات مستحکم بخش دیتا ہے کہ وہ ایسی تلوار سے بھی ٹوٹ نہیں سکتے جو ٹکڑے ٹکڑے کرنا چاہتی ہے وہ دل کی آنکھ کھولتا ہے اور گناہ کے گندے چشمہ کو بند کرتا ہے اور خدا کے لذیذ مکالمہ مخاطبہ سے شرف بخشتا ہے اور علوم غیبی عطا فرماتا ہے اور دُعا قبول کرنے

ہر اپنے کلام سے اطلاع دیتا ہے اور ہر ایک جو اُس شخص سے مقابلہ کرے جو قرآن شریف کا سچا پیرو ہے خدا اپنے ہمیت تک نشانوں کے ساتھ اس پر ظاہر کر دیتا ہے کہ وہ اُس بندہ کے ساتھ ہے جو اس کے کلام کی پیروی کرتا ہے جیسا کہ اُس نے لیکھرام پر ظاہر کیا اور اُس کی موت ایسی حالت میں ہوئی کہ وہ خوب سمجھتا تھا کہ خدا نے اُس کی موت سے اسلام کو سچائی پر مہر لگا دی۔ غرض اس طرح پر خدا اپنے زندہ تصرفات سے قرآن شریف کی پیروی کرنے والے کو کھینچتا کھینچتا قرب کے بلند مینار تک پہنچا دیتا ہے جو لوگ ہمیں دید کی طرف ملتے ہیں اُن کی ایسی مثال ہے کہ جیسا کہ اندھا سو جا کھے کو کہے کہ میرے پیچھے چل۔ وہ دائمی رستہ اور سرور جس کا فطران انسان طالب ہے اور جس کے بغیر وہ جہنمی زندگی میں مبتلا ہے وہ کیونکر انسان کو حاصل ہو سکتا ہے جب تک اُس کو اپنے ذاتی مشاہدہ سے یہ بھی خبر نہیں کہ خدا موجود بھی ہے اور کیونکر ایسی کتابوں سے جو محض قصوں کے رنگ میں ہیں وہ شیریں پھل مل سکتا ہے جو حقیقی معرفت کے نام سے موسوم ہے۔

اور یہ بھی ایک یقینی اور واقعی بات ہے کہ خدا کی راہ میں کوشش کرنے کے لئے امید کا پایا جانا بھی ضروری ہے جو شخص ایک بندہ کٹھے میں یہ خیال کرے کہ اس میں اُس کا ایک عزیز ضرور مخفی ہے آواز دیتا ہے اور آواز پر آواز مارتا ہے کہ اے عزیز! میں حاضر ہوں تو باہر نکل اور مجھ سے ملاقات کر اور اُس کو کوئی جواب نہیں ملتا تب وہ خیال کرتا ہے کہ شاید سوتا ہے اور اُس کے دروازہ پر صبر کر کے بیٹھتا ہے یہاں تک کہ جو سونے کا وقت اندازہ کیا جاتا ہے وہ بھی گزر جاتا ہے بلکہ اس کو ٹھٹھی میں اس بات کے کچھ بھی آثار ظاہر نہیں ہوتے کہ اس میں کوئی زندہ موجود ہے تب اُس شخص کی امید آہستہ آہستہ کم ہوتی جاتی ہے اور جب اندازہ اور تخمینہ سے وقت گزر جاتا ہے تب امید بالکل منقطع ہو جاتی ہے اور پھر وہ شخص اس دروازہ پر بیٹھا لا حاصل جانتا ہے۔ اسی طرح جب انسان خدا کی طرف قدم اٹھاتا ہے اور ایک عزم گزرنے کے بعد بھی اس طرف سے کوئی آواز نہیں آتی اور زندہ خدا کے کوئی آثار اُس پر

ظاہر نہیں ہوتے تب اُس کی تمام امیدیں پاش پاش ہو جاتی ہیں اور بجائے اس کے کہ وہ ترقی کرے تنزل کی طرف بھگتا ہے یہاں تک کہ ایک دن دہریوں کے رنگ میں ہو جاتا ہے اس سے ثابت ہے کہ مبارک وہی کتاب ہے کہ جو اپنے تازہ نشانوں سے امید کو دن بدن بڑھاتی ہے اور خدا کے ملنے کے آثار ظاہر کرتی ہے۔ انسان کی تمام کوششیں امید پر مبنی ہیں جس زمین کی نسبت یہ امید ہی نہیں کہ اس سے پانی نکلے گا اس کے کھودنے کے لئے انسان اپنا وقت ضائع نہیں کر سکتا۔ اگر تھوڑی کوشش کا نتیجہ انسان دیکھو تو بہت بھی کر سکتا ہے لیکن اگر کچھ بھی نتیجہ ظاہر نہ ہو تو رفتہ رفتہ ایمانی منقطع ہو جاتی ہے آخر خدا کو چھوڑ کر دنیا کی طرف بھجک جاتا ہے۔

دنیا کے علوم میں انسان خواہ کتنی ہی ترقی کرے اور خواہ کیسا ہی وہ طبعی اور ہیئت کا ماہر بن جائے اور خواہ دنیا کے مکمل اسباب اور ایجادوں میں کتنی ہی فوقیت حاصل کرے مگر پھر بھی یہ غفلت کمالات اُس کو خدا تک نہیں پہنچا سکتے بلکہ اور بھی دل سخت کر دیتے ہیں اور ایک ناحق کی مشغلت اور تکبر کا موجب ہو جاتے ہیں۔ تمام لاستبازوں کے تجربے سے فیصلہ شدہ بات ہے کہ خدا کو بجز خدا کی ہی تجلی اور توجہ کے پانہیں سکتے اور اگر کوئی ایسی الہامی کتاب ہے کہ اپنی زندہ طاقت سے ہمارے لئے کوئی دروازہ نہیں کھولتی اور صرف ہمارے ہی دماغی خیالات کے ہمیں حوالہ کرتی ہے تو اس کا ہم پر کیا احسان ہے اور کوئی نئی معرفت ہم کو عطا کرتی ہے کیا اس قدر معرفت ہم خود حاصل نہیں کر سکتے وہ کیسا پریشیر ہے جو خود آریوں کے ہی دماغی خیالات کا ایک نتیجہ ہے اور اُس نے اپنے وجود کو اُن پر ظاہر نہیں کیا بلکہ وہ اس کو خود ظاہر کر رہے ہیں ایسا پریشیر تو ایک جو ہے کے وجود سے بھی گرا ہوا ہے۔ چوں کہ اسی وقت اپنے پھر نے چلنے اور اپنی تیز حرکت یا کسی چیز کو کاٹنے سے خبر دے دیتا ہے کہ میں موجود ہوں مگر دیکھا پریشیر تو اس قدر بھی خبر نہیں دے سکتا کچھ معلوم نہیں کہ اب وہ اس زمانہ میں زندہ بھی ہے یا نہیں پس ایسے پریشیر کو قبول کرنا جائز ہے غار ہے

میں سے اپنی ہستی کی خبر دینے میں ایک چوہا بھی سبقت لے جاتا ہے اور عقل سلیم ایسے خدا کی طرف رہنمائی نہیں کر سکتی جو اپنا وجود آپ ظاہر نہیں کر سکتا۔

## اسلام میں معمولی مذاہب سے زیادہ کیا بات ہے؟

اگرچہ یہ زمانہ مذہبی جنگوں کا زمانہ ہے اور ہر ایک شخص خواہ تہذیب سے اور خواہ غیر تہذیب سے یہی کوشش کر رہا ہے کہ اپنے مذہب کی حقانیت دوسروں پر ظاہر کرے لیکن یہ عجیب خدا کی قدرت ہے کہ باوجودیکہ ہمارے اس زمانہ میں ہزاروں مذاہب پھیل رہے ہیں مگر بجز اسلام کے ہر ایک مذہب صرف اپنی خشک منطق سے خدا کو ثابت کرنا چاہتا ہے یہ نہیں کہ خدا اس مذہب کے پیروؤں پر اپنا چہرہ آپ ظاہر کرے پس دوسرے مذاہب کو یا اپنے خدا پر احسان کر رہے ہیں کہ اُس کے گم گشتہ وجود کا محض اپنے زور بازو سے پتہ لگانا چاہتے ہیں مگر طالب حق جیسے پریشور خدا سے تسلی نہیں پاسکتا جس پر اس قدر کمزوری اور ناتوانی غالب ہے کہ ایک بے جان چیز کی طرح اپنے ظہور اور بروز میں دوسرے کے ہاتھ کا محتاج ہے۔ ظاہر ہے کہ جب تک خدا اپنے وجود کا آپ پتہ نہ دے اور اپنی اقامت وجود کی آواز سے اپنی ہستی کو آپ ظاہر نہ کرے تب تک انسان کا صرف اپنا یک طرفہ خیال .... کہ خدا موجود ہے کب کسی دل کو پورے یقین تک پہنچا سکتا ہے اور ظاہر ہے کہ تمام اعمال حسنہ کی بنیاد یقین ہے اور یقین ہی کے پاک چشمہ سے نیک اعمال نشوونما پاتے ہیں خدا کا وجود ایسا یقین دہیق اور نماں دہ نماں ہے کہ بجز خدا کے ہی ہاتھ کے حل نہ ہوا نہیں ہو سکتا اور خدا کی سچی اطاعت اور صدق اور خالص محبت اور وفاداری کا سبق وہی کتاب دے سکتی ہے جس کے آئینہ میں سے خدا خود اپنا چہرہ نمودار کرتا ہے یہ قدرتی

امر ہے کہ انسان خدا کی راہ میں پوری وقاداری دکھلا نہیں سکتا اور نہ گناہ سے باز آ سکتا ہے جب تک کہ پورے یقین کے ساتھ خدا کی ہستی اور اس کی عظمت اور جلال اُس پر ظاہر نہ ہو اور مجر اُس کے کوئی کفارہ انسان کو گناہ سے روک نہیں سکتا پس گناہ سے محفوظ رہنے اور صدق اور وقاداری اور محبت میں ترقی کرنے کے لئے جس امر کو تلاش کرنا چاہئے وہ محض اسلام میں موجود ہے نہ کسی اور مذہب میں۔ اور اس سے میری مراد وہ نشان ہیں جو تازہ بتازہ اسلام میں ہمیشہ ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ اور میں کچھ بچہ کہتا ہوں کہ خدا کا وجود جو اس زمانہ میں ایک حل طلب معما کی طرح ہو رہا ہے اور اُس کے چمکتے ہوئے جوہر پر دہریت کے خیالات نے ہزار ہا گرد و غبار ڈال دئے ہیں اُس پاک جوہر کی چمک ظاہر کرنے کے لئے اُسی کے فوق العادت فشان ذریعہ ہو سکتے ہیں اور نور انسان کی نجات اسی چمک پر موقوف ہے نہ کہ الٰہی بنادنی منصوبہ پر جس صلیب پر عیسائیوں کا بھروسہ ہے وہ گتہ سے تو نہیں چھڑا سکی لیکن خدا کی راہ میں نیک کاموں کے بجالانے سے پھڑا دیا اور سُست کر دیا ہے اور اس سے بڑھ کر اور کیا گناہ ہو گا کہ ایک عاجز انسان کو خدا کی جگہ دی گئی ہے اور دُنیا کے لئے سب کچھ کیا جاتا ہے لیکن خدا کے راہ میں ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ گئے ہیں اور ان کے نزدیک جو کچھ ہے یہی کفارہ ہے اور اس سے آگے خدا کی راہ کی تلاش کی ضرورت نہیں اور وہ اپنے خیال میں ایسی منزل پر پہنچ گئے ہیں جو آخری منزل ہے پس کوئی ڈاکو کسی کو ایسا نقصان نہیں پہنچا سکتا جیسا کہ اس کو مارہ نے ان کے پہنچایا ہے۔ اس پر شدید طاقت سے وہ لوگ بالکل بے خبر ہیں جس کے قبضہ قدرت میں یہ بات داخل ہے کہ اگر چاہے تو ایک دم میں ہزار مسیح ابن مریم بلکہ اس سے بہتر پیدا کر دے پناہ خاں نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کر کے ایسا ہی کیا مگر یہ اندھی دُنیا اُس کو شہادت نہ کر سکی وہ ایک نور تھا جو دُنیا میں آیا اور تمام نوروں پر غالب آگیا اُس کے نور نے ہزاروں دلوں کو منور کیا اور اُسی کی برکت کا یہ راز ہے کہ روحانی مدد اسلام سے منقطع



نہیں ہوئی بلکہ قدم بقدم اسلام کے ساتھ چلی آتی ہے۔ ہم ایسی تازہ بہ تازہ برکتیں اُس نبیؐ کے دائمی فیض سے پاتے ہیں کہ گویا اس زمانہ میں بھی وہ نبی ہم میں موجود ہے اور اس وقت بھی اس کے فیوض ہماری ایسی ہی رہنمائی کرتے ہیں کہ جیسا اس پہلے زمانہ میں کرتے تھے۔ اُس کے ذریعہ سے ہمیں وہ پانی ملا ہے جس کی ضرورت ہر ایک پاک فطرت محسوس کر رہی ہے وہ پانی بڑی سرعت سے ہمارے ایمانی درخت کو نشوونما دے رہا ہے اور ان مشکلات سے ہم نے رہائی پائی ہے جن میں دوسرے لوگ گرفتار ہیں اور اگر کسی کو ہم میں سے ابتدائی مرحلہ میں .... مشکلات معلوم بھی ہوں مگر وہ ایسی نہیں ہیں جو آگے قدم بڑھانے سے مغلوب اور رُف نہ ہو سکیں۔ اسلام میں آگے قدم بڑھانے کا وسیع میدان ہے نہ یہ کہ آریلوں کی طرح تمام دین اس پر ختم ہے کہ ایک بدی کا ارتکاب کر کے پھر اسی زندگی میں اس بدی کے تدارک کا راہ مسدود ہے جب تک کہ بے شمار مجرمین نہ بھگتی جائیں اور نہ عیسائیوں کی طرح آخری دور صرف مسیح کے کفارہ تک ہے دیں۔ ایسے تنگ خیالات ہرگز عزت اور قد کے لائق نہیں کہ انسانی قوتوں کو یا تو سراسر بیکار ٹھہراتے ہیں اور یا ان کو معطل رہنے کی تعلیم دیتے ہیں اور پھر نتیجہ کچھ نہیں۔

میں نے اپنی کتاب حقیقۃ الوحی میں بہت سے ایسے نشان لکھے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ خدا جس کی شناخت اور محبت ہماری عین نجات ہے وہ اسلام کے ذریعہ سے ہی ملتا ہے اور اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو اپنے زندہ نشانوں کی

وجہ کہ انہیں کے نزدیک دنیا سزا کا گھر ہے اور کسی قدر جزا کا بھی یعنی ان کے بدلہ کا گھر اور ایک کریم خدا جو اپنے گناہ کی شامت کو تلافی کا گھر ہے جہاں وہ سزا بھگت کر فی الفور اسی دنیا میں بجائے کتے کے آدمی بنایا جاتا ہے جو ان کا تماشہ اور کشمیر خود دیکھ لیتے اور تاسخ کا قطعی ثبوت مل جاتا۔ کس قدر یہ فضول بات ہے کہ ہنر تو اسی دنیا میں دی گئی تھی اور نیز ایک جن کے موصوفہ مری جو بھی اسی دنیا میں ملتی تھی۔ پھر ناحق رُوح کو نکال کر کہیں کا کہیں لے گئے اس بے جا کاؤٹائی سے فائدہ کیا ہوا۔ آخر مرنے کے لئے رُوح کو پھر دنیا میں واپس آنا پڑا کیونکہ وہ دوبارہ ہے ہر منہ

پھری سے دہریت کے بحوث کو ذبح کر رہا ہے اور ناستک مت کی ٹیکل کو توڑ رہا ہے۔  
 میں جو ان تھا اور اب بوڑھا ہو گیا مگر میں اپنے ابتدائی زمانہ سے ہی اس بات کا گواہ  
 ہوں کہ وہ خدا جو ہمیشہ پوشیدہ چلا آیا ہے وہ اسلام کی پیروی سے اپنے تئیں ظاہر کر رہا  
 ہے اگر کوئی قرآن شریف کی کچی پیروی کرے اور کتاب اللہ کو منشاء کے موافق اپنی اصلاح کی  
 طرف مشغول ہو اور اپنی زندگی نہ دنیا داروں کے رنگ میں بلکہ خدامِ دین کے طور بنا دے اور  
 اپنے تئیں خدا کی راہ میں وقت کر دے اور اس کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم  
 سے محبت رکھے اور اپنی خود نمائی اور تکبر اور عجب سے پاک ہو اور خدا کے جلال اور عظمت  
 کا ظہور چاہے نہ یہ کہ اپنا ظہور چاہے اور اس راہ میں خاک میں مل جائے تو آخری نتیجہ اس  
 کا یہ ہوتا ہے کہ مکالمات اللہ پر عربی فصیح بلیغ میں اس سے شروع ہو جاتے ہیں اور وہ کلام  
 لذیذ اور باشوکت ہوتا ہے جو خدا کی طرف سے نازل ہوتا ہے حدیث النفس نہیں ہوتا۔  
 حدیث النفس کا کلام آہستہ ہوتا ہے جیسا کہ ایک محنت یا بیمار بولتا ہے مگر خدا کا کلام  
 پر شوکت ہوتا ہے اور اکثر عربی زبان میں ہوتا ہے بلکہ اکثر آیات قرآنی میں ہوتا ہے اور  
 جو کچھ ہمارے تجربہ میں آیا ہے وہ یہ ہے کہ اول دل پر اس کی سخت ضرب محسوس ہوتی

اس راہ میں یعنی اللہ کے بلکہ میں ہمارا تجربہ ہے کہ تھوڑی سی غنودگی ہو کر اور بعض اوقات بغیر غنودگی کے خدا کا کلام کلمہ بکلمہ  
 ہرگز زبان پر جاری ہوتا ہے جب ایک کلمہ ختم ہو چکا ہے تو حالت غنودگی جاتی رہتی ہے پھر لہجہ کے کسی سوال سے یا خود  
 بخود خدا تعالیٰ کی طرف سے دوسرا کلمہ اللہ ہوتا ہے اور وہ بھی اسی طرح کہ تھوڑی غنودگی دار ہو کر زبان پر جاری ہو جاتا ہے  
 اسی طرح بسا اوقات ایک وقت میں کلمہ بلیغ لذیذ فقرے غنودگی کی حالت میں زبان پر جاری ہوتے جاتے  
 ہیں پھر ایک فقرے کے بعد غنودگی دُور ہو جاتی ہے صوفیہ فقرے یا تو قرآن شریف کی بعض آیات ہوتی ہیں یا ان کے مشابہ  
 ہوتے ہیں۔ اور اکثر علو غیبیہ پر مشتمل ہوتے ہیں۔ ان میں ایک حرکت ہوتی ہے اور دل پر اثر کرتے ہیں اور ایک  
 لذت محسوس ہوتی ہے اس وقت دل نور میں غرق ہوتا ہے گویا خدا اُس میں نازل ہے۔ اور دراصل اس کو اللہ ہی نہیں  
 کہنا چاہئے۔ بلکہ یہ خدا کا کلام ہے۔ منہ



یہ بات یہ ہے کہ بغیر امتیاز مذہب و مشرب اور نیک اور بد ہونے کے ہر ایک فرقہ کے لوگ  
 خواہیں دیکھتے ہیں اور بعض خویں بھی تخلقی ہیں بلکہ بعض فاسقوں اور فاجروں اور شرکوں کی بھی  
 خویں بھی تخلقی ہیں اور الہام بھی ہوتے ہیں گمراہ سے خدا کے مرسلوں اور میوں کا سلسلہ مشتبه  
 نہیں ہو سکتا بلکہ یہ عالم لوگوں کی خواہیں بھی انہیں کی گواہی کے لئے ہیں تا ایک دانشمند سمجھ لے کہ خدا  
 کے الہام کی تحریر ہی ہر ایک فطرت میں اس لئے کی گئی ہے کہ تاہر ایک فطرت خدا کے میوں کے  
 لئے بطور گواہ کے ہو جائے اور الہام نبوت کو غیر ممکن نہ سمجھ لیں اور ظاہر ہے کہ جیسا ایک درجہ  
 سے کوئی بادشاہ نہیں کہلا سکتا اور یہ نہیں کہہ سکتا کہ جو کچھ بادشاہ کے خزانوں میں ہے وہ میرے  
 پاس بھی ہے۔ ایسا ہی کسی خواب یا الہام کے سچا ہونے سے کوئی شخص نہیں کہہ سکتا کہ میں ان روحانی  
 بادشاہوں کے برابر ہوں جو نبی اور رسول ہیں اور اگر ایسا کرے تو وہ ہلاک کیا جائے گا کیونکہ اُن نے  
 گستاخی کی۔ خدا کے برگزیدوں کا ایک یہ بھی معجزہ ہوتا ہے کہ جو شخص گستاخی کرے اُن کا مقابلہ  
 کرے تو انجام کار یا تو وہ شخص ہلاک ہو جاتا ہے یا سخت ذلیل کیا جاتا ہے۔ یہ لوگ آسمانی سلطنت  
 کے مقرب ہوتے ہیں اور خدا کی غیرت نہیں چاہتی کہ جو شخص اُن میں سے نہیں ہے وہ اُن  
 کے ساتھ برابری کرے اور اُن کی کرسی پر بیٹھے اس لئے خدا ایسے گستاخوں کو سزا دیکر دنیا پر  
 ظاہر کرتا ہے کہ اس کے برگزیدہ اُس کی جناب میں کس قدر عزت رکھتے ہیں غرض وہ خدا کی  
 طرف سے اُس کے دین کے لئے حجۃ اللہ ہوتے ہیں اور آسمانی نشان اُن کے ذریعہ سے ظاہر  
 ہوتے ہیں یا بہ تبدیل الفاظ ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ وہ روحانی علوم کے سکھانے کے لئے ایسے  
 استاد ہیں جو ذاتی مشاہدات اور تجربہ سے معارف دینیہ پر اطلاع رکھتے ہیں۔ یہ سیکتا سلسلہ  
 غلطی ہے کہ دنیا کے فلاسفوں سے بڑھ کر کس استاد کی حاجت ہے کیونکہ دنیا کے فلاسفوں  
 کی صرف اس حد تک رسائی ہے جو حواس ظاہری یا باطنی کے حدود ہیں مگر ان حواس سے بالاتر  
 ایک اور عالم ہے جو روحانی حواس سے معلوم ہوتا ہے جو خدا کے برگزیدوں کو کامل طور پر پڑنے  
 جاتے ہیں اور اس عالم کا انکشاف تجز ذریعہ اُن برگزیدوں کے غیر ممکن ہے جن کو یہ حواس

کمال طور پر عطا کئے جاتے ہیں اور جبکہ خدا نے ظاہری چیزوں کے معلوم کرنے کے لئے ظاہری حواس عطا فرمائے ہیں اور علوم معقولہ کے دریافت کرنے کے لئے جو امور باطنیہ ہیں حواس خمسہ باطنی عطا کئے ہیں پس اس صورت میں صاف طور پر سمجھا سکتا ہے کہ ایسے امور جو عقل سے بالاتر ہیں ان کے دریافت کے لئے بھی خدا نے کوئی ذریعہ رکھا ہوگا سو وہ ذریعہ وحی اور کشف ہے اور جیسا کہ انسانی فطرت کے لئے یہ دائمی عطیہ ہے کہ مجیز ان لوگوں کے جو ہر سے اور اندھے یا دیوانے ہوں ہر ایک انسان کو حواس خمسہ ظاہری اور باطنی اب بھی حسب تفاوت مراتب عطا ہوتے ہیں یہ نہیں کہ صرف پہلے عطا ہوتے تھے اور اب نہیں۔ ایسا ہی خدا کا قانون قدرت روحانی حواس کے لئے بھی اسی کے مطابق ہے کہ اب بھی وحی اور کشف کے حواس حسب مراتب ملتے ہیں اور جو اعلیٰ درجہ کی استعداد رکھتے ہیں وہ ان روحانی حواس میں سب سے بڑھ جاتے ہیں اور جو کتاب انسانوں کو تعلیم دے کہ وہ روحانی حواس اب نہیں ملتے بلکہ پہلے کسی زمانہ میں مل چکے وہ کتاب خدا کی طرف سے نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ نہ صرف قانون قدرت کے برخلاف بلکہ مشاہدہ اور تجربہ کے بھی برخلاف ہے۔ اور روحانی معلوموں کی یہی نشانی ہے کہ وہ صرف ان اخبار غیبیہ کو نہیں بتلاتے ہیں کہ جو دنیا کی ابتدا میں ظاہر ہو چکے ہیں اور نہ محض ان اخبار غیبیہ کی خبر دیتے ہیں جو اس عالم کے القطر کے بعد ظاہر ہوں گے بلکہ ان اخبار غیبیہ سے بھی مطلع فرماتے ہیں جو وقتاً فوقتاً اس دنیا میں ظاہر ہوتے ہیں کیونکہ جو امور غیبیہ ہماری نظر کے سامنے نہیں اور جن کو ہم آزمائے ان کا صدق و کذب ظاہر نہیں کر سکتے وہ کسی سچے نبی اور رسول کی علامت نہیں ہو سکتے کیونکہ دنیا سے پہلے اور دنیا کے بعد کی خبریں دینا ایک ایسی سہل اور آسان بات ہے جس کو ایک جھوٹا اور مغتری بھی بیان کر سکتا ہے کیونکہ ایسی خبریں آزمائش اور تجربہ کی حد سے باہر ہیں مثلاً فقط یہی غیب کی خبریں دینا کہ پہلے صرف مولیٰ گاہر کی طرح بہت سے افسانہ زمیں میں سے پیدا ہو گئے تھے اور نیز یہ خبر کہ پرمیشہ ہمیشہ آریہ ورت میں ہی اپنی کتاب نازل کرتا رہا ہے اور ویدک سنسکرت ہی خدا کا کلام ہے اور نیز یہ کہ مرنے

کے بعد ایک معادی مکتی ہوگی اور انہیں کوٹے گی جو بید کی تعلیم کے موافق عمل کرتے ہیں۔ یہ اخبار غیبیہ نہیں کہلا سکتے بلکہ ہر ایک مغربی ایسی باتیں کہہ سکتا ہے اس لئے خدا کے بچے رسول مبدوء و معاد کے اخبار کے ساتھ دنیا کے متعلق بہت سے اخبار غیبیہ بتلاتے ہیں تاہن کے نبوت کے ذریعہ مبدوء و معاد کی خبریں بھی ثابت ہوں۔ یہ کس قدر فریب ہے کہ صرف مبدوء و معاد کی خبریں دین اور دنیا کے متعلق کوئی خبر غیب ظاہر نہ کریں اسی بنیاد پر ویسے پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اگر وہ اخبار غیبیہ کے بیان کرنے پر قادر تھا تو اپنی اس قدرت کا یہ نمونہ اُس نے دنیا کے اخبار کے متعلق کیوں نہ دکھلایا اگر وہ خدا کا کلام تھا تو چاہئے تھا کہ دنیا کے متعلق بھی اخبار غیب بتلاتا تا اس کا صدق آزمایا جاتا صرف مبدوء و معاد کی نسبت غیب کی خبر دیتا تو ایسا ہے جیسا کہ کوئی سمندر کے عمیق اور گرداب کی جگہ کی طرف اشارہ کر کے کہے کہ میں پیش گوئی کرتا ہوں کہ اس کے نیچے ایک خزانہ ہے تم اپنی کوشش سے نکال لو اسویہ پیش گوئی تو ایک تمسخر ہے اور سچائی کا اس میں نشان نہیں۔ قرآن شریف صرف مبدوء و معاد کی نسبت خبریں نہیں دیتا بلکہ وہ غیب کی خبریں بھی اس میں ہیں جو ہر ایک زمانہ کے لوگ اُن کی سچائی کے گواہ ہیں۔ ہر ایک انسان سمجھ سکتا ہے کہ کتاب اللہ کے لئے مبدوء و معاد کی خبریں دینا اس لئے ضروری ہیں کہ تا انسان معلوم کرے کہ پہلے خدا کے فضل نے کیونکر اس کو خلعت وجود بخشا اور پھر بعد تکمیل نفس اس پر کیا کیا فضل ہوگا اور کتاب اللہ کے لئے دنیا کے امور غیبیہ سے اطلاع دینا اس لئے ضروری ہے کہ تا جو مبدوء و معاد کی نسبت خبریں دی گئی ہیں اُن پر یقین آجائے اس لئے ہر ایک سچا رسول دنیا کے امور غیبیہ کی نسبت بھی خبریں دیتا آیا ہے مگر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قدم سب سے بڑھ کر ہے کیونکہ آنجناب کی اخبار غیبیہ صرف اُس زمانہ تک ختم نہیں ہوئیں بلکہ ہمارے زمانہ تک بھی اُن کا سلسلہ جاری ہے۔ انسان کی طبیعت ایسی واقع ہوئی ہے کہ وہ بغیر تجربہ کے کسی امر کا قائل نہیں ہو سکتا اور نہ قائل ہونا چاہئے کسی جھوٹے کی خبر دی کر کے ہلاک ہونا نہ چاہئے پس اسی وجہ سے عادت اللہ قدیم سے اس طرح

پر جاری ہے کہ جو خدا کی طرف سے رسول آتے ہیں اُن کو خدا ایسے امور غیبیہ پر اطلاع دیتا ہے جن کا علم انسانی طاقتوں سے برتر ہوتا ہے پس جب اُن کی وہ پیشگوئیاں بکثرت پوری ہو جاتی ہیں جو دنیا کے حالات کے متعلق ہیں تو وہی پیشگوئیاں اُن خبروں کے لئے معیار ہو جاتی ہیں جو برگزیدہ لوگ مبدء اور معاد اور اپنی رسالت کی نسبت میتے ہیں لیکن افسوس کہ موجودہ دید اس طریق سے بالکل تہی دست اور محروم ہے اور اس کے ساتھ کوئی تائید اور نصرت حق پائی نہیں جاتی اگر اُس نے مبدء اور معاد کی نسبت کچھ خبریں دی ہیں تو کیونکر سمجھا جائے کہ وہ کچھ خبریں ہیں کیونکہ مبدء اور معاد کی نسبت کوئی قطعی فیصلہ تو عقل کر نہیں سکتی اور اس راہ میں اس قدر عقل حیران اور حواس باختہ ہے کہ آج تک محض عقل کے ذریعہ سے خدا کی شناخت بھی نہ ہو سکی اور ہزاروں انسان جو بڑے بڑے عقلمند کہلاتے تھے اور بڑے بڑے علوم عقلیہ کے موجب تھے آخر کار وہ دہتر ہو کر مر گئے اور اُن کو یہ بھی پتہ نہ لگا کہ خدا موجود ہے تو پھر مبدء اور معاد کی نسبت کیونکر صرف عقل کوئی صحیح اور قطعی فیصلہ کر سکتی ہے پس بلاشبہ مبدء اور معاد کی خبریں خواہ وہ زید نے اور خواہ بکر بیان کرے کسی دوسرے کمال ذریعہ سے تصدیق کی محتاج ہیں سو وہ ذریعہ خدا کے پاک نبیوں کی وہ پیشگوئیاں ہیں جو دنیا میں آفتاب کی طرح ظاہر ہو کر اپنا صدق دکھا دیتی ہیں مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ معظم میں اُس گمنامی کے زمانہ میں اسلام کے عروج اور شوکت اور ترقی کی خبر دینا جب کہ آپ کہ معظم کی گلیوں اور کوچوں میں محض تنہا پھرتے تھے اور کوئی آثار کامیابی کے نمایاں نہ تھے محض تنہا پھرتے تھے اور آپ کا ایسے زمانہ میں اپنے عالمگیر اقبال کی پیشگوئی کرنا جب کہ یہ راستہ ظاہر کرنا بھی منہی کے لائق سمجھا جاتا تھا کہ ایسا بیس اور گمنام شخص بھی بادشاہی کے دربار تک پہنچے گا اور اُس کا آسمانی تاج و تخت زمین پر بھی اپنا زبردست اور فوق العادت کرشمہ دکھائے گا۔ بلاشبہ ایسی خبریں انسانی طاقت سے باہر ہیں اور پھر وہ خبریں ایسی صفائی سے پوری ہو گئیں کہ جیسے دن چڑھ جاتا ہے پس اُن کا پورا ہوا صاف طور پر یہ گواہی دیتا ہے کہ وہ بلاشبہ ایک صادق کے لئے خدا کی گواہی ہے ایسا

ہی قرآن شریف بہت سی پیشگوئیوں سے بھرا پڑا ہے جیسا کہ روم اور ایران کی سلطنت کی نسبت ایک زبردست پیشگوئی قرآن شریف میں موجود ہے اور یہ اس وقت کی پیشگوئی ہے جب کہ مجوسی سلطنت نے ایک لڑائی میں رومی سلطنت پر فتح پائی تھی اور کچھ زمین ان کے ملک کی اپنے قبضہ میں کر لی تھی تب مشرکین مکہ نے فارسیوں کی فتح اپنے لئے ایک نیک فال بھی تھی اور اس سے یہ سمجھا تھا کہ چونکہ فارسی سلطنت مخلوق پرستی میں ہمارے شریک ہے ایسا ہی ہم بھی اس نبی کا استیصال کریں گے جس کی شریعت اہل کتاب سے مشابہت رکھتی ہے تب خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں یہ پیشگوئی نازل فرمائی کہ آخر کار رومی سلطنت کی فتح ہوگی اور چونکہ روم کی فتح کی نسبت یہ پیشگوئی ہے اس لئے اس سورت کا نام سورۃ الروم رکھا گیا ہے اور چونکہ عرب کے مشرکوں نے مجوسیوں کی سلطنت کی فتح کو اپنی فتح کے لئے ایک نشان سمجھ لیا تھا اس لئے خدا تعالیٰ نے اس پیشگوئی میں یہ بھی فرمادیا کہ جس روز پھر روم کی فتح ہوگی اس روز مسلمان بھی مشرکوں پر فتح یاب ہوں گے چنانچہ ایسا ہی طور میں آیا اس بارہ میں قرآن شریف کی آیت یہ ہے۔ اَلَمْ نَغْلِبْكَ لِرُومٍ فِیْ اَوَّلِ الْاَيَّامِ وَهُمْ قٰتِلُوْا بَعْدَ عَلٰی سُلٰیْمٰنَ سَیَغْلِبُوْنَ فِیْ بَعْضِ السَّنَیْنِ اِنَّ اِلٰهَ الْکٰفِرِیْنَ قٰتِلٌ وَّمِنْ بَعْدِ ذٰلِکَ یَوْمَیْنِ یَغْلِبُ الْمُؤْمِنُوْنَ (ترجمہ) میں خدا ہوں جو سب سے بہتر جانتا ہوں رومی سلطنت بہت قریب زمین میں مغلوب ہو گئی ہے اور وہ لوگ پھر نو سال تک تین سال کے بعد مجوسی سلطنت پر غالب ہو جائیں گے اُس دن مومنوں کے لئے بھی ایک خوشی کا دن ہوگا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور تین سال کے بعد نو سال کے اندر پھر رومی سلطنت ایرانی سلطنت پر غالب آگئی اور اسی دن مسلمانوں نے بھی مشرکوں پر فتح پائی کیونکہ وہ دن بدھ کی لڑائی کا دن تھا جس میں اہل اسلام کو فتح ہوئی تھی۔

ماسوا اس کے قرآن شریف میں آخری زمانہ کے بعض جدید حالات کی نسبت ایسی خبریں دی گئی ہیں جو ہمارے اس زمانہ میں بہت صفائی سے پوری ہو گئی ہیں جیسا کہ اس میں ایک یہ





یہی ہے کہ ایک سال تک مکہ اور مدینہ میں ریل جاری کر دی جائے پس اُس وقت جب ریل جاری ہو جائے گی یہ نظارہ ہر ایک مومن کے لئے ایمان کو زیادہ کرنے والا ہوگا۔ اور جس وقت ہزار ہا اونٹ بیکار ہو کر بجائے اُن کے ریل گاڑیاں مکہ سے مدینہ تک جائیں گی اور دمشق اور دوسری اطراف شام وغیرہ کے کچھ کرنے والے کسی لاکھ انسان ریل گاڑیوں میں سوار ہو کر مکہ معظمہ میں پہنچیں گے تب کوئی لعنتی آدمی ہوگا کہ اس نظارہ کو دیکھ کر اپنے سچے دل سے اس بات کی تصدیق نہیں کرے گا کہ وہ پیشگوئی جو قرآن شریف اور حدیث صحیح مسلم میں موجود ہے آج پوری ہو گئی یاد رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کیلئے یہ ایک عظیم الشان نشان ہے کہ آپ نے تیرہ سو برس پہلے ایک نئی سواری کی خبر دی ہے اور اس خبر کو قرآن شریف اور حدیث صحیح دونوں مل کر پیش کرتے ہیں اگر قرآن شریف خدا کا کلام نہ ہوتا تو انسانی طاقت میں یہ بات ہرگز داخل نہ تھی کہ ایسی پیشگوئی کی جاتی کہ جس چیز کا وجود ہی ابھی دنیا میں نہ تھا اُس کے ظہور کا حال بتایا جاتا جب کہ خدا کو منظور تھا کہ اس پیشگوئی کو ظہور میں لاوے تب اُس نے ایک انسان کے دل میں یہ خیال ڈال دیا کہ وہ ایسی سواری ایجاد کرے جو آگ کے ذریعہ سے ہزاروں کوسوں تک پہنچا دے۔

ایسا ہی قرآن شریف میں آخری زمانہ کی نسبت اور بھی پیشگوئیاں ہیں اُن میں سے ایک یہ پیشگوئی بھی ہے وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِيطُۃٌ یعنی آخری زمانہ وہ ہوگا جب کہ کتابوں اور صحیفوں کی اشاعت بہت ہوگی گویا اس سے پہلے کبھی ایسی اشاعت نہیں ہوئی تھی۔ یہ اُن لوگوں کی طرف اشارہ ہے جن کے ذریعہ سے آج کل کتابیں چھپی ہیں اور پھر ریل گاڑی کے ذریعہ سے ہزاروں کوسوں تک پہنچائی جاتی ہیں۔

ایسا ہی قرآن شریف میں آخری زمانہ کی نسبت یہ پیشگوئی ہے کہ إِذَا تَفُوسٌ دُفِیَّتْ یعنی آخری زمانہ میں ایک یہ واقعہ ہوگا کہ بعض نفوس بعض سے طے جائیں گے یعنی ملاقاتوں کے لئے آسانیاں نکل آئیں گی اور لوگ ہزاروں کوسوں سے آئیں گے اور ایک دوسرے سے

میں گے سو ہمارے زمانہ میں یہ پیش گوئی بھی پوری ہو گئی۔

۲۰۸

ایک اور پیش گوئی قرآن شریف میں آخری زمانہ کی نسبت ہے اور وہ یہ ہے کہ **وَأَذِیْ**  
**الْبَحَارِ ذُجُرُجَاتٍ** یعنی آخری زمانہ میں دریاؤں میں سے بہت سی نرس جاری کی جائیں گی چنانچہ  
 یہ پیش گوئی بھی ہمارے زمانہ میں ظہور میں آگئی۔ اسی طرح قرآن شریف میں ایک یہ پیش گوئی ہے  
**وَأَذِیْ الْجِبَالِ سُيَّرَاتٍ** یعنی وہ آخری زمانہ ہو گا جب کہ پہاڑ چلائے جائیں گے یہ اس بات  
 کی طرف اشارہ ہے کہ پہاڑ اڑائے جائیں گے جیسا کہ اس زمانہ میں توپوں کے ساتھ پہاڑوں  
 کو اڑا کر ان میں راستے بنائے گئے ہیں۔ سو یہ تمام پیش گوئیاں قرآن شریف میں موجود ہیں۔  
 مگر اس جگہ یہ نکتہ یاد رکھنا چاہئے کہ عشار اُن اُدُنشیوں کو کہتے ہیں جو محل دار ہوں اور اگرچہ  
 حدیث میں قلم اس کا لفظ ہے مگر قرآن شریف میں اس لئے عشار کا لفظ استعمال کیا گیا تا یہ  
 پیش گوئی قیامت کی طرف منسوب نہ کی جائے اور محل کے قریب سے یہ دُنیا کا واقعہ سمجھا جائے  
 کیونکہ قیامت کو محل نہیں ہوں گے۔

پھر جس قدر ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات قرآن شریف سے لکھے ہیں  
 انہیں پر حصر نہیں ہے بلکہ احادیث صحیحہ اور اخبار اسلامیہ کی روشنی سے اس کو اتار سے بارش کی  
 طرح معجزات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ثبوت ملتا ہے کہ جس سے بڑھ کر کسی نبی یا رسول  
 کے معجزات مردی نہیں ہیں۔ بعض پیش گوئیاں ایسی ہیں کہ جن کتابوں میں وہ لکھی گئی تھیں وہ  
 کتابیں اُن پیش گوئیوں کے پوری ہونے سے صد ہا برس پہلے عمومات تمام اسلامی دُنیا میں شائع  
 ہو چکی تھیں مگر ہم اس جگہ اُن معجزات کی تفصیل لکھیں تو وہ تمام معجزات میں اجز میں بھی  
 سما نہیں سکتے اور تفصیل کی حاجت نہیں کیونکہ وہ کتابیں نہ صرف مسلمانوں کے قبضہ میں ہیں بلکہ  
 اُن پر لے زمانہ میں بعض اتفاقات حسنہ سے وہ کتابیں عیسائیوں کو مل گئی تھیں جو اب تک  
 یورپ کے پُرانے کتب خانوں میں موجود ہیں تا وہ بھی ان معجزات کے گواہ ہو جاویں۔

۲۰۹

پھر ماسیحا اس کے ہم ہوں جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُن تاثیرات اور برکات کے

بیان کرنے سے رہ نہیں سکتے جن کے تجربہ اور آزمائش کرنے والے ہم خود ہیں بلکہ ہم یہ بات بڑے فخر سے کہتے ہیں کہ اب تمام دنیا میں صرف ایک اسلام ہی ہے جس کو خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ تفصیلات اور خصوصیت حاصل ہے کہ وہ تازہ نشانیوں اور ہجرات سے اس پوشیدہ خدا کا چہرہ دکھاتا ہے جس سے دوسری قومیں بے خبر رہ کر مخلوق پرستی میں گرفتار ہو گئی ہیں اور یہ کہ اُس کے وجود سے ہی منکر ہو بیٹھے ہیں۔ پس بلاشبہ اس زمانہ میں خدائے غیب الغیب کا چہرہ دکھلانے والا صرف یہی دین ہے نہ اور کوئی دین۔ قاضی عیاضؒ فرمایا:

اَوَّلُ الْاِكْبَاسِ ۱۱

چونکہ ترمیمیت اور پرورش کے لئے یہ قاعدہ مقرر ہے کہ جس باغ کو مثلاً مالک اس کا ہمیشہ تازہ بتازہ رکھنا چاہتا ہے وہ اُس کی مناسب پرورش اور غور و پرداخت کے قہد کو نہیں چھوڑتا اور ہمیشہ حاجت کے وقت اُس کی آبپاشی کرتا رہتا ہے اور اگر کوئی پھل دار بوٹا ضائع ہو جائے تو اس کی جگہ اور بوٹا لگا دیتا ہے پس یہی قاعدہ خدا تعالیٰ کے قانون قدرت میں ہے کہ وہ اسلام کے باغ کو جس کو ہمیشہ سرسبز اور پھلدار رکھتا اُس کا مقصد وہ ہے اپنے خاص قہد سے تازہ بتازہ اور سرسبز کرتا رہتا ہے اور جب وہ باغ آبپاشی کا محتاج ہو جائے تو اس کو پانی دیتا ہے اور جب پہلے بوٹے نکلے اور بوسیدہ ہو جاتے ہیں تو نئے بوٹے لگاتا ہے یعنی ایک نئی قوم پیدا کرتا ہے جو پھل دیوے اور پانی دینے کا سرچشمہ ایک ایسے شخص کو بنا دیتا ہے جو خدا کی تجلیات کی بارش سے وحی الہی کا زندہ اور تازہ پانی پاتا ہے۔ اور تم ہر روز خود دیکھتے اور مشاہدہ کرتے ہو کہ کیا کوئی باغ بغیر قہد اور آبپاشی کے رہ سکتا ہے اور کیا یہ سچ نہیں ہے کہ جب کچھ بوٹے خشک ہو جاتے ہیں تو اُن کی جگہ اور لگائے جاتے ہیں اور اگر باغبان مر جاتا ہے تو اس کی جگہ دوسرا آتا ہے۔ سو اسلام کے باغ کیلئے بھی یہی قاعدہ ہے۔ اور چونکہ ہمارا زمانہ وہ زمانہ ہے جس میں اسلام کے باغ کو بڑے بڑے صدات پہنچے ہیں اور کیا اندرونی طور پر اور کیا بیرونی طور پر اسلام انواع و اقسام کے حوادث سے آفت رسید

ہو گیا ہے اور اندرونی طور پر تو کسی بڑے خشک ہو کر جڑھ سے اکھڑ گئے ہیں یعنی جو لوگ اسلام کے مدعی تھے محض اُن کی زبان پر اسلام رہ گیا ہے۔ اور حقیقت اسلام کی اُن کے دلوں میں سے مفقود ہو چکی ہے اور خشک و شہامت سے اکثر سینے بھر گئے ہیں بعض لوگ تو مسلمان کہلا کر خدا کے دہود کے بھی قائل نہیں اور بعض نے نیچریت کا جامہ پہن لیا ہے یعنی طبعیوں اور فلسفیوں کا لباس پہن کر خدا تعالیٰ کی خارق عادت قدرتوں سے منکر ہو بیٹھے ہیں اور بے قیدی اور آزادی کے طور پر زندگی بسر کرتے ہیں اور نماز روزہ اور حج زکوٰۃ پر ٹھٹھا مارتے اور ہر شے دوزخ پر بھی ہنسی کرتے ہیں اور ملائکہ اور جنات کے قطعاً منکر ہیں اور بعض ایسے ہیں کہ وہ اہل فکر میں پڑ گئے ہیں کہ کسی طرح اسلام میں کچھ تغیر تبدیل کر کے اپنی طرف سے ایک نیا اسلام بنایا جاوے جس میں تکالیف شرعیہ سے کجی آزادی ہو۔ اور وقت اور غسل بھی نہ کرنا پڑے اور شراب وغیرہ محرمات کا بھی فتویٰ دیا جائے اور اسلام سے پردہ کی رسم بھی اٹھائی جائے اور آہستہ آہستہ دین اسلام میں فسق و فجور کا دروازہ کھولا جائے اور نمازوں کا پڑھنا اور عبادت کرنا اور خدا تعالیٰ کے راہ میں مجاہدات بجالانا یہ تمام احکام منسوخ کر دئے جائیں چنانچہ میرے خیال میں اس ملک میں کئی لاکھ ایسے آدمی ہوں گے کہ جو اس قسم کے ہوں گے جن میں سے بعض تو ستید احمد خان کے پیرو اور بعض اس سے بھی کئی قدم آگے بڑھے ہوئے ہیں اور حقیقت یہ لوگ اسلام کا چولہ اپنے بدن پر سے اتار چکے ہیں اور آہستہ آہستہ اسلام سے علیحدہ ہونا چاہتے ہیں مگر چونکہ مسلمانوں کے گھر پیدا ہوئے اس لئے ابھی تک مسلمان ہی کہلاتے ہیں مگر کھلے کھلے طور پر تحریر اور تقریر سے اسلام کی مخالفت کرتے ہیں۔

اور ایک فرقہ ایسا بھی نکلا ہے کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنن مشورہ پر ٹھٹھا مارتا اور ہنسی کرتا ہے اور تمام احادیث کو ردیات کا ذخیرہ سمجھتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنی عزت بھی نہیں دیتا کہ وہ فہم قرآن میں دوسروں سے بڑھ کر ہیں اور یہ فرقہ بھی پنجاب میں کسی قدر پھیل گیا ہے۔

ماسوا اس کے عوام الناس میں جس قدر بد رکھیں پھیلی ہوئی ہیں جو مخلوق پرستی تک پہنچ گئی ہیں ان کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ بعض پیر پرستی میں اس قدر حد سے بڑھ گئے ہیں جو اپنے پیروں کو معبود قرار دے لیا ہے۔ بعض قبروں کی نسبت اس قدر غلو رکھتے ہیں کہ قریب ہے کہ ان قبروں کو ہی اپنا خدا تصور کر لیں بلکہ کئی لوگ قبروں پر سجدہ کرتے دیکھے گئے ہیں۔

اور وہ لوگ جو پیر اور سجادہ نشین کہلاتے ہیں کثر لوگوں میں ان میں سے بد عملی حد سے بڑھ گئی ہے اور وہ لوگ خدا تعالیٰ کی طرف نہیں بلکہ اپنی طرف بلا تے ہیں اور اکثر ان میں بڑے چالاک اور دین فروش ہوتے ہیں اور طرح طرح کے مکر اور فریب کر کے دنیا کھاتے ہیں اور ان فریبوں کو اپنی کرامات قرار دیتے ہیں اور جو کچھ اپنے مریدوں کو سکھاتے ہیں وہ ایسے امور ہیں جو کتاب اللہ اور سنت نبویہ سے بالکل مخالفت ہیں اور اکثر ان کے ایسے جاہل ہیں جو کتاب اللہ کے معنی بھی نہیں سمجھ سکتے اور ان کے درود و وظائف عجیب قسم کے ہیں کہ نہ ان کا کتاب اللہ سے پتہ ملتا ہے اور نہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ اور مال جمع کرنے اور اپنی دنیا کے فراہم کرنے میں دن رات مصروف رہتے ہیں۔ اور اگر ان کی کوئی غلطی ان پر ظاہر کی جائے تو سخت کینہ دل میں پیدا کرتے ہیں اگر ممکن ہو تو ایسے آدمی کو ہلاک کرنے تک بھی فرق نہیں کرتے۔ اور بعض فقر وصالح اور رشید بھی ہیں مگر وہ تھوڑے ہیں۔ اکثر علماء کے کلام طوفانی سے خالی نہیں ہیں وہ علوم نبویہ کے وارث کہلاتے ہیں مگر ان پاک علوم کے خلاف کام کرتے ہیں سدا حانیت اور اخلاص اور صدقہ و وقار سے کچھ بھی ان کو خیر نہیں۔ اکثر علماء کو میں دیکھتا ہوں کہ وہ اسلام کے اہل زمان میں نہ راستہ بتاؤ کی طرح پر آپ قدم مارتے ہیں اور نہ کسی اپنے پیروں کو مارنے دیتے ہیں اور وہ خدا کے سلسلہ کے فرزندوں کی طرح دشمن ہیں تقویٰ طہارت سے ایسے الگ ہیں جیسے اندھیری رات روشنی سے الگ ہوتی ہے ان کی مشغلت اور اتانیت ان کو اجازت نہیں دیتی کہ حق بات کو قبول کر لیں اور

بعض اہل علم صالح اور رشید طبع بھی ہیں اور وہ تھوڑے ہیں۔

اس زمانہ میں اسلام کے اکثر امراء کا حال سب سے بدتر ہے وہ گویا یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ صرف کھانے پینے اور فسق و فجور کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ دین سے وہ بالکل بے خبر اور تقویٰ سے خالی اور فکیر اور غرور سے بھرے ہوئے ہیں اگر ایک غریب کو اسلام علیکم کہے تو اس کے جواب میں وہ علیکم السلام کہنا اپنے لئے عار سمجھتے ہیں بلکہ غریب کے منہ سے اس کلمہ کو ایک گستاخی کا کلمہ اور بیباکی کی حرکت خیال کرتے ہیں حالانکہ پہلے زمانہ کے اسلام کے بڑے بڑے بادشاہ اسلام علیکم میں کوئی اپنی کسر شان نہیں سمجھتے تھے مگر یہ لوگ تو بادشاہ بھی نہیں ہیں پھر بھی بے جا فکیر نے ان کی نظر میں ایسا پیارا لکڑھوا سلام علیکم ہے جو سلامت رہنے کے لئے ایک دُعا ہے حقیر کر کے دکھایا ہے پس دیکھنا چاہئے کہ زمانہ کس قدر بدل گیا ہے کہ ہر ایک شعار اسلام کا تحقیر کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔

یہ تو اس زمانہ کے اکثر مسلمانوں کا اندرونی حال ہے اور جو بیرونی مفاسد پھیل گئے ہیں ان کا تو شمار کرنا مشکل ہے۔ اسلام وہ مذہب تھا کہ اگر مسلمانوں میں سے ایک آدمی بھی مرتد ہو جاتا تھا تو گویا قیامت برپا ہو جاتی تھی مگر اب اس ملک میں مرتد مسلمان جو عیسائی ہو گئے یا جنہوں نے اور مذہب اختیار کر لیا ہے وہ دو لاکھ سے بھی زیادہ ہیں بلکہ مسلمانوں کی ادنیٰ اور اعلیٰ قوموں میں سے کوئی ایسی قوم نہیں جس میں سے ایک گروہ عیسائی نہ ہو گیا ہو اور وہی لوگ جو ہمارے سید و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بغیر دود پڑھنے کے نہیں لیتے تھے اب مرتد ہونے کے بعد جناب ممدوح کو گندی گالیاں دیتے اور گندی تصانیف شائع کرتے ہیں اور جو کتابیں اسلام کے رد میں لکھی گئیں اگر وہ ایک جگہ اکٹھی کی جائیں تو کئی پیادوں کے موافق ان کی ضخامت ہوتی ہے پس اس سے زیادہ کونسی بات کی جگہ ہے کہ اسلام کی اندرونی حالت دل کو خوش کر سکتی ہے اور نہ اس کے بیرونی دشمن ایسے منفع مزاج نظر آتے ہیں کہ جو خدا سے ڈر کر اپنی شرارتوں سے باز آجائیں۔

اس زمانہ میں جس کا ذکر اُد پر ہو چکا ہے خدا نے مجھے اصلاح کرنے کے لئے مامور کر کے بھیجا اور میرے ہاتھ پر وہ نشان دکھلائے کہ اگر اُن پر ایسے لوگوں کو اطلاع ہو جن کی طبیعتیں تعصب سے پاک اور دلوں میں خدا کا خوف ہے اور عقل سلیم سے کام لینے والے ہیں تو وہ ان نشانوں سے اسلام کی حقیقت بخوبی شناخت کر لیں۔ وہ نشان ایک دو نہیں بلکہ ہزار انسان ہیں جن میں سے بعض ہم اپنی کتاب حقیقۃ الوحی میں لکھ چکے ہیں جب سن پچھری کی تیرہویں صدی ختم ہو چکی تو خدا نے چودھویں صدی کے سر پہ مجھے اپنی طرف سے مامور کر کے بھیجا اور آدم سے لیکر اخیر تک جس قدر نبی گذر چکے ہیں سب کے نام میرے نام رکھ دئے اور سب سے آخری نام میرا عیسیٰ موعود اور احمد اور محمد محمود رکھا اور دونوں ناموں کے ساتھ بار بار مجھے مخاطب کیا ان دونوں ناموں کو دوسرے نقطوں میں مسیح اور مہدی کر کے بیان کیا گیا۔

اور جو معجزات مجھے دئے گئے بعض اُن میں سے وہ پیشگوئیاں ہیں جو بڑے بڑے غیب کے اموں پر مشتمل ہیں کہ پھر خدا کے کسی کے اختیار اور قدرت میں نہیں کہ اُن کو بیان کر سکے اور بعض دعائیں ہیں جو قبول ہو کر اُن سے اطلاع دی گئی اور بعض بد دعائیں ہیں جن کے ساتھ شریر دشمن ہلاک کئے گئے اور بعض دعائیں از قسم شفاعت ہیں جن کا مرتبہ دعا سے بڑھ کر ہے اور بعض مباحثات ہیں جن کا انجام یہ ہوا کہ خدا نے دشمنوں کو ہلاک اور ذلیل کیا اور بعض صلحائے زمانہ کی وہ شہادتیں ہیں جنہوں نے خدا سے السلام پاکر میری سچائی کی گواہی دی۔ اور بعض ایسے صلحائے اسلام کی شہادتیں ہیں جو میرے ظہور سے پہلے فوت ہو چکے تھے جنہوں نے میرا نام لے کر اور میرے کانوں کا نام لے کر گواہی دی تھی کہ وہی مسیح موعود ہے جو جلد آنے والا ہے اور بعض نے ایسے وقت میں میرے ظہور کی خبر دی تھی جب کہ میں ابھی پیدا بھی نہیں ہوا تھا اور بعض نے میرے ظہور کے بارے میں ایسے وقت میں خبر دی تھی جب کہ میری عمر شاید دس یا بارہ برس کی ہوگی اور اپنے بعض مریدوں کو بتلایا تھا



کہ تم اس قدر غم یاد گئے کہ ان کو دیکھ لو گے اور جو نشانیاں زمانہ ہمدی ہمدی کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر کی تھیں جیسا کہ اُس کے زمانہ میں کسوف خسوف رمضان میں ہونا اور طاعون کا ملک میں پھیلنا یہ تمام شہادتیں میرے لئے ظہور میں آگئیں اور اس وقت تک جو دعویٰ ہمدی کا بھی میں نے چارم حصہ پایا۔ یہ اس قدر دلائل اور شواہد ہیں کہ اگر وہ سب کے سب لکھے جائیں تو ہزار جزد میں بھی سمائیں سکتے۔

۳۱۵۷۔ یہ دار قطنی کی حدیث ہے کہ ہمدی موجود کی یہ بھی نشانی ہے کہ خدا اُس کے لئے اس کے زمانہ میں یہ نشان ظاہر کرے گا کہ چاند اپنی مقررہ راق میں سے (جو اس کے خسوف کے لئے خدا نے تائیں مقرر کر رکھی ہیں یعنی تیرہ روز) چودھویں پندرہویں، پہلی رات میں گر کر پذیر ہوگا اور اللہ سبحانہ اپنے مقررہ دنوں میں سے (جو اس کے کسوف کے لئے خدا نے دن مقرر کر رکھے ہیں یعنی ۲۹، ۲۸، ۲۷) درمیانی دن میں کسوف پذیر ہوگا اور یہ دونوں خسوف کسوف رمضان میں ہوں گے اور ایک حدیث میں ہے کہ ہمدی کے وقت میں یہ دو مرتبہ واقع ہوں گے چنانچہ یہ دونوں مرتبہ میرے زمانہ میں رمضان میں واقع ہو گئے ایک مرتبہ ہمارے اس ملک میں دوسری مرتبہ امریکہ میں اور ہمیں اس بات سے بحث نہیں کہ ان تاریخوں میں کسوف خسوف رمضان کے مہینہ میں ابتداء سے آج تک کتنی مرتبہ واقع ہوا ہے۔ ہمارا مدعا صرف اس قدر ہے کہ جیسے نسل انسان دنیا میں آئی ہے نشان کے طور پر یہ خسوف کسوف صرف میرے زمانہ میں میرے لئے واقع ہوا ہے اور مجھ سے پہلے کسی کو یہ اتفاق نصیب نہیں ہوا ایک طرف تو اُس نے ہمدی موجود ہونے کا دعویٰ کیا ہوا اور دوسری طرف اُس کے دعوے کے بعد رمضان کے مہینہ میں مقررہ کردہ تاریخوں میں خسوف کسوف بھی واقع ہو گیا ہوا اور اُس نے اُس کسوف خسوف کو اپنے لئے ایک نشان ٹھہرایا ہوا۔ اور دار قطنی کی حدیث میں یہ تو کہیں نہیں ہے کہ پہلے کبھی کسوف خسوف نہیں ہوا ہاں یہ تصریح سے اتفاق موجود ہے کہ نشان کے طور پر یہ پہلے کبھی کسوف خسوف نہیں ہوا کیونکہ کفر تکون کا لفظ مؤنث کے صیغہ کے ساتھ دار قطنی میں ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ یہاں نشان کبھی ظہور میں نہیں آیا اور اگر یہ مطلب ہوتا کہ کسوف خسوف پہلے کبھی ظہور میں نہیں آیا تو لفظ کفر تکون مذکر کے صیغہ سے چاہئے تھا کہ کفر تکون کا جو مؤنث کا صیغہ ہے جس سے صریح معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد آسمان ہے یعنی دو نشان کیونکہ یہ مؤنث کا صیغہ ہے پس جو شخص یہ خیال کرتا ہے

لیکن یہ سب کچھ جو ظہور میں آیا یہ اس لئے ظہور میں نہیں آیا کہ اصل مقصود میری عظمت ظاہر کرنا تھا بلکہ اس لئے ظہور میں آیا کہ خدا تعالیٰ دین اسلام کی محبت دنیا پر قائم کرے میں تو خود حیران ہوں کہ میں خود کچھ چیز نہ تھا لیکن میں خدا کے فضل اور نعمت کو کیونکر رو کر لوں۔ آخر جب کہ بڑے بڑے صدقات اسلام پر وارد ہو کر تیرہویں صدی پوری ہوئی اور اس منحوس صدی میں ہزارہا قسم کے اسلام کو زخم پہنچے اور چودھویں صدی کا آغاز شروع ہوا تو ضرور تھا کہ خدا تعالیٰ کی قدیم سنت کے موافق موجودہ مفاسد کی اصلاح اور دین کی تجدید کے لئے کوئی پیدا ہوتا۔ سو اگرچہ اس عاجز کو کیسا ہی تحقیق کی نظر سے دیکھا جائے مگر خدا نے اس امت کا خاتم الخلفاء اسی اپنے بندہ کو ٹھیرایا میرے بارے میں شیخ محی الدین ابن العربیؒ نے ایک سبب لکھوئی کی تھی جو میرے پروردگار ہو گئی اور وہ یہ کہ خاتم الخلفاء حسین کا دوسرا

219

کہ پہلے بھی کوئی دفعہ خسوف کسوف ہو چکا ہے اس کے ذمہ یار ثنوت ہے کہ وہ ایسے ہی اہل حدیث کا پیرو ہے جس نے اس کسوف خسوف کو اپنے لئے نشان ٹھہرایا اور او شیعت قسبنی خود قسب چاہے قدر ہوتی اس صورت میں ہو گا کہ ایسے مدعی کو کوئی کتاب کشیش کی جگہ سے نہ ملے ہمدی محمود جو نے کا ذکر کیا کہ جو اندر پر لکھا ہو کہ خسوف کسوف جو رمضان میں ہوا قسبنی کی فکر کو کہ تاریخوں کے موافق ہوا ہے وہ میری بھائی کا نشان ہے غرض ہون خسوف کسوف غلام ہر فعل مرتب ہوا اس بحث میں نشان کے طور پر لیک مدعی کے وقت ہون ایک دفعہ ہوا ہے اور حدیث نے ایک مدعی اہل حدیث کے وقت میں اپنے مضمون کا دفعہ ظاہر کر کے اپنی محنت اور سچائی کو ثابت کر دیا۔ اسی طرح نواب عبد القیوم حسن خان صاحب حج الکرامہ میں از حضرت مجدد الف ثانی صاحب نے پڑ کتاب میں لکھا ہے کہ احادیث صحیح میں لکھا ہے کہ ستلہ دینہ دھرمین ذواتین ہمدی محمود جو کہ وقت میں خود ہوا چنانچہ وہ ستلہ ۱۹۹۵ء میں نکلا اور انگریزی اخباروں نے اس کی نسبت یہ بھی بیان کیا کہ یہی وہ ستلہ ہے کہ جو حضرت مسیح علیہ السلام کے وقت میں نکلا تھا۔

ایسا ہی اس زمانہ کے قریب جب کہ خدا نے محمد کو مبعوث فرمایا۔ اس کے وقت تو نبیوں کی ان سے پہلے بغیر نہیں دیکھی گئی اور شاید یہ فرج <sup>۱۸۸۵</sup> سے تھوڑی سی طرح دور کی آسمانی آثار ظاہر ہوئے۔ یہ خدا کے سبب نشان ہیں۔

نام مسیح موعود ہے معنی الاصل ہوگا۔ یعنی اس کے خاندان کی اصل جرّہ چین ہوگی اور نیز وہ توام پیدا ہوگا ایک لڑکی اس کے ساتھ ہوگی اور یہ وضع حمل کے وقت پہلے پیدا ہوگی اور وہ بعد میں پیدا ہوگا پس اسی طرح میری پیدائش ہوئی اور میں توام کے طور پر جمعہ کے دن صبح کے وقت پیدا ہوا تھا۔ ممکن ہے کہ یہ پیشگوئی شیخ محی الدین ابن العربی کا اپنا کشف ہو یا کوئی حدیث اس کو پہنچی ہو۔ بہر حال وہ پیشگوئی میرے پیدا ہونے کے ساتھ پوری ہو گئی اور اب تک اسلام میں میرے سوا کوئی ایسا پیدا نہیں ہوا کہ وہ صلیبی الاصل بھی ہو اور توام بھی پیدا ہوا ہو اور پھر اس نے خاتم الخلفاء ہونے کا دعویٰ بھی کیا ہو۔

ابا کشیر شیخ محی الدین ابن العربی صاحب کی اس پیشگوئی سے خدا کا وہ جو سب سے بڑا نازل ہوا اور میری کتاب باہین احمد میں شائع کیا گیا ہے ایک مرقعہ کہتا ہے کہ یہ کلام میں مجھے ندی الاصل تھا گیا ہے جس کا کہ تبارہ تعالیٰ براہین احمد میں فرماتا ہے خُذُوا الشَّجِيدَ الشَّجِيدَ يَا ابْنَتَا الْفَارِسِ (تبرہ) توبہ کہ کبر و توبہ کو کبر و توبہ ندی کے بیٹے اور پیرا سی براہین احمد میں دوسری جگہ فرماتا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ صَدَّقُوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ رَدَّ عَلَيْهِمْ رَجُلٌ فَاَرْسَلُوْهُ سَبِيْعَةً يَعْنِيْ جَمْعًا سَلَامَ کے مخالف ہیں اور خدا کی راہ سے روکتے ہیں ایک ندی نے (یعنی اس عاجز نے) کون کار و دکھا ہے خدا اس کی کسی کار کو گناہ ہے اور پھر دوسری جگہ اس براہین احمد میں فرمایا ہے لَوْ كَانَ الْاِنْسَانُ مُعْتَفَاً يَّا لَئِنْ لَّمْ يَكُنْ الْاِنْسَانُ فَاَرْسَلْ يَعْنِيْ مگر ایمان زمین پر سے اٹھ جاتا اور نہ پھر اچھا آقا اب بھی ایک انسان ندی میں سے (یعنی یہ عاجز اس کو دہاں پہنچ کر لے لیتا اس متناقض کا جواب یہ ہے کہ اسلام کے شائع ہونے کے بعد مدت سے مسلمان چین میں جا آباد ہوئے تھے اور ان کی اکثریت کے کوئی کر دہی مسلمان ہو گیا تھا اس وجہ سے اب بھی چین میں چکر کوڑے سے زیادہ مسلمان ہیں جو ممکن ہے کہ بعض فارسی بھی وہاں جکر آباد ہو گئے ہوں اور پھر اس وجہ سے چینی کھانا ایک لازم امر تھا جیسا کہ بدلت سے عرب جو ابتداء میں ہندوستان میں آئے تھے اب ہندی کھانا ہے جو چنانچہ تمام سادات اور قزاقش قزاقی قوم کے ہیں اور اس میں کچھ شک نہیں کہ جیسا کہ ظہر بھی جاتا ہے ہمارا خاندان مغلیہ خاندانی شہور ہے جو بلاشبہ صلیبی الاصل ہے لیکن جو کچھ خدا نے ظاہر فرمایا وہ بلاشبہ صحیح ہے۔

لہ فارسی کے لفظ خدا تعالیٰ نے الفت لام لگا دیا ہے جو موجودہ فتح کے قاعدہ کی رو سے صرف ندی چاہئے تھا خدا کا کلام انسانی غور سے ہر ایک کو موافق نہیں ہوتا ایسے الفاظ اور فقرات اور ضمائر اور انسانی غور سے مخالفت میں قرآن شریف میں بھی پائے جاتے ہیں۔

اور خدا تعالیٰ نے اس بات کے ثابت کرنے کے لئے کہ میں اُس کی طرف سے ہوں اس قدر نشان دکھلائے ہیں کہ اگر وہ ہزار نبی پر بھی تقسیم کئے جائیں تو اُن کی بھی اُن سے نبوت ثابت ہو سکتی ہے لیکن چونکہ یہ آخری زمانہ تھا اور شیطان کا مع اپنی تمام قدرت کے آخری حملہ تھا اس لئے خدا نے شیطان کو شکست دینے کے لئے ہزار نشان ایک جگہ جمع کر دیئے لیکن پھر بھی جو لوگ انسانوں میں سے شیطان ہیں وہ نہیں مانتے اور محض افسر کے طور پر ناحق کے اعتراض پیش کر دیتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ کسی طرح خدا کا قائم کردہ سلسلہ نابود ہو جائے مگر خدا چاہتا ہے کہ اپنے سلسلہ کو اپنے ہاتھ سے مضبوط کرے جب تک کہ وہ کمال تک پہنچ جاوے۔

میں ابھی لکھ چکا ہوں اور پھر لکھتا ہوں کہ خدا نے میری تائید اور تصدیق کے لئے ہر ایک قسم کے نشان ظاہر کئے ہیں۔ بعض اُن میں سے تو پیش گوئیاں ہیں یعنی غیب کی خبریں جن پر انسان قادر نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ تمام دنیا اتفاق کر کے اس کی نظیر پیش کرنا چاہے اور بعض ایسی دعائیں ہیں کہ وہ بدرجہ قبول پہنچ کر بذریعہ خدا کی دُعا کے میں اُن کی قبولیت سے مطلع کیا گیا۔

اور وہ دعائیں جن کا اُدھر ذکر ہوا معمولی امور کے متعلق نہیں ہیں بلکہ ایک حصّہ اُن میں سے ان بیماروں کی شفا کے بارے میں ہے جن کی بیماری درحقیقت شدّتِ عوارض کی وجہ سے موت کے مشابہ تھی مگر خدا نے میری دُعا سے اُن کو اچھا کیا اور بعض دعائیں اُن لوگوں کے متعلق ہیں جو اولاد ہونے سے نومید ہو گئے تھے مگر خدا نے میری دُعا سے اُن کو اولاد دی۔ اور بعض دعائیں اُن مصیبت زدوں کے متعلق تھیں جو بعض مقدمات میں مبتلا ہو کر جان کے خطرہ میں پڑ گئے تھے یا اُن کی عزت معرضِ خطر میں تھی یا مال کی تباہی اُن کو برباد کرنے والی تھی ایسا ہی اور انواع و اقسام کی دعائیں قبول ہوئیں۔

اور خدا نے میرے لئے یہ نشان بھی دکھلائے کہ اس نے ہر ایک مبالغہ میں میرے

و دشمنوں کو ہلاک کیا یا ان کے مقابل پر مجھے ہر ایک قسم کے انعام سے مشرف کیا۔ اور ان کو ذلت کی زندگی میں ٹھایا یا ذلت کے ساتھ دنیا سے اٹھالیا۔

اور خدا نے میری تائید میں اس قسم کے نشان بھی ظاہر کئے کہ میرے وجود سے بھی پہلے بعض صلحاء نے میرا نام لیکر میرے ظہور کی خبر دی تھی اور بعض نے میرے ظہور سے قبل برس پہلے میرا نام لیکر اور میرے کانوں کا نام لیکر میرے ظہور کی خبر دی۔

اور خدا نے میرے لئے ایک یہ بھی نشان ظہر یا کہ پہلے تمام نبیوں نے مسیح موعود کے ظہور کے لئے جس زمانہ کی خبر دی تھی اور جو تاریخی طور پر مسیح موعود کے ظہور کے لئے مدت مقرر کی تھی خدا نے ٹھیک ٹھیک مجھے اُسی زمانہ میں پیدا کیا۔ ۶

ایسا ہی اسلام کے تمام اولیاء کا اس پر اتفاق تھا کہ اس مسیح موعود کا زمانہ چودھویں صدی سے تجاوز نہیں کرے گا اور حدیثِ الایاتِ بعد الایاتین بھی اس پر دلالت کرتی تھی سو خدا نے چودھویں صدی کے سر پر مجھے مامود اور مخاطب فرمایا

خدا نے قرآن شریف میں ایک جگہ یہ بھی فرمایا تھا کہ آخری زمانہ میں مذاہب کے جنگ ہوں گے اور دنیا کی لہروں کی طرح ایک مذہب دوسرے مذہب پر گروے گا تا اس کو بٹو د

۷ شکایہ بعض نادانانہ یہ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ مسیح موعود کا قرآن شریف میں کہاں ذکر ہے؟ اس کا یہ جواب ہے کہ خدا کی کتابوں میں مسیح موعود کے نام ہیں مگر ان کے ایک نام خاتم الخلفاء ہے یعنی ایسا خلیفہ جو سب آخر آنے والا ہے سو اس نام کے ساتھ قرآن شریف میں مسیح موعود کے بارے میں بیسیگوئی موجود ہے چنانچہ سورۃ نور میں خدا تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ مسلمانوں میں سے آخری ظہور تک ان کے نبی کی قیامت کے لئے عیسیٰ پیدا کرے گا اور ان کے ذریعہ سے خوف کے بعد امن کی مسرت پیدا کرے گا۔ آخری ظہور تک خلیفوں کا پیدا ہونا اس قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بموجب نصِ قرآن شریف کے اسلام کا دودِ دنیا کے آخری دنوں تک پس ماننا ہے کہ اسلام میں بھی ایک خاتم الخلفاء ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ کے سلسلہ میں حضرت موسیٰ خاتم الخلفاء تھے۔ اور عجیب لفظ ہے کہ جیسا کہ حضرت موسیٰ حضرت موسیٰ سے موجب قلیل ہو کر چودھویں صدی میں پیدا ہوئے اسی طرح اسلام کا خاتم الخلفاء اسی مدت کے بعد مبعوث ہوتا۔ منہ

کر دے اور لوگ اسی جنگ و جدال میں مشغول ہوں گے کہ اس فیصلہ کے کرنے کے لئے خدا  
آسمان سے قرآن میں اپنی آواز بھرنے کا وہ قرآن کیا ہے؟ وہ اُس کا نبی ہو گا جو اُس کی آواز کو پا  
کر اسلام اور توحید کی طرف لوگوں کو دعوت کرے گا پس اس آواز کے ساتھ خدا تمام سعیدوں  
کو ایک جگہ جمع کر دے گا تب کوئی اسلام سے محروم نہیں رہے گا مگر وہی جس کو شقاوت  
ازلی نے روک رکھا ہو گا پس یقیناً سمجھو کہ یہ وہی دن ہیں جو خدا کے دن کہلاتے ہیں مگر  
مجھ سے ٹھٹھا کیا گیا تو یہ نئی بات نہیں دنیا میں کوئی رسول نہیں آیا جس سے ٹھٹھا نہیں کیا  
گیا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **يَا حَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَأْتِيهِمْ يَوْمَئِذٍ رَّسُولٌ إِلَّا كَانُودًا**  
**يَسْتَهْزِئُونَ**۔ یعنی بندوں پر افسوس اگر کوئی رسول ان کے پاس ایسا نہیں آیا جس سے  
انہوں نے ٹھٹھا نہیں کیا۔

میرے مقابل پر جو میرے مخالف مسلمان مجھے گالیاں دیتے ہیں اور مجھے کافر کہتے ہیں  
یہ بھی میرے لئے ایک نشان ہے کیونکہ انہیں کی کتابوں میں یہ اب تک موجود ہے کہ ہمدی  
مہمود جب ظاہر ہو گا تو اُس کو لوگ کافر کہیں گے اور اُس کو ترک کر دیں گے اور قریب ہو گا  
کہ علمائے اسلام اُس کو قتل کر دیں چنانچہ ایک جگہ محمد دالغ ثانی صاحب بھی ہی لکھتے  
ہیں اور شیخ محی الدین ابن العربی صاحب نے بھی ایک مقام میں یہی لکھا ہے۔ سو اس میں کچھ  
شک نہیں کہ باوجود ہزار انشائوں کے جو خدا نے میرے لئے دکھائے پھر بھی میں سخت تکذیب  
کا نشانہ بنایا گیا ہوں اور میری کتابوں کے یہودیوں کی طرح معنی صرف مبدل کر کے اور  
بہت کچھ اپنی طرف سے ملا کہ میرے پر صدام اعتراض کئے گئے ہیں کہ گویا میں ایک مستقل  
نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں اور قرآن کو چھوڑتا ہوں اور گویا میں خدا کے فیوں کو گالیاں نکالتا  
ہوں اور توہین کرتا ہوں اور گویا میں محجرات کا منکر ہوں۔ سو میری یہ تمام شکایت خدا  
تعالیٰ کے جناب میں ہے اور میں یقیناً جانتا ہوں کہ وہ اپنے فضل سے میرے حق میں  
فیصلہ کرے گا کیونکہ میں مظلوم ہوں۔

وہ حقیقت دینِ دہی دین ہے جس کے ساتھ سلسلہ معجزات اور نشانوں کا ہمیشہ رہے  
 تا اس دین کے پیرو کو بہت آسانی اور سہولت سے کچھ آجائے کہ خدا موجود ہے لیکن جس  
 دین میں خدا کے نشانوں کے ذکر کرنے کے وقت صرف قصوں کا حوالہ دیا جاتا ہے اُس  
 کے ذریعہ سے خدا کی معرفت کیونکر حاصل ہو؟ دوستو! خدا کے تازہ بتازہ نشانوں میں  
 عجیب لذت ہے۔ اُس لذت کی کیفیت ہم کیونکر بیان کر سکتے ہیں وہ کس قدر ایمان کی  
 ترقی کا وقت ہوتا ہے جب کہ خدا کوئی غیب کی خبر ہمیں بتا کر ثابت کرتا ہے کہ میں موجود  
 ہوں اور ساتھ کسی مشکل کو حل کر کے ظاہر کرتا ہے کہ میں قادر ہوں اور ہمارے دشمن  
 کو ہلاک کر کے اپنی دلی سے ہمیں مطلع کرتا ہے کہ میں تمہارا موید اور مددگار ہوں اور حملے  
 دوستوں کی نسبت ہماری دعائیں قبول کر کے ہمیں اطلاع دیتا ہے کہ میں تمہارے  
 دوستوں کا دوست ہوں۔

دشمنوں میں سے نمونہ کے طور پر میں بیان کرتا ہوں کہ آریلوں میں سے لیکر عام نام ایک  
 شخص اٹھا اور توہین اور تکذیب میں حد سے زیادہ گذر گیا آخر میرے خدا نے اُس کی  
 ہلاکت کی مجھے خبر دی۔ تب وہ ایک ایسے شخص کے ہاتھ سے مارا گیا جس کا آج تک پتہ نہ  
 ملا کہ وہ کون تھا۔

پھر امریکہ میں عیسائیوں میں سے ایک شخص اٹھا جس کا نام ڈوٹی تھا۔ اور اُس نے  
 گمان کیا کہ میں بھی کچھ ہوں اور رسالت کا دعویٰ کیا اور اس بات پر اصرار کیا کہ حضرت عیسیٰ  
 خدا ہیں اور یہ ظاہر کیا کہ گویا خدا کی طرف سے اُس کو یہی الہام ہوا ہے۔ میں نے اس کو لکھا  
 کہ تو خدا پر افتراء کرتا ہے اس لئے تو سخت تباہی کے ساتھ ہلاک ہو گا سو اُسی دن سے  
 اُس کی تباہی شروع ہوئی یہاں تک کہ فالج کے عذاب میں مبتلا ہو کر مر گیا اور اپنی موت سے  
 ثابت کر گیا کہ مغتری کا یہ انجام ہوتا ہے۔

ایسا ہی مسلمانوں میں سے ایک شخص جو قصورِ ضلع لاہور کا رہنے والا تھا اٹھا اور نام اُس کا

غلام دستگیر تھا اور مولوی کہلاتا تھا اُس نے مجھے کاذب ٹھہرا کر دُعا کے ذریعہ سے میری ہلاکت چاہی اور جھوٹے پر خدا کا عذاب مانگا اور اس بارہ میں ایک رسالہ بھی لکھا مگر اس رسالہ کو ابھی شائع کرنا نہ پایا تھا کہ وہ اپنی اُسی بد دُعا کے اثر سے ہلاک ہو گیا اور اُس کا تمام کاغذ بگڑ گیا۔

ایسا ہی مسلمانوں میں سے ایک اور شخص اٹھا جس کا نام چمرانغ دین تھا اور جہول کا رہنے والا تھا اور اُس نے مجھے دجال ٹھہرایا اور میری ہلاکت کی خبر دی۔ تب خدا نے اپنی وحی سے مجھے مطلع کیا کہ وہ طاعون سے ہلاک کیا جائے گا اور ایسا ہوا کہ ابھی اُس نے اپنے مبارک کاغذوں لکھنے کے لئے کاتب کو دیا تھا کہ اُسی رات طاعون میں مبتلا ہو کر اس جہان سے گزر گیا۔

ایسا ہی ایک شخص فقیر مرزا نام جو اپنے تئیں اولیاء اللہ میں سے سمجھتا تھا اور اُس کے بہت مرید تھے میرے مقابل پر کھڑا ہوا اور دُعا سے کیا کہ خدا نے مجھے عرش سے خبر دی ہے کہ آئندہ رمضان تک یہ شخص یعنی یہ عاجز طاعون سے ہلاک ہو جائے گا پس جب رمضان کا مہینہ آیا تو خود طاعون سے ہلاک ہو گیا۔

اسی طرح ایک نہایت کینہ ور اور گندہ زبان شخص سعد اللہ نام لدھیانہ کا رہنے والا میری اینٹا کے لئے کمر بستہ ہوا اور کئی کتابیں نثر اور نظم میں گالیوں سے بھری ہوئی تالیف کر کے اور چھپوا کر میری آویزیں اور تگزیب کی غرض سے شائع کیں اور پھر اسی پر اکتفا نہ کر کے آخر کار مبارک کیا اور ہم دونوں فریق کو یعنی مجھے اور اپنے تئیں خدا کے سامنے پیش کر کے جھوٹے کی موت خدا سے چاہی آخر تھوڑے دن بعد ہی طاعون سے ہلاک ہوا۔

ایسا ہی کئی اور دشمن مسلمانوں میں سے میرے مقابل پر کھڑے ہو کر ہلاک ہوئے اور ان کا نام و نشان نہ رہا۔ ہاں آخری دشمن اب ایک اور پیدا ہوا ہے جس کا نام عبدالحمید خان ہے اور وہ ڈاکٹر ہے اور ریاست پٹیلہ کا رہنے والا ہے جس کا دعویٰ ہے کہ میں



اُس کی زندگی میں یکم اگست ۱۹۰۶ء تک ہلاک ہو جاؤں گا۔ اور یہ اُس کی بچائی کے لئے ایک نشان ہو گا۔ یہ شخص الہام کا دعویٰ کرتا ہے اور مجھے دجال اور کافر اور کذاب قرار دیتا ہے۔ پہلے اُس نے بیعت کی اور بلا بزمینس برس تک میرے مریدوں اور میری جماعت میں داخل ہوا پھر ایک نصیحت کی وجہ سے جو میں نے محض لہذا اُس کو کی تھی مرتد ہو گیا نصیحت یہ تھی کہ اُس نے یہ مذہب اختیار کیا تھا کہ بغیر قبول اسلام اور پیروی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نجات ہو سکتی ہے۔ گو کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود کی خبر بھی رکھتا ہو۔ چونکہ یہ دعویٰ باطل تھا اور عقیدہ جمہور کے بھی برخلاف اس لئے میں نے منع کیا مگر وہ باز نہ آیا آخر میں نے اُسے اپنی جماعت سے خارج کر دیا تب اُس نے یہ پیش گوئی کی کہ میں اُس کی زندگی میں ہی ۱۴ اگست ۱۹۰۶ء تک اُس کے سامنے ہلاک ہو جاؤں گا مگر خدا نے اُس کی پیش گوئی کے مقابل پر مجھے خبر دی کہ وہ خود عذاب میں مبتلا کیا جائے گا اور خدا اُس کو ہلاک کرے گا اور میں اُس کے شر سے محفوظ رہوں گا۔ سو یہ وہ مقدمہ ہے جس کا فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے بلاشبہ یہ سچ بات ہے کہ جو شخص خدا تعالیٰ کی نظر میں صادق ہے خدا اُس کی مدد کرے گا۔

یہ تو بطور نمونہ وہ نشان لکھے گئے ہیں جو دشمنوں کے متعلق تھے لیکن میں مناسب دیکھتا ہوں کہ کچھ نمونہ کے طور پر وہ نشان بھی لکھے جائیں کہ جو دوستوں کے متعلق ہیں

اور وہ یہ ہیں (۱)

ایک دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ میرے ایک مخلص دوست ہیں جن کا نام ہے حافظ مولوی حکیم نور الدین اُن کا ایک بیٹا تھا وہ فیت ہو گیا تب ایک خرمیر دشمن نے اپنے ایک اشتداد کے ذریعے سے اس لڑکے کی موت پر بڑی خوشی ظاہر کی اور مولوی صاحب ممدوح کا نام ابتر رکھا۔ میرا دل اس ایذا سے سخت بے قرار ہو گیا میں نے بہت تضرع سے جناب الہی میں مولوی صاحب موصوف کے لئے دعا کی تب مجھے الہام ہوا کہ ایک لڑکا پیدا ہو گا اور

دُعا کی قبولیت کی یہ نشانی قرار دی گئی کہ پیدا ہوتے ہی اُس کے بدن پر پھوڑے نکل آئیں گے تب تھوڑے دنوں کے بعد لڑکا پیدا ہو گیا جس کا نام عبدالحی ہے اور پیدا ہوتے ہی اُس کے بدن پر پھوڑے نکل آتے ہیں کہ دلخ اب تک موجود ہیں اور بعد اس کے اور اولاد ہوئی اور اب مولوی صاحب کے گھر میں تین لڑکے ہیں اور درحقیقت یہ اُسی دُعا کا اثر ہے کہ دشمن تو ایک کی موت پر خوش ہوا تھا مگر خدا نے تین لڑکے دئے یہ عجیب بات ہے کہ اس دُعا کے قبول ہونے کے ساتھ خدا نے ایک نشانی بھی بیان کر دی یعنی ساتھ ہی پھوڑوں کا ذکر کر دیا۔

اور ایک نمونہ اُن نشانوں کا جو دوستوں کے متعلق ظاہر ہوئے۔ نواب محمد علی خان صاحب کالڑکا عبد الرحیم خان ہے وہ سخت بیمار ہو گیا تھا یہاں تک کہ امید منقطع ہو چکی تھی ایسے نازک وقت میں اُس کے لئے دُعا کی گئی۔ دُعا کے جواب میں ایسا معلوم ہوا کہ حیات کا رشتہ منقطع ہے تب میرے مُرنے سے نکل گیا کہ اسے میرے خدا اگر دُعا منظور نہیں ہوتی تو اس لڑکے کے لئے میری شفاعت منظور کر تب جواب میں خدا تعالیٰ نے فرمایا۔ مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَنَا إِلَّا بِإِذْنٍ یعنی کون ہے جو بغیر اذن خدا تعالیٰ کے شفاعت کر سکتا ہے۔ تب میں چُپ ہو گیا اور اس بات پر صرف چند منٹ ہی گزرے تھے کہ پھر تھوڑی سی غنودگی ہو کر یہ الہام ہوا۔ اَنْتَ اَلْحَيُّ اَلْقَيُّومُ یعنی تجھے شفاعت کی اجازت دی گئی۔ تب میں نے بطور شفیق کے اس لڑکے کے حق میں دُعا کی۔ پس تھوڑے دنوں کے بعد خدا نے اُس کو دوبارہ زندگی بخشی اور وہ تندرست ہو گیا۔ فالحمد لله على ذلك۔

اسی طرح کئی دوستوں کے حق میں اُن کی مشکلات کے وقت میں بہت نمونے نشانوں کے ہیں اور کچھ اُن میں سے میں نے اپنی کتاب حقیقۃ الوحی میں درج بھی کئے ہیں۔ اور اس جگہ ایک تازہ قبولیت دُعا کا نمونہ جو پہلے اس سے کسی کتاب میں نہیں لکھا گیا ناظرین کے فائدہ کے لئے لکھتا ہوں۔

وہ یہ ہے کہ نواب محمد علی خاں صاحب رئیس مالیک کوٹلہ مع اپنے بھائیوں کے سخت مشکلات میں پھنس گئے تھے منجملہ اُن کے یہ کہ وہ ولیمہ کے ماتحت رعایا کی طرح قرار دئے گئے تھے اور انہوں نے بہت کچھ کوشش کی مگر ناکام رہے اور صرف آخری کوشش یہ باقی رہی تھی کہ وہ نواب گورنر جنرل بہادر بالقابہ سے اپنی داد رسی چاہیں اور اس میں بھی کچھ امید نہ تھی کیونکہ اُن کے برخلاف قطعی طور پر حکام ماتحت نے فیصلہ کر دیا تھا اس طرفان غم دہم میں جیسا کہ انسان کی فطرت میں داخل ہے انہوں نے صرف مجھ سے دعا کی ہی درخواست نہ کی بلکہ یہ بھی وعدہ کیا کہ اگر خدا تعالیٰ اُن پر رحم کرے اور اس غلبہ سے نجات دے تو وہ تین ہزار نقد روپیہ بعد کامیابی کے بلا توقف مستغرقانہ کی مدد کے لئے دہاکریں گے۔ چنانچہ بہت سی دعاؤں کے بعد مجھے یہ الہام ہوا کہ اے سیف اپنا نزع اس طرف پھیر لے۔ تب میں نے نواب محمد علی خاں صاحب کو اس وحی الہی سے اطلاع دی۔ بعد اس کے خدا تعالیٰ نے اُن پر رحم کیا اور صاحب بہادر دائرہ رائے کی عدالت سے اُن کے مطلب اور مقصود اور مراد کے موافق حکم نافذ ہو گیا۔ تب انہوں نے بلا توقف تین ہزار روپیہ کے نوٹ جو نذر مقرر ہو چکی تھی مجھے دیدئے اور یہ ایک بڑا نشان تھا جو ظہور میں آیا۔

میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں کہ یہ خدا کے نشان ہیں جو بارش کی طرح برس رہے ہیں اور ایسا کوئی ہمینہ کم گذرتا ہے جس میں کوئی آسمانی نشان ظاہر نہ ہو لیکن یہ اس لئے نہیں کہ میری رُوح میں تمام رُوحوں سے زیادہ نیکی اور پاکیزگی ہے بلکہ اس لئے ہے کہ خدا نے اس زمانہ میں ارادہ کیا ہے کہ اسلام جس نے دشمنوں کے ہاتھ سے بہت مصائب اٹھائے ہیں وہ اب ہر نو تازہ کیا جائے اور خدا کے نزدیک جو اُس کی عزت ہے وہ آسمانی نشانوں کے ذریعہ سے ظاہر کی جائے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ اسلام ایسے بدیہی طور پر سچا ہے کہ اگر تمام کفار رُوحے زمین دہاکر نہ کے لئے ایک طرف کھڑے ہوں اور ایک طرف صرف

میں اکیلا اپنے خدا کی جناب میں کسی امر کے لئے رجوع کر دں تو خدا میری ہی تائید کرے گا مگر نہ اس لئے کہ سب سے میں ہی بہتر ہوں بلکہ اس لئے کہ میں اُس کے رسول پر دلی صدق سے ایمان لایا ہوں اور جانتا ہوں کہ تمام نبوتیں اُس پر ختم ہیں اور اُس کی شریعت خاتم الشرائع ہے مگر ایک قسم کی نبوت ختم نہیں یعنی وہ نبوت جو اُس کی کامل پیروی سے ملتی ہے اور جو اُس کے چراغ میں سے نور لیتی ہے وہ ختم نہیں کیونکہ وہ محمدی نبوت ہے یعنی اُس کا ظل ہے اور اُس کے ذریعہ سے ہے اور اُس کا مظہر ہے اور اُس سے فیضیاب ہے خدا اُس شخص کا دشمن ہے جو قرآن شریف کو منسوخ کی طرح قرار دیتا ہے اور محمدی شریعت کے برخلاف چلتا ہے اور اپنی شریعت چلانا چاہتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی نہیں کرتا بلکہ آپ کچھ بننا چاہتا ہے۔ مگر خدا اُس شخص سے پیار کرتا ہے جو اس کی کتاب قرآن شریف کو اپنا دستور العمل قرار دیتا ہے اور اُس کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو درحقیقت خاتم الانبیاء سمجھتا ہے اور اس کے فیض کا اپنے تئیں محتاج جانتا ہے پس ایسا شخص خدا تعالیٰ کی جناب میں پیارا ہو جاتا ہے اور خدا کا پیار یہ ہے کہ اُس کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور اُس کو اپنے مکالمہ مخاطبہ سے مشرف کرتا ہے اور اُس کی حمایت میں اپنے نشان ظاہر کرتا ہے اور جب اُس کی پیروی کمال کو پہنچتی ہے تو ایک ظلی نبوت اُس کو عطا کرتا ہے جو نبوت محمدیہ کا ظل ہے یہ اس لئے کہ تا اسلام ایسے لوگوں کے وجود سے تازہ رہے

۴ ہم بارہا کہہ چکے ہیں کہ حقیقی اندوہی طور پر تو یہ امر ہے کہ ہمارے سید و مولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور انجناب کے بعد مستقل طور پر کوئی نبوت نہیں اور نہ کوئی شریعت ہے اور اگر کوئی ایسا دعویٰ کرے تو بلاشبہ وہ بے دین اور مردود ہے لیکن خدا تعالیٰ نے ابتداء سے ارادہ کیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات متعدد کے اعصار و اثبات کے لئے کسی شخص کو انجناب کی پیروی اور متابعت کی وجہ سے وہ مزید کثرت کمالات اور مخاطبات الہیہ بخشنے کے جو اس کے وجود میں کسی طور پر نبوت کا رنگ پیدا کر دے سو اس طور سے خدا نے میرا نام ہی رکھا مگر نبوت محمدیہ میرے اندر نفس میں منعکس ہو گئی اور ظلی طور پر نہ مگر ظلی طور پر مجھے یہ ہم دیا گیا تا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض کا کامل غور و غور دل سے

اور تا اسلام ہمیشہ مخالفوں پر غالب رہے۔ نادان آدمی جو دراصل دشمن دین ہے اس بات کو نہیں چاہتا کہ اسلام میں سلسلہ مکالمات مخاطبات الہیہ کا جاری رہے بلکہ وہ چاہتا ہے کہ اسلام بھی اور مردہ مذہبوں کی طرح ایک مردہ مذہب ہو جائے۔ مگر خدا نہیں چاہتا نبوت اور رسالت کا لفظ خدا تعالیٰ نے اپنی وحی میں میری نسبت صدامرتبہ استعمال کیلئے مگر اس لفظ سے صرف وہ مکالمات مخاطبات الہیہ مراد ہیں جو کثرت میں اور غیب پر مشتمل ہیں اس سے بڑھ کر کچھ نہیں۔ ہر ایک شخص اپنی گفتگو میں ایک اصطلاح اختیار کر سکتا ہے لیکن اَن يَقْضِيَهُمْ سَوْغَدًا کی یہ اصطلاح ہے جو کثرت مکالمات و مخاطبات کا نام اُس نے نبوت رکھا ہے یعنی ایسے مکالمات جن میں اکثر غیب کی خبریں دی گئی ہیں۔ اور لعنت ہے اُس شخص پر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض سے علیحدہ ہو کر نبوت کا دعویٰ کرے مگر یہ نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ہونہ کوئی نئی نبوت اور اس کا مقصد بھی یہی ہے

کہ اسلام کی حقانیت دنیا پر ظاہر کی جائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی دکھلائی جائے۔

میں بار بار تمام دنیا پر یہ بات ظاہر کرتا ہوں کہ دنیا میں اسلام ہی صرف ایسا مذہب ہے جس کو زندہ مذہب کہنا چاہئے باقی تمام مذاہب قصوں کی پرستش میں گرفتار ہیں اور آریہ مذہب والے یوں تو ہر بات میں قانون قدرت کا حوالہ دیتے ہیں مگر اُن کے یہ دکھانے کے دانت ہیں کھلنے کے دانت نہیں ہیں۔ اور صرف یہی نہیں کہ اُن کا مذہب آسمانی نشانوں سے بے نصیب ہے بلکہ اُن کا مذہب ہر ایک بات میں خدا کے قانون قدرت کے مخالف بھی ہے۔

مثلاً خدا کے قانون قدرت سے جانداروں کی پیدائش کی نسبت صریح یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہرگز اس طرح پیدا نہیں ہوتے جیسا کہ آریوں کا خیال ہے یعنی یہ کہ اُن کی زمین شبنم

کی طرح کسی گھاس پات پر پڑتی ہیں بلکہ مختلف قسم کے مادوں سے خواہ وہ نباتی ہیں خواہ جمادی یا حیوانی یا ذوق باری تعالیٰ روحیں پیدا ہو جاتی ہیں شبنم کا اُن میں کچھ دخل نہیں جیسا کہ ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں۔ پس یہ کس قسم کا فلسفہ ہے کہ ردحوں کی پیدائش کا صرف شبنم پر مدار رکھا گیا ہے یعنی یہ کہ ردو شبنم کی طرح آسمان سے کسی گھاس پات پر گر گئی ہے۔

اگر کارخانہ قدرت پر نظر ڈالی جائے تو جانداروں کی پیدائش کے بارے میں انسانی عقل ہر ایک قدم میں اپنے عجز کا اقرار کرتی ہے۔ ایک قسم کے وہ جاندار ہیں جو دریاؤں اور سمنڈوں میں عجیب طور پر پیدا ہوتے اور پرورش پاتے ہیں اور ایک قسم کے وہ جاندار ہیں جو زمین کے نیچے پیدا ہو جاتے ہیں اور بعض جاندار یعنی کیڑے پھلوں میں پیدا ہو جاتے ہیں۔ ہماری اس کتاب کے تحریر کے وقت جو آم کے پھل لانے کا وقت ہے اور موسم بہار ہے آم کے پھول میں ایک کیڑا پیدا ہو گیا ہے جس کو اس ٹنک میں تیل لگتے ہیں اور یہ آم کے پھول سے ہی پیدا ہوا ہے اور یقین تھا کہ آم کی فصل کو تباہ کر دیتا۔ مگر اب بارش کے ہونے سے کسی قدم تک پیدا نہیں ہوا۔ ایسا ہی کپاس کے درختوں کو ایک قسم کے کیڑے نے نقصان پہنچایا ہے کہتے ہیں کہ کپاس کا کیڑا خارجی تاثیر سے پیدا نہیں ہوتا بلکہ ایک انگریز محقق نے یہ ثابت کیا ہے کہ وہ پودے کی جڑ میں مٹی میں سے پیدا ہوتا ہے۔

ایسا ہی اس موسم بہار میں میوہ میدان پر ہمیشہ ایک کیڑا دیکھا گیا ہے جو بہت خوبصورت اور بادامی رنگ ہوتا ہے۔

اور موتی کا کیڑا بھی ایک عجیب قسم کا ہوتا ہے اور بہت نرم ہوتا ہے اور لوگ اس کو کھاتے بھی ہیں خود پانی میں بھی کیڑے ہوتے ہیں اور ایک قسم کے درخت ہیں کہ ایک صفت اُن میں نباتی اور ایک حیوانی ہے جیسا کہ پہلے حکماء نے بھی بانس کے درخت میں یہ صفت ثابت کی ہے کہ اگر وہ کسی ایسی جگہ پر لگایا جائے جس کے اوپر چھت ہو تو ہمزوہ درخت چھت تک نہیں پہنچتا اور ایک دو ہاتھ باقی رہتے ہیں کہ ایسی طرف اپنا رخ کر لیتا ہے جس طرف سے وہ

بآسانی باہر کی طرف نکل آتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں بھی ایک حیوانی شعور ہے ایسا ہی لاجوتی کی بوٹی میں بھی حیوانی شعور پایا جاتا ہے کہ وہ ہاتھ لگانے سے فی الفور پشمرہ ہو جاتی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کا وجود بھی حیوان اور نبات میں مشترک ہے اور بعض درختوں کے پھل جب پختہ ہوتے اور کھانے کے قابل ہو جاتے ہیں تو وہ سب کے سب پرندے بن جاتے ہیں اور دوسرے پرندوں کی طرح پرواز کرتے ہیں جیسا کہ گولر کا پھل بھی اسی طرح کا ہے اور بعض سیاح صاحب تجربہ بیان کرتے ہیں کہ افریقہ کے بعض جنگلوں میں بہت سے ایسے درخت پائے گئے ہیں کہ ان کے پھل بھی گولر کی پھل کی طرح آغوا چھوٹے چھوٹے پرندے ہو کر پرواز کرنے لگتے ہیں۔ بعض پتے اس قسم کے ہیں کہ عین سبز ہونے کی حالت میں ان میں کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں۔ پس ظاہر ہے کہ کارخانہ قدرت الہی کی کون حد بہت کر سکتا ہے یہ تمام جہالتیں ہیں کہ اس کے قدرت کے کاموں کو محدود کیا جاسکے اس وسیع کارخانہ قدرت پر ایک عمیق نظر ڈالنے سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ تمام مدار حیوانی پیدائش کا یہ قرار دینا کہ زمین و آسمان کی طرح آسمان سے گرتی ہیں ایسا خیال فخر جہالت ہی نہیں بلکہ جنون اور دیوانگی ہے۔

پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ ان تمام کیڑوں کی پیدائش مومنوں اور وقوف سے وابستہ ہے مثلاً برسات میں اس قدر کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں کہ تمام سال میں اس قدر پیدا نہیں ہوتے پس کیا ہم گمان کر سکتے ہیں کہ برسات میں لوگ بڑے بڑے گناہ کرتے ہیں اس لئے اس موسم میں کیڑوں کی ادنیٰ جوتیں انہیں نصیب ہوتی ہیں؟ شرم۔

ماسوا اس کے آریہ مذہب کا یہ عقیدہ قانون قدرت سے کس قدر برخلاف ہے کہ خدا تعالیٰ اس زمانہ میں لوگوں کی دعائیں مستجاب ہے مگر بولنے پر قادر نہیں اس لئے جواب نہیں دے سکتا۔ اور صرف اس زمانہ تک وہ بولتا تھا جب کہ دید کا زمانہ تھا پھر جب کہ وہ بولتا نہیں تو کیونکر معلوم ہو کہ وہ مستجاب بھی ہے بلکہ کیونکر معلوم ہو کہ وہ زندہ ہے پس یہ کس

قسم کا قانون قدرت ہے جو ہمارے زمانہ میں اگر معطل ہو گیا۔

پھر یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ خدا صرف آریہ ورت کا ہی خدا نہیں بلکہ تمام دنیا کا خدا ہے پھر یہ کس قسم کا قانون قدرت ہے کہ وہ بے شمار مدقوں سے آریہ ورت سے ہی تعلق رکھتا ہے کہ انہیں کے ملک میں اپنی کتاب نازل کرنا ہے کیا کوئی ثابت کر سکتا ہے کہ آریہ ورت کو خدا سے کوئی خصوصیت ہے کہ ہمیشہ کے لئے خدا تعالیٰ کو انہیں کا ملک پسند آگیا۔ اور پھر کیا وجہ ہے کہ اس کام کے لئے ہمیشہ آریہ ورت کے چار نشی ہی منتخب کئے جاتے ہیں اور کیا وجہ ہے کہ پریشراپنے عاجز بندوں کو انکی زبان میں ہی اپنے احکام نہیں سمجھاتا اور ایک اجنبی زبان میں کہتے ہیں نہ سمجھ سکیں نہ بول سکیں ان کے سامنے پریش کو تک ہے کہ اُس کی ہدایتوں پر چلو؟ اگر یہی بات ہے کہ پریشراپنے زبان سے نفرت کرتا ہے تو پھر وہ دعائیں جو اپنی اپنی زبان میں لوگ کرتے ہیں وہ کیونکر سن لیتا ہے؟

غرض آریہ مذہب خدا کے قانون قدرت کے بالکل مخالف ہے اور ہم بار بار بیان کر چکے ہیں کہ وید کی رو سے پریشرا کا وجود ہی ثابت نہیں ہوتا کیونکہ نہ پریشرا وید کی رو سے کامل طور پر خالق ہے اور نہ کوئی تازہ نشان دکھا سکتا ہے مائس کی مستی کا اُسک پتہ لگے اور نہ اُس کی طرف توجہ کرنے والا یہ امر محسوس کرتا ہے کہ پریشرا نے اپنی کلام سے اُس کو اپنے وجود کی خبر دی ہے کہ میں موجود ہوں عجیب بات یہ ہے کہ وید کی رو سے مجرموں کو سزا دینے کے لئے اور نیز ایسی نیک جزا دینے کیلئے جس سے ایک بیل اپنی مشقت بھگت کر انسان بن سکتا ہے یہی دنیا جزا و سزا کا گھر ہے مگر پھر بھی ہر ایک رُوح مرنے کے بعد دُنیا سے اٹھائی جاتی ہے اور کسی جزا و سزا کا ثمرہ اسی دُنیا میں دست بدست دکھایا نہیں جاتا اور چاہئے تھا کہ جس وقت ایک بیل اپنی بد اعمالی کی سزا بھگت لے تو فی الفور اس بیل کو انسان بنایا جاسے تاکہ لوگوں کو بھی معلوم ہو کہ سزا بخیر حق ہے جب کہ یہی دُنیا.... سزا جزا دینے کا گھر ہے تو ناحق رُوح کو دُنیا سے اٹھا لینا اور پھر واپس لانا کس قدر فضول حرکت ہے۔



# حق کے طالبوں کیلئے ایک ضروری نصیحت

جو کہ دنیا ایک ایسی دھوکہ دینے والی جگہ ہے کہ اس میں ہر ایک اچھی چیز کے مقابل پر بُری چیز بھی موجود ہے بلکہ بعض اوقات نادانوں کی نظر میں بُری چیز ایسی اچھی دکھائی دیتی ہے کہ گویا وہی عمدہ اور قابلِ تعریف ہے مثلاً ہیرا جس کو خدا اپنی قدرت اور حکمت سے زمین میں سے پیدا کر دیتا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ کوئلہ سے پیدا ہوتا ہے بہر حال کچھ ہو لیکن وہ ایسی قیمتی چیز ہے کہ اگر وہ اپنے پورے وزن اور پورے لازم کے ساتھ پیدا ہو جائے تو کسی لاکھ روپیہ بلکہ اس سے بڑھ کر اُس کی قیمت ہوتی ہے اور مجر خزان ملک کے کسی کو میر نہیں آتا پھر عجیب تر بات یہ ہے کہ بعض دوسرے پتھر بھی ایسے ہیں کہ بڑے دانا جوہری بھی دھوکہ کھا کر اُن کو اعلیٰ درجہ کا ہیرا ہی خیال کرنے لگتے ہیں بلکہ اپنی بے وقوفی سے خرید کر ہزار ہا روپیہ کا خسارہ اٹھاتے ہیں۔ میرے یہ دیکھنے کی بات ہے کہ قادیان میں ایک کابلی شخص دو پتھر چمکنے والے مدور شکل کے لایا جو بہت خوبصورت اور چمکدار تھے اور بیان کیا کہ یہ دو ہیرے ہیں اور اُن میں سے شعلہ کی طرح چمک نکلتی تھی۔ میرے ایک دوست نے جو وہ اس کے رہنے والے تھے ایک ٹکڑہ اس ہیرے کا خریدنا چاہا اور پانسو روپیہ قیمت ٹھہری۔ میں نے اُن کو منع کیا کہ اول یہ ٹکڑہ کسی جوہری کو دکھالینا چاہئے۔ پھر جوہری کے پاس ملاں میں وہ ٹکڑہ بھیگیایا آخر شاید ایک ہفتہ یا دس دن کے بعد جواب آیا کہ اس ٹکڑہ کی قیمت دو یا تین پیسے ہیں اور معلوم ہوا کہ یہ اور ہی پتھر ہے جو ہیرے سے مشابہ ہوتا ہے۔

پس اسی طرح سمجھنا چاہئے کہ بعض نااہل آدمی اپنی جھولی چمک دکھا کر ایسا ظاہر کرتے ہیں کہ گویا وہ اولیاء الرحمن میں سے ہیں اور درحقیقت وہ اولیاء الشیطان میں سے ہوتے ہیں

ہر ایک شخص کا کام نہیں ہے کہ وہ عباد الرحمن اور عباد الشیطان میں فرق کر سکے ہاں اگر ولایت حق کے جمیع لوازم مد نظر رکھ کر اور اس معیار کو ہاتھ میں لے کر جو قرآن شریف نے عباد الرحمن کے لئے مقرر کیا ہے دیکھا جائے تو انسان دھوکہ کھانے سے بچ جائے گا اور کسی پلیس کے ہاتھ میں ہاتھ نہیں دے گا۔ مگر مشکل تو یہی ہے کہ اس زمانہ میں اکثر لوگ خدا کے پاک کلام قرآن شریف میں تدبر نہیں کرتے اور نہیں دیکھتے کہ قرآن شریف نے عباد الرحمن کے کیا کیا علامات لکھے ہیں۔

یہ علامات قرآن شریف میں دو قسم کے پائے جاتے ہیں بعض وہ علامات ہیں جو بندہ کے کمال تقویٰ اور کمال اخلاص اور حسن اعتقاد اور حسن اقتدار اور حسن عمل کے متعلق ہیں اور بعض وہ علامات ہیں جو خدا تعالیٰ کے فضل اور اکرام اور انعام کے متعلق ہیں یہ دونوں قسم کے علامات جس بندہ میں صحیح اور واقعی طور پر پائے جائیں گے وہ بلاشبہ عباد الرحمن میں سے ہو گا اور سب سے زیادہ جو خدا نے علامت رکھی ہے وہ یہ ہے جو مومن اور غیر مومن میں خدا نے ایک فرقان رکھا ہے اور مومن کا مل مقابلہ کے وقت اپنے دشمن پر فتح پاتا ہے اور اُس کی نصرت اور مدد کی جاتی ہے اور نیز یہ کہ مومن کا مل کو بصیرت کامل بخشی جاتی ہے اور سب سے زیادہ معرفت کا حصہ بخشا جاتا ہے اور نیز یہ کہ اس کا تقویٰ معمولی انسانوں کے تقویٰ کی طرح نہیں ہوتا بلکہ اُس کے تقویٰ سے مراد یہ ہے کہ وہ خدا کے مقابل چاہنے وجود کو بھی گناہ میں داخل سمجھتا ہے اور نیستی کے انتہائی درجہ پر پہنچ جاتا ہے اور اُس کا کچھ بھی نہیں رہتا بلکہ سب خدا کا ہو جاتا ہے اور اُس کی راہ میں فدا ہونے کو ہر وقت تیار رہتا ہے۔

اور چونکہ خدا کی غیرت عام طور پر اپنے بندوں کو انگشت نما نہیں کرنا چاہتی اس لئے جب سے کہ دنیا پیدا ہوئی ہے خدا اپنے خاص اور پیارے بندوں کو بیگانہ آدمیوں کی نظر سے کسی نہ کسی ظاہری اعتراض کے نیچے لاکر محبوب اور مستور کر دیتا ہے تا انہیں لوگوں کی

اُن پر نظر نہ پڑ سکے اور تادہ خدا کی غیرت کی چادر کے نیچے پوشیدہ رہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سیدنا  
 و مولانا حضرت محمد مصطفیٰ علیہ السلام جیسے کامل انسان پر جو سراسر نور مجسم ہیں انہیں  
 پادریوں اور نادان فلسفیوں اور جاہل آریوں نے اس قدر اعتراض کئے ہیں کہ گروہ سب  
 اکٹھے کئے جائیں تو تین ہزار سے بھی کچھ زیادہ ہیں پھر کسی دوسرے کو کب امید ہے کہ مخالفوں  
 کے اعتراض سے بچ سکے اگر خدا چاہتا تو ایسا ظہور میں نہ آتا مگر خدا نے یہی چاہا کہ اُس کے  
 خاص بندے دنیا کے فرزندوں کے ہاتھ سے دکھائے جائیں اور ستائے جائیں اور اُن  
 کے حق میں طرح طرح کی باتیں کہی جائیں۔ اسی طرح انجیل سے ثابت ہے کہ بد قسمت یہودیوں  
 نے حضرت عیسیٰ کو بھی کافر اور مکار اور گمراہ اور گمراہ کرنے والا اور فریبی ٹھہرایا یہاں تک کہ  
 ایک چور کو اُن پر ترجیح دی۔ ایسا ہی فرعون نے بھی حضرت موسیٰ کو کافر کر کے پکارا جیسا کہ  
 قرآن شریف میں فرعون کا یہ کلمہ درج ہے **وَفَعَلْنَا لَعْنَتَكَ الْيَتَّى نَعْلَمَ وَاسْتَكْبَرَ**  
**مِنَ الْكَافِرِينَ** یعنی اے موسیٰ جو کام تو نے کیا وہ اور تو تو کافروں میں سے ہے۔

پس یہ کفر عجیب کفر ہے کہ ابتداء سے تمام رسول اور نبی وراثت کے طور پر نادانوں  
 کی زبان سے اس کو لیتے آئے یہاں تک کہ آخری حصہ اُس کا ہمیں بھی مل گیا۔ پس ہمارے  
 لئے یہ فخر کی جگہ ہے کہ ہم اس حصہ سے کہ جو نبیوں اور رسولوں اور صدیقیوں کو قدیم سے ملتا  
 آیا ہے محروم نہ رہے بلکہ یہ کتابے جانہ ہو گا کہ کئی گذشتہ نبیوں کی نسبت یہ حصہ ہمیں  
 زیادہ ملا ہے۔

اور یہ بات بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ اولیاء اللہ کے بھی کئی درجات ہوتے ہیں  
 اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ** بعض بعض پر فضیلت رکھتے  
 ہیں بلکہ بعض اس مقام تک پہنچ جاتے ہیں کہ اوقاف درجہ کے صلحاء اُن کو شناخت نہیں کر سکتے  
 اور اُن کے مقام عالی سے منکر رہتے ہیں اور یہ اُن کے لئے ابتلا اور ٹھوکر کا باعث ہو جاتا  
 ہے اصل بات یہ ہے کہ ربوبیت کی تجلیات الگ الگ ہوتی ہیں جو اخلاص العباد ہوتے ہیں

وہ اعلیٰ درجہ کی تخلیق سے مخصوص کئے جاتے ہیں دوسروں کو اس تخلیق سے کوئی حصہ نہیں ملتا۔ اگرچہ  
 خدا ایک ہے اور واحد لا شریک ہے مگر پھر بھی مختلف تجلیات کے اعتبار سے ہر ایک  
 کا جدا جدا رب ہے۔ یہ نہیں کہ رب بہت ہیں رب ایک ہی ہے جو سب کا رب ہے  
 اور کثرت کا قائل کا فر ہے۔ مگر تعلقات کے مختلف مراتب کے لحاظ سے اور صفات الہیہ  
 کے ظہور کی کمی بیشی کے لحاظ سے ہر ایک کا جدا جدا رب کہنا پڑتا ہے جیسا کہ بہت سے  
 آئینے اگر ایک چہرہ کے مقابل پر رکھے جائیں جن میں سے بعض آئینے اس قدر چھوٹے ہوں  
 کہ جیسے آدگی مشیشہ ہوتا ہے اور بعض اس سے بھی چھوٹے اور بعض اس قدر چھوٹے کہ گویا  
 آدگی کے آئینہ سے پچاسواں حصہ ہیں اور بعض آدگی کے آئینہ سے کسی قدر بڑے ہیں اور بعض  
 اس قدر بڑے ہیں کہ ان میں پورا چہرہ نظر آسکتا ہے پس اس میں شک نہیں کہ اگرچہ چہرہ ایک  
 ہی ہے لیکن جس قدر آئینہ چھوٹا ہوگا چہرہ بھی اس میں چھوٹا دکھائی دے گا۔ یہاں تک کہ  
 بعض نہایت چھوٹے آئینوں میں ایک نقطہ کی طرح چہرہ نظر آئے گا اور ہرگز پورا چہرہ نظر  
 نہیں آئے گا جب تک پورا آئینہ نہ ہو پس اس میں کچھ شک نہیں کہ چہرہ تو ایک ہے اور یہ  
 بات واقعی صحیح ہے لیکن جو بظاہر مختلف آئینوں میں نظر آتا ہے اس کی نسبت یہ کہنا  
 بھی صحیح ہے کہ وہ باعتبار اس نمائش کے ایک چہرہ نہیں ہے بلکہ کسی چہرے ہیں اسی طرح  
 ربوبیت الہیہ ہر ایک کے لئے ایک درجہ پر ظاہر نہیں ہوتی۔ انسانی نفس تزکیہ کے بعد ایک  
 آئینہ کا حکم رکھتا ہے جس میں ربوبیت الہیہ کا چہرہ منعکس ہوتا ہے مگر گو کسی کے لئے تزکیہ  
 نفس حاصل ہو گیا ہو مگر فطرت کے لحاظ سے تمام نفوس انسانیہ برابر نہیں ہیں کسی کا دائرہ  
 استعداد بڑا ہے اور کسی کا چھوٹا جس طرح اجرام سماویہ چھوٹے بڑے ہیں پس جو چھوٹی استعداد  
 کا نفس ہے گو اس کا تزکیہ بھی ہو گیا مگر چونکہ استعداد کی رو سے اس نفس کا ظرف چھوٹا  
 ہے اس لئے ربوبیت الہیہ اور تجلیات ربانیہ کا عکس بھی اس میں چھوٹا ہوگا۔ پس اس لحاظ  
 سے اگرچہ رب ایک ہے لیکن ظروف انسانیہ میں منعکس ہونے کے وقت بہت سے

رب نظر آئیں گے۔ یہی بحمد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نمازیں یہی کہتے تھے کہ  
 سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى۔ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ یعنی میرا رب سب سے بڑا اور بزرگ  
 ہے۔ پس اگرچہ رب تو ایک ہے مگر تجلیات عظیمہ اور ربوبیت عالمیہ کی وجہ سے حضرت محمد  
 صلی اللہ علیہ وسلم کا لب سب سے اعلیٰ ہے۔

پھر اس جگہ ایک اور نکتہ ہے کہ چونکہ مدارج قرب اور تعلق حضرت احدیت کے مختلف  
 ہیں اس لئے ایک شخص باوجود خدا کا مقرب ہونے کے جب ایسے شخص سے مقابلہ کرتا  
 ہے جو قرب اور محبت کے مقام میں اس سے بہت بڑھ کر ہے تو آخر نتیجہ اس کا یہ ہوتا  
 ہے کہ یہ شخص جہاد فی درجہ کا قرب الہی رکھتا ہے نہ صرف ہلاک ہوتا ہے بلکہ بے ایمان  
 ہو کر مرتا ہے جیسا کہ موسیٰ کے مقابل پر بلعم باعور کا حال ہوا۔ پہلے تو وہ مخالفہ النبیہ  
 سے مشرقت تھا اور اُس کی دعائیں قبول ہوتی تھیں اور تمام ملک میں ولی کہلاتا تھا اور  
 صاحب کرامات تھا لیکن جب خواہ مخواہ موسیٰ کے ساتھ مقابلہ کر بیٹھا اور اپنی قدر کو  
 شناخت نہ کیا تب ولایت اور قرب کے مقام سے گرایا گیا اور خدا نے کہنے کے ساتھ  
 اُس کو مثال دی۔ پس سوچنا چاہئے کہ تکبر اور شیخت کس قدر خوت کا مقام ہے اور اس بڑگاہ  
 میں بجز عاجزی کے اور کچھ منظور نہیں۔ چاہئے کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو دیکھے کہ وہ  
 خدا سے تعلق محبت رکھتا ہے اور خدا اس کی مدد اور نصرت کرتا ہے تو گو یہ کیسا ہی اپنے  
 متیں پار سار یا اہم سمجھتا ہے جلدی سے اُس کی توہین اور تکذیب کے لئے طیارہ نہ ہو۔ تا  
 بلعم باعور کی طرح اُس کا انجام بد نہ ہو۔

# ختم کیا گیا

جس میں باوانانک صاحب کی گواہی اسلام کی نسبت لکھی گئی ہے

چونکہ یہ کتاب ہندوؤں کے مقابل پر تالیف ہوئی ہے یعنی آریوں کے مقابل پر جو آج کل بد مذہبی اور توہین میں ہر ایک قوم سے بڑھ گئے ہیں اس لئے ہم اس کتاب کو ایک ایسے بزرگ کی شہادت پر ختم کرتے ہیں جو ہندوؤں کی قوم میں سے ہے مگر اپنی رُوح کی پاکیزگی اور خوفِ الہی میں ہندوؤں کے اکثر بزرگوں سے بڑھ کر ہے۔

اس بزرگ سے ہماری مراد بادا نانک صاحب ہیں جو سکھوں کے پیشوا اور رہبر ہیں ہمیں بڑے شکر سے اس بات کا اقرار کرنا پڑا ہے کہ جیسا کہ خدا تعالیٰ نے یہودیوں اور عیسائیوں کی مقدس کتابوں میں ہمارے سید و مولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی نسبت پیشگوئی کی ہے اور بیان فرمایا ہے کہ وہ ایک سچا اور صادق رسول ہے جو آنے والا ہے ایسا ہی خدا تعالیٰ نے چاہا کہ ہندوؤں کی قوم کو بھی اس شہادت سے محروم نہ رکھے سو خدا تعالیٰ نے اس نیک پنجاب میں اس گواہی کے ادا کرنے کیلئے ایک ایسا شخص پیدا کیا جو آج ہمیں لاکھوں سال کے چیلے اور اُس کی راہ میں جان فدا کرنے کو طیار ہیں یعنی باوانانک صاحب۔

جس شخص کو بادا نانک صاحب کے سوانح سے اطلاع ہوگی اس کو معلوم ہوگا کہ یہ وہی مرد خدا ہے جس نے دنیا داری کے ہزاروں پردوں کو پھاڑ کر اور بے جا رسموں کی بندشوں کو توڑ کر خدا کو اختیار کیا تھا۔ اُس کے کلام اور اُس کے ہر ایک فقرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بلاشبہ وہ اُن لوگوں میں سے ہے جن کو خدا اپنے ہاتھ سے صاف کرتا ہے اور جن کے دلوں کو دنیا

سے بیزار کر کے اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور جن کے سینوں میں وہ اپنی محبت کی آگ رکھ دیتا ہے۔ اس کا کلام جا بجا ثابت کرتا ہے کہ اُس نے ہندوؤں کے ویدوں میں بہت غور کی مگر اُن سے کچھ تسلی نہیں پائی آخر ویدوں سے اُس کا دل بیزار ہو گیا اور اُس وقت کے خدا رسیدہ مسلمانوں سے اُس نے تعلق پیدا کیا اور ایک زمانہ دراز تک اُن کی صحبت میں رہا آخر اُن کے رنگ سے رنگیں ہو گیا۔ اب تک اُس کی یادگار میں وہ چلکے کشی کے مقام پائے جاتے ہیں جس جس جگہ اُس نے اولیاء اللہ کے قرب و جوار میں خدا کی راہ میں مجاہدات کئے چنانچہ اس نیت سے میں ایک مرتبہ مٹمان پہنچ کر ایک بزرگ کی خانقاہ پر گیا تو ایک دیوار پر بادا نانک صاحب کے ہاتھ سے لکھا ہوا دیکھا اور مجاوروں نے مجھے چلکے کشی کا مقام دکھایا اور وہ مسجد بھی دکھائی جس میں وہ نماز پڑھتے تھے۔ اصل بات یہ ہے کہ وہ زندہ خدا کا طالب تھا اور زندہ مذہب کو ڈھونڈتا تھا آخر خدا اُس پر ظاہر ہوا اور راہ راست اس کو دکھلا دیا۔ بادا صاحب کے تبرکات بھی جو اب تک اُن کی اولاد یا جانشینوں کی اولاد کے ہاتھ میں موجود ہیں وہ تبرکات بھی بزبان حال بیان کر رہے ہیں کہ بادا نانک صاحب اور جانشین اُن کے در حقیقت مسلمان تھے اور حکمت الہیہ سے وہ مخفی رہے وہ تمام تبرکات بادا صاحب کے اسلام پر ایک عجیب شہادت ہے اور میں نے ان شہادتوں کے فراہم کرنے میں بہت محنت کی آخر خدا کے فضل سے کافی شہادتیں مجھے مل گئیں۔ چنانچہ ذیل میں بادا صاحب کے تبرکات میں سے ایک عجیب شہادت پیش کرتا ہوں۔

بمقام گرو بہر سہ سنگھ واقع ضلع فیروز پور سکھوں کے ایک نہایت معزز خاندان کے قبضہ میں بادا نانک صاحب اور اُن کے بعد کے گدی نشین گروؤں کے چند تبرکات چلے آتے ہیں جن میں ایک تسبیح (جس کو ہندو مالاکتے ہیں) بادا صاحب موصوف کی اور ایک پوتھی اور ایک قرآن شریف اور چند دیگر اشیاء میں۔ یہ قرآن شریف اور دیگر تبرکات

تہایت ادب کے ساتھ بہت سے لکھی غلاموں کے درمیان بند ہیں اور ان کو کھولانہیں جاتا جب تک کہ ان کے درشن کرنے کا خواہشمند اس گرو کو جس کے قبضہ میں وہ ہیں مبلغ ایک سو ایک روپیہ نہ دے۔ اور اس کو کھولنے سے پہلے وہ گرو ایک سو ایک دفعہ شانان یعنی غسل کرتا ہے تب وہ اپنے آپ کو اس قابل خیال کرتا ہے کہ اس کو کھولے اور ہاتھ لگائے ان تبرکات کے درشن کرنے کے واسطے اور ان کے آگے سر جھکانے کے واسطے سکھ اور ہندو لوگ سیالکوٹ۔ راولپنڈی۔ ڈیرہ اسماعیل خان۔ ڈیرہ غازیخان۔ کوہاٹ اور دیگر سرحدی علاقہ جات بلکہ کابل تک آتے ہیں۔ آج کل جس سکھ بزرگ کے قبضہ میں یہ تبرکات ہیں اس کا نام گرو بشن سنگھ ہے۔ یہ صاحب گرو رام داس کی اولاد میں سے ہیں جو کہ بادا نانک کے بعد چوتھے گرو سکھوں کے گدرے ہیں۔

فیروز پور گزٹیر مطبوعہ ۱۸۸۹ء میں جو حالات سرکار انگریزی کے کارپردازان نے اس خاندان کے متعلق لکھے ہیں ان میں مندرج ہے کہ اس خاندان کے مورث اعلیٰ وہی گرو رام داس صاحب تھے جن کے نام نامی پر امرتسر کا مشہور سہری مندر نامزد ہے پہلے یہ تبرکات ضلع لاہور تحصیل چوئیاں کے ایک گانوں محمدی پور نام میں تھے جہاں سے اس خاندان کا بزرگ گرو جیون مل قتل مکان کر کے موجودہ مقام میں آگیا اور یہاں اس نے ایک گانوں آباد کیا جس کا نام اپنے بیٹے کے نام پر گرو ہر سہائے رکھا چنانچہ آج تک یہ گانوں اسی نام سے مشہور ہے گرو جیون مل کے بعد اس کا بیٹا گرو ہر سہائے گدی نشین ہوا اور اس کے بعد گرو اجیت سنگھ اور پھر گرو امیر سنگھ اور پھر گرو گلاب سنگھ اور پھر گرو فتح سنگھ موجود گرو کا باپ) یکے بعد دیگرے جانشین ہوتے چلے آئے۔ ان تبرکات قرآن شریف وغیرہ کے سبب اس خاندان کا اثر ہمیشہ سکھ قوم پر زور آور رہا ہے انہیں تبرکات کے سبب سے یہ خاندان ہمیشہ بڑی بڑی جاگیروں کا مالک رہا ہے چنانچہ اب تک ۲۶ گانوں ان کے قبضہ میں ہیں جو ضلع فیروز پور میں ہیں اور ان کے علاوہ ریاست شائے ناٹھ دیپالہ میں بھی



اُن کی جاگیریں ہیں۔ ان تبرکات کو دیکھنے کے واسطے اور ان سے..... فیض حاصل کرنے کے واسطے بعض بڑے بڑے آدمی دہاں جایا کرتے ہیں چنانچہ ایک دفعہ گذشتہ مہاراجہ صاحب دہلی ریاست فرید کوٹ بھی خود وہاں گئے تھے اور مشہور ہے کہ انہوں نے ایک ہاتھی اور ایک ہزار روپیہ نقد ان تبرکات کے سبب گرد صاحب کی نذر کیا تھا۔ قرآن شریف اور دیگر تبرکات مفصلہ ذیل صاحبان کو ہم۔ اپریل ۱۹۱۹ء شنبہ کے دن گوردیشن سنگھ صاحب نے دکھائے چنانچہ قرآن شریف کو کھول کر پڑھا گیا۔ وہ ایک نہایت خوشخط لکھی ہوئی حماں شریف ہے جس کا سائز تخمیناً ۳۰ اینچ چوڑا اور ۱۴ اینچ لمبا ہے۔ ہر صفحہ پر ورد گرد سنہری لکیریں پڑی ہیں اور بعض مقامات پر سنہری بیل ہے موجودہ گرد صاحب کا بیان ہے کہ پرانے گرد صاحبان سے یہ قرآن شریف بطور تبرک کے چلا آتا ہے۔

ہماری جماعت کے معزز ارکان میں سے جس جس صاحب نے موقع پر پہنچ کر اس قرآن شریف کی زیارت کی ہے اُن صاحبان کے نام یہ ہیں۔

(۱) مفتی محمد صادق صاحب ڈیڑا انخار بدر قادیان۔

(۲) مولوی محمد علی صاحب ایم اے ڈیڑا رسالہ دیو لو آف ریجنز قادیان۔

(۳) میرزا محمود احمد (میرا بڑا لڑکا) ڈیڑا رسالہ تحصیلہ الاذنان۔

(۴) سید امیر علی شاہ صاحب سب انسپکٹر عدول آباد۔

(۵) حکیم ڈاکٹر نور محمد صاحب لاہوری مالک کارخانہ ہمد مہمت لاہور۔

(۶) شیخ عبدالرحیم صاحب نو مسلم (سابق جگت سنگھ)

(۷) چودھری فتح محمد صاحب طالب علم گورنمنٹ کالج لاہور۔

اب ہم اس جگہ اس بات کے بیان کرنے سے خاموش نہیں رہ سکتے کہ یہ قرآن شریف کہ جو بادا نانک صاحب کے گدی نشین گوردوں کے تبرکات میں نہایت عزت اور ادب کے ساتھ اب تک اس خاندان میں چلا آیا ہے جس کی زیارت کے لئے صدہا

کو اس سے سکھ لوگ آتے ہیں اور ہزار بار دہرے بطور تذر چڑھاتے ہیں۔ یہ اس بات پر صاف دلیل ہے کہ باوانانک صاحب اور نیز ان کے گدی نشین اور پیرو صدق دل سے قرآن شریف پر ایمان لاتے تھے اور اس کو درحقیقت خدا کا کلام سمجھ کر اس کا ادب کرتے تھے اگر کوئی شخص تجاہل کے زو سے اس کا انکار کرے تو اس سے ہمیں کچھ غرض نہیں لیکن بلاشبہ باوا صاحب اور ان کے گدی نشینوں کے اسلام پر یہ ایسا کھلا کھلا ثبوت ہے کہ اس سے بڑھ کر متصور نہیں۔

پھر جب ہم اس کے ساتھ اس ثبوت کو دیکھتے ہیں جو اس تبرک سے ہمیں ملتا ہے جو ڈیرہ نانک شیعہ گورداسپور میں موجود ہے جس کا ہم نے اپنی کتاب مسیحیچن میں مفصل ذکر کیا ہے یعنی چولہ صاحب جس پر بہت سی قرآن شریف کی آیتوں کے ساتھ یہ کلمہ شہادت بھی لکھا ہوا ہے اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمدًا عبیدہ ورسولہ تو بلاشبہ ہمیں راستی کی پابندی سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ باوانانک صاحب نہ صرف عام مسلمانوں کی طرح مسلمان تھے بلکہ ان کو اسلام کے ان اولیاء اور بزرگوں میں سے شمار کرنا چاہئے جو اس ملک میں گذر چکے ہیں اب بعد اس کے ہم ذیل میں چند ملفوظات باوانانک صاحب جو گرتھ اور جنم ساکھیوں میں لکھے ہوئے ہیں ذیل میں درج کرتے ہیں اور اس بات کا انصاف ناظرین پر چھوڑتے ہیں کہ ان تمام امور کو یکجا ہی نظر سے دیکھا جائے تو کیا اس سے ثابت نہیں ہوتا کہ باوانانک صاحب کو مذہب کی رو سے ہندوؤں سے کچھ بھی تعلق نہ تھا بلکہ وہ مرد خدا کامل مسلمانوں میں سے ایک مسلمان تھا وہ اریہ قوم میں اس غرض سے پیدا ہوا کہ تا خدا سے الہام پاکر اسلام کی سچائی کا اقرار کرے اور پھر اپنی اس گواہی سے تمام ہندوؤں کو ملزم کرے کہ خدا کے سامنے قیامت کے دن ان پر نالش کرے۔ پس باوانانک صاحب کا وجود تمام ہندوؤں پر خدا تعالیٰ کی ایک حجت ہے خاص کر سکھوں پر جو ان کے پیرو کہلاتے ہیں۔ خدا نے

آریوں میں سے ایک ایسا مقدس شخص پیدا کیا کہ وہ گواہی دیتا ہے کہ اسلام سچا ہے اور جو تکذیب کرتے ہیں وہ اُن کے منہ پر ٹھوسکتے ہیں پس اسے وہ تمام لوگوں کو جو اس مقدس گورو کے سکھ ہو۔ خدا سے ڈرو اور صفت میں ہی تم کو مزم نہیں کرتا بلکہ وہ مقدس بزرگ بھی تم کو مزم کر رہا ہے جس کی پیروی کا تم کو دعویٰ ہے اگر تم اُس مقدس گورو کے سچے سکھ ہو تو ہندوؤں کا تعلق چھوڑ دو جیسا کہ اُس نے چھوڑ دیا تھا اور اس پاک مذہب کی روشنی سے تم بھی نور حاصل کرو جس کے نور سے وہ بزرگ مسرتا پاؤں روشن ہو گیا تھا اگر میں جھوٹ کہتا ہوں تو میرے قول کی پیروی مت کرو اور اگر میں سچ کہتا ہوں تو دھرم ہی ہے کہ سچ کو قبول کر لو

بادا نانک صاحب ملالوں کے گھر میں پیدا نہیں ہوئے تھے وہ آریہ قوم میں سے تھے مگر خدا کا الہام اُن کو اسلام کی طرف کھینچ لایا۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ انہوں نے یہ مذہب اسلام اختیار کر کے بعض ہندوؤں سے بڑے دکھ اٹھائے مگر اپنی ثابت قدمی سے ہر ایک دکھ پر صبر کیا انہوں نے بصیرت کی راہ سے اسلام کو قبول کیا نہ صرف تقلید کے طور پر۔ آج کل کے آریہ پنڈت ایسے ہیں کہ جیسے ایک اندھا اندھے کی رہبری کرتا ہے مگر خدا نے بادا نانک صاحب کو آسمانی نور عطا کیا تھا اُس نور سے انہوں نے دیکھ لیا کہ اسلام سچا ہے۔ تب بصیرت کی راہ سے نہ تقلید کے طور پر ہر ایک کو انہوں نے اسلام کی طرف بلانا شروع کیا اور کئی اسلامی بزرگوں کی خالعات ہوں پر مجاہدات کئے اور تکالیف سفر اٹھا کر پیادہ پا حکمہ معظمہ کا حج بھی کیا اور مدینہ منورہ میں پہنچ کر روزِ غنہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بھی کی اور اس میں کچھ شک نہیں کہ اسلام قبول کرنے کے بعد اُن کے خوارق اور کرامات بھی ظہور میں آئے اور اُن کی روحانی کشش نے ہزاروں آدمیوں کو اپنی طرف کھینچا یہ عجیب بات ہے کہ باوجود ظاہر ہونے کے پھر بھی عوام کی نظر میں پوشیدہ رہے اور غالباً اس میں حکمت یہ تھی کہ مگر وہ اُسی زمانہ میں مسلمان ہو کر ہندوؤں

سے الگ ہو جاتے تو پھر ان کے تعلقات ہندوؤں سے منقطع ہو جاتے اور ان کی روحانی تاثیر صرف انہیں کی ذات تک محدود رہتی مگر اب ان کی روحانی تاثیر نے وہ کام کیا ہے کہ بیس لاکھ ہندو بنام تہاد سکھ ان کے تابع ہیں اور وہ زمانہ قریب ہے کہ جب تعلیم کے ذریعے سے ان کی عقل اور فکر میں ترقی ہوگی تو وہ اپنے ایسے مرشد کامل کے مذہب سے علیحدگی پسند نہیں کریں گے۔

اور باوانانک صاحب کی معرفت سے بھری ہوئی ہدایتیں یہ ہیں۔

**شکوہ گرتھ صاحب سے**

دوزخ پوندے کیوں رہیں ؟ جاں چت نہ آوے رسول  
ترجمہ۔ وہ لوگ ضرور دوزخی ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم پر عمل نہیں کرتے۔

**شکوہ گرتھ صاحب سے**

ہوئے مسلم دین مہانے مران جیون کا بھرم چکانے  
ترجمہ۔ اسے غافل صدق دل سے مسلمان ہو جا پھر تجھے نجات ابدی حاصل ہوگی۔

**شکوہ جنم ساکھی بھائی بالادالی صفحہ ۱۷۲**

**کلمہ اک پکار یا دوجا ناہیں کوئی**

ترجمہ۔ میں نے ایک ہی کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا ورد کیا ہے دوسرا کوئی ذریعہ نجات نہیں۔

**جنم ساکھی بھائی بالادالی صفحہ ۲۷۱**

ہندو کہن ناپاک ہے دوزخ جادوں سوئی کھدو اللہ اور رسول کو اور نہ بوجھو کوئی  
ترجمہ۔ ہندو اللہ اور اس کے رسول کی شان میں ناپاک لفظ کہتے ہیں تحقیق وہی دوزخی ہیں۔ سچے دل سے اقرار کرو کہ اللہ اور رسول برحق ہیں اور اُس کے سوا اور کچھ نہ بوجھو۔

لہٰذا یہ جنم ساکھی کی کیشن پریس انارکلی لاہور کی طبع شدہ ہے جو عیسوی سال ۱۹۱۱ء میں ہے۔

بھائی بالادالی جنم ساکھی صفحہ ۱۲۳

اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ کو دنیا کے اودھار لئے بھیجا اللہ تعالیٰ نے بابائے ناک جی کو کما کر تینس سپارے قرآن شریف کے ہن اور چار گوت ویتائیے اور ایک ہی نام کی مہاکرد اور دوسرا میرا کوئی شریک نہیں سو یہ حکم ناک دودیش کو آیا ہے کہ تو جگت میں جا کر اس دا ڈھنڈورا پھیر جو کوئی حق راستی پر کھلیو و بھگاسوئی پاک ہو دیگا۔

ترجمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ سے اللہ علیہ وسلم کو دنیا کے لئے رسول بنا کر بھیجا اللہ تعالیٰ نے بابائے ناک جی کو فرمایا کہ قرآن شریف کے تینس سپارے ہیں اسے ناک تو چاروں طرف پھیر کر اس کا وعظ کر کہ وہ وحدہ لا شریک ہے جو کوئی حق اور راستی سے اللہ تعالیٰ کا کلام سنے گا وہی پاک ہوگا۔

جنم ساکھی بھائی بالادالی صفحہ ۱۲۴

بابائے ناک جی نے عرض کی تھی کہ بولوی ہو رہے اس بولوی کو لوں ہندو درکے ہی سمجھتے نہیں (ترجمہ) ناک جی نے عرض کی کہ اسے خدا قرآن شریف عربی میں ہے ہندو اس زبان سے ڈرتے ہیں اور جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے سمجھتے نہیں۔

جنم ساکھی بھائی بالادالی صفحہ ۱۲۵

خدا نے ناک نول اکھیا کہ دڑیائی تسالوں شیخ دی ملی ہے دیول دیول تے اور پراچین تیرتھ جو ہندو وال دے دین اوہناں نول منسوخ کرو۔  
ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے ناک کو فرمایا کہ تم کو شیخ کا ترجمہ کیا گیا ہے دیوی اور دیول تے اور تیرتھ جو ہندوؤں کے جو شرک کی جڑ ہیں انہیں منسوخ کرو۔

جنم ساکھی ایضاً صفحہ ۱۲۶

اے ناک مکہ مدینے جا کر حج کر

ایضاً صفحہ ۱۲۷

جد رکن دین قاضی مکہ دا نماز پڑھانے دے واسطے آیا تو قاضی رکن دین دیا بے  
دی اسلام علیکم ہوئی۔

ترجمہ۔ جب رکن دین قاضی مکہ کا نماز پڑھانے آیا تو باوا جی سے اسلام علیکم ہوئی۔

جنم ساکھی ایضاً صفحہ ۱۳۹

پُچھت سن سوئی نا نکا مرشد جنہاں پناہ

ترجمہ۔ نانا صاحب فرماتے ہیں کہ وہ لوگ نجات پائیں گے جن کے حامی و مددگار آنحضرت صلی  
اللہ علیہ وسلم ہوں گے۔

دہی جنم ساکھی صفحہ ۱۳۹

مسلمان کہا دن مشکل۔ (ترجمہ) مسلمان بننا مشکل ہے۔

جنم ساکھی ایضاً صفحہ ۱۳۹

مسلمان کہا دے آپ۔ صدق صیوری کلھے پاک

(ترجمہ) صدق دل سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ کر اپنے آپ کو مسلمان کہاؤ۔

دہی جنم ساکھی صفحہ ۱۳۹

وہ پیغمبر ہوا اس دنیا کے ماہین نام محمد مصطفیٰ رب ڈا ہڈا بے پروا ہے

ڈٹھی ہیں چار کتاب اکس باجر نہ کوئی وحدہ لا شریک سے دوجا ہونا ہوئی

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول بنا کر دنیا میں بھیجا چار کتابوں کا

مشاہدہ کیا مگر قرآن شریف کے بغیر دوسری کوئی کتاب نہیں وہ وحدہ لا شریک ہے دوسرا اس کا

ثانی کوئی نہیں۔

جنم ساکھی ایضاً صفحہ ۱۴۱

پاک پڑھو کلہ رب دا محمد نال ملائے ہوا معشوق خدا شیدا ہوا مثل اللہ

(ترجمہ) پاک کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے مل جاؤ۔

وہ اللہ تعالیٰ کا پیارا ہے جس نے اپنے آپ کو اللہ پر نشانہ کر دیا۔

وہی جنم ساکھی بھائی بالا والی صفحہ ۱۴۱

ڈٹھا نور محمدی ڈٹھا نبی رسول

نانک قدرت دیکھ کر خودی گئی سب بھول

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک تعلیم کا نور دیکھ کر ایسا طعت آیا کہ اسے نانک میں خدا کی قدرت دیکھ کر اپنے آپ کو بھول گیا۔

جنم ساکھی بھائی بالا والی صفحہ ۱۴۲

نانک آکھے رکن دین سچے سنو جواب صاحب دافر مائیا لکھیا وچ کتاب

دنیا دوزخ اوہ چڑھے جو کہے ناکھ پاک مکروہ تر یہیے رو جڑے پنج نماز طلاق

لقمہ کھائے حرام داسر تے چڑھے عذاب آتش دوزخ باویر پائیا تنہا نصیب

(ترجمہ) باوا نانک رحمۃ اللہ نے کہا کہ اے رکن دین سچے جواب سنو جو اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف

میں فرمایا ہے۔ تحقیق وہ لوگ دوزخی ہیں جو کلمہ نہیں پڑھتے اور روزے نہیں رکھتے ان کا کھانا

مینا حرام ہے اور ان کے سر پر عذاب پر عذاب چڑھ رہا ہے جن لوگوں کو شیطان نے گمراہ

کر دیا بھلا وہ کیوں نماز پڑھنے لگے تحقیق ایسے لوگ دوزخی ہیں جسے ہادیہ کہتے ہیں اُس کی

آگ میں ڈالے جا دیں گے۔

جنم ساکھی صفحہ ۱۴۳

نانک آکھے رکن دین کلمہ سچ پچھان

اکو رُوح ایمان دی جو ثابت رکھے ایمان

(ترجمہ) باوا نانک نے رکن دین کو کہا کلمہ طیبہ کی معرفت حاصل کر تحقیق کلمہ ہی رُوح ایمان ہے

اور اسی سے ایمان ثابت رہتا ہے۔

جنم ساکھی ایضاً صفحہ ۱۴۴

توریت۔ انجیل۔ زبور۔ ترے پڑھ سُن ڈٹھے دید

رمیا قرآن شریف کل جگ میں پروار

(ترجمہ) یاد انا تک فرماتے ہیں کہ توریت۔ انجیل۔ زبور اور دید پڑھ سُن کر دیکھ لئے ہیں تمام جہان میں صرف قرآن شریف ہی نجات کا ذریعہ ہے۔

جہنم ساکھی ایضاً صفحہ ۱۴۷

تا سو کرم ترپنے روزہ نامہ از

عمداں باجھوں مومنوں دوزخ دنی عذاب

(ترجمہ) جو روزہ اور نماز کے تاکہ ہیں بغیر اعمال صالح کے بُرے لوگوں کو دوزخ کے عذاب میں ڈالا جائے گا۔

شلوک صفحہ ۱۴۷ جہنم ساکھی بھائی بالا والی

دُوجی دنیا کفر ہے اندر رکھے چھپائے سچا اسلام خدا کا گو کُن بابائے نامک اُلے  
ترجمہ۔ تحقیق دنیا اندہ ہی اندہ کفر کی طرف لے جاتی ہے۔ بے شک اللہ کے نزدیک ایک اسلام ہی سچا مذہب ہے۔ اللہ اکبر کے نعرے اس دین میں گونجتے ہیں۔

صفحہ ۱۴۸ جہنم ساکھی بھائی بالا والی

رہی کت اب ایمان دی سچ کت اب قرآن

ترجمہ۔ تحقیق ایمان والی اور صداقت سے بھری ہوئی کتاب صرف قرآن شریف ہی ہے۔

جہنم ساکھی ایضاً شلوک صفحہ ۱۴۹

نا تک آکھے رکن دین سچا سُنو جواب

چاروں کوٹ اسلام ہوتاں پائے ثواب

ترجمہ۔ یاد انا تک نے فرمایا اسے رکن دین سچا جواب سُنو۔ دنیا کی چاروں اطراف میں اسلام کی تبلیغ کی جاوے تبھی ثواب حاصل ہوگا۔



جنم ساکھی ایضاً صفحہ ۲۶۹

کھا دن قسم قرآن دی کارن دنی حرام

آتش اندر ستر سن آکھے نبی کلام

ترجمہ۔ باوانانک صاحب فرماتے ہیں کہ وہ آدمی جو دنیا کے لہجے میں ہو کہ قرآن شریف کی قسم کھاتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بلا ریب وہ آگ میں ڈالے جائیں گے۔

جنم ساکھی ایضاً صفحہ ۲۲۲ و ۲۲۰

سوال قاضی رکن الدین

آکھے قاضی رکن دین سنئے نانک شاہ تریہے حرف قرآن دے ساجے آپ اللہ  
معنے اک اک حرف دے کئے کرتد بیر جس مرآت کو پہنچے کیا سادھو کیا فقیر  
الف بے فرمایا یہ معنے کو کہے بیان تیں بھی آکھو شاہ جی سچی رب کلام

جواب باوانانک صاحب

سنو قاضی رکن دین آکھے نانک پنہ

سے اسی سیانی گل ہے تس دوج ہتے بند

تہے حرف قرآن دے تہے سپاے کین

تس دچہ بہت نصیحتاں سن کر کر و قسین

ترجمہ۔ نانک رحمتہ اللہ علیہ نے قاضی رکن الدین کو کہا اے قاضی رکن الدین ان نصیحتوں کو جو در سنو تحقیق یہ عقلمندی کی بات اور اس میں بہت سے نکات ہیں بلا ریب قرآن شریف کے تین حرف ہیں اور تیس ہی سپاے کئے گئے ہیں اور اس میں بہت سی نصیحتیں ہیں انہیں سن کر قسین کرو۔

صفحہ ۲۲۱ جنم ساکھی بھائی بالادلی

بدعت کو دور کر قدم شریعت راکھ

نیول چل اگے سبس دے منڈا کسے نہ آکھ

ترجمہ۔ خودی کو دل سے نکل دے اور شریعت کا پابند ہو خاکساری اختیار کر اور کسی کو برا نہ سے  
فرمادو۔

صفحہ ۲۲۱ جنم ساکھی بھائی بالادالی  
راحت ایمان کی اور ہو دیکھے جائے  
پنجو درجہ رکن دین سائیں سوچت لائے  
ترجمہ ایمان کی راست کو وہی محسوس کر سکتا ہے جو پانچوں نمازوں کا پابند ہو۔

صفحہ ۲۲۱ جنم ساکھی ایضاً صفحہ ۲۲۱  
صلوات گزشت کو آکھو مکھ تے نت  
خاصے بند سے رب نے سر متر لے سے مت  
ترجمہ گزشتے ہوؤں پر روز تہ روز پڑھو تحقیق وہ اللہ تعالیٰ سے پیار کر نیوالوں کا سردار تھا۔

صفحہ ۲۲۲ جنم ساکھی بھائی بالادالی  
کلمہ اک یاد کر اور نہ بھاکھو بات  
نفس ہوائی رکن دین قس سے ہوویں مات  
ترجمہ صرف ایک لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا ہی ورد کر دے اس سے شیطان خیالات دور ہوتے ہیں۔

صفحہ ۲۲۲ جنم ساکھی بھائی بالادالی  
لعنت بر سر تہماں جو ترک نماز کرین  
تھوڑا بہت اکھٹیا ہتھوں ہتھ گویں  
ترجمہ۔ ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے جو نماز کو ترک کرتے ہیں جو کچھ تھوڑا بہت کیا  
ہے اس کو بھی دست بدست فٹالے کر رہے ہیں۔

صفحہ ایضاً جنم ساکھی ایضاً  
مرشدوں من توں مکتیہاں چار  
من توں اک خدائے نول خاصا جس دربار

ترجمہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مان اور چار کتابوں کو مان یعنی قرآن شریف اوریت زبور انجیل اور ایک خدا کو مان جس کا دربار خاص ہے۔

شکوہ گرتھ صاحب

کرنی کعبہ سج پیر کلمہ کرم نواج

ترجمہ۔ نیک کام کعبہ کے اختیار میں ہیں۔ سج بولنا مرشد کے اختیار میں اور کلمہ یعنی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے کہنے سے قیمت کھلتی ہے۔

شکوہ گرتھ صاحب

پیر پیغمبر سالک شہدے اور شہید

شیخ مشائخ قاضی ملاں درویش سید

برکت تنگی اگلے جو پڑھتے رہن درو

ترجمہ۔ پیر پیغمبر سالک۔ شہدے و شہید شیخ و مشائخ۔ قاضی اور ملاں درویش۔ ان میں سے ان کو ہی برکت ملے گی جو جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں۔

صفحہ ۲۲۲ جنم ساکھی بھائی بالادالی

نانک آکھے رکن دین لکھیا وچہ کتاب

درگاہ اندر مارین جو پیندے بھنگ شراب

ترجمہ۔ بادا نانک نے رکن دین کو کہا کہ وہ لوگ جو بھنگ اور شراب پیتے ہیں انہیں سخت سزا ملے گی۔

جنم ساکھی بھائی بالادالی صفحہ ۲۲۲

دیانت کر دل میں اٹھے پیر ناسوئے

ایک پر گھر جاگتا سائیں سج بگوئے

ترجمہ۔ اے باورے دل میں سوچ اٹھ پرست سو۔ رات کو کم از کم ایک پر جاگ کر اللہ کی عبادت کر۔ یہ خدا کا حکم ہے۔

جنم ساکھی ایضاً صفحہ ۱۷۲

سُنتے پئے تاجھاگ وہ سُنی نہ بانگ الہ

جو جاگے سو سنے سائیں مُندی سوئے

(ترجمہ) وہ لوگ بد بخت ہیں جو نماز کے وقت سوتے ہیں جو جاگے گا وہی اللہ تعالیٰ کی پیاری آواز سنے گا۔

شلوک جنم ساکھی ایضاً

کلمہ اک پکار یا دوجا تا میں کوئی

(ترجمہ) میں نے اک لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا ہی ورد کیا ہے۔

صفحہ ۱۷۲، جنم ساکھی ایضاً

روزہ نماز بندگی اور ریاضت سار

کر کے عمل سدا رتوں راہ طریقت دھار

ترجمہ۔ روزہ نماز بندگی و ریاضت کرد اور نیک عملوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور میں جاؤ کیونکہ سیدھا راستہ ہی ہے۔

شلوک جنم ساکھی ایضاً

کلمہ گونہ ستر سن ہو کے بے ایمان

ترجمہ یعنی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنے والے بے ایمان ہو کر دوزخ میں نہیں جائیں گے۔

شلوک جنم ساکھی ایضاً

کلمہ پاک رسول پڑھ جھٹے سے بے گناہ

ترجمہ۔ صدق دل سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہ جس کے کہنے سے تمام گناہ دور ہو جاتے ہیں۔

شلوک جنم ساکھی ایضاً

کلمہ پڑھیاں عذاب دین دنیا داجائے

ترجمہ۔ صدق دل سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنے سے دین اور دنیا کا عذاب دور ہو جاتا ہے۔

شلوک جنم ساکھی ایضاً  
کلمہ جس نے اکھیا پھرتاں کیوں ملے سزا ئے  
ترجمہ جس نے صدق دل سے کلمہ کہا بعد اُسے عذاب کیوں ملے گا؟

جنم ساکھی ایضاً  
کلمہ اکھیاں ایہہ گن ہوئے گناہ تول پاک

جنم ساکھی ایضاً  
جنگ جگ ایہہ قبول ہوئے پنج تن پاک رسول  
ترجمہ ہمیشہ پنج تن پاک رسول کو ہی قبول کرو۔

صفحہ ۱۹۸ جنم ساکھی ایضاً  
بابا جی اک برس تک مکہ و حج روز سے رکھ دے رہے۔

جنم ساکھی بھائی بالے والی صفحہ ۱۹۵  
پنج نمازاں پنج وقت روز سے ترنہ پچھان  
ترجمہ پانچ نمازیں ہیں اور پانچ ہی وقت کئے گئے ہیں اوتیس روز سے ہیں۔  
جنم ساکھی صفحہ ۱۹۵

حجت راہ شیطان دی جنہاں کی قبول  
سودر گر دھوئی نہ ملے شفاعت بھر رسول  
(ترجمہ) وہ لوگ جنہوں نے شیطان کی راہ اختیار کی وہ اللہ تعالیٰ سے بہت دور پھینکے گئے  
اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی شفاعت نہیں کریں گے۔

جنم ساکھی صفحہ ۱۹۶  
ہے پیغمبر مصطفیٰ قس دے چارے یار  
عمر خطاب۔ ابو بکر عثمان۔ علی وی چار

چاروں یارِ مسلمی چارِ مصطفیٰ کین  
 پنجواں نبی رسول ہے جن کی ثابت دین  
 اینہاں پہنچے امام چارِ اعظم شافعی جان  
 مالک احمد آکھ دے ثابت چارِ امام  
 چاروں یارِ مسلمی کدی نہ آوے جا  
 جو اینہاں فرمایا اوہ چلائے راہ

(ترجمہ) پیغمبرِ مصطفیٰ برحق ہے اور اس کے چار دوست ہیں۔ عمر خطاب۔ ابو بکر۔ عثمان۔ علی۔ تحقیق یہ چار دوست ہیں اور چار ہی مصطفیٰ کئے گئے ہیں ان کے بعد چار امام اور ہیں۔ اعظم۔ شافعی۔ مالک۔ احمد اور پانچویں جناب محمد مصطفیٰ ہیں جنہوں نے اسلام کی صداقت کو ثابت کیا اور وہ چار امام مسلم ہیں جو ان کا راستہ ہے وہ اختیار کرنا چاہئے۔

صفحہ ۲۶۶ جنم ساکھی بھائی بالادالی

عسلاں اوتے نپڑے درگ پوسے قبول  
 حجت حاجت ناکسے کم۔ آکھے نبی رسول  
 (ترجمہ) عملوں پر ہی فیصلہ ہو گا وہ قبولیت حاصل کریں گے بہانہ سازی کام نہیں آئے گی۔ پاک رسول نے یہ فرمایا ہے۔

صفحہ ۲۶۷ جنم ساکھی بھائی بالادالی

کن وچ انگلیاں پا کے بابے بانگ دتی

صفحہ ۲۰۴ جنم ساکھی ایضاً

پڑھیا خطبہ نبی دامو یا سنگل انس

(ترجمہ) جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ پڑھا اور دل کو تسلی ہوئی۔

شکوہ صفحہ ۲۰۵ جنم ساکھی بھائی بالادالی

اک کرن دے کار نے آیا نبی رسول  
لاچ دے وچ لگ کے دنیا گئی ہے بھول

(ترجمہ) وحدۃ لاشریک کی پرستش کر دلنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے مگر افسوس دنیا لاچ میں بھنس کر بھول گئی۔

صفحہ ۲۰۷ جنم ساکھی بھائی بالا والی

پھر نیلا جبہ پہن کر بیٹھائے آن  
اکو اک خٹائے ہے آکھے موبوں کلام  
نیلا بانا پہن کر دھریا مصلے سیس  
عصا کوڑہ پاس رکھ پوری کی حدیث

(ترجمہ) پھر بادامی نیلا جبہ پہن کر کئے بیٹھے خداوند وحدۃ لاشریک ہے یہ کلام منہ سے جاری اور نیلی پوشاک پہن کر نماز کے لئے مصلے پر بچھہ کیا عصا اور کوڑہ پاس رکھا کیونکہ یہ نمازیوں کی نشانیاں ہیں۔ اس لئے یہ حدیث بھی پوری کی۔

(خالصہ تواریخ مولفہ بھائی گیان سنگھ جی گیانی صفحہ ۵۵)

جمع کر نام دی پنج نماز گزار

باہجوں نام غلطے دے ہو سیں بہت خواہ

(ترجمہ) پانچ وقت نماز پڑھنے سے خدا کے نام کو جمع کرو۔ کیونکہ بغیر خدا کے نام کے اور کوئی چیز مددگار نہیں۔

(خالصہ تواریخ حصہ اول مولفہ بھائی گیان سنگھ جی گیانی صفحہ ۲۶۲)

بابا جی جدے جا اترے ایتھے مائی حوا دی قبر توں پورب دے سُرخ دریا  
دے کنارے بابے دامکان ہے اے تانک قلندر دا دائرہ اکھدے  
ہن عرب وچ باوا جی عصا۔ استادہ (کوڑہ) مصلے کتا قزاق تیرے نیلے رنگ

دے بستر۔ دلوت (پیشینے کا لباس جو اکثر صوفی لوگ پہنتے ہیں) دی ٹوپی رکھے  
سن تے ساتھیاں کولوں بھی رکھاؤندے سن۔

خالصہ توارنخ مؤلفہ بھائی گیان سنگھ جی گیانی حمداول صفحہ ۲۲۲

بابے جی نے اپنیاں ساتھیاں نوں اکھیا تسیں پتھے حاجی نہیں اس راستے  
وجہ مہر اور محبت اور خیرات کروے جائیے تافض یا تید اسہے جے حجت  
بازی مسخری کروے جائیے تاں حاجی نہیں ہوندا۔

(ترجمہ) باواجی (یعنی تاکہ رحمت اللہ علیہ) نے اپنے ساتھیوں کو کہا کہ تم پتھے حاجی نہیں ہو اس  
راستے میں مہر و محبت و خیرات کرتے جائیں تو ثواب ہوتا ہے اگر محبت بازی اور منسی اور ٹھٹھا  
مسخری راستے میں کرتے جائیں تو حاجی کا درجہ نہیں ملتا۔

بستر



# قابل توجہ ناظرین

اے پیارے ناظرین خدا آپ صاحبوں کے دلوں میں سچائی کا  
 الامام کرے اور میری کوشش کو جو میں نے سراسر ہمدردی اور نیک نیتی سے  
 کی ہے آپ لوگوں کے لئے مفید بنا دے آمین۔ اس کتاب کا پہلا حصہ  
 جو میری طرف سے آریہ سماج کے جلسہ میں سنلایا گیا تھا۔ میں نے  
 وہ حصہ اس کتاب کے آخر میں شامل کر دیا ہے۔ اور میں نے یہی مناسب  
 سمجھا کہ اول اُن تمام اعتراضات کا جواب لکھوں جو نہایت بڑے  
 پیارے اور بدتمیزی سے آریہ صاحبوں کی طرف سے ایک عام مجمع  
 میں حاضرین کا دل دکھانے کے لئے پڑھے گئے تھے۔ اور بعد میں  
 کتاب کے آخر میں اپنا وہ مضمون شامل کر دوں جو میری طرف سے  
 اس جلسہ میں پڑھا گیا تھا اور اسی غرض سے میں نے اُس پہلے حصہ  
 کی اشاعت اس وقت تک روک رکھی تھی جب تک کہ میں آریہ  
 صاحبوں کے اعتراضات کا جواب لکھ لوں۔ سو الحمد للہ والنتہ کہ وہ  
 جواب پورے طور پر لکھا گیا۔ اُس لئے میں نے وہ مضمون جو جلسہ

میں پڑھا گیا تھا اس رسالہ کے آخر میں لگا دیا ہے۔ ہمیں آریہ صاحبوں پر یہ افسوس نہیں کہ انہوں نے اسلام اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کیوں اعتراض کئے۔ کیونکہ منکر کو تہذیب اور شرافت کے ساتھ اعتراض کرنے کا حق حاصل ہے۔ بلکہ ہمارا تمام افسوس اس بات پر ہے کہ انہوں نے شرافت اور تہذیب سے کام نہیں لیا بلکہ اپنے مضمون میں نہایت درندگی اور ناپاکی سے کام لیا۔ اور اپنے مضمون کو ایک گالیوں کا مجموعہ بنا دیا اور کھلے کھلے طور پر ارادہ کیا کہ اُن معزز مسلمانوں کا دل دکھایا جائے جن کو آپ ہی دھوکہ دے کر بلایا اور آپ ہی شرط لگا دی تھی کہ مہذبانہ طور پر مضمون سنائے جائیں گے اس بات کو کون نہیں سمجھ سکتا کہ اگر بدیتی نہ ہو تو ایک شخص اپنے اعتراض کو نیک اور پاک پیرایہ میں بیان کر سکتا ہے ورنہ ایک مفسد آدمی ایک سیدھی بات کو بھی جو نرمی اور شرافت سے ادا کر سکتا تھا گالی اور منہسی ٹھٹھے کے پیرایہ میں بیان کر سکتا ہے سو ہم نے ان لوگوں کے جواب میں جس قدر تلخی اور مرارت بعض مقامات میں استعمال کی ہے وہ کسی نفسانی جوش کی وجہ سے نہیں بلکہ ہم نے اُن کی شورہ پستی کا تدارک اسی میں دیکھا کہ جواب ترکی بتر کی دیا جائے ہمیں اس طریق سے سخت نفرت ہے کہ کوئی تلخ اور ناگوار لفظ استعمال کیا

جائے۔ مگر افسوس! کہ ہمارے مخالف انکار کے جوش میں آکر انجام کار گالیوں پماتراتے ہیں۔ اور آریہ صاحبان اگر ذرہ اپنے گمربیان میں مُنہ ڈال کر دیکھیں تو انہیں معلوم ہو گا کہ اسلام پر اعتراض کرنے کا پتہ بالکل راہ بند ہے۔ ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ اسلام میں کوئی ایسا عقیدہ نہیں ہے جو ہندوؤں کے کسی فرقہ سے مطابقت اور توارد نہ رکھتا ہو۔ یہ تو ظاہر ہے کہ وید کی پیروی کا دعوے کرنے والے صرف آریہ سماج والے ہی نہیں ہیں۔ بلکہ یہ تو ایک نیا فرقہ سمجھا جاتا ہے۔ اور پورانے فرقے جو وید پر چلنے کے مدعی ہیں جو اس ملک پنجاب اور ہندوستان میں کروڑ پائے جاتے ہیں ان کی طرف دیکھنا چاہئے کہ وہ کیا کیا عقائد رکھتے ہیں۔ انہیں میں آتش پرست بھی پائے جاتے ہیں۔ اور انہیں میں آفتاب پرست بھی اور انہیں میں سے بُت پرست بھی ہیں۔ اور وہ لوگ بھی جو ہر سال کئی لاکھ ہر دوار کے میلہ پر جمع ہوتے اور گنگا مائی سے مُرادیں مانگتے ہیں۔ اور وہ بھی جو جگن ناتھ جی کا درشن کرنا اور پتہ کے نیچے کچلے جانا اپنا فخر سمجھتے ہیں اور وہ بھی ہیں جو اب تک کانگرہ کے مندر پر جانوروں کی قربانی چڑھاتے ہیں۔ اور وہ بھی جو انسانی قربانی کو بھی روار کھتے ہیں اور جل پڑا کی رسم کے بھی حامی ہیں آخر یہ سب لوگ یہی دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ وید

کے پیرو ہیں۔ بلکہ شاکت مت والے بھی تو اسی قوم میں سے ہیں جو فسق و فجور میں اس قدر بڑھ گئے ہیں کہ بد کاریوں کا میدان اس قدر انہوں نے فراخ کر دیا ہے جو حقیقی ماں یا بہن یا لڑکی سے بھی حرام کاری کچھ مضائقہ نہیں سمجھتے کیا وہ آریہ نہیں ہیں پھر جب کہ وید کی پیروی کرنے والے فسق و فجور اور شرک اور مخلوق پرستی میں اس حد تک پہنچے ہوئے ہیں کہ دنیا میں اُن کی نظیر نہیں مل سکتی تو کیا لازم تھا کہ اسلام جیسے پاک مذہب پر اعتراض کیا جاتا؟ کیا یہ سچ نہیں کہ اسلام میں کوئی بھی ایسا امر نہیں کہ جو ہندو مذہب کی کسی نہ کسی شاخ میں نہ پایا جاتا ہو؟ اور اسلام اپنی کامل توحید کے ساتھ ایسا مخصوص ہے کہ وید میں اس کا نمونہ تلاش کرنا لا حاصل ہے تاہم ہمارا ہی اعتقاد ہے کہ گو موجودہ تعلیم وید کی ایک گمراہ کرنے والی تعلیم ہے لیکن کسی زمانہ میں وہ ان یہودہ تعلیموں سے پاک ہو گا اور ہم ایمان رکھتے ہیں کہ اس ملک میں خدا کے نبی ہوئے ہیں کیونکہ جس جگہ بیمار ہے اُس جگہ طبیب کا ہونا بھی ضروری ہے۔ ہمیں افسوس ہے کہ آریہ صاحبوں نے مسلمانوں کو اپنے گھر پر بلا کر وہ گندہ نمونہ اپنے اخلاق کا دکھلایا جس کو ہم کبھی نہیں بھولیں گے آخر شرافت بھی کچھ چیز ہے۔

راقم مرزا غلام احمد قادیانی ۲۰ مئی ۱۹۰۸ء

بِسْمِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نَحْمَدُكَ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِكَ الْكَرِیْمِ

سب سے پہلے اُس خدا کا شکر ہے جس نے ہمیں پیدا کیا اور نہ صرف ہمیں پیدا کیا بلکہ ہر ایک ذرہ ہمارے وجود کا اور اُن کی تمام قوتیں اور ایسا ہی ہماری تمام رُوہیں اور اُن کی تمام قوتیں اُس نے پیدا کیں کیونکہ وہ کامل خدا ہے نہ ناقص اور اُس کا فیض ہمارے تمام وجود پر محیط ہے نہ صرف بعض حصول پر۔ اور جیسا کہ وہ ہمارا پیدا کرنے والا ہے ایسا ہی وہ اپنی طاقت کے ساتھ ہمیں زندہ رکھنے والا ہے۔ ہم اُس کے سہارے کے بغیر جی ہی نہیں سکتے کیونکہ ہم اُس کے ہاتھ سے نکلتے ہیں۔ اُن گروہماری رُوہیں خود بخود ہوتیں تو بطور خود جی بھی سکتی تھیں کیونکہ اس صودت میں مستقل رُوہوں کو اُس کے سہارے کی ضرورت نہ تھی پس اُس خدا کا کمال شکر ہو سکتا ہے جس کے فیض سے کوئی حصہ ہمارے وجود کا باہر نہیں ایسا ہی اس وقت ہمیں گورنمنٹ برطانیہ کا شکر کرنا بھی لازم ہے جس کی آزاد اور منصفانہ حکومت کی وجہ سے ہم بغیر کسی خوف کے اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کرنے کے لئے کھڑے ہوئے ہیں۔ بعد اس کے اسے اویہ صاحبان! اب آپ کی خواہش اور تحریک کے موافق یہ مضمون آپ کے سوال تجویز کردہ کے متعلق اس جلسہ میں سنایا جاتا ہے اور جہاں تک مجھ سے ہو سکا میں نے برعایت تمذیب اختصار سے کام لیا ہے مگر یہ بھی مناسب نہیں سمجھا کہ تمام کلمہ اجائے اب میں ذیل میں اصل مطلب بیان کرتا ہوں وہاں توفیق۔ یہ سوال کہ جو آپ صاحبوں کی مجلس نے پیش کیا ہے کہ

دُنیا میں کوئی الہامی کتاب ہے یا نہیں اور اگر ہے تو کون؟

یہ سوال ایسا ہے کہ دنیا کے تمام مذاہب مختلفہ کے پابندوں کو یہ جوش دلاتا ہے کہ وہ اپنے اپنے خیالات اور معتقدات کے موافق اس کا جواب دیں اس لئے میں نے بھی مناسب سمجھا کہ اس بارے میں کچھ لکھوں۔ اب واضح ہو کہ قبل اس کے جو میں اصل مطلب کی طرف توجہ کر دوں اس بحث کو مفید عالم اور باترتیب بنانے کے لئے یہ بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ وہ لوگ جو اپنے اپنے رنگ میں اس سوال کا جواب دے سکتے ہیں وہ کئی قسم کی راہیں رکھتے ہیں۔

(۱) ایک تو وہ ہیں جو قطعاً مبالغہ عالم کے وجود سے ہی منکر ہیں پس جب کہ ان کے نزدیک خدا تعالیٰ کا وجود ہی ثابت نہیں تو پھر الہامی کتاب جس کا وجود مبالغہ عالم کے وجود سے وابستہ ہے ان کے نزدیک کوئی بھی نہیں۔

(۲) دوسرے وہ لوگ ہیں جو پورے طور پر مبالغہ عالم کے منکر تو نہیں مگر کسی حد تک منکر ضرور ہیں جیسے وہ صاحبان کہ اس بات کو نہیں مانتے کہ ذرات عالم اور ان کی اتصال اور انفصالی قوتیں پر مشر نے بنائی ہیں یا رُوح اور ان کی نہایت لطیف طاقتیں پر مشر کی طرف سے ہیں بلکہ ان کے نزدیک وہ سب خود بخود اور نادہی ہیں لہذا ان کے نزدیک بھی الہام ناممکن ٹھہرتا ہے کیونکہ جو جب ان کے اصول کے رُوح میں اور پر مشر میں کوئی رشتہ نہیں اور الہام کی فلاسفی یہی ہے کہ جوہر ربط خالقیت اور مخلوقیت خدا اپنے بندہ کے اندر سے بولتا ہے پس اگر یہ فرض کیا جائے کہ خدا اور بندہ کی رُوح میں یہ ربط نہیں تو ماننا پڑے گا کہ وہ بندہ سے دور اور الگ ہے۔ اس صورت میں جیسا کہ ہم کسی کے دل کے اندر ہو کر اُس سے بول نہیں سکتے ایسا ہی پر مشر کا حال ہوگا۔

(۳) اور بعض لوگ ایسے ہیں کہ وہ الہام کو تو مانتے ہیں مگر ان کے نزدیک خدا کا کلام کسی پر نازل نہیں ہوتا بلکہ انسان کے دل میں جو باتیں آتی ہیں وہ سب الہام ہیں۔

(۴) اور بعض لوگ ایسے گذرے ہیں اور اب بھی ہیں کہ وہ الہام کی ضرورت نہیں سمجھتے

اور کہتے ہیں کہ اگر انسانی قوت نے کو عمدہ اور کامل طور پر استعمال کیا جائے تو رہبری کے لئے وہی کافی ہیں اور بعض ایسے فرقتے ہیں کہ وہ مانتے ہیں کہ خدا کا کلام دنیا میں آیا ہے مگر اُن کا خیال ہے کہ اس زمانہ میں خدا نے اپنی عادت کو بدل لیا ہے اور کلام الہی کا نزول آگے نہیں بلکہ پیچھے گیا ہے۔ اور کہتے ہیں کہ گو خدا تعالیٰ کسی زمانہ میں بولتا بھی تھا اور سُنتا بھی۔ مگر اس زمانہ میں سُنتا تو ہے مگر بولتا نہیں گویا ایک قدیمی صفت اُس کی معطل ہو گئی ہے اور گویا اُن کے نزدیک اُس کی صفات اس زمانہ میں ناقص ہیں نہ کامل۔ اور بعض لوگ ایسے ہیں کہ کسی الہامی کتاب کو مانتے ہیں مگر ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ قدیم سے خدا کا الہام ایک ہی زبان اور ایک ہی ملک اور ایک ہی قوم تک محدود رہا ہے اور الہام الہی کا دائرہ اس قدر تنگ ہے کہ بحرِ دوچار انسانوں کے جو کسی پہلے اور دُور دراز زمانہ میں کسی خاص ملک میں گذر چکے ہیں اور کسی حصہ زمین میں کوئی حکم کبھی پیدا نہیں ہوا اور نہ صرف اس حد تک بلکہ اُسندہ کے لئے بھی تمام قوموں پر قطعاً یہ دروازہ بند ہے بحرِ ایک خاص قوم اور خاص ملک کے۔

یہ ہیں متفرق مذاہب جو الہام کی نسبت مذکورہ بالا خیالات رکھتے ہیں مگر ہم نے اس جگہ یہ بیان کرنا ہے کہ ہمارا کیا مذہب ہے۔

پس واضح ہو کہ خدا نے ہمیں جس بات پر قائم کیا ہے اور جس بات کو اپنی پاک کتاب کے ذریعہ سے ہم پر کھول دیا ہے وہ یہ ہے کہ خدا سچ ہے اور اس کا الہام سچ ہے اور چونکہ وہ خدا تمام دنیا کا خدا ہے نہ یکہ کسی ایک خاص فرقہ یا کہ کسی خاص قوم کا خدا اس لئے اُس نے اپنے اس ضروری فیض سے یعنی الہام سے جو ہدایت کا سرچشمہ ہے دنیا کے تمام حصوں کو منور اور مستفیض کیا ہے اور کسی قوم سے بخل نہیں کیا اور ایسا ہی ہونا چاہئے تھا کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ جن امور پر جسمانی حیات کا مدار ہے جیسے زمین پانی۔ آگ۔ ہوا۔ سورج۔ چاند۔ انارح وغیرہ یہ تمام چیزیں تمام ملکوں اور قوموں میں پائی

رہاتی ہیں حالانکہ وہ چیزیں محض اُس زندگی کے لئے ہیں جو صرف چند روزہ ہے۔ پھر کس  
 طرح یہ خیال کیا جائے کہ وہ امور اور وہ ہدایتیں اور وہ آسمانی برکتیں جو روحانی حیات کا  
 مدار ہیں جو جادوانی حیات ہے وہ کسی خاص قوم اور خاص ملک کو عطا ہوں اور دوسرے  
 اُس سے بے خبر رہ کر ہلاکت کے گڑھے میں گرے ہر ایک عقل جو تعصب اور پیش پائے سے  
 پاک ہے ہرگز اس کو قبول نہیں کرے گی اور خدا نے پاک کو جو رب العالمین ہے اس تہمت  
 سے بری سمجھیں گے جو وہ کسی خاص قوم کا رب ہو اور دوسروں سے کنارہ کشی کرے یہ  
 پاک ہدایت ہمیں اس پاک کتاب سے ملی ہے جس کا نام **قرآن شریف** اور  
 فرقان حمید ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے **وَرِانَ مِن اٰمَنَ الْاٰخِلَافِیْہَا نَذِیْرٌ لِّمَن کُوْنِی قَوْمِ**  
**اَوَّلِیْقِی نَمِی جِس مِی کُوْنِی نَمِی نَمِی گُذَر۔** اور پھر دوسری جگہ فرماتا ہے **قُوْلُوْا اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَمَا**  
**اُنزِلَ اِلَیْہَا وَمَا اُنزِلَ اِلَیْہَا اِنزِلَ اِلَیْہَا وَمَا اُنزِلَ اِلَیْہَا اِنزِلَ اِلَیْہَا**  
**وَمَا اُوْنِی مَوْسٰی وَ عِیْسٰی وَاُوْنِی الْکَیْیُوْنِ مِّن رَّسُوْلِنَا لَئِن کُنْتُمْ مِّنْہُمْ فَعَدِیْہُمْ**  
**وَرِانَ کُوْلُوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِی شِقَاقٍ فَاِن کُنْتُمْ مِّنْہُمْ اِنَّہُ وَاَللّٰہُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ**  
**صِبْغَةَ اَدَلّٰہِ وَاَمِنْ اَحْسَنُ مِّنْ اَدَلّٰہِ صِبْغَةَ وَاَمِنْ اَحْسَنُ مِّنْ اَدَلّٰہِ**  
 یعنی اے مسلمانو! تم اس طرح پر ایمان لاؤ اور یہ کہو کہ ہم اُس خدا پر ایمان لائے جس کا نام اللہ  
 ہے یعنی جیسا کہ قرآن شریف میں اُس کی صفات بیان کی گئی ہیں وہ جامع تمام صفاتِ کاملہ  
 کا ہے اور تمام عیبوں سے پاک ہے اور ہم خدا کے اُس کلام پر ایمان لائے جو ہم پر  
 نازل ہوا یعنی قرآن شریف پر۔ اور ہم خدا کے اس کلام پر بھی ایمان لائے جو براہیم نبی پر  
 نازل ہوا تھا اور ہم خدا کے اس کلام پر ایمان لائے جو اسماعیل نبی پر نازل ہوا تھا اور اُس  
 کلام خدا پر ایمان لائے جو اسحاق نبی پر نازل ہوا تھا اور اُس کلام خدا پر ایمان لائے جو  
 یعقوب نبی پر نازل ہوا تھا اور اُس کلام خدا پر ایمان لائے جو یعقوب نبی کی اولاد پر نازل



ہوا تھا اور اُس کلام خدا پر ہم ایمان لائے جو موسیٰ نبی کو دیا گیا تھا اور اُس کلام خدا پر ہم ایمان لائے جو عیسیٰ نبی کو دیا گیا تھا اور ہم اُن تمام کتابوں پر ایمان لائے جو دنیا کے کل نبیوں کو اُن کے رب کی طرف سے دی گئی تھیں یعنی اس کی طرف سے جس نے کھلے کھلے طور پر اُن کی ربوبیت کی اور دنیا پر ثابت کیا کہ وہ اُن کا تھرا اور حامی اور مُرتی ہے خواہ وہ کسی قوم یا کسی ملک میں پیدا ہوئے تھے۔ ہم خدا کے نبیوں میں تفرقہ نہیں ڈالتے جو بعض کو قبول کریں اور بعض کو رد کریں بلکہ ہم سب کو قبول کرتے ہیں جو خدا کی طرف سے دنیا میں آئے اور ہم اس طرح پر جو خدا نے سکھایا ہے اسلام میں داخل ہوتے ہیں اور خدا کے آگے اپنی گردن ڈالتے ہیں پس اگر دوسرے لوگ بھی جو اسلام کے مخالف ہیں اسی طرح ایمان لادیں اور کسی نبی کو جو خدا کی طرف سے آیا رد نہ کریں تو بلاشبہ وہ بھی ہدایت پا چکے اور اگر وہ رد کر داتی کریں اور بعض نبیوں کو مانیں اور بعض کو رد کر دیں تو انہوں نے بچائی کی مخالفت کی اور خدا کی راہ میں جھوٹ ڈالنی چاہی پس تو یقین رکھ کہ وہ غالب نہیں ہو سکتے اور اُن کو سزا دینے کے لئے خدا کا فی ہے اور جو کچھ وہ کہتے ہیں خدا سزا دے رہا ہے اور اُن کی باتیں خدا کے علم سے باہر نہیں۔ یہ طریق اصطلاح خدا نے تمہیں سکھایا ہے اور یہ خدا کا بیستم ہے اور خدا کے بیستم سے کوئی بیستم بہتر ہو سکتا ہے اور تم اس بات کا اقرار کرو کہ ہم اُسی خدا کے پرستار ہیں اور اُسی کی پرستش کرتے ہیں ۛ

یہ میں نے اُن قرآنی آیات کا ترجمہ کیا ہے جو اوپر گزر چکی ہیں۔ اسی طرح سورۃ البقرہ کے اخیر میں ایک آیت ہے اور وہ یہ ہے :- اَمِنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنَ رَّبِّهِ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلُّ اَمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰئِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نَعْبُدُ شَيْئًا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَقَالُوا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا عَفْوًا كُنْتَ اَوَّلَ الْبَشَرِ الْمُرْسَلِ یعنی رسول اور اُس کے ساتھ کے مومن اس کتاب پر ایمان لائے ہیں جو اُن پر نازل کی گئی اور ہر ایک خدا پر ایمان لایا اور اس کے فرشتوں پر اور اُس کی کتابوں پر اور اُس کے رسولوں پر اور اُن کا

یہ اقرار ہے کہ ہم خدا کے رسولوں میں تفرقہ نہیں ڈالتے اس طرح پر کہ بعض کو قبول کریں اور بعض کو رد کر دیں بلکہ ہم سب کو قبول کرتے ہیں ہم نے سنا اور ایمان لائے اسے خدا ہم تیری بخشش مانگتے ہیں اور تیری طرف ہی ہماری بازگشت ہے۔ ان تمام آیات سے ظاہر ہے کہ قرآن شریف ان تمام نبیوں کا ماننا جن کی قبولیت دنیا میں پھیل چکی ہے مسلمانوں کا فرض ٹھیکرنا ہے اور قرآن شریف کی رد سے ان نبیوں کی سچائی کے لئے یہ دلیل کافی ہے کہ دنیا کے ایک بڑے حصہ نے ان کو قبول کیا اور ہر ایک قدم میں خدا کی مدد اور نصرت ان کے شامل حال ہو گئی خدا کی شان اس سے بلند تر ہے کہ وہ کر دہا انسانوں کو اس شخص کا سچا تابع اور جان نثار کرے جس کو وہ جانتا ہے کہ خدا پر اتر کر رہا ہے اور دنیا کو دھوکا دیتا ہے اور دروغ گو ہے اور لکڑی کا ذب کو ایسی ہی عزت دی جائے جیسا کہ صادق کو۔ تو ایمان اٹھ جاتا ہے اور امر نبوت صادقہ مستتبہ ہو جاتا ہے پس یہ اصول نصیحت صحیح اور سچا ہے کہ جن نبیوں کی قبولیت دی جاتی ہے اور ہر ایک قدم میں حمایت اور نصرت الہی ان کے شامل حال ہو جاتی ہے وہ ہرگز جھوٹے ہونا نہیں کرتے۔ ہاں ممکن ہے کہ پیچھے آنے والے ان کے فوشتوں میں تحریف تبدیل کر دیں اور اپنی نفسانی تفسیروں سے ان کے مطالب کو الٹا دیں بلکہ پرانی کتابوں کے لئے یہ بھی ایک لازمی امر ہے کہ مختلف خیالات کے آدمی اپنے خیال کے طور پر ان کے معنی کرتے ہیں اور پھر رفتہ رفتہ وہی معنی جزو کتاب کی سمجھے جاتے ہیں اور پھر انہیں مختلف خیالات کی کشش کی وجہ سے کئی فرقے ہو جاتے ہیں اور ہر ایک فرقہ دوسرے فرقہ کے مخالف معنی کرتا ہے خلاصہ کلام یہ کہ یہ عقیدہ جس کو قرآن شریف نے ہمیں سکھایا ہے نہایت سچا اور مستحکم عقیدہ ہے کیونکہ انسانی فطرت شہادت دیتی ہے کہ جن نبیوں کی عام طور پر کر دہا لوگوں میں قبولیت پھیل جاتی ہے اور دلوں میں ان کی نہایت درجہ محبت اور عظمت بیٹھ جاتی ہے اور نصرت الہی بارش کی طرح ان پر برکتی ہے وہ ہرگز جھوٹے نہیں ہوتے

کیونکہ یہ ذات مغفرتی کو جو خدا پر افسر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے خدا کی طرف سے وحی ہوئی اور خدا نے مجھ سے کلام کیا حالانکہ نہ کوئی وحی اُس پر نازل ہوئی اور نہ خدا نے کوئی اُس سے کلام کیا اس قدر عزت ہرگز نہیں دی جاتی۔ جو شخص جائز رکھتا ہے جو ایسی عزت مغفرتی کو بھی دی جاتی ہے اور ایسی مدد اور نصرت اور ایسے آسمانی نشان اُس کذاب دجال کو بھی ملتے ہیں جو خدا پر افسر کرتا ہے ایسا شخص دراصل خدا پر ایمان نہیں رکھتا اور درپردہ وہ دہریہ ہے۔ یہی سچائی کی ایک زبردست دلیل ہے جو دنیا کے تمام نبیوں سے زیادہ ہمارے سید و مولے اور ہمارے محترم آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں پائی جاتی ہے کیونکہ وہ اقبال اور عزت اور خدا کی مدد اور نصرت جو انکو ملی وہ کسی اور نبی کو حاصل نہیں ہوئی۔ آپ ایسے وقت میں آئے جو دنیا شرک و ریت پرستی سے بھری ہوئی تھی۔ کوئی پتھر کی پوجا کرتا تھا اور کوئی آگ کی پرستش میں مشغول تھا اور کوئی مسوسج کے آگے ہاتھ جوڑتا تھا۔ کوئی پانی کو اپنا پرہیز خیال کرتا تھا اور کوئی انسان کو خدا بنائے بیٹھا تھا۔ علاوہ اس کے زمین ہر ایک قسم کے گندہ اور ظلم اور فساد سے بھری ہوئی تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اُس زمانہ کی موجودہ حالت کے بارہ میں قرآن شریف میں خود گواہی دی ہے اور فرماتا ہے ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ یعنی دریا بھی بگڑ گئے اور خشک زمین بھی بگڑ گئی۔ مطلب یہ کہ جس قوم کے ہاتھ میں کتاب آسمانی تھی وہ بھی بگڑ گئی اور جس کے ہاتھ میں کتاب آسمانی نہیں تھی اور خشک جنگل کی طرح تھے وہ بھی بگڑ گئے۔ اور یہ امر ایک ایسا سچا واقعہ ہے کہ ہر ایک ملک کی تاریخ اس پر گواہ ناطق ہے۔ کیا آریہ ورت کے دانا مورخ اس سے انکار کر سکتے ہیں کہ آنجناب کے ظہور کا زمانہ درحقیقت ایسا ہی تھا اور بت خالوں کو اس قدر عزت دی گئی تھی کہ گویا وید کا اصل مذہب

یہی ہے۔

اور کیا عیسائی صاحبان اس اقرار سے کہیں بھاگ سکتے ہیں کہ اُس زمانہ میں نہ صرف حضرت عیسیٰ کو خدائے واحد لا شریک کی جگہ بٹھایا گیا تھا بلکہ اُن کی تصویر بھی ایک قسم کا خدا ہی سمجھی گئی تھی اور اُن کی والدہ بھی اس خدائی میں شریک ٹھیرائی گئی تھی۔ پھر جب ہمارے بزرگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں ظاہر ہوئے تو ایک انقلاب عظیم دنیا میں آیا اور تھوڑے ہی دنوں میں وہ جزیرہ عرب جو بجز بت پرستی کے اور کچھ بھی نہیں جانتا تھا ایک سمندر کی طرح خدا کی توحید سے بھر گیا۔ علاوہ اس کے یہ عجیب بات ہے کہ ہمارے سید و مولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جس قدر خدا تعالیٰ کی طرف سے نشان اور معجزات ملے۔ وہ صرف اُس زمانہ تک محدود نہ تھے بلکہ قیامت تک اُن کا سلسلہ جاری ہے۔ اور پہلے زمانوں میں جو کوئی نبی ہوتا تھا۔ وہ کسی گزشتہ نبی کی اُمت نہیں کہلاتا تھا۔ گو اُس کے دین کی نصرت کرتا تھا اور اُس کو سچا جانتا تھا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک خاص فخر دیا گیا ہے کہ وہ ان معنوں سے خاتم الانبیاء ہیں کہ ایک تو تمام کمالات نبوت اُن پر ختم ہیں۔ اور دوسرے یہ کہ اُن کے بعد کوئی نئی شریعت لانے والا رسول نہیں اور نہ کوئی ایسا نبی ہے جو اُن کی اُمت سے باہر ہو۔ بلکہ ہر ایک کو جو شرف مکالمہ الہیہ ملتا ہے وہ انہیں کے فیض اور انہیں کی وساطت سے ملتا ہے اور وہ اُمتی کہلاتا ہے نہ کوئی مستقل نبی۔ اور رجوع خلایق اور قبولیت کا یہ عالم ہے کہ آج کم سے کم بیس گروہ ہر طبقہ کے مسلمان آپ کی غلامی میں کمر بستہ کھڑے ہیں اور جب سے خدا نے آپ کو پیدا کیا ہے بڑے بڑے زبردست بادشاہ جو ایک دنیا کو فتح کرنے والے تھے۔ آپ کے قدموں پر ادسے غلاموں کی طرح گرے رہے ہیں۔ اور اس وقت کے اسلامی بادشاہ بھی ذلیل

چاکروں کی طرح آنجناب کی خدمت میں اپنے تئیں سمجھتے ہیں اور نام لینے سے  
تخت سے نیچے اتر آتے ہیں۔

اب سوچنا چاہیے کہ کیا یہ عزت، کیا یہ شوکت، کیا یہ اقبال، کیا یہ جلال،  
کیا یہ ہزاروں نشان آسمانی، کیا یہ ہزاروں برکات ربانی جھوٹے کو بھی  
مل سکتی ہیں۔ ہمیں بڑا فخر ہے کہ جس نبی علیہ السلام کا ہم نے دامن پکڑا ہے  
خدا کا اُسپر بڑا ہی فضل ہے۔ وہ خدا تو نہیں مگر اُسکے ذریعہ سے ہم نے خدا کو دیکھ لیا  
ہے۔ اُس کا مذہب جو ہمیں ملتا ہے خدا کی طاقتوں کا آئینہ ہے۔ اگر اسلام نہ ہوتا  
تو اس زمانہ میں اس بات کا سمجھنا محال تھا کہ نبوت کیا چیز ہے اور کیا عجوبات  
بھی ممکنات میں سے ہیں اور کیا وہ قانون قدرت میں داخل ہیں۔ اس عقد سے کو  
اُسی نبی کے دائمی فیض نے حل کیا اور اُسی کے طفیل سے اب ہم دوسری قوموں کی طرح  
صرف قصہ گو نہیں ہیں بلکہ خدا کا نور اور خدا کی آسمانی نصرت ہمارے  
شامل حال ہے۔ ہم کیا چیز ہیں جو اس شکر کو ادا کر سکیں کہ وہ خدا جو دوسروں  
پر مخفی ہے اور وہ پوشیدہ طاقت جو دوسروں سے نہاں در نہاں ہے۔ وہ  
ذوالجلال خدا محض اس نبی کریم کے ذریعہ سے ہم پر ظاہر ہو گیا۔

پھر یہ عجیب بات ہے کہ اُسی کامل نبی سے مخالفت قوموں کا سبب بڑھ کر  
بغض ہے اُسی کی توہین کے لئے اور اُسی کی تکذیب کی غرض سے جس قدر دنیا میں  
کتابیں شائع ہوئی ہیں ابتداء سے دنیا سے آج تک کسی اور نبی کی توہین کے لئے  
اس کثیر مقدار کی کتابیں شائع نہیں ہوئیں۔ اس سے ثابت ہے کہ جس سے خدا  
زیادہ پیار کرتا ہے اور جس کو زیادہ اپنے جلال اور بزرگی سے حصہ بخشا ہے  
اُسی سے یہ اندھی دنیا زیادہ دشمنی کرتی ہے۔ مگر اُسی عظیم الشان نبی نے ہمیں  
سکھایا ہے کہ جن جن نبیوں اور رسولوں کو دنیا کی قومیں ماننتی چلی آئی ہیں اور خدا

نے عظمت اور قبولیت انکی دنیا کے بعض حصوں میں پھیلا دی ہے وہ درحقیقت خدا کی طرف سے ہیں اور ان کی آسمانی کتابوں میں گو دور دراز زمانہ کی وجہ سے کچھ تبدیل و تغیر ہو گئی ہو۔ یا ان کے معنی خلاف حقیقت سمجھے گئے ہوں۔ مگر دراصل وہ کتابیں منجانب اللہ اور عزت اور تعظیم کے لائق ہیں۔

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دوسرے ملکوں کے انبیاء کی نسبت سوال کیا گیا تو آپ نے یہی فرمایا کہ ہر ایک ملک میں خدا تعالیٰ کے نبی گذرے ہیں اور فرمایا کہ كَانَ فِي الْهِنْدِ نَبِيًّا اَسْوَدَ اللَّوْنِ اِسْمُهُ كَاهِنًا یعنی ہند میں ایک نبی گذرا ہے جو سیاہ رنگ تھا اور نام اُس کا کاہن تھا یعنی کنہیا جس کو کرشن کہتے ہیں۔ اور آپ سے پوچھا گیا کہ کیا زبان پارسی میں بھی کبھی خدا نے کلام کیا ہے۔ تو فرمایا کہ ہاں خدا کا کلام زبان پارسی میں بھی اُترا ہے۔ جیسا کہ وہ اُس زبان میں فرماتا ہے۔ "اِسْ مُشْتِ خَاکِ رَاگِرَنہ بَخْشَم چہ کَنَم" اور خدا نے قرآن شریف میں یہ بھی فرمایا ہے مِثْمَم مِّنْ قَصَصْنَا عَلَیْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّدُ تَقْصُصْ عَلَیْكَ یعنی جس قدر دنیا میں نبی گذرے ہیں بعض کا ان میں سے ہم نے قرآن شریف میں ذکر کیا ہے اور بعض کا ذکر نہیں کیا۔ اس قول سے مطلب یہ ہے کہ تمام مسلمان حسن ظن سے کام لیں اور دنیا کے ہر ایک حصہ کے نبی کو جو گذر چکے ہیں عزت اور تعظیم سے دیکھیں اور بار بار قرآن شریف میں بھی ذکر کیا گیا ہے اس سے مقصود مسلمانوں کو یہ یقین دینا ہے کہ وہ دنیا کے کسی حصہ کے ایسے نبی کی کسر شان نہ کریں جو ایک کثیر قوم نے اُس کو قبول کر لیا تھا۔ یہ اصول نہایت ہی پیارا اور دلکش اصول ہے اور مسلمان اس کے ساتھ جس قدر فخر کریں وہ بجا ہے کیونکہ دوسری قومیں بوجہ اس کے کہ اس اصول کی پابند نہیں دنیا کے اور انبیاء کی نسبت جو گذر چکے ہیں جن کی قبولیت کروڑھا لوگوں میں پھیل چکی ہے ادنیٰ ادنیٰ اختلاف کی وجہ سے زبان درازی کے لئے

طیار ہو جاتی ہیں۔ خاص کر ہمارے مقدس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تو گندی گالیاں دیتے ہیں وہ صرف زبان سے تو صلح صلح کرتے ہیں مگر اسی زبان کو تلوار کی طرح کھینچ کر ہمارے اُس پیارے نبی پر چلاتے ہیں جس کے قدموں کے نیچے ہماری جانیں ہیں۔ ہم لوگ عجیب مظلوم ہیں کہ ہم تو قرآن شریف کی تعلیم کے موافق دنیا کے ہر ایک نبی کو جو مقبول الانام گذرے ہیں عزت اور تعظیم کی راہ سے دیکھتے ہیں اور اُن پر ایمان لاتے ہیں مگر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت جو کچھ ہمارے مخالف کہتے ہیں اور لکھتے ہیں۔ اُس کو تمام زمانہ جانتا ہے۔ ہم اس بات کا اعلان کرنا اور اپنے اس اقرار کو تمام دنیا میں شائع کرنا اپنی ایک سعادت سمجھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دوسرے نبی سب کے سب پاک اور بزرگ اور خدا کے برگزیدہ تھے۔ ایسا ہی خدا نے جن بزرگوں کے ذریعہ سے پاک ہائیتیں اُریہ ورت میں نازل کیں اور نیز بعد میں اُنے والے جو اُریوں کے مقدس بزرگ تھے جیسا کہ راجہ راجندر اور کرشن یہ سب کے سب مقدس لوگ تھے اور ان میں سے تھے جن پر خدا کا فضل ہوتا ہے۔ مگر ہم اس شکایت کے لئے کس کے آگے روویں اور کس سے ہم اس بات کا انصاف طلب کریں کہ دوسری قومیں ہم سے یہ معاملہ نہیں کرتیں۔

دیکھو یہ کیسی پیاری تعلیم ہے جو دنیا میں صلح کی بنیاد ڈالتی ہے اور تمام قوموں کو ایک قوم کی طرح بنانا چاہتی ہے یعنی یہ کہ دوسری قوموں کے بزرگوں کو عزت سے یاد کرو۔ اور اس بات کو کون نہیں جانتا کہ سخت دشمنی کی جڑ اُن نبیوں اور رسولوں کی تحقیر ہے جن کو ہر ایک قوم کے کروڑ ہا انسانوں نے قبول کر لیا ہے جو شخص کسی نبی کی تحقیر کرتا ہے یا تحقیر کرنے والے کا دوست اور حامی ہے اور پھر وہ اس قوم سے صلح چاہتا ہے جو اُس نبی پر دل و جان سے قربان ہے وہ ایسا

مُور کہ اور نادان ہے کہ جہالت اور نادانی میں دُنیا میں کوئی اس کی نظیر نہیں۔ ایک شخص جو کسی کے باپ کو گندی گالیاں دیتا ہے اور پھر چاہتا ہے کہ اُس کا بیٹا اس سے خوش ہو۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے جو لوگ محض زبان سے کسی قوم کے ساتھ صلح کرنے کے لئے زور دیتے ہیں۔ اُن کو چاہیے کہ صلحکاری کے کام بھی دکھلائیں اے ہموطن پیارو! میری اس بات پر غور کرو اور یوں ہی نہ پھینک دو جبکہ ہم ایک ہی ملک میں رہتے ہیں چاہیے کہ باہم ایسی محبت کریں کہ ایک دوسرے کے اعضاء ہو جائیں مگر یہ بھی یاد رکھو کہ اگر منافقانہ طور پر محبت ہو تو وہ محبت نہیں ہے بلکہ وہ ایک زہریلا تخم ہے جو بعد میں اپنا ہلک پھل دکھائیگا۔ صلحکاری بہت عمدہ چیز ہے مگر بد زبانی اور صلحکاری دونوں ہرگز جمع نہیں ہو سکتے پس اے صاحبان! کیا آپ لوگ اس بات کیلئے طیار ہیں یا نہیں کہ صلح کی بنیاد ڈالنے کے لئے اس پاک اصول کو قبول کر لیں کہ جیسے ہم سچے دل سے آپ کے بزرگ رشتیوں اور اوتاروں کو صادق جانتے ہیں جن پر آپ کی قوم کے کروڑوں لوگ ایمان لائے ہیں اور اُن کے نام عزت سے زبانوں پر جاری ہیں۔

ایسا ہی آپ لوگ بھی صدق دل سے اس کلمہ پر ایمان لے آئیں کہ

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ

تا جس اتحاد اور صلح کیلئے ہم نے قدم اٹھایا ہے اُس میں آپ بھی شریک ہو کر اُس تفرقہ کو دور کر دیں جو ملک کو کھاتا جاتا ہے۔ ہم آپ سے کوئی ایسا مطالبہ نہیں کرتے جس سے ہم نے پہلے خود حصہ نہیں لیا۔ اور ہم آپ سے کوئی ایسا کام کراتا نہیں چاہتے جو ہم نے آپ نہیں کیا۔ سچی صلح اور کینوں کے دور کرنے کیلئے صرف اس قدر کافی ہے کہ جیسا کہ ہم آپ کے بزرگ اوتاروں اور رشتیوں کو صادق مانتے ہیں اسی طرح آپ بھی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو صادق مان لیں اور اس اقرار کا آپ ہماری



طرح اعلان بھی کر دیں۔ ہاں ہم آپ کے عقائد مروجہ پر عملدرآمد کرنے سے تو مجبور ہیں۔ کیونکہ خدا نے ہمیں بتلا دیا ہے کہ پہلی کتابیں اپنی صحت پر قائم نہیں رہیں نیز آپ کا مذہب ہی تفرقہ اس سے مانع ہے کیونکہ اگر یہ ورت کے صد ہا مختلف رائے فرقی وید ہی کی طرف اپنے تئیں منسوب کرتے ہیں۔ پس ہم کس کس عقیدے کی تصدیق کریں۔ آپ جانتے ہیں کہ ایک شخص سے عقائد متناقضہ کی پابندی محال ہے۔ ہر ایک فرقہ اپنی طرف ہی کھینچے گا۔ اور اس جھگڑے میں پڑنا ہی فضول ہے۔ کیونکہ خدا کے آخری حکم نے جو قرآن شریف ہے دوسرے احکام کی پیروی سے ہمیں مستغنی کر دیا ہے۔ پس بالفعل ہم آپ سے صلہ کاری کے لئے صرف یہی چاہتے ہیں کہ آپ اجتماعی طور پر قرآن شریف کے مصدق ہوں جیسا کہ ہم اجمالی طور پر مصدق ہیں۔ اور اگر بعد میں کوئی مسجد آدمی ترقی کرے تو یہ خدا کا فضل ہے۔

غرض ہم اس اصول کو ہاتھ میں لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں کہ آپ گواہ رہیں جو ہم نے مذکورہ بالا طریق کے ساتھ آپ کے بزرگوں کو مان لیا ہے کہ وہ خدا کی طرف سے تھے اور آپ کی صلح پسند طبیعت سے ہم امیدوار ہیں کہ آپ بھی ایسا ہی مان لیں یعنی صرف یہ اقرار کر لیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کے سچے رسول اور صادق ہیں۔ جس دلیل کو ہم نے آپ کی خدمت میں پیش کیا ہے وہ نہایت روشن اور کھلی کھلی دلیل ہے۔ اور اگر اس طریق سے صلح نہ ہو تو آپ یاد رکھیں کہ کبھی صلح نہ ہوگی بلکہ روز بروز کیفے بڑھتے جائیں گے۔

مسلمان وہ قوم ہے جو اپنے نبی کریم کی عزت کے لئے جان دیتے ہیں۔ اور وہ اس بے عزتی سے مرنا بہتر سمجھتے ہیں کہ ایسے شخصوں سے دلی صفائی کریں اور ان کے دوست بن جائیں جن کا کام دن رات یہ ہے کہ وہ ان کے

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتے ہیں اور اپنے رسالوں اور کتابوں اور اشتہاروں میں نہایت توہین سے اُن کا نام لیتے ہیں اور نہایت گندے الفاظ سے اُن کو یاد کرتے ہیں۔ آپ یاد رکھیں کہ ایسے لوگ اپنی قوم کے بھی خیر خواہ نہیں ہیں کیونکہ وہ اُن کی راہ میں کانٹے بوسے ہیں۔ اور میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اگر ہم جنگل کے سانپوں اور بیا بانوں کے درندوں سے صلح کر لیں۔ تو یہ ممکن ہے مگر ہم ایسے لوگوں سے صلح نہیں کر سکتے جو خدا کے پاک نبیوں کی شان میں بدگوئی سے باز نہیں آتے وہ سمجھتے ہیں کہ گال اور بدزبانی میں ہی فتح ہے مگر ہر ایک فتح آسمان سے آتی ہے۔ پاک زبان لوگ اپنی پاک کلام کی برکت سے انجام کار دلوں کو فتح کر لیتے ہیں مگر گندی طبیعت کے لوگ اس سے زیادہ کوئی ہنر نہیں رکھتے کہ ملک میں مفسدانہ رنگ میں تفرقہ اور پھوٹ پیدا کرتے ہیں۔ کاش اگر دنیا کے لوگ ایسے اصول کے پابند ہوتے جو قرآن شریف نے پیش کیا ہے تو یہ ملک برکتوں سے بھر جاتا۔ مگر یہ ملک کی بد قسمتی ہے کہ اس اصول کو پسند نہیں کیا جاتا۔ آج آسمان کے نیچے صرف ایک ہی کتاب ہے جو اس اصول پر زور دالتی ہے کہ جن جن نبیوں اور رسولوں کو دنیا کی توہین صادق مانتی چلی آئی ہیں اور خدا نے عظمت اور قبولیت اُن کی دنیا کے بڑے بڑے اصول میں پھیلا دی ہے وہ درحقیقت خدا کی طرف سے ہیں۔ زبان خلق نقارہ خدا ایک مشہور مثل ہے۔ پس جبکہ خدا نے کروڑوں انسانوں کے دلوں میں یہی الہام کیا کہ وہ لوگ سچے ہیں اور نہ صرف اس قدر بلکہ خارق عادت کے طور پر اُن کی نصرت اور مدد بھی کی تو یہ ایک قوی دلیل اس بات پر ہے کہ درحقیقت وہ خدا کے دوست ہیں اور اُن کی توہین خدا کی توہین ہے۔ اور تجربہ بھی شہادت دیتا ہے کہ ایسے بدزبان لوگوں کا انجام اچھا نہیں ہوتا

خدا کی غیرت اُس کے اُن پیاروں کے لئے آخر کوئی کام دکھلا دیتی ہے۔ پس اپنی زبان کی چھری سے کوئی اور بدتر چھری نہیں اور قرآن شریف میں صرف اسی قدر نہیں لکھا کہ دنیا کے تمام بزرگوں کا نام عورت سے لو بلکہ یہ بھی لکھا ہے کہ ہر ایک قوم سے ہمدردی کرو جیسا کہ اپنی قوم سے۔ اسی بنا پر مذہب اسلام میں جیسا کہ اپنی قوم سے سود لینا حرام ہے ایسا ہی دوسری قوموں سے بھی سود لینا حرام ہے بلکہ خدا نے یہ بھی فرمایا ہے کہ نہ صرف سود حرام ہے بلکہ اگر تمہارا قرضدار مفلس ہو سکے قرض بخش دو۔ یا کم سے کم یہ کہ اس وقت تک انتظار کرو کہ وہ قرض ادا کرنے کے لائق ہو جائے۔ اور جیسا کہ قرآن شریف میں اپنی قوم کے لئے گناہ معاف کرنے کا حکم ہے ایسا ہی دوسری قوموں کیلئے بھی یہی حکم ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے۔

وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ یعنی لوگوں کے گناہ بخشو اور اُن کی زیادتیوں اور قصوروں کو معاف کرو۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ خدا بھی تمہیں معاف کرے اور تمہارے گناہ بخشے اور وہ تو غفور و رحیم ہے۔ اور انجیل نے بھی صبر اور عفو کی تعلیم دی ہے مگر اکثر لوگوں کو شاید یہ بات یاد نہیں ہوگی کہ حضرت عیسیٰ انجیل میں فرماتے ہیں کہ مجھے دوسری قوموں سے سروکار نہیں۔ میں صرف بنی اسرائیل کی بھیڑوں کے لئے آیا ہوں یعنی میری ہمدردی صرف یہودیوں تک محدود ہے۔ مگر قرآن شریف میں صاف لکھا ہے کہ دوسری قوموں سے بھی ہمدردی کرو جیسا کہ اپنی قوم کے لئے۔ اور دوسری قوموں کو بھی معاف کرو جیسا کہ اپنی قوم کو۔ کیونکہ قرآن شریف میں یہ نہیں لکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف قریش کے لئے بھیجے گئے ہیں بلکہ لکھا ہے کہ وہ تمام دنیا کے لئے بھیجے گئے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا

یعنی لوگوں کو کہہ دے کہ میں تمام دنیا کے لئے بھیجا گیا ہوں نہ صرف ایک قوم کے لئے اور پھر دوسری جگہ فرمایا وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ یعنی ہم نے کسی خاص قوم پر رحمت کرنے کیلئے تجھے نہیں بھیجا بلکہ اس لئے بھیجا ہے کہ تمام جہان پر رحمت کی جائے۔ پس جیسا کہ خدا تمام جہان کا خدا ہے۔ ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام دنیا کے لئے رسول ہیں اور تمام دنیا کے لئے رحمت ہیں اور آپ کی ہمدردی تمام دنیا سے ہے نہ کسی خاص قوم سے۔ اور خدا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو بھی وہ کامل اور عام ہمدرد کی تعلیم دی ہے کہ کسی دوسرے رسول کو ہرگز نہیں دی جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَرِثَاؤِ ذِي الْقُرْبَىٰ یعنی خدا حکم فرماتا ہے کہ تمام دنیا کے ساتھ تم عدل کرو یعنی جس قدر حق ہے اسی قدر لو اور انصاف سے بنی نوع کے ساتھ پیش آؤ۔ اور اس سے بڑھ کر یہ حکم ہے کہ تم بنی نوع سے احسان کرو یعنی وہ سلوک کرو جس سلوک کا کرنا تم پر فرض نہیں محض مروت ہے۔ مگر چونکہ احسان میں بھی ایک عیب مخفی ہے کہ صاحب احسان کبھی ناراض ہو کر اپنے احسان کو یاد بھی دلا دیتا ہے۔ اس لئے اس آیت کے آخر میں فرمایا کہ کامل نیکی یہ ہے کہ تم اپنے بنی نوع سے اس طور سے نیکی کرو جیسے ماں اپنے بچے سے نیکی کرتی ہے کیونکہ وہ نیکی محض طبعی جوش سے ہوتی ہے نہ کسی پاداش کی غرض سے۔ یہ دل میں ارادہ ہی نہیں ہوتا کہ یہ بچہ اس نیکی کے مقابل مجھے بھی کچھ عنایت کرے۔ پس وہ نیکی جو بنی نوع سے کی جاتی ہے کامل درجہ اس کا یہ تیسرا درجہ ہے جس کو ایٹاغذی القرطی کے لفظ سے بیان فرمایا گیا ہے۔

یاد رہے کہ یہ تعلیم انجیل میں نہیں ہے بلکہ نیکی اور احسان اور معافی کی تعلیم

جس قدر انجیل میں ہے وہ سب صرف بنی اسرائیل تک محدود ہے دوسروں سے  
 کچھ غرض نہیں۔ ایسا ہی بجز قرآن شریف کے ہر ایک قوم کی الہامی کتاب جو کچھ احسان  
 اور مروت اور درگزر کی تعلیم دیتی ہے وہ اُسی قوم تک محدود ہے اور ہر ایک پہلی  
 قوموں کی الہامی کتابیں بجز اپنی قوم کے دوسرے لوگوں کی ہمدردی سے واسطہ  
 نہیں رکھتیں جیسا کہ انجیل شریف کی بھی ساری ہمدردی ساری درگزر سارے  
 احسان کی تعلیم محض بنی اسرائیل کے لئے ہے دوسروں سے کچھ بھی غرض نہیں  
 اور ہمارے پیارے ہوطن آریہ صاحبان اس کلمہ حق سے ناراض نہ ہوں کہ وید  
 مقدس کی تعلیم سے یہ بات موزوں ہی نہیں کہ اس میں یہ حکم دیا جاتا کہ لوگ اپنے  
 اپنے قصور واروں کے گناہ بخشا کریں کیونکہ جس حالت میں خود پر ہمیشہ ایک گنہ پر  
 کروڑوں جنوں میں ڈالتا ہوتا ہے تو پھر کس منہ سے وہ لوگوں کو یہ نصیحت دے سکتا ہے  
 کہ تم اپنے قصور واروں کے گناہ بخش دیا کرو۔ اور وید کے دوسرے دوسرے خیال  
 کی توہین بھی کرنا شاید ثواب میں داخل ہے۔ شاید کس صاحب کے دل میں یہ بھی خیال  
 آوے کہ مسلمان بھی مباشرت کے وقت نامناسب الفاظ دوسری قوموں کے بزرگوں  
 کی نسبت استعمال کرتے ہیں پس یاد رہے کہ وہ قرآنی تعلیم سے باہر چلے جاتے ہیں  
 اور بسا اوقات اُن کی اس بدتمیزی کا موجب وہی لوگ ہو جاتے ہیں جو آنحضرت  
 صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں نکالتے ہیں مثلاً ظاہر ہے کہ مسلمان لوگ کس قدر حضرت  
 عیسیٰ علیہ السلام کو عزت اور تعظیم کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اُن کو خدا کا پیارا رسول  
 اور برگزیدہ یقین رکھتے ہیں لیکن جب ایک متعصب پادری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم  
 کی بے ادبی سے باز نہیں آتا اور زبان درازی میں حد سے بڑھ جاتا ہے تو لازمی  
 طور پر ایک مسلمان جس کو اس پادری کے کلمات سے کچھ درد پہنچا ہے ایسا جواب  
 دیتا ہے کہ اس پادری کو برا معلوم ہو مگر پھر بھی وہ طریق ادب سے باہر نہیں جاتا

کچھ نہ کچھ صحت نیت دل میں رکھ لیتا ہے کیونکہ اسلام میں کسی نبی کی تحقیر کفر ہے اور سب پر ایمان لانا فرض ہے۔ پس مسلمانوں کو بڑی مشکلات پیش آتی ہیں کہ دونوں طرف ان کے پیارے ہوتے ہیں۔ بہر حال جاہلوں کے مقابل پر صبر کرنا بہتر ہے کیونکہ کسی نبی کی اشارہ سے بھی تحقیر کرنا سخت معصیت ہے اور موجب نزول غضب الہی۔

مگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ اسلام میں کافروں کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم ہے تو پھر کیونکر اسلام صلح کاری کا مذہب ٹھہر سکتا ہے پس واضح ہو کہ قرآن شریف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ تہمت ہے اور یہ بات سراسر جھوٹ ہے کہ دین اسلام میں جبراً دین پھیلانے کے لئے حکم دیا گیا تھا کسی پر یہ بات پوشیدہ نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ میں تیرہ برس تک سخت دل کافروں کے ہاتھ سے وہ مصیبتیں اٹھائیں اور وہ دکھ دیکھے کہ بجز ان برگزیدہ لوگوں کے جن کا خدا پر نہایت درجہ بھروسہ ہوتا ہے کوئی شخص ان دکھوں کی برداشت نہیں کر سکتا اور اس مدت میں کسی عزیز صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نہایت بے رحمی سے قتل کئے گئے اور بعض کو بار بار زرد کو ب کو ب کے موت کے قریب کر دیا اور بعض دفعہ قاتلوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اس قدر چھڑ چلائے کہ آپ سر سے سر تک خون آلودہ ہو گئے اور آخر کار کافروں نے یہ منصوبہ سوچا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر کے اس مذہب کا فیصلہ ہی کر دیں تب اس نیت سے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کا محاصرہ کیا اور خدا نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ اب وقت آگیا ہے کہ تم اس شر سے نکل جاؤ تب آپ اپنے ایک رفیق کے ساتھ جس کا نام ابوبکرؓ تھا نکل آئے اور خدا کا یہ معجزہ تھا کہ باوجودیکہ صد لوگوں نے محاصرہ کیا تھا مگر ایک شخص نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھا اور آپ شر سے باہر آ گئے اور ایک پتھر پر کھڑے ہو کر کہہ کر مخاطب کر کے کہا کہ ”اے مکہ تو میرا پیارا شہر اور پیارا وطن

تھا اگر میری قوم مجھ کو تجھ سے نہ نکالتی تو میں ہرگز نہ نکلتا۔ تب اس وقت بعض پہلے  
نوشتروں کی پیشگوئی پوری ہوئی کہ۔

وہ ”نبی اپنے وطن سے نکالا جائے گا“

مگر پھر بھی کفار نے اسی قدر پر صبر نہ کیا اور تعاقب کر کے چاہا کہ بہر حال قتل کر دیں لیکن  
خدا نے اپنے نبی کو ان کے شر سے محفوظ رکھا اور آنجناب پر شدید طور پر مکہ سے  
ہجرت کر کے مدینہ کی طرف چلے آئے اور پھر بھی کفار اس تدبیر میں لگے رہے کہ مسلمانوں  
کو بکلی نیست و نابود کر دیں اور اگر خدا تعالیٰ کی حمایت اور نصرت نہ ہوتی تو ان دنوں  
میں اسلام کا قلع قمع کرنا نہایت سہل تھا کیونکہ دشمن تو کوئی لاکھ آدمی تھا مگر مکہ سے ہجرت  
کرنے کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق سترے سے زیادہ نہ تھے اور وہ  
بھی متفرق ملکوں کی طرف ہجرت کر گئے تھے پس اس حالت میں ہر ایک سمجھ سکتا  
ہے کہ جب یہ کرنے کی کونسی صورت تھی غرض جب کافروں کا ظلم نہایت درجہ تک پہنچ  
گیا اور وہ کسی طرح آثارِ دہی سے باز نہ آئے اور انہوں نے اس بات پر مصمم ارادہ کر لیا کہ  
تلوار کے ساتھ مسلمانوں کا خاتمہ کر دیں تب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو دفاعی جنگ کے  
لئے اجازت فرمائی یعنی اس طرح کی جنگ جس کا مقصد صرف حفاظت خود اختیاری اور  
کفار کا حملہ دفع کرنا تھا جیسا کہ قرآن شریف میں تصریح سے اس بات کا ذکر کیا گیا ہے  
اور وہ آیت یہ ہے:-

إِنَّ اللَّهَ يُدَافِعُ عَنِ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُورٍ ۖ وَإِنَّ

لِلَّذِينَ يُفَاقَهُونَ بِأَنَّهُمْ ظَالِمُونَ ۖ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ (ترجمہ خدا  
کا ارادہ ہے کہ کفار کی بدی اور ظلم کو مومنوں سے دفع کرے یعنی مومنوں کو دفاعی جنگ  
کی اجازت دے تحقیق خدا خیانت پیشہ ناشکر لوگوں کو دوست نہیں رکھتا خدا ان  
مومنوں کو لڑنے کی اجازت دیتا ہے جن پر کافر قتل کرنے کے لئے چڑھ چڑھ کے

آتے ہیں اور خدا حکم دیتا ہے کہ مومن بھی کافروں کا مقابلہ کریں کیونکہ وہ مظلوم ہیں اور خدا اُن کی مدد پر قدرت رکھتا ہے یعنی اگرچہ تھوڑے ہیں مگر خدا اُن کی مدد پر قادر ہے۔ یہ قرآن شریف میں وہ پہلی آیت ہے جس میں مسلمانوں کو کفار کے مقابلہ کی اجازت دی گئی۔ آپ خود سوچ لو کہ اس آیت سے کیا نکلتا ہے۔ کیا لڑنے کے لئے خود سبقت کرنا یا مظلوم ہونے کی حالت میں اپنے بچاؤ کے لئے مجبوری مقابلہ کرنا یہاں مخالفت بھی اس بات کو جانتے ہیں کہ آج ہمارے ہاتھ میں وہی قرآن ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شائع کیا تھا پس اُس کے اس بیان کے مقابل پر جو کچھ برخلاف اس کے بیان کیا جلتے وہ سب جھوٹ اور افتراء ہے۔ مسلمانوں کی قطعی اور یقینی تاریخ جس کتاب سے نکلتی ہے وہ قرآن شریف ہے۔

اب ظاہر ہے کہ قرآن شریف ہی بیان کرتا ہے کہ مسلمانوں کو لڑائی کا اُس وقت حکم دیا گیا تھا جب وہ ماسق قتل کئے جاتے تھے اور خدا تعالیٰ کی نظر میں مظلوم ٹھہر چکے تھے اور ایسی حالت میں دھوڑیں تھیں یا تو خدا کافروں کی تلوار سے اُن کو فنا کر دیتا اور یا مقابلہ کی اجازت دیتا اور وہ بھی اس شرط سے کہ آپ اُن کی مدد نہ کریں کیونکہ اُن میں جنگ کی طاقت ہی نہیں تھی اور پھر ایک اور آیت ہے جس میں خدا نے اس اجازت کے ساتھ ایک اور قید بھی لگا دی ہے اور وہ آیت سیارہ و دم سورۃ البقرۃ میں ہے اور اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ جو لوگ تمہیں قتل کرنے کے لئے آتے ہیں اُن کا دفع شر کے لئے مقابلہ لو کرو مگر کچھ زیادتی نہ کرو اور وہ آیت یہ ہے۔

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يَقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ  
یعنی خدا کی راہ میں اُن لوگوں کے ساتھ لڑو جو لڑنے میں سبقت کرتے ہیں اور تم پر چڑھ چڑھ کے آتے ہیں مگر اُن پر زیادتی نہ کرو اور تحقیقاً یاد رکھو کہ خدا زیادتی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ اور پھر خدا تعالیٰ نے قرآن شریف پارہ اٹھائیس سورۃ الممتحنہ



میں فرمایا ہے لَا يَسْتَهْزِئُ اللَّهُ بِالدِّينِ كَذِبًا يَكُونُكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يَخْرُجْكُمْ  
 مِّنْ دِيَارِكُمْ إِنَّ تَكْبَرَهُمْ وَقَسْوَةَ آلِهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ۖ  
 ترجمہ۔ یعنی جن لوگوں نے تمہارے دین کو بالود کرنے کی غرض سے تمہارے قتل کرنے کے  
 لئے چڑھائی نہیں کی اور تمہیں اپنے وطن سے نہیں نکالا خدا تمہیں اس بات سے منع  
 نہیں کرتا کہ تم اُن سے احسان کرو اور اپنے مال کا کوئی حصہ اُن کو دے دو اور معاملات  
 میں اُن سے انصاف کا برتاؤ کرو اور خدا اُن لوگوں سے پیارا کرتا ہے جو اپنے دشمنوں  
 سے بھی احسان اور مروت اور انصاف سے پیش آتے ہیں خاص کر ایسے دشمن جو  
 بہت بہت دکھ دے چکے ہوں۔

اور پھر ایک جگہ فرمایا ہے یعنی پارہ دہم سورہ توبہ میں۔ وَإِنَّ أَحَدًا مِّنَ الْمُشْرِكِينَ  
 اسْتَجَارَكَ فَخِجْرُهُ حَتَّى يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَا مَنَعَكَ ذَلِكَ يَا أَيُّهَا  
 قَوْمُ لَا يَعْلَمُونَ ۖ یعنی اگر لڑائی کے ایام میں کوئی شخص مشرکوں میں سے خدا کے کلام کو  
 سُننا چاہے تو اُس کو پناہ دید و جب تک کہ وہ خدا کے کلام کو سُن لے اور پھر اس کو  
 اپنے امی کی جگہ میں پہنچا دو کیونکہ وہ ایک جاہل قوم ہے اور نہیں جانتے کہ وہ کس  
 سے لڑائی کر رہے ہیں۔ اور پھر سورہ حج پارہ سترہ میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَلَوْلَا دَفْعُ  
 اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمُ بِبَعْضٍ لَّفُوتٌ مِّنْ صَوَاحِبِ وَيَبِيعُ وَصَلَاتٍ وَمَسَاجِدُ  
 يُذَكَّرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا (ترجمہ) یعنی اگر خدا تعالیٰ کی یہ عادت نہ ہوتی کہ بعض کو  
 بعض کے ساتھ دفع کرتا تو ظلم کی توبت یہاں تک پہنچتی کہ گورنہ گزنیوں کے غلویت خاتمے  
 ڈھائے جلتے اور عیسائیوں کے گرجے مسمار کئے جاتے اور یہودیوں کے معبد نابود کئے  
 جاتے اور مسلمانوں کی مسجدیں جہاں کثرت سے ذکر خدا ہوتا ہے منہدم کی جاتیں یا اس  
 جگہ خدا تعالیٰ یہ ظاہر فرماتا ہے کہ ان تمام عبادت خانوں کا میں ہی حامی ہوں اور اس قسم  
 کا فرض ہے کہ اگر مثلاً کسی عیسائی ملک پر قبضہ کرے تو اُن کے عبادت خانوں سے کچھ تعرض

نہ کرے اور منع کر دے کہ اُن کے گرجے مسمار نہ کئے جائیں اور یہی ہدایت احادیث نبویہ سے مفہوم ہوتی ہے کیونکہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کہ کوئی اسلامی پرستار کسی قوم کے مقابلہ کے لئے مامور ہوتا تھا تو اُس کو یہ حکم دیا جاتا تھا کہ وہ عیسائیوں اور یہودیوں کے عبادت خانوں اور فرائد کے خلوت خانوں سے بے غرض نہ کرے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اسلام کس قدر تعصب کے طریقوں سے دُور ہے کہ وہ عیسائیوں کے گرجاؤں اور یہودیوں کے معبدوں کا ایسا ہی حامی ہے جیسا کہ مساجد کا جامی ہے ہاں البتہ اُس خدا نے جو اسلام کا بانی ہے یہ نہیں چاہا کہ اسلام دشمنوں کے حملوں سے فتنہ ہو جائے بلکہ اس نے دفاعی جنگ کی اجازت دی ہے اور حفاظت خود اختیاری کے طور پر مقابلہ کرنے کا اذن دیدیا ہے جیسا کہ وہ قرآن شریف میں فرماتا ہے:-

اَلَا تَتْلُوْنَ قَوْلًا مَّا تَكْفُلُوْنَ اَيُّمَّا نُهْكِمْ وَهَمْ كَوْنًا بِاِحْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ يَدْعُوْنَكَ  
اَوَّلَ مَرَّةٍ (سورۃ التوبہ) وَاِنْ جَهِلْتُمْ اِلَّا تَسْلِمُوْا فَاجْعَلْهَا دَعْوَاةَ الْاِنْفَالِ لِمَنْ دَعَا  
(ترجمہ) کیا تم ایسی قوم سے نہیں لڑو گے جنہوں نے اپنی قسمیں توڑ ڈالیں اور چاہا کہ رسول  
خدا کو جلا وطن کر دیں اور انہوں نے ہی پہلے تمہیں قتل کرنا شروع کیا اور اگر وہ صلح کی  
طرف جھکیں تو تم بھی جھک جاؤ یعنی تم اس خیال سے کیوں ڈرتے ہو کہ ہم ہمت ہی تھوڑی  
ہیں اور کفار شملہ میں بہت ہیں ہم کیونکر اُن سے لڑ سکتے ہیں۔ اور پھر ایک جگہ فرماتا ہے:-  
مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا۔  
یعنی جس شخص نے ایسے شخص کو قتل کیا کہ اُس نے کوئی ناحق کا خون نہیں کیا تھا یا کسی ایسے  
شخص کو قتل کیا جو نہ بغاوت کے طور پر امن عامہ میں خلل ڈالتا تھا اور نہ زمین میں فساد  
پھیلاتا تھا تو اُس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا یعنی بے وجہ ایک انسان کو قتل کر دینا  
خدا کے نزدیک ایسا ہے کہ گویا تمام بنی آدم کو ہلاک کر دیا۔ ان آیات سے ظاہر ہے  
کہ بے وجہ کسی انسان کا خون کرنا کس قدر اسلام میں مجرم کبیر ہے۔

اور نیز ان تمام آیات سے ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ قرآن شریف میں پیش دستی کر کے لڑائی کرنا ایک سخت مجرمانہ فعل قرار دیتا ہے بلکہ مومنوں کو جابجا صبر کا حکم دیا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے وَإِذَا نَالِيتُمُ الْيَأْسَ فَالْيَأْسَ أَحْسَنُ فَإِذَا الْيَأْسَ بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ مِنَ الْيَأْسِ وَلَا تَيْسَ لَهُمْ شَيْءٌ مِنْهُ یعنی تیرا دشمن جو تجھ سے بدی کرتا ہے اس کا مقابلہ نہ کی کے ساتھ کر لے تو نے ایسا کیا تو وہ تیرا ایسا دوست ہو جائے گا کہ گویا رشتہ دار بھی ہے اور پھر ایک جگہ فرماتا ہے وَالْكَافِرِينَ الْغَائِبِينَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ یعنی مومن وہ ہیں جو غصہ کھا جاتے ہیں اور لوگوں کے ساتھ عفو اور درگزر سے پیش آتے ہیں اور اگرچہ انجیل میں بھی عفو اور درگزر کی تعلیم ہے جیسا کہ میں ابھی بیان کر چکا ہوں مگر وہ یہودیوں تک محدود ہے دوسروں سے حضرت عیسیٰ نے اپنی ہمدردی کا کچھ واسطہ نہیں رکھا اور صاف طور پر فرمادیا کہ مجھے بجز بنی اسرائیل کے دوسروں سے کچھ غرض نہیں خواہ وہ غرق ہوں خواہ نجات پاویں مگر قرآن شریف نے یہ فرمایا۔ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا یعنی اے تمام انسانو! جو زمین پر رہتے ہو میں سب کی طرف رسول ہو کر آیا ہوں نہ کسی خاص قوم کی طرف اور سب کی ہمدردی میرا مقصد ہے۔

ایسا ہی احادیث نبویہ میں آخری زمانہ کی نسبت یہ خبر دی ہے کہ جب آخری زمانہ میں مسیح موعود آئے گا تو وہ دنیا میں صلح کاری کا پیغام دیگا اور جنگ موقوف کرے گا یعنی ظالموں کی غلط کاریوں سے جو دینی جنگ کئے جائیں گے انکی رسم دور کر دے گا۔ یہ حدیث صحیح بخاری میں ہے جو حدیث کی کتابوں میں سے اول درجہ کی سمجھی جاتی ہے۔ حدیث کے لفظ یہ ہیں۔ يُصْنَعُ الْحَرْبُ اس حدیث میں یہ پیش گوئی ہے کہ اسلام میں آخری زمانہ میں غلطی کے طور پر بنام خدا دین کی لڑائیاں شروع ہو جائیں گی یا جاہل سرحدی جو دیندوں کی طرح ہیں کسی عیسائی وغیرہ کا خون کمرنا

داخل ثواب سمجھیں گے اور غازی کہلائیے گے مگر مسیح موعود جب آئے گا تو صلوات طور پر لوگوں کو شہادے گا کہ دین کے معاملہ میں لڑائی کرنا جائز نہیں اور یہ حدیث نہایت مدبر پر صیح ہے کیونکہ جب کہ ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کو جبراً پھیلانے کے لئے کوئی لڑائی نہیں کی بلکہ وہ صرف دفاعی جنگ تھی اس لئے کہ جنہوں نے مسلمانوں اور ان کے بچوں اور عورتوں کو قتل کیا تھا اور قتل سے باز نہیں آتے تھے اور حد سے بڑھ گئے تھے ان کو قتل کرنے کا حکم تھا ہاں پھر بھی اس قدر رعایت رکھی گئی تھی کہ جس کو دین اسلام کی سچائی سمجھ آجائے اور وہ بر غیبت خود اسلام میں داخل ہونا چاہے اس کو اس قصاص سے معافی دی جاتی تھی کیونکہ اس زمانہ میں بہاوت سخت مصائب کے اسلاہ لانا مرنے کے برابر تھا پس جو شخص اسلام قبول کرتا تھا وہ گویا ایک قسم کی موت اپنے لئے پسند کرتا تھا اور اس طرح پر اسلام لانا مرنے کی موت کے قائم مقام ہو جاتا تھا۔

غرض یہ خیالات بھی کہ گویا کسی زمانہ میں کوئی مسیح اور عہدی اس غرض سے آئے گا کہ کافروں سے جنگ کر کے دین اسلام کو پھیلانے کے لئے یہ خیالات اس قدر یہود اور نصاریٰ کے خود قرآن شریف ان کے رد کرنے کے لئے کافی ہے جس دین کے ہاتھ میں ہمیشہ ابد ہر زمانہ میں آسمانی معجزات اور نشانات موجود ہیں اور حکمت اور حق سے بھرا ہوا ہے اس کو دین پھیلانے کے لئے زمین ہتھیاروں کی کیا ضرورت ہے اس کا جنگ خدا کی چمکدار تائیدوں کے ساتھ ہے نہ لوہے کی تلوار کے ساتھ کاش دیوانہ طبع مکر کے کافر اسلام کو تلوار سے نابود کرنا نہ چاہتے تا خدا یہ طریق پسند نہ کرتا کہ وہ تلوار سے ہی مارے جائیں۔

پس جب کہ تعینی اور قطعی طور پر ثابت ہوا کہ ہمارے سید و مولیٰ المستخیر صلی اللہ علیہ وسلم نے جبراً دین اسلام پھیلانے کے لئے کوئی جنگ نہیں کیا بلکہ کافروں کے ہتھکے

حملوں پر ایک زمانہ دراز تک صبر کر کے آخر نہایت مجبوری سے محض دفاعی طور پر جنگ شروع کیا گیا تھا تو پھر یہ خیالات کہ کوئی خونی مہم دی یا مسیح آئے گا اور جبراً دین پھیلانے کے لئے لڑائیاں کرے گا۔ ان خیالات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ مہم دی اور مسیح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق کی مخالفت کرے گا اور اپنی ردحالی مکروری کے سبب تلوار کا محتاج ہو گا۔ پس ان خیالات سے بڑھ کر اگر کوئی ناخیل تصور ہو سکتا ہے۔ جس امر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کرنا نہیں چاہا اور صد ہا مصیبتیں دیکھیں اور پھر صبر کیا وہ امر مہم دی اور مسیح کے لئے کیونکر جائز ہو جائے گا۔

ایسا ہی ایک اور حدیث صحیح مسلم میں ہے جو مسیح موعود کے بارے میں ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسیح موعود جنگ نہیں کرے گا۔ اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔  
 أَخْرَجْتُ عَبْدًا إِلَى كَيْدَانٍ لِقَتَالِهِمْ لِأَحَدٍ فَأَخْرَجْتُ عَبْدًا إِلَى الطُّورِ  
 یعنی اے آخری مسیح میں نے اپنے ایک بندے ایسی طاقتور زمین پر ظاہر کئے ہیں  
 (یعنی یورپ کی قومیں) اگر کسی کو ان کے ساتھ جنگ کرنے کی طاقت نہیں ہوگی پس تو  
 ان سے جنگ نہ کر بلکہ میرے بندوں کو طور کی پناہ میں لے آ۔ یعنی تجلیات آسمانی  
 اور ردحالی نشانوں کے ذریعہ سے ان بندوں کو ہدایت دے۔ سو میں دیکھتا ہوں  
 کہ یہی حکم مجھ ہوا ہے۔

اب واضح ہو کہ ان بندوں سے مراد یورپ کی طاقتیں ہیں جو تمام دنیا میں پھیلی جاتی ہیں اور طور سے مراد تجلیات حقہ کا مقام ہے جس میں الوار و برکات اور عظیم الشان معجزات اور ہیبت ناک آیات صادر ہوتی ہیں اور خلاصہ اس پیشگوئی کا یہ ہے کہ مسیح موعود جب آئے گا تو وہ ان زبردست طاقتوں سے جنگ نہیں کرے گا بلکہ دین اسلام کو زمین پر پھیلانے کے لئے وہی چلے ہوئے نور اس پر ظاہر ہوں گے جو موسیٰ نبی پر کوہ طور میں ظاہر ہوئے تھے پس طور سے مراد چمکندہ تجلیات

الہیہ ہیں جو معجزات اور کرامات اور خرق عادت کے طور پر ظہور میں آتے ہیں اور  
 انہیں گے اور دنیا دیکھے گی کہ وہ چمک کس طرح سطح دنیا پر محیط ہو جائے  
 گی خدا بہت پوشیدہ اور مخفی در مخفی ہے مگر جس طرح موسیٰ کے زمانہ میں ایک خوفناک  
 تجلی اُس نے ظاہر کی تھی یہاں تک کہ اُس کی تجلی کی موسیٰ بھی برداشت نہ کر سکا اور غش کھا  
 کر گر گیا اس زمانہ میں بھی وہ فوق العادت الہی چمک اپنا چہرہ دکھائے گی جس سے طالب  
 حق تسلی پائیں گے جیسا کہ خدا تعالیٰ نے آج سے پچیس برس پہلے مجھے مخاطب کر کے  
 ایک عظیم الشان پیشگوئی کی ہے جو میری کتاب براہین احمدیہ میں درج  
 ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔ میں اپنی چمکار دکھلاؤں گا اور اپنی قدرت نمائی سے تجھ کو  
 اٹھاؤں گا۔ ”دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اُس کو قبول نہ کیا لیکن  
 خدا سے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اُس کی سچائی  
 ظاہر کر دے گا۔“

پس اس الہامی عبارت میں خدا نے جو یہ فرمایا کہ میں اپنی چمکار دکھلاؤں گا یہ وہی چمکار  
 ہے جو کہ طور پر بنی اسرائیل کو جلالی معجزات دکھاتے رہتی ہے اور اس سے مراد جلالی معجزات ہیں جیسا  
 کہ وہ طور پر بنی اسرائیل کو جلالی معجزات دکھائے گئے تھے اور پھر اسی براہین احمدیہ میں  
 جس کی تالیف پر پچیس برس گزشتے یہ وعدہ مجھے دیا گیا ہے کہ اگر لوگوں نے میری راہ اختیار  
 نہ کی تو میں طاعون بھیجوں گا اور سخت مری پڑے گی اور زلزلے آئیں گے اور خوفناک آفتیں  
 ظاہر ہوں گی چنانچہ اس پیشگوئی کے مطابق طاعون اس ملک میں پھیل گئی ہے اور زلزلے  
 بھی آئے۔ اور خدا کا وعدہ ہے کہ ایک نئی دہائی جس سے اس ملک کے لوگ تاداف  
 ہیں اس ملک میں پھیل جائے گی اور انسان حیرت میں پڑیں گے کہ کیا ہوتا چاہتا ہے سو  
 خدا فرماتا ہے کہ میں قوموں کو جو منہی ٹھٹھے اور توہین و تکذیب میں مشغول ہیں اور سخت دل  
 ہیں ایسا ہی دکھلاؤں گا اور اپنے بندوں کو جن کی قسمت میں ایمان مقدر ہے ان جلالی

معجزات کے ساتھ ہدایت دل گاہ اور ان کو اس قسم کے جلالی معجزات کی پناہ میں لے آؤں گا جو کہ طور پر دکھلائے گئے تھے۔ سو جلالی معجزات وہی ہیں جن کا ظہور اس زمانہ میں شروع ہو گیا ہے جن کی اس بندہ کے ذریعہ سے خدا نے پہلے سے خبر دی تھی جیسا کہ ابھی ذکر ہو چکا۔ ایسا ہی اُس نے اور بہت سے نشان میرے ہاتھ پر دکھلائے کہ اگر وہ سب کے سب لکھے جائیں تو ایک ضخیم کتاب میں بھی سما نہیں سکتے غرض خدا کے وہ جلالی معجزات اور وہ ہیبت ناک آیات امدودہ دہانے والی چمک جو کہ طور پر ظاہر ہوئی تھی پھر اب دوبارہ وہی قمری نشان دنیا میں ظاہر ہو رہے ہیں۔ چنانچہ طاعون تمام قوموں کو تباہ کر رہی ہے۔ زلزلے آ رہے ہیں اور ستارے ہیبت ناک آفاذوں کے ساتھ ٹوٹتے ہیں اور وہ خدا جو غافلوں کی آنکھوں سے مخفی تھا اب وہ چاہتا ہے کہ کھلے طور پر اپنے تئیں دنیا پر ظاہر کرے۔

اب میں اصل مطلب کی طرف رجوع کر کے یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ ہم نے کس طرح شناخت کیا کہ قرآن شریف خدا کا کلام ہے۔ اسے دوستو! اس عہد اول یہ بات بیان کرنے کے لائق ہے کہ خدا کے کلام میں یہ ضروری امر ہے کہ وہ انسانی کلام سے صریح ماہر الامتیاز رکھتا ہو کیونکہ جس حد تک عقل سلیم خدا تعالیٰ کے وجود اور اس کی صفات کی طرف رہبری کرتی ہے اگر خدا تعالیٰ کا کلام بھی فقط اسی حد تک رہبری کرے اور کوئی زیادہ مرتبہ یقین اور معرفت کا عطا نہ کر سکے تو اُس کو انسانی عقل پر ترجیح کیا ہوئی؟ اور اس صورت میں وہ کیونکر خدا کا کلام سمجھا جائے۔ مثلاً عقل سلیم باری تعالیٰ کی ہستی پر صرف یہ دلائل پیش کرتی ہے کہ اس عالم کی ترتیب حکم اور نظام ابلغ پر نظر ڈال کر ماننا پڑتا ہے کہ ضرور اس عالم کا کوئی صانع ہو گا مگر عقل یہ نہیں دکھا سکتی کہ درحقیقت وہ صانع موجود بھی ہے پس اگر کوئی کتاب جس کو خدا کا کلام سمجھا جاتا ہے صرف اسی حد تک رہبری کرتی ہے جس حد تک عقل سلیم رہبری کرتی ہے تو وہ

اپنی کارگذاری صرف اس قدر پیش کرتی ہے جس قدر عقل سلیم پہلے سے پیش کر چکی ہے  
حالانکہ اس کتاب کا یہ فرض تھا کہ وہ انسانی کلام سے اپنا برتر اور عزیز ہونا ثابت کر تی  
تا وہ یقینی معرفت کا ذریعہ ہو سکتی۔

انسان الہامی کتاب کا محض اس لئے محتاج ہے کہ نظام عالم پر غور کر کے وہ  
یہ دیکھ کر کہ بڑے بڑے اجرام کیسے باہمی تعلقات سے اس دنیا کی گاڑی  
کھینچ رہے ہیں کوئی ستارہ دوسرے سے روشنی حاصل کرتا ہے اور کوئی  
دوسرے کے گرد گھومتا ہے اور باوجود بے شمار مدتوں کے اُن میں کوئی مخلل اور بگاڑ  
واقع نہیں ہوتا۔ انسانی عقل اس بات کے ماننے کے لئے مجبور ہو جاتی ہے  
کہ وہ پردہ کوئی ایسی بڑی طاقت ہوگی جس کے ارادہ اور حکم سے یہ  
سب کچھ ہو رہا ہے پھر بھی اُس عقل نے کچھ دیکھا تو نہیں لہذا اُس کا زیادہ سے  
زیادہ تو یہ حق ہے کہ ان تصرفات پر غور کر کے یہ کہے کہ اُن کا کوئی صانع ہونا چاہیے  
نہیہ کہ درحقیقت وہ صانع موجود بھی ہے اور ہونا چاہیے اور ہے میں وہ فرق ہے  
جو ظن اور یقین میں فرق ہوتا ہے اور الہامی کتاب کا یہ کام ہے کہ ہونا چاہیے  
کے مرتبہ سے ہے کے یقینی اور قطعی مقام تک پہنچا دے۔ اور اگر وہی باتیں کر سکے  
جس حد تک ایک عقلمند انسان کر سکتا ہے تو ایسی کتاب کے الہامی ہونے پر کوئی  
یقینی اور قطعی دلیل قائم نہیں ہو سکتی۔ اور لگو اُس کو الہامی مان بھی لیں  
تب بھی اُس کی تعلیم محض بے سود ہے کیونکہ وہ یقین کے اعلیٰ مرتبہ تک نہیں پہنچا سکتی۔

یہ بات یاد رہے کہ الہامی کتاب میں الہی طاقت کا پایا جانا ضروری ہے  
اور اگر کسی کتاب میں حقائق معارف موجود ہوں اور عمدہ عمدہ گیان اور معرفت یا حکمت  
اور فلسفہ کی باتیں اُس میں پائی جائیں تو محض اس قدر بیانات سے وہ الہامی کتاب  
نہیں ٹھہر سکتی کیونکہ یہ سب باتیں انسانی قوائے کے حلقہ کے اندر ہیں۔ انسان کی تیری ذہنی



نے جو کچھ آج کے دن تک معلوم کیا ہے یہاں تک کہ سائنس کے پوشیدہ اسرار اور  
خواص کو عملی رنگ میں لا کر دکھا دیا ہے اور ایسی کلیں اور صنعتیں ایجاد کی ہیں جو حیرت میں  
ڈالتی ہیں اور جو کچھ ابرمسطو اور افلاطون اور سقراط وغیرہ نے اپنے طور پر باریک  
در باریک حقائق اور معارف لکھے ہیں اور نفس کی بحث کو اپنے خیال میں انتہا تک پہنچایا  
ہے کیا ہم ان وجود سے ان لوگوں کو نبی یا رسول کا خطاب دے سکتے یا ان کی  
کتابوں کی نسبت کہہ سکتے ہیں کہ وہ الہامی اور خدا کا کلام ہے؟ ہرگز نہیں۔

اور یہ بات بھی کوئی صحیح حجت نہیں کہ فلاں کتاب پورانی اور قدیم زمانہ سے  
ہے اس لئے وہ خدا کی کتاب ہے کیونکہ اول تو اس دعوے کو منجانب اللہ ہونے  
کے ساتھ کچھ بھی تعلق نہیں ماسوا اس کے یہ دعوے کئی قوموں نے پیش کیا ہے جیسا کہ  
پارسی نبیوں کی کتابوں نے یہی دعوے پیش کیا ہے اور جس نے کتاب و سالتیر کو  
دیکھا ہوگا اسے خوب معلوم ہوگا کہ پارسیوں کی کتاب قدامت کے دعوے میں  
وید سے آگے بڑھ گئی ہے۔ ان کی مدت قرار دادہ کے مقابل پر ہزاروں حصہ تک  
بھی وید نہیں پہنچتا۔ پس کس حج کو یہ فرصت ہے کہ دونوں کتابوں کا مقابلہ کر کے  
یہ فیصلہ کرے کہ قدامت کے

دعوے میں صادق کون اور کاذب کون ہے

اور فرض کے طور پر اگر کسی کتاب کا قدیم ہونا قبول بھی کر لیں تو کیا اس سے ثابت ہو جائے  
گا کہ وہ خدا کا کلام ہے۔

یاد رکھو اور خوب یاد رکھو کہ اس مقدمہ میں آخر کار اسی کتاب کے حق میں  
ڈگری ہوگی کہ جو انسانی کلام کے مقابل پر کھلے کھلے طور پر کوئی مایہ الاتیاز پیش کرتی ہو  
کیونکہ جب کہ خدا کا فضل کہ جو اس کے عملی تصرفات ہیں انسان کے فعل سے امتیاز رکھتی  
رکھتا ہے یہاں تک کہ ایک مکھی کی مانند بھی بنانا انسان کی قدرت سے باہر ہے تو پھر

کیونکہ ہو سکتا ہے کہ خدا کا قول انسان کے قول سے برابر ہو اور کوئی الہی طاقت اس میں موجود نہ ہو۔

اب اسے صاحبو! میں یہ بیان کرتا ہوں کہ وہ امتیازی نشان کہ جو الہامی کتاب کی شناخت کے لئے عقل سلیم نے قرار دیا ہے وہ صرف خدا تعالیٰ کی مقدس کتاب قرآن شریف میں پایا جاتا ہے اور اس زمانہ میں وہ تمام خوبیاں جو خدا کی کتاب میں امتیازی نشان کے طور پر ہونی چاہئیں دوسری کتابوں میں قطعاً مفقود ہیں۔ ممکن ہے کہ اُن میں وہ خوبیاں پہلے زمانہ میں ہوں گی مگر اب نہیں ہیں اور گو ہم ایک دلیل سے جو ہم پہلے لکھ چکے ہیں اُن کو الہامی کتابیں سمجھتے ہیں مگر وہ گو الہامی ہوں لیکن اپنی موجودہ حالت کے لحاظ سے بالکل بیسود ہیں اور اُس شاہی قلعہ کی طرح ہیں جو خالی اور ویران پڑا ہے اور دولت اور فوجی طاقت سب اس میں سے کوچ کر گئی ہے۔ اب میں قرآن شریف کی امتیازی خوبیاں جو انسانوں کی طاقت سے برتر ہیں ذیل میں بیان کرتا ہوں :-

اول یہ کہ اس میں ایک زبردست طاقت ہے جو اپنے پیروی کرنے والوں کو ظنی معرفت سے یقینی معرفت تک پہنچا دیتی ہے اور وہ یہ کہ جب ایک انسان کمال طور پر اُس کی پیروی کرتا ہے تو خدائی طاقت کے نمونے معجزہ کے رنگ میں اُس کو دکھائے جاتے ہیں اور خدا اُس سے

کلام کرنا ہے اور اپنے کلام کے ذریعہ سے غیبی امور پر اُس کو اطلاع دیتا ہے۔ اور میں ان قرآنی برکات کو قصہ کے طور پر بیان نہیں کرتا بلکہ میں وہ معجزات پیش کرتا ہوں کہ جو مجھ کو خود دکھائے گئے ہیں۔ وہ تمام معجزات ایک لاکھ کے قریب ہیں بلکہ غالباً وہ ایک لاکھ سے بھی زیادہ ہیں۔ خدا نے قرآن شریف میں فرمایا تھا کہ جو شخص میرے اس کلام کی پیروی کرے وہ نہ صرف اس کتاب کے معجزات پر ایمان لائے گا بلکہ اُس کو بھی معجزات دے جائیں گے سو میں نے بذاتِ خود وہ معجزات خدا کے کلام کی تاثیر سے پائے جو انسانوں کی طاقت سے بلند اور محض خدا کا فعل ہیں۔ وہ زلزلے جو زمین پر آئے اور وہ طاعون جو دُنیا کو کھا رہی ہے وہ انہیں معجزات میں سے ہیں جو مجھ کو دئے گئے۔ میں نے ان آفات کے نام و نشان سے پچیس برس پہلے اپنی کتاب براہین احمدیہ میں ان حوادث کی خبروں کو بطور پیش گوئی شائع کر دیا تھا کہ یہ آفتیں آنیوالی ہیں سو وہ تمام آفات آگئیں اور ابھی بس نہیں بلکہ آنیوالی آفات اُن آفات سے بہت زیادہ ہیں۔ اور بعض نئی وباں بھی ہیں جو پہلے اس سے کبھی اس ملک میں ظاہر نہیں ہوئیں اور وہ ڈرانے والی اور دہشت ناک ہیں اور ایک سخت اور خوفناک قسم کی طاعون بھی ظاہر ہونے والی ہے جو اس ملک اندوہ مرے ملکوں میں ظاہر ہوگی اور نہایت پریشان کرے گی شاید اب کے سال یا دو سرے سال میں اور ایک زلزلہ بھی آنے والا ہے جو ناگہانی طور پر آئے گا اور سخت آئے گا معلوم نہیں کہ کسی حصہ ملک میں یا عام ہوگا اگر ذریعہ کے لوگ خدا سے ڈریں تو یہ آفات ٹل بھی سکتی ہیں۔ کیونکہ خدا زمین و آسمان کا بادشاہ ہے وہ اپنے حکموں کو جاری بھی کر سکتا ہے اور ٹال بھی سکتا ہے مگر بظاہر کچھ امید نہیں کہ لوگ خدا سے ڈریں کیونکہ دلِ حد سے زیادہ سخت ہو گئے ہیں اور مجھے اُن پیش گوئیوں کے پیش از وقت سننے کی وجہ سے اُن کے قہر ہونے کی کچھ توقع نہیں اور ہجر اس کے کوئی امید نہیں کہ ٹھٹھا کیا جائے گا اور یا گالیاں دی جائیں گی اور یا ہم اس بات سے متہم کئے جائیں گے کہ لوگوں میں تشویش پھیلاتے ہیں۔

یہ نکتہ یاد رہے کہ بلاؤں کے ٹٹنے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ لوگ مسلمان ہو جائیں۔  
 کیونکہ مذہبی غلطیوں کے مواخذہ کے لئے قیامت کا دن مقرر ہے ہاں یہ ضروری ہے کہ  
 لوگ ہر ایک قسم کی بدچلنی سے باز آویں اور خدا کے پاک نبیوں کی نسبت بدذہابی سے پیش  
 نہ آویں اور غریبوں پر ظلم نہ کریں اور صدقہ خیرات بہت کریں اور خدا کے ساتھ کسی کو برابر نہ  
 کریں نہ پتھر کو نہ آگ کو نہ انسان کو نہ پانی کو نہ سورج کو نہ چاند کو اور تکبر اور شرارت کی  
 ماہوں کو چھوڑ دیں اور گورنمنٹ برطانیہ جس کے ماتحت وہ امن اور آسائش پا رہے ہیں  
 اس کی ایذا کے لئے بھی پریشیدہ منصوبے نہ سوچیں اور اطاعت کریں کیونکہ بلاشبہ اس  
 گورنمنٹ کا دونوں قوموں ہندوؤں اور مسلمانوں پر احسان ہے اور اس گورنمنٹ کے  
 ایام سلطنت میں ایسی پُر امن راتیں ہیں کہ سکھوں کے زمانہ میں ایسے دن بھی نہیں تھے  
 سو اگر لوگ ایسا کریں کہ سب کینے اپنے دلوں میں سے نکال دیں اور خدا سے بہت ڈریں  
 تو یہ ایک روحانی نیکہ ہے کہ جس میں بلاشبہ شفا ہے۔ خدا نے کئی مرتبہ مجھے مخاطب کر کے  
 فرمایا کہ إِنَّ اللَّهَ لَا يَغَيِّرُ مَا بَعَثْتُمْ حَتَّىٰ يَغْيِرُوا مَا بَالُنْفُسِهِمْ <sup>عَلَيْهِ</sup> یعنی یہ دبا جو دنیا پر نازل  
 ہو رہی ہے خدا کبھی اس میں تغیر و تبدل نہ کرے گا جب تک کہ لوگ اپنے دلوں کی تغیر و  
 تبدیل نہ کر لیں۔ اور خدا نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا۔ إِنِّي أَخَافُ كُلَّ مَنْ فِي الدَّارِ لَوْ  
 لَا الْكَرَامُ لَهْلَكَ الْمَقَامُ إِنِّي مَعَ الرَّسُولِ أَقْوَمُ وَالْوَمُّ مَنْ يَلُومُ وَيُفْطِنُ وَ  
 أَصْوَمُ وَلَكِنْ أَمْرٌ خَالِصٌ إِلَى الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ۔ یعنی میں ان سب لوگوں کو جو  
 تیرے گھر کی چار دیواری کے اندر ہیں طاعون سے بچاؤں گا اور اگر میں تیری عزت کا پاس نہ کرتا  
 تو کل قادیان کو ہلاک کر دیتا کیونکہ انہوں نے ہمسایہ ہو کر پھر بھی بدی کی۔ اور میں اس رسول  
 کے ساتھ کھڑا ہوں گا اور ملامت کرنے والے کو ملامت کروں اور میں افطار بھی کروں گا  
 اور روزہ بھی رکھوں گا اور میرا عذاب اس ملک سے کبھی علیحدہ نہ ہو گا جب تک وہ وقت  
 نہ آجائے جو میں نے مقدّر کیا ہے۔ اور روزہ اور افطار سے یہ مراد ہے کہ کبھی طاعون سخت

رہے گی گویا خدا روزہ دار کی طرح لوگوں کی ہلاکت کے ساتھ روزہ کھولے گا اور بعض دفعہ ایک وقت تک طاعون کو دور کر دے گا گویا وہ روزہ دار ہے۔

ایسا ہی ایک عظیم الشان خدا کا نشان یہ ہے کہ آج سے ستائیس برس پہلے یا کچھ زیادہ میری یہ حالت تھی کہ میں ایک أَحَدٌ مِّنَ النَّاسِ تھا اور ایسا گناہ تھا کہ صرف چند آدمی ہوں گے جو میرے صورت آشنا ہوں گے اور کسی عزت اور وجاہت کا میں مالک نہیں تھا اُن دنوں میں اسی شہر لاہور میں کئی دفعہ آیا مگر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اُس نے میری وجاہت کے لحاظ سے خود اگر میری ملاقات کی بغرض اُس زمانہ میں میں ایسا تھا کہ گویا کچھ بھی نہ تھا اس بات کے گواہ قادیان میں نہ صرف مسلمان ہیں بلکہ آریہ بھی ہیں اُن زمانہ میں خدا نے میرے آئندہ عروج اور شوکت اور جلال کی خبر دی جو دو سال بعد میری کتاب براہین احمدیہ میں چھپ کر شائع ہو گئی جس کو آج پچیس برس گزر گئے اور وہ پیشگوئی یہ ہے اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا شَیْءًا تَوْفِیْہِمْ مِنْ کُلِّ فِجٍّ عَمِیقٍ۔ یَا اَیُّهَا الَّذِیْہِ مِنْ کُلِّ فِجٍّ عَمِیقٍ۔ یَنْصُورُکَ رِجَالٌ نُّوْحِیْ اِلَیْہِمْ مِنَ السَّمَاءِ۔ اِذَا جَاؤُکُمْ نَصْرُ اللّٰہِ وَ الْفَتْحُ وَ اَنْتُمْ اَقْرَبُ الزَّمَانِ اِلَیْہِمْ اَلِیْسَ ہٰذَا بِالْحَقِّ۔ وَ لَا تَصْغُرُ لِحُلُوقِ اللّٰہِ وَ لَا تَسْتَمِعُ مِنَ النَّاسِ اَلْقَیْنَتُ عَلَیْکَ مُحِبَّةٌ مِّنِّیْ وَ لَا تَمْنَعُ عَلٰی عَیْشَتِیْ۔ ترجمہ میں تھے لوگوں کے لئے ایک امام بناؤں گا۔ یعنی وہ تیرے پیرو ہوں گے اور تو اُن کا پیشوا ہو گا۔ وہ ہر ایک دور دراز راہ سے تیرے پاس آئیں گے اور انواع و اقسام کی نقد اور جنس تیرے لئے لائیں گے میں ایک جماعت کے دلوں میں امام کر دوں گا تا وہ ملی مدد کریں پس وہ تیری مدد کریں گے جب خدا کی مدد اور فتح آئے گی اور ایک دنیا ہماری طرف رجوع لے آئے گی تب یہ کہا جائے گا کہ کیا یہ حق نہ تھا جو آج پورا ہوا اور تجھے چاہئے کہ جب خدا کی مخلوق تیری طرف رجوع کرے تو تم نے اُن سے بد خلقی نہ کرنا اور نہ اُن کی کثرت کو دیکھ کر ٹھکنا۔ میں اپنی طرف سے دلوں میں تیری محبت ڈالوں گا تا تو میری آنکھوں کے سامنے پرورش پاوے اور اپنے

مقصود کے لئے طیار کیا جائے سو ایسا ہی ہوا اور ایک مدت دراز کے بعد خدا نے دلوں میں میری محبت اس قدر ڈال دی کہ علاوہ مالی مدد کے بعض نے میری راہ میں مرنا بھی قبول کیا اور وہ سنگسار کئے گئے مگر ہم نہ مارا اپنی جان میرے لئے چھوڑ دی مگر مجھے نہ چھوڑا۔ اور بعض نے میرے لئے دکھ اٹھائے اور صد ہا کوس سے ہجرت کر کے قادیان میں آگئے۔ اور بعض نے ہزار ہا روپے میرے آگے پیش کئے اور جس قدر لوگ بیعت کے لئے آج تک قادیان میں آئے وہ ایک لاکھ سے بھی زیادہ ہوں گے۔ اور سب بیعت کرنے والے چار لاکھ کے قریب ہوں گے۔ اور جیسا کہ مٹی آرڈر دل سے ثابت ہو سکتا ہے ایک لاکھ سے بھی زیادہ روپیہ آچکا ہے۔ اور اب فقط لشکر خانہ کے خرچ کے لئے قریباً پندرہ سو روپیہ ماہوار آتا ہے اور جیسا کہ خرچ بڑھتا جاتا ہے ایسا ہی آمدن بھی بڑھتی جاتی ہے۔ اور یہ عجیب بات ہے کہ اس پیشگوئی کے الفاظ سب کے سب قرآن شریف کی عبارت ہے یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ معجزہ دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے اور اس پیشگوئی کے دو پہلو ہیں جو متفق طلب ہیں اول یہ کہ آیا یہ صحیح ہے کہ اُس زمانہ میں جس پر پچیس برس سے بھی زیادہ مدت گزر چکی ہے میں ایسا ہی گنام اور کس نیرسد میں داخل تھا جیسا کہ میں نے ذکر کیا ہے اور دوسرا امر یہ متفق طلب ہے کہ کیا یہ سچ ہے کہ کئی لاکھ آدمی نے اب تک بیعت کی ہے اور اکثر ان کے قادیان میں آئے ہیں۔ اور کیا یہ سچ ہے کہ ایک لاکھ یا کچھ زیادہ اب تک روپیہ آچکا ہے؟ سو پہلا امر متفق طلب بہت صاف ہے کیونکہ کس ضلع اور امرتسر اور لاہور کے اضلاع میں کوئی شخص دعویٰ نہیں کر سکتا کہ وہ اطلاع رکھتا ہے کہ اس ابتدائی زمانہ میں یہ عرصہ اور شہرت اور مالی فتوحات حاصل تھیں اور خوش نصیبی سے اس بات کے گواہ قادیان کے آریہ بھی ہیں جن میں سے ایک کا نام لالہ شرمپت اور دوسرے کا نام لالہ ملا دل ہے کیونکہ وہ میرے پاس آتے جاتے تھے اور ان کو میری تنہائی اور گنامی کا حال خوب معلوم تھا اور جب امرتسر میں میری کتاب

براہین احمدیہ پھینتی تھی تو اتفاقاً بعض دفعہ وہ میرے ساتھ امرت سرگئے تھے ایسا ہی قادیان کے تمام باشندے گواہ ہیں۔ اور دوسرا امرت قلعہ طلب بھی ایسا ہی بدیہی اور صاف ہے جس سے گورنمنٹ بھی بے خبر نہیں اور وہ یہ کہ تمام پنجاب اور ہندوستان میں ہماری جماعتیں پھیلی ہوئی ہیں اور ریاست کابل میں بھی ایک کثیر جماعت ہماری ہے اور جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے فتوحات کے لئے سرکاری ڈنک خانے کاٹی گواہ ہیں اور یاد رہے کہ یہ پیشگوئی دراصل ستمبر ۱۹۰۱ء کی ہے نہ یکم ستمبر ۱۹۰۱ء کی۔ اور یکم ستمبر ۱۹۰۱ء کو اس احمدیہ کے چھپنے پر گزرے ہیں اور مدت تک یہ مسودہ التوا میں رہا ہے اُس شخص کو اس پیچگوئی کا مزہ آئے گا جو ان دونوں تحقیق طلب امور کی اول تحقیق کرے گا۔ اب میں پوچھتا ہوں کہ کیا اس قدر عظیم الشان غیب انسانی قدرت میں داخل ہے؟ اگر داخل ہے تو دنیا میں اس کی نظیر کہاں ہے؟

منجملہ ان نشانوں کے جو خدا نے میرے ہاتھ پر ظاہر کئے وہ نشان بھی ہیں جو بعض قادیان کے آریہ صاحبوں نے مشاہدہ کئے۔ میں مناسب سمجھتا ہوں کہ کسی قدر وہ بھی بیان کر دوں کیونکہ جو نشان خود آریہ صاحبوں کی ذات کے متعلق ہیں اور وہ ان کے گواہ چشم دید ہیں ان سے زیادہ اس مجمع میں کوئی نشان یقینی اور قطعی سمجھا جاسکتا ہے سوائے ان میں سے ایک نشان لالہ شرمپت آریہ ساکن قادیان کے متعلق ہے اور وہ یہ ہے کہ لالہ صاحب موصوف کو ایک مرتبہ جس کو قریباً پینتیس برس کا عمر گذر ہو یہ مصیبت پیش آئی کہ کھل بھلی لالہ سمیر داس ایک فوجی مقدمہ میں قید ہو گیا اور ساتھ اس کے ایک اور شخص بھی قید ہو جس کا نام خوشحال تھا۔ تب لالہ شرمپت نے ایک دفعہ مجھے آکر کہا کہ آپ دعا کریں ہم لوگ بہت بے قرار ہیں۔ میں نے رات کو دعا کی تو مجھے دکھایا گیا کہ میں اس دفتر میں پہنچا ہوں جہاں قیدیوں کی میعاد کے رجسٹر ہیں اند میں نے وہ رجسٹر کھولا جو لالہ سمیر داس کی میعاد کا رجسٹر تھا اور میں نے اُس میں سے نصف قید کاٹ دی اور لالہ شرمپت کو بچال

بتلا دیا اور پھر ایسا اتفاق ہوا کہ لالہ شرمپت اور اس کے دوسرے بھائیوں نے اپنے قیدی بھائی کی طرف سے چیغہ کورٹ میں اپیل کیا اور پھر لالہ شرمپت نے مجھے کہا کہ آپ اپنے خدا سے دریافت کریں کہ اس اپیل کا انجام کیا ہوگا تب میں نے محض ہمدردی کے لحاظ سے پھر دعا کی کہ تا خدا تعالیٰ میرے پر انجام کھول دے۔ تب عالم کشف میں میرے پر ظاہر کیا گیا کہ انجام یہ ہوگا کہ چیغہ کورٹ سے وہ مثل ضلع میں واپس آئے گی اور لالہ بسیمہ داس لالہ شرمپت کے بھائی کی نصف قید تخفیف کی جائے گی مگر وہ بری نہیں ہوگا لیکن اُس کا دوسرا رفیق خوشحال نام پوری قید بھگتے گا اور ایک دن بھی اُس کا تخفیف نہیں ہوگا اور وہ بھی بری نہیں ہوگا۔ میں نے یہ سب حالات انجام اپیل سے پہلے لالہ شرمپت کو بتا دیے اور آخر کار ایسا ہی ظہور میں آیا ایک ذرہ کا بھی فرق نہ رہا تب لالہ شرمپت نے میری طرف ایک رقعہ لکھا کہ آپ کی نیک بخشی کی وجہ سے خدا نے یہ سب باتیں آپ پر کھول دیں یہ خدا کا فضل ہے کہ لالہ شرمپت اب تک قادیان میں زندہ موجود ہے اور قسم دینے سے تمام حالات صحیح بیان کرنے کے لئے مجبور ہوگا اور میں نے اپنی کتاب براہین احمدیہ میں بھی جس کو شائع کئے پچیس برس گزر گئے ہیں یہ تمام قصہ شائع کر دیا ہے اب ہر ایک عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ اگر یہ قصہ خلاف واقعہ ہوتا تو ممکن نہ تھا کہ لالہ شرمپت اس قدر مدت تک خاموش رہتا اور اُن کی تکذیب شائع نہ کرتا اور مجھے جھوٹا نہ ٹھہراتا اور خود ظاہر ہے کہ ایسا کھلا کھلا جھوٹ بنانا ایک بڑے بد ذات اور لعنتی کا کام ہے اور نیز سچے سے بھی وہی انکار کرے گا جس کو اپنے پر میٹر کا ایک ذرہ بھی خوف نہیں اور نہ لعنت کا ڈر۔

اسی طرح ایک اور صاحب قادیان میں ہیں جن کا نام ملا دال ہے اور لالہ شرمپت اور ملا دال بڑے پر جوش آریہ ہیں اور یہی قادیان کی سماج کے بانی بھی ہوئے تھے اور شاید عرصہ تیس برس کا گزرا ہوگا کہ لالہ ملا دال مرضِ دق میں مبتلا ہو گیا اور ایک نرمہ اور دائمی تپ ایسا اُس کے پیچھے پڑا کہ دن رات چڑھا رہتا تھا تب وہ اپنی زندگی سے بالواس ہو گیا اور



میرے پاس آیا اور بات کرتا کرتا رڈ پڑا اور دعا کی خواہش کی۔ مجھ کو اُس کی حالت پر رحم آیا اور میں نے اُس کے لئے دعا کی۔ تب خدا تعالیٰ کی طرف سے مجھ کو ان الفاظ کے ساتھ اللہم ہو کہ قلنا یا نام کوئی بوزا و سلا ماً یعنی ہم نے تپ کی آگ کو کہا کہ ٹھنڈی اور سلامتی ہو جا۔ تب ایک ہفتہ بھی نہیں گزرا تھا کہ لالہ ملا دال اس خوفناک مرض سے نجات پا گیا۔ یہ تمام واقعہ بھی میں نے اپنی کتاب براہین احمدیہ میں شائع کر دیا۔ اسکے شائع کرنے پر بھی پچیس برس گزر گئے مگر لالہ ملا دال نے کبھی اس واقعہ کی تکذیب شائع نہیں کی مآثر ایمان اور دھرم بھی تو ایک چیز ہے اور پرجہ بولنا سچے مذہب کا اصول ہوتا ہے اس لئے یقین ہے کہ اگر اس کو بھی قسم سے پوچھا جائے تو اُس کو اس بات سے چارو نہ ہو گا کہ سچ بیان کرے مگر بہتر ہو گا کہ ایسے مجمع میں یہ فیصلہ ہو جس میں مجھے بھی بلایا جائے اور ان دونوں صاحبوں کو میرے رُوبرو قسمیں دی جائیں کیونکہ بغیر قسم کے قوم کے لحاظ سے وہ جھوٹ بول سکتے ہیں مگر قسم بھی اولاد کی ہو۔

ایسا ہی اور بھی کئی آریہ صاحبوں کی نسبت میری لامامی پیشگوئیاں ہیں اور وہ پانچ پیشگوئیاں ہیں جو ظہور میں آگئیں مگر میں اس مجمع میں مناسب نہیں دیکھتا کہ اُن کا ذکر کروں اور ذکر کی کچھ حاجت بھی نہیں کیونکہ وہ پیشگوئیاں میری کتابوں میں شائع ہو چکی ہیں۔ اب ہم اس سے بڑھ کر اپنے فشاہوں کا آریہ صاحبوں کو کیا ثبوت دیں کہ خود آریہ صاحبوں کو بطور گواہ کے پیش کوستے ہیں اور یہ معجزات میرے نہیں بلکہ قرآن شریف کے ہیں کیونکہ ہم اُسی کی طاقت اور وحی کی عطا کردہ روح سے یہ کام کر رہے ہیں۔

غرض قرآن شریف کی تیرہ دست طاقتوں میں سے ایک یہ طاقت ہے کہ اُس کی پیروی کرنے والے کو معجزات اور خوارق دئے جاتے ہیں اور وہ اس کثرت سے ہوتے ہیں کہ دنیا اُن کا مقابلہ نہیں کر سکتی چنانچہ میں ہی دعویٰ رکھتا ہوں اور بلند آواز سے کہتا ہوں کہ اگر دنیا کے تمام مخالف کیا مشرق کے اور کیا مغرب کے ایک میدان میں جمع ہو جائیں اور



یہ تو ہم نے قرآن شریف کی اُس زبردست طاقت کا بیان کیا ہے جو اپنے پیروی کرنے والوں پر اثر ڈالتی ہے لیکن وہ دوسرے معجزات سے بھی بھرا ہوا ہے۔ اُس نے اسلام کی ترقی اور شوکت اور فتح کی اُس وقت خبر دی تھی جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے جنگلوں میں اکیلے پھر کرتے تھے اور اُن کے ساتھ بجز چند غریب اور ضعیف مسلمانوں کے اور کوئی نہ تھا اور جب قیصر روم ایرانیوں کی لڑائی سے مغلوب ہو گیا اور ایران کے کسریٰ نے اُس کے ملک کا ایک بڑا حصہ دبا لیا تب بھی قرآن شریف نے بطور پیش گوئی کے یہ خبر دی کہ زورس کے اندر پھر قیصر روم فتحیاب ہو جائے گا اور ایران کو شکست دے گا پانچویں ایسا ہی ظہور میں آیا ایسا ہی شق طمر کا عایشاں معجزہ جو خدا کی اتھ کو دکھلا رہا ہے قرآن شریف میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی انجلی کے اشارہ سے چاند دو ٹکڑے ہو گیا اور کفارس نے اس معجزہ کو دیکھا اُس کے جواب میں یہ کہنا کہ ایسا وقوع میں آنا خلاف علم ہیئت ہے یہ سراسر فضول باتیں ہیں کیونکہ قرآن شریف تو فرماتا ہے کہ **فَتَرَبَّتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ**۔ **وَإِنْ يَرَوْا آيَةً يُعَرِّضُوا وَيَقُولُوا سَحَابٌ مُسَوِّجٌ** یعنی قیامت نزدیک آگئی اور چاند پھٹ گیا اور کافروں نے یہ معجزہ دیکھا اور کہا کہ یہ پکا جادو ہے جس کا آسمان تک شریلا گیا اب ظاہر ہے کہ یہ نرا دعویٰ نہیں بلکہ قرآن شریف تو اس کے ساتھ ان کافروں کو گواہ قرار دیتا ہے جو سخت دشمن تھے اور کفر پر ہی مرے تھے اب ظاہر ہے کہ اگر شق القمر وقوع میں نہ آیا ہوتا تو مکہ کے مخالف لوگ اور جانی دشمن کیونکر خاموش بیٹھ سکتے تھے وہ بلاشبہ شور مچاتے کہ ہم پر یہ تمسک لگائی ہے ہم نے تو چاند کو دو ٹکڑے ہوتے نہیں دیکھا اور عقل تجویز نہیں کر سکتی کہ وہ لوگ اس معجزہ کو سراسر جھوٹ اور انحراف خیال کہہ کے پھر بھی چُپ رہتے۔ بالخصوص جب کہ ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ کا گواہ قرار دیا تھا تو اس حالت میں اُن کا فرض تھا کہ اگر یہ واقعہ صحیح نہیں تھا تو اس کا رد کرتے نہ یہ کہ خاموش رہ کر اس واقعہ کی صحت پر فہم لگاتے پس یقینی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ضرور ظہور میں آیا تھا اور اس کے مقابل پر یہ کہنا کہ یہ قویٰ

ہیئت کے مطابق نہیں یہ عذرات بالکل فضول ہیں۔ معجزات ہمیشہ خارق عادت ہی ہو کرتے ہیں ورنہ وہ معجزے کیوں کہلائیں اگر وہ صرف ایک معمولی بات ہو۔ اور علاوہ اس کے علم ہیئت کی کس نے اب تک حدیث کر لی ہے۔ ہمیشہ نئے نئے عجائبات آسمانی ظاہر ہوتے ہیں کہ جن کے بھید کچھ بھی سمجھ نہیں آتے اور ایسے خارق عادت طور پر ظاہر ہوتے ہیں کہ عقل اُن میں حیران رہ جاتی ہے۔ تھوڑے دن ہوئے ہیں کہ خدا نے میرے پر ظاہر کیا تھا کہ انگریزی مہینہ کی اخیر تاریخ میں ایک نشان آسمانی ظاہر ہوگا اور میں نے فی الفور احتیادوں میں یہ پیش گوئی شائع کر دی تھی۔ چنانچہ جب اکتیسویں تاریخ مہینہ کی ہوئی تو ایک روشنی ستارہ آسمان سے گرنا ہوا ہزاروں لوگوں کو دکھائی دیا اور ہر ایک نے یہی سمجھا کہ اسی کے گاؤں میں گرا ہے۔ اسکے ساتھ ایک گرج اور تند آواز بھی تھی بعض جگہ بعض لوگ اس کی روشنی اور آواز سے غش کھا کر گر گئے۔ اور ہمیں خبر پہنچی ہے کہ سات سو کوس تک اس ہیئت ناک ستارہ کا گردا دیکھا گیا۔ بلکہ ثبت تک کی ہمیں خبر آئی ہے کہ اُن لوگوں نے بھی اس روشنی اور تند آواز ستارہ کو گرتے دیکھا جس کے ساتھ ہیئت ناک آواز تھی۔ اب کوئی ہیئت دان بتا دے کہ یہ کیا ماجرا تھا۔

غرض قرآن شریف بڑے بڑے نشانوں سے پُر ہے جن کے ذکر کرنے کے لئے یہ مضمون کافی نہیں۔ اور ایک عجیب طریق قرآن شریف کا یہ ہے جو کسی اور کتاب میں نہیں دیکھا گیا اور وہ یہ کہ وہ خدا تعالیٰ کی قدرت اور علم اور رحمت اور بخشش وغیرہ صفات کے بیان کرنے میں عاجز انسان کی طرح ان صفات کو محض معمولی طور پر بیان نہیں کرتا بلکہ خود زندہ اور تازہ ثبوت اس بات کا دیتا ہے کہ خدا عالم ہے خدا قادر ہے خدا رحیم ہے خدا نجات دہندہ ہے یعنی معجزہ اور پیغمبر کی طرح اور یہی کوئی کے طور پر تازہ نمونہ ان صفات کا مشاہدہ کر دیتا ہے تا انسان کو یقین آجائے کہ جو کچھ دنیا میں اس کی صفات مشہور ہیں وہ درحقیقت اُس میں پائی جاتی ہیں اور تاہم ہنسنے والے اس کے خدا تعالیٰ کی صفات کی نسبت حق الیقین تک

پہنچ جائیں۔

اور قرآن شریف کی اعلیٰ درجہ کی خوبیوں میں سے اس کی تعلیم بھی ہے کیونکہ وہ انسانی فطرت اور انسانی مصالح کے سراسر مطابق ہے۔ مثلاً توریت کی یہ تعلیم ہے کہ دانت کے بدلے دانت اور آنکھ کے بدلے آنکھ۔ اور انجیل کہتی ہے کہ بدی کا ہرگز مقابلہ نہ کرو۔ بلکہ اگر کوئی تیری دائیں گل پر طمانچہ مارے تو دوسری بھی پھیر دے مگر قرآن شریف کہتا ہے کہ جزاؤں سَيِّئَةٌ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا مَنْ عَفَىٰ وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ یعنی بدی کا بدلہ تو اُسی قدر بدی ہے لیکن جو شخص اپنے قصور وار کا گناہ بخشے اور اس گناہ کے بخشنے میں وہ شخص جس نے گناہ کیا ہے اصلاح پذیر ہو سکے اور آئندہ اپنی بدی سے باز آ سکے تو معاف کرنا بدلہ لینے سے بہتر ہوگا ورنہ سزا دینا بہتر ہوگا کیونکہ طبائع مختلف ہیں بعض ایسی ہی ہیں کہ گناہ معاف کرنے سے پھر اس گناہ کا نام نہیں لیتے اور باز آ جاتے ہیں ہاں بعض ایسے بھی ہیں کہ قید سے بھی رہائی پا کر پھر وہی گناہ کرتے ہیں۔ سو چونکہ انسانوں کی طبیعتیں مختلف ہیں اس لئے یہی تعلیم ان کے مناسب حال ہے جو قرآن شریف نے پیش کی ہے اور انجیل اور توریت کی تعلیم ہرگز کمال نہیں ہے بلکہ وہ تعلیم انسانی درخت کی شاخوں میں سے صرف ایک شاخ سے تعلق رکھتی ہے اور وہ دونوں تعلیمیں اس قانون کے مشابہ ہیں جو مختص القوم یا مختص المقام ہو۔ مگر قرآنی تعلیم تمام طبائع انسانہ کا لحاظ رکھتی ہے۔ انجیل کا حکم ہے کہ تو غیر عورت کو شہوت کی نظر سے مت دیکھ۔ مگر قرآن شریف کہتا ہے کہ تو ہرگز نہ دیکھ نہ شہوت کی نظر سے نہ شہوت۔ کہ یہ کبھی نہ کبھی تیرے لئے ٹھوکر کا باعث ہوگا۔ بلکہ ضرورت کے وقت خوابیدہ چشم سے (نہ نظر پھاؤ اگر) دفع ضرورت کرنا چاہئے اور انجیل کہتی ہے کہ اپنی بیوی کو بجز زنا کے ہرگز طلاق نہ دے۔ مگر قرآن شریف اس بات کی مصلحت دیکھتا ہے کہ طلاق صرف زنا سے مخصوص نہیں بلکہ اگر مرد اور عورت میں باہم دشمنی پیدا ہو جائے اور موافقت نہ رہے یا مثلاً اندیشہ جان ہو یا اگر یہ عورت زانیہ نہیں مگر زنا کے مقدمات اُس

سے صادر ہوتے ہیں اور غیر مردوں کو ملتی ہے تو ان تمام صورتوں میں خاندان کی رائے پر حصر رکھا گیا ہے کہ اگر وہ مناسب دیکھے تو چھوڑ دے۔ مگر پھر بھی تاکید ہے اور نہایت سخت تاکید ہے کہ طلاق دینے میں جلدی نہ کرے۔ اب ظاہر ہے کہ قرآن شریف کی تعلیم انسانی حاجات کے مطابق ہے۔ اور ان کے ترک کرنے سے کبھی نہ کبھی کوئی خرابی ضرور پیش آئیگی۔ اسی وجہ سے بعض یورپ کی گورنمنٹوں کو جو طلاق کا قانون پاس کرنا پڑا۔

اب باقی رہا وہ مسئلہ جو انجیل میں نجات کے بارہ میں بیان کیا گیا ہے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مصلوب ہونا اور کفارہ۔ اس تعلیم کو قرآن شریف نے قبول نہیں کیا اور اگرچہ حضرت عیسیٰ کو قرآن شریف ایک برگزیدہ نبی مانتا ہے اور خدا کا پیارا اور مقرب اور وحید قرار دیتا ہے لیکن اس کو محض انسان بیان فرماتا ہے اور نجات کے لئے اس امر کو ضروری نہیں جانتا کہ ایک گناہ گار کا بوجھ کسی بے گناہ پر ڈال دیا جائے اور عقل بھی تسلیم نہیں کرتی کہ گناہ کو نیک کرے اور بکر بکڑا جائے۔ اس مسئلہ پر تو انسانی گورنمنٹوں نے بھی عمل نہیں کیا۔ افسوس کہ نجات کے بارہ میں جیسا کہ عیسائی صاحبوں نے غلطی کی ہے ایسا ہی آریہ صاحبوں نے بھی اس غلطی سے حصہ لیا ہے اور اصل حقیقت کو بھول گئے ہیں کیونکہ آریہ صاحبان کے عقیدہ کی رُ د سے توبہ اور استغفار کچھ بھی چیز نہیں اور جب تک انسان ایک گناہ کے عوض وہ تمام جو نہیں نہ بھگت لے جو اس گناہ کی سزا مقررہ ہے تب تک نجات غیر ممکن ہے اور پھر بھی محدود۔ اور پر میشر اس بات پر قائل ہی نہیں کہ گناہ بخش دے اور سچی توبہ جو حقیقت ایک روحانی موت ہے اور ایک آگ ہے جس میں انسان پر میشر کو خوش کرنے کے لئے جلا قبول کرتا ہے وہ کچھ چیز ہی نہیں اس سے نفوذ باللہ پر میشر کی تنگ ظرفی ثابت ہوتی ہے اور جب کہ وہ اپنے بندوں کو ہدایت دیتا ہے کہ تم اپنے قصور واروں کو بخشو اور اپنے نافرمانوں کو معافی دو۔ اور آپ اس بات کا پابند نہیں ہے تو گویا وہ اپنے بندوں کو وہ خلق سکھانا چاہتا ہے جو خود اُس میں موجود نہیں اس صورت میں ایسے مذہب کے پابند

جو لوگ ہیں مہرور اُن کے دل میں یہ خیال اُسے گا کہ جب کہ پر میسر کسی اپنے قصور وار کے گناہ نہیں بخشتا تو ہم کیونکر وہ کام کر سکتے ہیں جو پر میسر کے اخلاق کے بر خلاف ہے اور اگر علیا ایسے راجوں اور بادشاہوں کے ماتحت ہو جو پر میسر کی طرح اپنے قصور واروں کی نسبت معافی کا نام نہیں لیتے تو اس بد قسمت رعیت کا کیا حال ہوگا اور پھر تسلیخ ثابت کہاں ہے جس طرح ہم کسی شخص کی جان نکلتی دیکھتے ہیں کب ہمارے مشاہدہ میں یہ بات آتی ہے کہ وہی جس نے دو بارہ کسی اور جسم میں پڑ گئی ہے اور اس طرح پر یہ سزا بھی ہے کہ وہ دوبارہ آنے والی روح اس بات سے متنبہ نہیں اور اس کو علم نہیں دیا گیا کہ وہ فلاں گناہ کی پاداش میں کسی ناکارہ جون میں ڈالی گئی تو پھر وہ کیونکر اس گناہ سے دستکش رہے گی۔ یاد رہے کہ انسان کی فطرت میں اور بہت سی خوبیوں کے ساتھ یہ عیب بھی ہے کہ اس سے بوجہ اپنی کمزوری کے گناہ اور قصور صادر ہو جاتا ہے اور وہ قادر مطلق جس نے انسانی فطرت کو بنایا ہے اُس نے اس غرض سے گناہ کا مادہ اس میں نہیں رکھا کہ تا ہمیشہ کے عذاب میں اُس کو ڈال دے بلکہ اس لئے رکھا ہے کہ جو گناہ بخشنے کا خلق اُس میں موجود ہے اُس کے ظاہر کرنے کے لئے ایک موقع نکالا جائے۔ گناہ بے شک ایک زہر ہے مگر توبہ اور استغفار کی آگ اُس کو تریاق بنا دیتی ہے۔ پس یہی گناہ توبہ اور پشیمانی کے بعد ترقیات کا موجب ہو جاتا ہے اور اس جڑھ کو انسان کے اندر سے کھودیتا ہے کہ وہ کچھ چیز ہے اور عجب اور بگڑ اور خود نمائی کی عادتوں کا استیصال کرتا ہے۔

اسے دوستو! یاد رکھو! اگر صرف اپنے اعمال سے کوئی نجات نہیں پاسکتا محض فضل سے نجات ملتی ہے اور وہ خدا جس پر ہم ایمان لاتے ہیں وہ نہایت رحیم و کریم خدا ہے وہ قادر مطلق اور سرب شکستہ مان ہے جس میں کسی طرح کی کمزوری اور نقص نہیں۔ وہ مبدئ ہے تمام ظہورات کا اور مرچشمہ ہے تمام فیضوں کا اور خالق ہے تمام مخلوقات کا اور مالک ہے تمام جود و فضل کا اور جامع ہے تمام اخلاق حمیدہ اور اوصاف کاملہ کا اور منبع ہے تمام

نور دل کا اور جان ہے تمام جانوں کی اور قیوم ہے ہر ایک چیز کا۔ سب چیزوں سے نزدیک ہے مگر نہیں کہہ سکتے کہ وہ عین امتیاز ہے اور سب سے بلند ہے مگر نہیں کہہ سکتے کہ اس میں اور ہم میں کوئی اور چیز بھی حائل ہے اس کی ذات دقیق در دقیق اور نعل در نعل ہے مگر پھر بھی سب چیزوں سے زیادہ ظاہر ہے سچی لذت اور سچی راحت اُسی میں ہے اور یہی نجات کی حقیقی قلا سخی ہے۔

اسی نجات کے بارہ میں قرآن شریف نے ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ نجات ایک ایسا امر ہے جو اسی دنیا میں ظاہر ہو جاتا ہے جیسا کہ اُس نے فرمایا مَنْ كَانَ فِي هَذِهِ اَعْمٰی فهُوَ فِي الْآخِرَةِ اَعْمٰی۔ یعنی جو شخص اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہی ہوگا یعنی خدا کے دیکھنے کے حواس اور نجات ابدی کا سامان اسی دنیا سے انسان ساتھ لے جاتا ہے اور یاد اُس نے ظاہر فرمایا ہے کہ جس ذریعہ سے انسان نجات پا سکتا ہے وہ ذریعہ بھی جیسا کہ خدا قدیم ہے قدیم سے چلا آتا ہے یہ نہیں کہ ایک مدت کے بعد اُس کو یاد آیا کہ مگر اور کسی طرح بنی آدم نجات نہیں پا سکتے تو میں خود ہی ہلاک ہو کر اُن کو نجات دوں۔ انسان کو حقیقی طور پر اس وقت نجات یافتہ کہہ سکتے ہیں کہ جب اس کے تمام نفسانی جذبات جل جائیں اور اُس کی رضا خدا کی رضا ہو جائے اور خدا کی محبت میں ایسا محو ہو جائے کہ اس کا کچھ بھی نہ ہے سب خدا کا ہو جائے اور تمام قول اور فعل اور حرکات اور سکناات اور ارادات اُس کے خدا کیلئے ہو جائیں اور وہ دل میں محسوس کرے کہ اب تمام لذات اُس کی خدا میں ہیں اور خدا سے ایک لمحہ علیحدہ ہونا اُس کے لئے موت ہے۔ اور ایک نشر اور شکر محبت الہی کا ایسے طور سے اُس میں پیدا ہو جائے کہ جس قدر چیزیں اُس کے ماسوا ہیں سب اُس کی نظر میں معدوم نظر آویں اور مگر تمام دنیا تلوار پکڑ کر اُس پر حملہ کرے اور اُس کو ڈرا کر حق سے علیحدہ کرنا چاہے تو وہ ایک شحکم پہاڑ کی طرح اسی استقامت پر قائم رہے اور کامل محبت کی ایک آگ اُس میں بھر کر اُسے اور گناہ سے نفرت پیدا ہو جائے اور جس طور سواہ لوگ اپنے پچھلے اپنی ہی دنیا



اور اپنے عزیز دوستوں سے محبت رکھتے ہیں اور وہ محبت اُن کے دلوں میں دھنس جاتی ہے کہ اُن کے مرنے کے ساتھ ایسے بیقرار ہو جاتے ہیں کہ گویا آپ ہی مر جاتے ہیں یہی محبت بلکہ اس سے بہت بڑھ کر اپنے خدا سے پیدا ہو جاتے یہاں تک کہ اس محبت کے غلبہ میں دیوانہ کی طرح ہو جاتے اور کامل محبت کی سخت تحریک سے ہر ایک دکھ اور ہر ایک زخم اپنے لئے گوارا کرے تاکسی طرح خدا تعالیٰ راضی ہو جائے۔ جب انسان پر اس مرتبہ تک محبت الہی غلبہ کرتی ہے تب تمام نفسانی آلائشیں اس آتش محبت سے خس و خاشاک کی طرح جل جاتی ہیں اور انسان کی فطرت میں ایک انقلاب عظیم پیدا ہو جاتا ہے اور اُس کو وہ دال عطا ہوتا ہے جو پہلے نہیں تھا اور وہ آنکھیں عطا ہوتی ہیں جو پہلے نہیں تھیں اور اس قدر یقین اس پر غالب آ جاتا ہے کہ اسی دنیا میں وہ خدا کو دیکھنے لگتا ہے اور وہ جلیں اور سوزش جو دنیا داروں کی فطرت کو دنیا کے لئے جہنم کی طرح لگی ہوئی ہوتی ہے وہ سب دور ہو کر ایک آرام اور راحت اور لذت کی زندگی اس کو مل جاتی ہے تب اس کیفیت کا نام جو اُس کو ملتی ہے نجات رکھا جاتا ہے کیونکہ اُس کی رُوح خدا کے استثناء پر نہایت محبت اور عاشقانہ تپش کے ساتھ گور کو لا زوال آرام پالیتی ہے اور اس کی محبت کے ساتھ خدا کی محبت تعلق پکڑ کر اُس کو اس مقام محویت پر پہنچا دیتی ہے کہ جو بیان کرنے سے بلند اور برتر ہے۔ انسان کی ایک ایسی فطرت ہے کہ وہ خدا کی محبت اپنے اندر مخفی رکھتی ہے۔ پس جب وہ محبت ترک کرے نفس سے بہت صاف ہو جاتی ہے اور مجاہدات کا مصیقل اس کی کدورت کو دور کر دیتا ہے تو وہ محبت خدا کے نور کا پرتو حاصل کرنے کے لئے ایک مصفا آئینہ کا حکم رکھتی ہے جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ جب مصفا آئینہ آفتاب کے سامنے رکھا جائے تو آفتاب کی روشنی اُس میں بھر جاتی ہے اس صورت میں نظر کی غلطی سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہی آفتاب ہے مگر دراصل وہ آفتاب نہیں ہے۔ بلکہ باعث نہایت مصفا کے آفتاب کی روشنی اُس نے حاصل کی ہے۔ پھر ایک اور بات ہے جو خدا کا کلام ہم پر ظاہر

کرتا ہے کہ ایسی فطرت جو بباعث اپنی نہایت صفائی کے آفتاب حقیقی کی روشنی قبول کرتی ہے وہ بھی کئی قسم پر ہے۔ بعض فطرتوں کا دائرہ تنگ ہوتا ہے وہ روشنی کو قبول کرتے ہیں مگر اپنے دائرہ کے قدر کے موافق۔ مثلاً چھوٹا سا شیشہ جو آرسی کا شیشہ کہلاتا ہے اگرچہ اس میں بھی کوئی صورت منعکس ہو سکتی ہے بلکہ تمام نقوش اصل صورت کے اُس میں منعکس ہو جاتے ہیں مگر وہ نقوش بہت ہی چھوٹے ہو کر اُس میں نمودار ہوتے ہیں اور بڑے شیشہ میں پورے پورے نقوش صورت کے منعکس ہو سکتے ہیں۔ ایسا ہی ایک صافی شیشہ جس قدر روشنی کو آفتاب کے مقابل ہونے کی حالت میں اپنے اندر لیتا ہے دوسرا شیشہ کہ کسی قدر کثافت اپنے اندر رکھتا ہے اس قدر روشنی حاصل نہیں کر سکتا۔

پھر اس جگہ ایک اور امر بیان کرنے کے لائق ہے کہ وہ حقیقت جس کا نام ہم لوگ شفلت رکھتے ہیں۔ دماغ اُس کی فلاسفی بھی یہی ہے کیونکہ قاعدہ ہے کہ جب ایک تاریکی ایک روشنی جو ہر کے مقابل پر آتی ہے تو وہ تاریکی روشنی کے ساتھ بدل جاتی ہے۔ پس اسی طرح جب ایک مسافہ فطرت جو نہایت صافی آئینہ کی طرح ہو جاتی ہے آفتاب حقیقی کے مقابل پر آکر اُس کی روشنی حاصل کر لیتی ہے تو کبھی ایسا اتفاق ہو جاتا ہے کہ ایک تاریکی فطرت اُس روشنی فطرت کے مقابل پر آ جاتی ہے تو جو ہر اُس محاذات کے اُس پر بھی روشنی کا عکس پڑ جاتا ہے تب وہ فطرت بھی روشنی ہو جاتی ہے جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ جب ایک آئینہ صافی پر آفتاب کی شعاع پڑتی ہے تو وہ آئینہ اپنے مقابل کی درو دیوار کو اُس روشنی سے منور کر دیتا ہے یہ شفاعت کی حقیقت ہے۔

شفیع عربی زبان میں جنت کو کہتے ہیں کہ جو طاق کے مقابل پر ہے۔ پس جو شخص ایک پاک فطرت اور کامل انسان سے ایسا تعلق حاصل کر لے کہ گویا اُس کی جزو ہے تو قانون قدرت اسی طرح واقع ہے کہ وہ اُس کے نور میں سے حصہ لیتا ہے غرض نجات کی فلاسفی یہی ہے کہ خدا سے پاک اور کامل تعلق پیدا کرنے والے اس لازوال نور کا منظر ہو جاتے ہیں۔

اور اُس کی محبت کی آگ میں پڑ کر ایسے اپنی ہستی سے دُور ہو جاتے ہیں کہ جیسا کہ لوہا آگ میں پڑ کر آگ کی صورت ہی اختیار کر لیتا ہے مگر درحقیقت وہ آگ نہیں ہے بلکہ آگ ہے اور جیسا کہ خدا کی تجلیات سے اُس کے عاشقوں میں ایک حیرت نما تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے، ایسا ہی خدا بھی اُن کے لئے ایک تبدیلی پیدا کرتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ خدا غیر متبدل اور ہر ایک تبدیلی سے پاک ہے مگر اُن کے لئے وہ ایسے عجائب کام دکھاتا ہے کہ گویا وہ ایک نیا خدا ہے وہ خدا نہیں ہے جو عام لوگوں کا خدا ہے۔ کیونکہ جس قدر خدا کے راستباز بندے اپنے پاک اعمال اور صدق اور وفا کے ساتھ اُس کی طرف حرکت کرتے ہیں یہاں تک کہ اپنی پہلی ہستی سے مر جاتے ہیں۔ خدا بھی اُن کی طرف اگر اہم اور نصرت کے ساتھ حرکت کرتا ہے یہاں تک اپنی نصرت اور حمایت اور غیرت کو اُن کے لئے ایسے طور سے دکھاتا ہے کہ وہ معمولی طور پر نہیں بلکہ وہ نصرت خارق عادت طور پر ظاہر ہوتی ہے۔

یہ بالکل غیر ممکن اور خدا کی کریمانہ عادت کے برخلاف ہے کہ خدا تعالیٰ ایسے بندہ کو جہنم میں ڈالے کہ جو اپنے سارے دل اور ساری جان اور کامل اخلاص سے اُس کی محبت میں محو ہے اور ایسا محو ہے کہ جیسا کہ سچی محبت کا تقاضا ہونا چاہئے کسی کو اُس کے برابر نہیں جانتا بلکہ ہر ایک کو اُس کے مقابل پر کامل عدم سمجھتا ہے اور اپنے وجود کو اُس کی راہ میں فنا کرنے کو طیار ہے پھر ایسا شخص کیونکر مورد عذاب ہو سکتا ہے۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ کامل محبت ہی نجات ہے۔ بھلا تم کچھ کہو کہ کیا تم اپنے ایک بچے کو جس سے تم بہت ہی محبت رکھتے ہو دانستہ آگ میں ڈال سکتے ہو؟ پھر خدا جو ہر اس محبت سے ہر لوگ کو جو اُس سے پیارا کرتے ہیں اور ذہ ذہ اُن کا اُس کی محبت میں مستغرق ہے کیونکہ آگ میں ڈالے گا پس کوئی قربانی اس سے بستر قربانی نہیں ہے کہ انسان اُس محبوب حقیقی سے اس قدر محبت کرے کہ خود وہ اس بات کو محسوس کرے کہ درحقیقت اُس کے سوا کوئی اُس کا محبوب اور پیارا نہیں اور نہ صرف اس قدر بلکہ اس کے لئے خود اپنے نفس کی محبت بھی

چھوڑ دے اور اُس کے لئے تلخ زندگی اختیار کرے۔ جب اس نکتہ کمال تک پہنچ جائے گا تو بلاشبہ وہ نجات یا قہر ہے۔ اور اس مرتبہ محبت پر نہ کسی تاسخ کے چکر کی اُس کو حاجت ہے اور نہ اُس کو اپنے لئے کسی کو صلیب دینے کی ضرورت ہے اور اس مرتبہ محبت پر انسان صرف خیالی طور پر اپنے تئیں نجات یافتہ قرار نہیں دیتا بلکہ اندر ہی اندر وہ محبت اُس کو تعلیم دیتی ہے کہ خدا کی محبت تیرے ساتھ ہے اور پھر خدا کی محبت اُس کے شامل حال ہو کر ایک سکینت اور شانتی اُس کے دل پر نازل کرتی ہے اور قدادہ معاملات اُس سے شروع کر دیتا ہے جو خاص اپنے پیاروں اور مقبولوں سے کرنا آیا ہے یعنی اُس کی اکثر دعائیں قبول کر لیتا ہے اور معرفت کی باریک باتیں اُس کو سکھاتا ہے اور بہت سی غیب کی باتوں پر اُس کو اطلاع دیتا ہے اور اس کے منشاء کے مطابق دنیا میں تصرفات کرتا ہے اور عزت اور قبولیت کے ساتھ دنیا میں اُس کو شہرت دیتا ہے اور جو شخص اُس کی دشمنی سے باز نہ آدے اور اُس کے ذلیل کرنے کے دپے رہے آخر اُس کو ذلیل کر دیتا ہے اور اُس کی خلاق عادت طور پر تائید کرتا ہے اور لاکھوں انسانوں کے دلوں میں اُس کی الفت ڈال دیتا ہے اور عجیب و غریب کرامتیں اُس سے ظور میں لاتا ہے۔ اور محض خدا کے المام سے لوگوں کے دلوں کو اُس کی طرف کشش ہو جاتی ہے تب وہ انواع و اقسام کے تحائف اور نقد اور منس کے ساتھ اُس کی خدمت کے لئے دوڑتے ہیں اور خدا اُس سے نہایت لذیذ اور پُر شوکت کلام کے ساتھ مکالمہ مخاطب کرتا ہے جیسا کہ ایک دوست ایک دوست سے کرتا ہے وہ خدا جو دنیا کی آنکھ سے مخفی ہے وہ اس پر ظاہر ہو جاتا ہے اور ہر ایک غم کے وقت اپنی کلام سے اُس کو تسلی دیتا ہے۔ وہ اُس سے سوال و جواب کے طور پر اپنے فصیح اور لذیذ اور پُر شوکت کلام کے ساتھ باتیں کرتا ہے اور سوال کا جواب دیتا ہے اور جو باتیں انسان کے علم اور طاقت سے باہر ہیں وہ اُس کو بتلا دیتا ہے مگر نہ نجومیوں کی طرح بلکہ اُن مقتدر بادشاہوں کی طرح جن کی ہر

ایک بات میں شاہانہ قدرت بھری ہوئی ہوتی ہے۔ وہ ایسی پیشگوئیاں اُس پر ظاہر کرتا ہے جن میں اُس کی عزت اور اُس کے دشمن کی ذلت ہو اور اُس کی فتح اور دشمن کی شکست ہو۔ غرض اسی طرح وہ اپنے کلام اور کام کے ساتھ اپنا وجود اس پر ظاہر کر دیتا ہے۔ تب وہ ہر ایک گناہ سے پاک ہو کر اُس کمال تک پہنچ جاتا ہے جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے اور بغیر اس کے ممکن نہیں کہ کوئی کسی گناہ سے پاک ہو سکے۔ سب سے زیادہ انسان کے لئے مشکل یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی ہستی پر اُس کو یقین آجائے اور اس کے دل میں یہ ایمان پیدا ہو کہ اُس کی اطاعت سے دونوں جہانوں میں راحت اور آرام ملتا ہے اور اُس کی نافرمانی تمام دکھوں کی جڑ ہے پس اگر یہ معرفت پیدا ہو جائے تو پھر خود بخود انسان گناہ سے کنارہ کش ہو جاتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے اور یقین کرتا ہے کہ خدا دیکھ رہا ہے اور وہ قادر ہے کہ اسی دنیا کو اُس کے لئے جہنم بنا دے اور یہ بات تو ہر ایک کو معلوم ہے کہ جس کسی مودی چیز کا انسان کو علم ہو جاتا ہے اُس سے ہمیشہ بھاگتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اُس کے چھوٹنے میں میری ہلاکت ہے۔ مثلاً انسان کسی سانپ کے سوراخ میں ہاتھ نہیں ڈالتا کیونکہ یقین کرتا ہے کہ اُس سوراخ میں سانپ ہے۔ ایسا ہی انسان کسی زہر کو نہیں کھاتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ درحقیقت وہ زہر ہے اور ان مودی چیزوں سے بچنے کے لئے اپنے تئیں کسی کفایت کا محتاج نہیں دیکھتا اور نہ اس بات کی حاجت دیکھتا ہے کہ کوئی شخص صلیب پر چڑھے تاکہ وہ ان مودی چیزوں سے نجات پاوے۔ بلکہ فقط اُس کو اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ اُس کو یقینی علم ہو جائے کہ یہ مودی چیز ہے جس کو چھونے سے میری ہلاکت ہے۔ مثلاً جب اس کو معلوم ہو جادے کہ اس سوراخ میں سانپ رہتا ہے اور یا یہ چیز زہر قاتل ہے تب اس علم کے بعد خود بخود اُس کی فطرت میں اس مودی چیز سے ایک خوف پیدا ہو جاتا ہے اور وہ اس کے نزدیک نہیں جاتا بلکہ اُس سے بھاگتا ہے۔ مثلاً جب بیمار دیکھتا ہے کہ فلاں چیز کا کھانا اس کو نقصان کرتا ہے اور اُس کی جان کو سخت خطرہ میں ڈالتا ہے تو وہ ایسی

چیز سے پرہیز کرتا ہے بلکہ اگر اس کو وہ چیز مفت بھی دی جائے تب بھی اُس کو دُور چھینٹک دیتا ہے۔

اب جب کہ انسانی فطرت میں یہ خاصیت ہر جگہ اور ہر موقع پر پائی جاتی ہے تو طبعاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسان خدا کے گناہ سے کیوں پرہیز نہیں کرتا اور کیوں اس موزی چیز سے دُور نہیں بھاگتا جیسا کہ دُوسری موزی چیزوں سے بھاگتا ہے۔

اس سوال کا صاف جواب یہ ہے کہ انسان گناہ کے ضرر پر ایسا یقین نہیں رکھتا جیسا کہ سانپ وغیرہ کے ضرر پر اُس کو یقین ہے۔ اب جب یہ امر تشخیص ہو چکا تو صاف طور پر معلوم ہو گیا کہ انسان کو گناہ سے بچنے کے لئے کسی کفارہ وغیرہ کی ضرورت نہیں بلکہ یہ ضرورت ہے کہ اُس کو خدا کی ہستی پر کامل یقین پیدا ہو جائے اور اس بات کا یقین ہو جائے کہ خدا کا گناہ زہرِ قاتل ہے تب وہ خود بخود گناہ سے ایسا ہی پرہیز کرے گا جیسا کہ وہ سانپ وغیرہ سے پرہیز کرتا ہے۔

اے دوستو! گناہ سے بے خوف ہونے کی یہی وجہ ہے کہ غافل انسان کو نہ خدا پر یقینی ایمان ہے نہ اُس کی سزا پر۔ ورنہ انسان اپنی ذات میں بُزدل ہے۔ اگر ایک گھر میں کسی چھت کے نیچے چند آدمی بیٹھے ہوں اور ایک دفعہ سخت زلزلہ آوے تو وہ سب کے سب باہر کی طرف دوڑتے ہیں ساسی کا یہی سبب ہوتا ہے کہ وہ یقین رکھتے ہیں کہ اگر چند منٹ اور چھت کے نیچے بیٹھے رہے تو موت کا شکار ہو جائیں گے۔ مگر چونکہ گناہ کرنے والوں کو خدا پر یقین نہیں نہ اُس کی سزا پر یقین ہے اس لئے وہ لوگ دلیری سے گناہ کرتے ہیں جو لوگ جھوٹے اور بناوٹی ذلیلے نجات کے لئے دھونڈتے ہیں وہ اور بھی گناہ پر دلیر ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ جھوٹا ذریعہ کوئی یقین نہیں بخشتا۔ مگر جس شخص کو یہ علم یقینی حاصل ہو جائے کہ درحقیقت خدا ہے اور درحقیقت گناہ گار بے سزا نہیں رہے گا بشرطیکہ یقینی علم ہو نہ محض رسمی۔ وہ بلاشبہ اپنے تئیں گناہ کی راہوں سے بچائے گا۔ سچی فلاسفی نجات کی یہی ہے جو



کرتا اور نیکیوں کی طرف حرکت کرتا ہے اسی کی طرف خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں اشارت فرمائی ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے **فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ وَمِنْهُمْ مُقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ** یعنی ایماندار تین قسم کے ہیں۔ (۱) اول وہ جو ظالم ہیں یعنی انواع و اقسام کے گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں اور گناہ کا پلہ اُن کا بھاری ہوتا ہے (۲) دوسرے وہ جو میانہ رو ہیں یعنی کچھ تو گناہ کرتے ہیں اور کچھ نیک اعمال اور دونوں حالتوں میں مساد ہی ہوتے ہیں۔ (۳) اور تیسرے درجہ کے وہ لوگ ہیں جو عمدہ اخلاق اور عمدہ اعمال میں سبقت لے جاتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ جو معدد اسلام کا وقت تھا اس زمانہ پر ایک وسیع نظر ڈال کر ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم نے کیونکر ایمان لانے والوں کو مذکورہ بالا ادنیٰ درجہ سے اعلیٰ درجہ تک پہنچا دیا کیونکہ ایمان لانے والے اپنی ابتدائی حالت میں اکثر ایسے تھے کہ جس حالت کو وہ ساتھ لے کر آئے تھے وہ حالت جنگلی وحشیوں سے بدتر تھی اور درندوں کی طرح اُن کی زندگی تھی اور اس قدر بد اعمال اور بد اخلاق میں وہ مبتلا تھے کہ انسانیت سے باہر ہو چکے تھے اور ایسے بے شعور ہو چکے تھے کہ نہیں سمجھتے تھے کہ ہم بد اعمال ہیں یعنی نیکی اور بدی کی شناخت کی جس بھی جاتی رہی تھی پس قرآنی تعلیم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نے جو پہلا اثر اُن پر کیا تو وہ یہ تھا کہ اُن کو محسوس ہو گیا کہ ہم پاکیزگی کے جامہ سے بالکل برہنہ اور بد اعمالی کے گند میں گرفتار ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ اُن کی پہلی حالت کی نسبت فرماتا ہے۔

اَوْ كُنْتُمْ كَالْاَنْعَامِ بَلِ هُمْ اَضَلُّ

یعنی یہ لوگ چار پاؤں کی طرح ہیں بلکہ اُن سے بھی بدتر۔ پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک صحبت اور قرآن مجید کی دلکش تاثیر سے اُن کو محسوس ہو گیا کہ جس حالت میں ہم نے زندگی بسر کی ہے وہ ایک وحشیانہ زندگی ہے اور سر اسر بد اعمالیوں سے ملوث ہے تو انہوں نے روح القدس سے قوت پا کر نیک اعمال کی طرف حرکت کی جیسا کہ اللہ تعالیٰ



اُن کے حق میں فرماتا ہے **وَاَيَّدْهُمْ بِرُوحٍ مُّقْدِسَةٍ** یعنی خدا نے ایک پاک رُوح کے ساتھ  
 اُن کی تائید کی۔ وہ وہی غیبی طاقت تھی جو ایمان لانے کے بعد اور کسی قدر صبر کرنے کے بعد  
 انسان کو ملتی ہے۔ پھر وہ لوگ اس طاقت کے حاصل ہونے کے بعد نہ صرف اس درجہ پر  
 پہنچے کہ اپنے عیبوں اور گناہوں کو محسوس کرتے ہوں اور اُن کی بدلو سے بیزار ہوں بلکہ  
 اب وہ نیکی کی طرف اس قدر قدم اٹھانے لگے کہ صلاحیت کے کمال کو نصف تک طے  
 کر لیا اور کمزوریوں کے مقابل پر نیک اعمال کی بجآوری میں طاقت بھی پیدا ہو گئی اور اس  
 طرح پر درمیانی حالت اُن کو حاصل ہو گئی اور پھر وہ لوگ رُوح القدس کی طاقت سے بہرہ ور  
 ہو کر اُن مجاہدات میں لگے کہ اپنے پاک اعمال کے ساتھ شیطان پر غالب آجائیں تب  
 انہوں نے خدا کے راہی کرنے کے لئے اُن مجاہدات کو اختیار کیا کہ جن سے بڑھ کر انسان  
 کے لئے متصور نہیں۔ انہوں نے خدا کی راہ میں اپنی جانوں کا خس و خاشاک کی طرح بھی قد  
 نہ کیا آخر وہ قبول کئے گئے اور خدا نے اُن کے دلوں کو گناہ سے کُل بیزار کر دیا اور نیکی کی  
 محبت ڈال دی جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔ **وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا**  
 یعنی جو لوگ ہماری راہ میں مجاہدہ کرتے ہیں ہم ان کو اپنی راہ دکھا دیا کرتے ہیں۔ غرض ایسا  
 کرنے والوں کے تین درجے ہیں۔ ظالم۔ مقتصد۔ سائق بالخیرات۔ ظالم ہونے کی حالت میں  
 انسان اپنی بد اعمالی کی حالت کو محسوس کر لیتا ہے۔ اور مقتصد ہونے کی حالت میں نیکی  
 کے بجالانے کی توفیق پاتا ہے مگر پورے طور پر بجا نہیں لاسکتا۔ اور سائق بالخیرات ہونے  
 کی حالت میں جہاں تک اس کی فطرت کی طاقت ہے پورے طور پر نیکی بجالاتا ہے اور  
 نیک اعمال کے بجالانے میں آگے سے آگے دوڑتا ہے۔ اور اس درجہ پر انسان کو خدا  
 تعالیٰ کی عظمت اور جلال اور قدرت کا اس قدر علم ہو جاتا ہے کہ گویا وہ اس کو دیکھتا ہے  
 کیونکہ خدا تعالیٰ خود اُس کو اپنے خالق عادت تصرفات کے ساتھ راہ دکھا دیتا ہے  
 رُوح القدس کی تائید جو مومن کے شامل ہوتی ہے وہ محض خدا تعالیٰ کا انعام ہوتا ہے

جو اُن کو ملتا ہے جو پچھے دل سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن شریف پر ایمان لاتے ہیں وہ کسی مجاہدہ سے نہیں ملتا محض ایمان سے ملتا ہے اور مفت ملتا ہے صرف یہ شرط ہے کہ ایسا شخص ایمان میں صادق ہو اور قدم میں استوار اور امتحان کے وقت صابر ہو لیکن خدائے عز و جل کی لدنی ہدایت جو اس آیت میں مذکور ہے۔ وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِیْ سَبِيلِنَا لَنَهْدِیْہُمْ سُبُلَنَا وَہُمْ یَخْرُجُوْنَ مجاہدہ کے نہیں ملتی۔ مجاہدہ کرنے والا بھی مثل اندھے کے ہوتا ہے اور اس میں اور ملتا ہونے میں بھی بہت ناصل ہوتا ہے۔ مگر روح القدس کی تائید اُس کو نیک ظن کر دیتی ہے اور اُس کو قوت دیتی ہے جو وہ مجاہدہ کی طرف راغب ہو اور مجاہدہ کے بعد انسان کو ایک اور روح ملتی ہے جو پہلی روح سے بہت قوی اور بزرگ ہوتی ہے مگر یہ نہیں کہ دُور دُور ہیں سُدُوح القدس یکیک ہی ہے صرف فرق مراتب قوت کا ہے جیسا کہ دُعا میں ہیں صرف ایک خدا ہے مگر وہی خدا جن خاص تجلیات کے ساتھ اُن لوگوں کا نام اور مرتبی ہوتا اور اُن کے لئے خارق عادت عجائبات دکھاتا ہے وہ دُور دُور کو ایسے عجائبات قدرت ہرگز نہیں دکھاتا۔ بظاہر ایک نادان سمجھے گا کہ گویا دُعا خدا ہیں کیونکہ جس خدا کے ساتھ اس کا معاملہ ہے وہ اُس کی نظر میں کچھ کمزور سا ہے اور جس خدا کے ساتھ ایک مقبول کا معاملہ ہے وہ بڑی بڑی طاقتیں اس کے لئے ظاہر فرماتا ہے مگر درحقیقت خدا ایک ہی ہے صرف یہ فرق ہے کہ جو شخص بڑا صدق لے کر اُس کی طرف دُعا ہے وہ بھی اُس کے لئے بڑے بڑے کام دکھاتا ہے یہاں تک کہ اپنے زمین و آسمان کو اُس کے لئے غلاموں کی طرح کر دیتا ہے مگر جو شخص اپنے صدق اور وفا اور استقامت اور اپنے ایمان میں کمزور ہے خدا بھی اُس کے لئے کمزور کی طرح ظاہر ہوتا ہے اور اُس کو طرح طرح کی ذلت اور ناکامی میں چھوڑ دیتا ہے اور وہ مصیبت کے ساتھ رزق حاصل کرتا ہے اور اسباب کے شکنجوں میں پھنسا رہتا ہے۔

۵۹

اب ہم اصل مضمون کی طرف رجوع کر کے پھر لکھتے ہیں کہ جس خدا پر ایمان لانے کیلئے

قرآن شریف ہمیں حکم کرتا ہے۔ ہم اس بات کے گواہ ہیں کہ وہ نہایت زبردست اور قادر مطلق اور کامل طاقتوں والا خدا ہے جو شخص اس خدا کی طرف سچے دل سے رجوع کرتا ہے اور وفاداری اور صدق قدم سے اُس کی طرف آتا ہے اُس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ جیسا کہ خدا بے مثل ہے وہ بھی بے مثل ہو جاتا ہے اور آسمانی برکتوں کے دروازے اُس پر کھولے جاتے ہیں اور جیسا کہ خدا نے آسمان اور زمین میں کئی قسم کی قدرتیں دکھلائی ہیں ایسا ہی اُس کے ہاتھ پر بھی کئی قدرتیں ظاہر ہوتی ہیں اور خوارق ظہور میں آتے ہیں جو دوسرے انسان اُن پر قادر نہیں ہو سکتے اور آسمانی برکتوں کے دروازے اُس پر کھولے جاتے ہیں اور مقابلہ کے وقت کوئی اس پر غالب نہیں آ سکتا۔ کیونکہ خدا اُس کی زبان ہو جاتا ہے جس سے وہ بولتا ہے اور خدا اُس کے ہاتھ ہو جاتا ہے جن سے طرح طرح کے تعفلات زمین پر ظاہر کر سکتا ہے نہیں کہہ سکتے کہ وہ خدا ہے یا خدا کا بیٹا ہے۔ مگر جو شخص خدا ان شریف کا پیرو ہو کر محبت اور صدق کو انتہا تک پہنچا دیتا ہے وہ ظلی طور پر خدا تعالیٰ کی صفات کا مظہر ہو جاتا ہے۔ یہ سب نتیجہ اس زبردست طاقت اور خاصیت کا ہوتا ہے جو خدا کے کلام قرآن شریف میں ہم مشاہدہ کرتے ہیں وہ زبردست طاقت اور خاصیت کسی اور کتاب میں نہیں جو کسی قوم کے نزدیک کتاب الہامی سمجھی جاتی ہے شاید اس کا یہ سبب ہو کہ وہ کتابیں بوجہ دور دراز زمانوں کے محرف و مبذل ہو چکی ہیں یا شاید یہ سبب ہو کہ اگرچہ لفظ اُن کے محرف و مبذل نہیں ہوئے مگر معنی بگاڑ دئے گئے ہیں یا شاید یہ سبب ہو کہ خدا نے اس آخری زمانہ میں تفرقہ دُور کرنے کے لئے اور دنیا کے تمام لوگوں کو صرف ایک کتاب پر جمع کرنے کے لئے اُن تمام پہلی کتابوں کی برکتیں مسلوب کر لی ہیں

\* ابھی مجھے تھوڑی سی غنودگی کے ساتھ یہ الہام ہوا۔ اَنْتَ مَرْيَمُ مَعْنٰی زَلَّ النَّجْمُ النَّاقِبُ یعنی تو مجھ سے بمنزلہ اسی ستارہ کے ہے جو قوت اور روشنی کے ساتھ شیطان پر حملہ کرتا ہے اور یہ ساٹھ پانچ بجے صبح کا وقت ہے روزِ دوشنبہ ۲ دسمبر ۱۹۷۸ء

در نہ اس کا سبب کیا ہے ہر کہ جس طرح قرآن شریف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سعی  
 پیروی سے انسان جماعت اولیاء اللہ میں داخل ہو سکتا ہے۔ اُن کتابوں میں یہ خاصیت  
 پائی نہیں جاتی اور یہی وجہ ہے کہ ان کتابوں کے پیرو ان کمالات سے متکر ہیں جو انسان  
 کو قرب کے مکان میں حاصل ہو سکتے ہیں بلکہ وہ کرامات اور خرق عادات پر منسی ٹھٹھا کرتے  
 ہیں مگر ہم اُن پر کوئی منسی ٹھٹھا نہیں کرتے ہاں اُن کی محرومی کو دیکھ کر رونا فضا درد آتا ہے یہی  
 اس جگہ کچھ گذشتہ قصوں کو بیان نہ کی تا بلکہ میں وہی باتیں کرتا ہوں جن کا مجھے ذاتی علم ہے  
 میں نے قرآن شریف میں ایک زبردست طاقت پائی ہے۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ  
 علیہ وسلم کی پیروی میں ایک عجیب خاصیت دیکھی ہے جو کسی مذہب میں وہ خاصیت  
 اور طاقت نہیں اور وہ یہ کہ سچا پیرو اس کا مقامات ولایت تک پہنچ جاتا ہے خدا  
 اُس کو نہ صرف اپنے قول سے مشرف کرتا ہے بلکہ اپنے فعل سے اُس کو دکھلاتا ہے کہ  
 میں وہی خدا ہوں جس نے زمین و آسمان پیدا کیا تب اس کا ایمان بندگی میں دور دور کے  
 ستاروں سے بھی آگے گذر جاتا ہے۔ چنانچہ میں اس امر میں صاحب مشاہدہ ہوں خدا مجھ  
 سے ہمکلام ہوتا ہے اور ایک لاکھ سے بھی زیادہ میرے ہاتھ پر اُس نے نشان دکھائے  
 ہیں۔ سو اگرچہ میں دُنیا کے تمام نبیوں کا ادب کرتا ہوں اور اُن کی کتابوں کا بھی ادب کرتا ہوں  
 مگر زندہ دین صرف اسلام کو ہی مانتا ہوں کیونکہ اس کے ذریعہ سے میرے پر خدا ظاہر  
 ہوا جس شخص کو میرے اس بیان میں شک ہو اُس کو چاہئے کہ ان باتوں کی تحقیق کے لئے  
 کم سے کم دو ماہ کے لئے میرے پاس آجائے میں اُس کے تمام اخراجات کا جو اس کے  
 لئے کافی ہو سکتے ہیں اس مدت تک متکفل رہوں گا میرے نزدیک مذہب وہی ہے  
 جو زندہ مذہب ہو۔ اور زندہ اور نازہ قدر توں نظارہ سے خدا کو دکھلا دے ورنہ صرف دعوائے  
 صحت مذہب پہنچ اور بلا دلیل ہے۔

# خلاصہ مضمون

جیسا کہ ہم مفصل طور پر اس مضمون میں لکھ چکے ہیں یہ بات یقینی اور قطعی ہے کہ پوری پوری ہدایت اور کامل یقین حاصل کرنے کے لئے الہامی کتاب کی ضرورت ہے کیونکہ جس معرفت تامہ کے ذریعہ سے مرتبہ عالیہ تک اپنی نجات کے لئے ہر ایک انسان کو پہنچنا ضروری ہے وہ معرفت تامہ محض عقل کے ذریعہ سے ہرگز حاصل نہیں ہو سکتی۔ اور ہم اس مضمون میں مفصل بیان کر چکے ہیں کہ نجات محبت تامہ پر موقوف ہے کیونکہ محبت ہی ایک ایسی چیز ہے کہ جو تمام مجازی تعلقات کو کا اعدام کر کے سب کے قائم مقام خدا کو کر دیتی ہے۔ انسان کسی کے لئے اپنی جان نہیں دیتا۔ کسی کے لئے دکھ نہیں اٹھاتا۔ کسی کے لئے تلخ زندگی اختیار نہیں کرتا مگر جس سے محبت ہے اس کے لئے مرنا بھی اپنے لئے ایک زندگی دیکھتا ہے۔ پس جب کہ خدا تعالیٰ سے انسان کا تعلق اس قدر بڑھ جاتا ہے کہ کمال محبت کی وہم سے اُس کی راہ میں موت کو بھی اپنی راحت سمجھتا ہے اور اُس کی طرف دل ایسا کھینچا جاتا ہے کہ ان اغراض سے اُس کو یاد نہیں کرتا کہ وہ بہشت میں اُس کو داخل کرے گا یا دوزخ سے اُس کو تجات دے گا بلکہ ایک نامعلوم کشش اُس کے اندر پیدا ہو جاتی ہے اور وہ خود سمجھ نہیں سکتا کہ وہ کشش کیوں ہے؟ اور کیا چیز ہے؟ اور اس محبت کیلئے محبوب کی معرفت اس قدر ضروری ہے کہ اُس کے لئے محاسن اور وہ خوبیاں جو موجب عشق اور محبت ہوتے ہیں معلوم ہو جائیں جیسا کہ ایک عاشق جو ایک معشوق کی محبت میں گرفتار ہے وہ جوش محبت پیدا ہونے کے لئے صرف اس بات کا محتاج ہے کہ معشوق کی خوبصورتی پر اُس کو اطلاع ہو جائے اور اُس کے دلکش نقش و نگار پر اُس کی نظر پڑ جائے۔

اور اس بات کا محتاج نہیں کہ اُس کو یہ بھی معلوم ہو جائے کہ اُس کے سر میں مغز کس قدر ہے  
 اور اُس کا جگر کس قدر بڑا ہے اور اُس کے تمام بدن میں ہڈیاں کس قدر ہیں اور رگیں کس  
 قدر ان پٹھے کس قدر ہیں۔ بلکہ محبت کی راہ میں ان تشریحات کی ضرورت نہیں۔ ایسا ہی  
 جو لوگ محبت الہی میں مست و مدہوش ہو جاتے ہیں ان کو ان تحقیقاتوں کی ضرورت  
 نہیں ہوتی کہ خدا کیونکر ردعمل کو پیدا کر لیتا ہے اور کس وسیلے سے سمجھا جائے کہ ذرات  
 بینی پر مانو اُس کے پیدا کردہ ہیں۔ کیونکہ محبت کی راہ میں ان تحقیقاتوں کی ضرورت نہیں۔ تم  
 خود سوچ لو کہ تم مثلاً اپنے بچوں اور بیویوں سے محبت رکھتے ہو یہاں تک کہ اگر بچہ یا  
 بیوی ایک خطرناک بیماری میں مبتلا ہو جائے تو تمہارے حواس اڑ جاتے ہیں آنکھوں کے  
 آگے اندھیرا آ جاتا ہے اور اس محبت کی تکمیل کے لئے کبھی تمہیں خیال نہیں آتا کہ اُن کی  
 اندرونی بناوٹ کی تمہیں اطلاع حاصل ہو۔ صرف بچہ یا بیوی ہونے کی وجہ سے جو تمہیں  
 یقین ہے کہ وہ ہمارا بچہ اور یہ ہماری بیوی ہے اس لئے اس قدر اُن کی بیماری سے  
 بے چینی اور بے قراری تم میں پیدا ہو جاتی ہے اسی طرح خدا تعالیٰ کی راہ میں اور اُس کے  
 عشق اور محبت کے لئے اس کے بے انتہا اندرونی اسرار کا معلوم کرنا ضروری نہیں  
 اور نہ انسان کی طاقت ہے کہ معلوم کرے جیسا کہ اُس نے خود قرآن شریف میں فرمایا  
 لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ عَلِيمٌ عَلِيمٌ اُس کی حقیقت تک پہنچ  
 نہیں سکتیں اور وہ تمام عقلمن پر محیط ہے۔ پس خدا تعالیٰ کی معرفت کے بارے میں صرف  
 یہ معلوم کرنا کافی ہے کہ وہ موجود ہے اور قدرت اور رحم اور علم اور حکمت وغیرہ تمام  
 صفات اس میں پائے جاتے ہیں جو کمال ربوبیت اور جبرائے ضروری میں اور نیز یہ  
 کہ وہ ہمارا خالق ہے یا یہ کہ اُس کا ہم پر یہ فضل و احسان ہے۔ کیونکہ محبت پیدا ہونے  
 کے لئے اس قدر معرفت کا پیدا ہونا ضروری ہے اگر کسی کا باپ یا ماں ہو اور وہ کسی  
 جگہ رات کے وقت اپنے باپ یا ماں کو شناخت نہ کرے تو وہ اُس کی وہ عزت نہیں

کرے گا جو کرنی چاہئے پس محبت اور ادب پیدا ہونے کے لئے معرفت ضروری ہے مگر اُسی قدر جس کو محبت چاہتی ہے جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں معرفت محبت پر مقدم ہے اور محبت معرفت سے ہی پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ کی محبت سے پہلے اس کی معرفت ضروری ہے مگر اُسی قدر معرفت جو محبت کے لئے ضروری ہے لیکن اُس معرفت کو اس جگہ کچھ تعلق نہیں جو ایک ڈاکٹر پیٹ چیر کر یا سر پھوڑ کر حاصل کرتا ہے بلکہ معرفت اس قدر معرفت چاہئے جو بیٹے کے لئے اپنے باپ کی شناخت کے لئے ضروری ہے اگر قرآن شریف کو ادا ل سے آخر تک پڑھو تو تمہیں معلوم ہو گا کہ وہ اسی معرفت کو سکھاتا ہے جس سے محبت پیدا ہوا اور عشق الہی دل میں جوش مارے۔ تم سمجھ سکتے ہو کہ ایک شخص کو کسی پر عاشق بنانے کے لئے صرف اس قدر ضروری ہے کہ یہ بیان کیا جائے کہ وہ حُسن میں یکتا ہے۔ وہ خوبصورتی میں بے نظیر ہے اُس کی صورت میں ملاحظت ہے اُسکی آنکھیں دلوں کو اپنی طرف کھینچتی ہیں اُس کے لب شیریں ہیں اور اُس کی آواز دلکش ہے اور چہرہ اُس کا چاند کی طرح چمکتا ہے اور وہ اپنے حُسن اور خوبی اور ملاحظت میں بے نظیر اور وعدہ لاشریک ہے یہ تو ضروری نہ ہو گا کہ آپ اُس کی اندرونی بناوٹ اور معدہ اور تکی اور پھیپھڑے اور گردوں وغیرہ کا کچھ ذکر کریں کہ یہ امور حُسن سے بے تعلق ہیں۔ اسی طرح خدا تعالیٰ نے جو کچھ اپنی خوبیوں کا قسراں شریف میں ذکر کیا ہے وہ تمام حُسن اور محبوبانہ اخلاق کے بیان میں ہے اور اُس کے پڑھنے سے مرتب معلوم ہوتا ہے کہ وہ پڑھنے والے کو خدا کا عاشق بنانا چاہتا ہے۔ چنانچہ اُس نے ہزار عاشق بنائے اور میں بھی اُن میں سے ایک ناچیز بندہ ہوں۔ کون ہے جو خدا کے اندرونی حالات کی تشریح کرے خدا کے رگ پٹھے پہچانے والا کو نسا ڈاکٹر ہے اور جب کہ انسانی بناوٹ کی اب تک تشریح ختم نہیں ہوئی اور ایسی خوردبین اب تک میسر نہیں آئی کہ وہ کیڑے دکھائی دے جائیں جو انسان کو ایک دم میں ہلاک کر دیتے ہیں تو پھر خدا کے صفات کی تشریح کیونکر ہو سکتی

ہے؟ پس یہ جرأت اور بے باکی ہے کہ یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ روح اور ذرات خدا کی مخلوق نہیں کیونکہ وہ نیستی سے ہست نہیں کر سکتا اسی وجہ سے وہ دائمی نجات بھی نہیں دے سکتا۔ گویا خدا کی تمام حدبست کر لی گئی ہے اور تمام طاقتیں اُس کی انسان نے جانچ لی ہیں اور وہ محدود ہو گیا ہے۔ اسے ہم دطن پیار و ایہ باتیں صحیح نہیں ہیں اور میں کبھی تسلیم نہیں کروں گا کہ اگر ایسی عبارت کوئی وید میں ہے تو وید کا یہی مشاہد ہے جو آپ نے سمجھ لیا ہے۔ ہم خدا کی عمیق در عمیق قدرتوں تک کمان پہنچ سکتے ہیں ہر ایک امر اُس کا ہمارے علم سے بلند تر ہے۔ کیا جس نے سورج اور چاند اور ستارے بنائے اور زمین کو بھلے رہنے کے لئے بچھایا ہم کوئی اندازہ کر سکتے ہیں کہ ان چیزوں کے بنانے کے لئے وہ مدت اُس کو درکار تھی جو انسان کو کسی چیز کے بنانے میں درکار ہوتی ہے؟ کیا کوئی بے لیاں کر سکتا ہے کہ ان چیزوں کے لئے کن کن چمکروں پر مصالح آیا تھا یعنی اینٹیں وغیرہ۔ اور کن معماروں نے بنایا تھا؟ بلکہ اُس کے حکم سے سب چیزیں بن گئیں۔ تو کیا ہم انسان کے کاموں پر اُس کے کاموں کا قیاس کر سکتے ہیں؟ جو شخص اس کی قدرتوں پر غلط ہونا چاہتا ہے وہ دراصل اُس کا منکر ہے خدا نے ہمیں صرف اتنا علم دیا ہے کہ یہ تمام رُوحیں اور سب چیزیں خدا کے کلمے ہیں یعنی کلمہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ یہ ایک ربوبیت کا بھید ہے اور اُس کے کارخانہ قدرت میں ہزاروں اسرار ہیں کون اُن کو حل کر سکتا ہے مجھے یاد آیا کہ ایک دفعہ میں نے عالم کشف میں اپنے خدا سے ذوالجلال کو متشلی طور پر دیکھا اور میں نے کئی پیش گوئیاں لکھ کر چاہا کہ اس پر دستخط کروں اور عالم مثالی میں خدا تعلقے کی متشلی صورت مجھے نظر آئی اور جب میں نے وہ کاغذ پیش کیا تو خدا نے عز و جل نے سُرخ کی سیاہی سے اُس پر دستخط کر دئے اور دستخط کرنے سے پہلے قلم کو چھڑکا تو وہ سُرخ رنگ کا پانی میرے کپڑوں پر پڑا۔ اور ایک مخلص عبد اللہ نام سنور کا کہنے والا جو ریاست پٹیلہ میں ملازم ہے وہ میرے پاس بیٹھا تھا اس پر بھی وہ پانی سُرخ رنگ کا



پڑا اور میرا کرتہ اس پانی سے تر ہو گیا۔ حالانکہ ہم پھت کے نیچے بیٹھے تھے اور محال تھا کہ وہ پانی کسی جگہ سے گرتا۔ اور وہ کرتہ میاں عبداللہ سنوری نے تبرک کے طور پر مجھ سے لے لیا اور اب تک موجود ہے۔ اس کو کوئی اس قصہ کو باور کرے یا نہ کرے۔ مگر اس پر ہم ایمان لاتے ہیں کہ وہ بھی خدا نے ایک مادہ نیست سے ہست کیا تھا۔ یہ اعتقاد کہ نیست سے خدا ہست نہیں کر سکتا محض اس شخص کے لئے زیبا ہے کہ جس نے خدا کے تمام اسرار پر اطلاع پائی ہے ورنہ محض دخل بے جا ہے۔ جو کچھ خدا سے پیدا ہوتا ہے اگرچہ نیست سے ہست ہوتا ہے مگر وہ اس قسم کا نیست نہیں ہوتا جو انسان سمجھ سکتا ہے بلکہ یہ بھی خدا کو معلوم ہے۔ اگر یہ عقیدہ پھوڑ دیا جائے کہ سب چیزیں خدا تعالیٰ سے نکلی ہیں اور اُس کی مخلوق ہیں تو پھر خدا اور چیزوں کے برابر ہو جاتا ہے اور تمام چیزوں سے خدا کا تصرف اٹھ جاتا ہے اور یہ ماننا پڑتا ہے کہ ان خود بخود چیزوں کو خدا کے سہارے کی کچھ بھی ضرورت نہیں اور اگر اس کا وجود نہ ہو تب بھی اُن کا کچھ حرج نہیں اور اس ضرورت میں رُوح کے ترکیب کے متعلق دُعا بھی محض بیکار اور عبث ہو جاتی ہے کیونکہ جن چیزوں کو اُس نے پیدا ہی نہیں کیا ان کی کمی بیشی اُس کے اختیار میں کیونکر ہو سکتی ہے۔ اور نیز اس ضرورت میں اُس کے وجود پر کوئی دلیل باقی نہیں رہتی۔ کیونکہ جب کہ تمام رُوح خود بخود ہیں اور اُن کی تمام طاقتیں بھی خود بخود۔ اور ذرات یعنی پرمانہ بھی خود بخود ہیں اور اُن کی طاقتیں بھی خود بخود۔ تو پھر پر میٹر کے وجود پر قطعی طور پر کوئی دلیل باقی رہی۔ کوئی ہمیں سمجھا دے کیونکہ صرف جوڑنا اور جدا کرنا اُن رُوحوں اور ذرات کا جو خود بخود ہیں پر میٹر کی ہستی پر کوئی دلیل نہیں ہو سکتی۔ کیا جائز اور ممکن نہیں کہ وہ رُوحیں اور وہ ذرات جو خود بخود ہیں اُن کا اتصال اور انفصال بھی خود بخود ہو اور خود بخود دل جائیں اور خود بخود علیحدہ ہو جائیں۔

یاد رہے کہ اگر انسان اپنے جھوٹے فلسفہ اور منطق کا شیفتہ ہو کر خدا تعالیٰ کی  
ہستی اور صفات کی نسبت اس طرز سے تحقیقات کرنا چاہے جس طرز سے مخلوقات  
کے وجود کی تحقیقات کی جاتی ہے تو پھر وہ اس گوداب سے ہرگز سلامت نہیں نکلے  
گا بلکہ کسی مرحلہ پر جا کر ضرور ہلاک ہوگا۔ مثلاً وہ سوچے گا کہ خدا نے یہ بنایا اور یہ بنایا تو  
اُس کے دل میں سوال پیدا ہوگا کہ خدا کو کس نے بنایا اور ایسا ہی اُس کے دل میں گمراہ  
کرنے والے بہت سے سوال پیدا ہوں گے مثلاً یہ کہ وہ کہاں ہے اور کیوں دکھائی  
نہیں دیتا۔ اور ان سوالوں کے بیچ میں اگر اس کا ایمان ایسا پسیا جائے گا جیسا کہ چکی  
میں پڑ کر دانہ پسیا جاتا ہے۔ بلکہ جاننا چاہئے کہ خدا تعالیٰ کی معرفت اور شناخت کی  
یہ طرز نہیں ہے جس طرز کو دوسری قوموں نے اختیار کیا ہے اور اس بے جا دخل  
کا ہمیشہ نتیجہ یہ ہوا ہے کہ یا تو ایسے لوگ آخر کار دہریہ بن گئے ہیں کیونکہ خدا کے وجود اور  
اُس کی صفات کی عقلی طور پر تشریح معلوم کرنے کے لئے جن باتوں پر انہوں نے بھروسہ  
کیا تھا وہ باتیں اُن کے دلوں کو کمال تسلی نہ دے سکیں آخر اپنے دلائل کو ناکافی سمجھ کر خدا  
کے وجود سے ہی منکر ہو گئے اسی وجہ سے یہ فرقہ ناستک مت کا آریہ دلت میں  
سب ملکوں سے زیادہ اور بکثرت پایا جاتا ہے اور بعض ایسے فرقے اسی وجہ سے پیدا  
ہو گئے کہ انہوں نے اپنے دلوں کو تسلی دینے کے لئے اور چیزوں کو بمنزلہ خدا کے  
بنالیا۔ پس آریہ دلت میں جس قدر ایسی قومیں پیدا ہو گئیں کہ وہ سورج اور چاند اور آگ  
اور پانی اور پتھروں وغیرہ کی پرستش کرتے ہیں وہ پرستش دراصل اسی گھبراہٹ کا ایک  
نتیجہ ہے۔ اگر یہ بے جا دخل خدا کی ذات اور صفات میں نہ دیا جاتا تو یہ فرقے بہت  
کم پیدا ہوتے۔ اسی وجہ سے خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں خدا کے وجود کی ایک  
واکثر یا جماع کی طرح تشریح کرنا ناجائز قرار دیا ہے اور فرمایا کہ لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ  
وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ یعنی جس طرح خدا کی ذات انسان کے علم اور فہم سے بوتر

ہے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ کے افعال بھی انسان کے علم اور فہم سے برتر ہیں اور خدا نے قرآن شریف میں زبردست نشاںوں کے ساتھ اپنی ذات اور صفات کو ثابت کیا ہے اور انسانی عقل کو وہ تکلیف نہیں دی جس کے وہ لائق نہیں۔ ہاں اپنی بعض ایسی مخلوقات کا بھی ذکر کیا ہے کہ یہ معمولی عقل اُن کے وجود کو سمجھ نہیں سکتی جیسے فرشتے جو پرشیدہ طور پر خدا نے بعض بعض خدمات کے لئے مقرر کئے ہیں۔ مثلاً میساکہ وحی اور الہام کے پہنچانے کے لئے۔ ایک نادان کہے گا کہ جب کہ خدا قادر مطلق ہے تو پھر فرشتوں کے بنانے کے لئے کیا ضرورت پیش آئی؟ اس کا اسی قدر جواب کافی ہے کہ اُنسی طرح ضرورت پیش آئی جیسا کہ باوجود خدا کے قادر ہونے کے کافروں تک اولاد پہنچانے کے لئے ہوا کی ضرورت پیش آئی اور آنکھوں کو راہ دکھانے کے لئے سورج کی ضرورت پیش آئی۔ اصل بات یہ ہے کہ جیسا کہ نظام جسمانی میں خدا نے بعض چیزوں کی تکمیل کے لئے بعض اسباب رکھے ہیں اسی طرح نظام روحانی میں بھی وہ اسباب ہیں تا دونوں نظام باہم مطابق ہو کر ایک خدا پر دلالت کریں۔

اسی طرح شیطان کے وجود پر بھی بعض نابھہ اعتراض کرتے ہیں کہ گویا خدا نے خود لوگوں کو گمراہ کرنا چاہا۔ مگر یہ بات نہیں ہے بلکہ ہر ایک دانا اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ ہر ایک انسان میں دو قوتیں ضرور پائی جاتی ہیں جن میں سے ایک قوت کو عربی میں شر شیطان کہتے ہیں اور دوسری کو لڑ ملک یعنی انسانی فطرت میں یہ بات مشہور ہے کہ کبھی نامعلوم اسباب سے نیک خیال اس میں پیدا ہوتا ہے اور نیک کاموں کی طرف دل رغبت کرتا ہے اور پھر کبھی بد خیال اُس کے دل میں اٹھتا ہے اور بدی اور بدکاری اور ظلم اور شر کی طرف اُس کی طبیعت مائل ہو جاتی ہے۔ پس وہ قوت جو بد خیال کا منبع ہے قرآنی تعلیم کی رُو سے وہ شیطان ہے اور وہ قوت جو نیک خیال کا منبع ہے وہ فرشتہ ہے پس ان دونوں قوتوں کو جو مشہور محسوس ہیں ہر حال ماننا ہی پڑتا ہے خواہ تم کسی رنگ میں مان لو۔ اسی طرح

بہت سے اعتراضات محض نادانی اور ناہنجی سے قرآن شریف پر کئے گئے ہیں حالانکہ وہ تمام باتیں حق اور حکمت کا سرچشمہ ہیں۔ مگر تعصب ایک ایسی بلا ہے جو غور کرنے نہیں دیتا۔ اس مضمون کے لکھنے کے وقت مندرجہ ذیل مجھے الہام ہوئے۔ اور میں نے بہتر سمجھا کہ ان کو لکھ دوں۔ اور وہ یہ ہیں :-

إِنَّهُمْ مَا صَنَعُوا هُوَ كَيْدُ سَاحِرٍ وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ أَتَى - اَنْتَ حَقٌّ  
مِنْزِلَةٌ رُوحِي - اَنْتَ مَبْنِيٌّ بِمَنْزِلَةِ الْجَنَّةِ النَّاقِبِ سَجَاءُ الْحَقِّ وَرَهَقُ الْبَاطِلِ -  
اب ہم اس مضمون کو ختم کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ خدایا تمام حاضرین کو بلکہ تمام  
دنیا کو راہ راست پر لا دے۔ آمین۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتَّبَعَ الْهُدٰی۔

الرافت

خاکسار میرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود

۴ دسمبر ۱۹۰۶ء روز دوشنبہ ۲۵۔ شوال ۱۳۲۵ھ ۱۷۔ گھرمہ ۱۹۰۶ء۔